بقیہ ابواب صفۃ الصلاۃ، ابواب الاستسقاء، ابواب الجمعہ، ابواب الخوف، ابواب العیدین
ابواب الوتر، ابواب الکسوف، ابواب سجود القرآن، ابواب تقصیر الصلاۃ، کتاب التہجد
ابواب العمل فی الصلاۃ، کتاب السہو، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکہ والمدینہ



الفیض الجاری
فی
دروسِ البخاری



افادات درسِ صحیح بخاری

محدّث عصر حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ضبط و ترتیب

مولانا محمد ایوب سورتی
خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات



الفیض الجاری فی دروس البخاری

جلد پنجم

بقیہ ابواب صفۃ الصلاۃ، ابواب الاستسقاء، ابواب الجمعہ، ابواب الخوف، ابواب العیدین
ابواب الوتر، ابواب الکسوف، ابواب سجود القرآن، ابواب تقصیر الصلاۃ، کتاب التہجد
ابواب الفصل فی الصلاۃ، کتاب السہو، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکہ والمدینہ

افادات درسِ صحیح بخاری

محدثِ عصر حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ضبط و ترتیب

مولانا محمد ایوب سورتی
خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات



مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

الفیض الجاری فی دروس البخاری

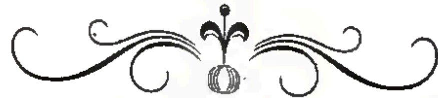
جلد پنجم

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور



اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔



فهرس الموضوعات

صفحہ بخاری	فہرست ابواب	صفحہ کتاب
	عرض مرتب (محمد ایوب سورتی)	۱۶
۱۰۸	بَاب إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ	۱۹
۱۰۸	بَاب إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ	۲۲
۱۰۸	بَاب إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ	۲۴
۱۰۸	بَاب التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ	۲۵
۱۰۹	بَاب وَضْعِ الْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوعِ	۲۶
۱۰۹	بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ	۲۷
۱۰۹	بَاب اسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوعِ	۳۰
۱۰۹	بَاب حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالِاعْتِدَالِ فِيهِ وَالطَّمَأْنِينَةِ	۳۰
۱۰۹	بَاب أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالْإِعَادَةِ	۳۲
۱۰۹	بَاب الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوعِ	۳۵
۱۰۹	بَاب مَا يَقُولُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ	۳۶
۱۰۹	بَاب	۳۹
۱۱۰	بَاب الطَّمَأْنِينَةِ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ	۴۲
۱۱۰	بَاب يَهْوِي بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَسْجُدُ	۴۳
۱۱۱	بَاب فَضْلِ السُّجُودِ	۴۹
۱۱۲	بَاب يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ	۵۹
۱۱۲	بَاب يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ	۶۰
۱۱۲	بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُودَهُ	۶۱

۱۱۲	بَاب السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ	۶۱
۱۱۲	بَاب السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ	۶۳
۱۱۲	بَاب السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ فِي الطِّينِ	۶۵
۱۱۳	بَاب عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا	۶۷
۱۱۳	بَاب لَا يَكُفُّ شَعَرًا	۶۸
۱۱۳	بَاب لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ	۶۹
۱۱۳	بَاب التَّسْبِيحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُودِ	۶۹
۱۱۳	بَاب الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ	۷۱
۱۱۳	بَاب لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُودِ	۷۳
۱۱۳	بَاب مَنْ اسْتَوَى قَاعِدًا فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ نَهَضَ	۷۴
۱۱۴	بَاب كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنْ الرَّكْعَةِ	۷۵
۱۱۴	بَاب يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنْ السَّجْدَتَيْنِ	۷۷
۱۱۴	بَاب سُنَّةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ	۷۹
۱۱۴	بَاب مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الْأَوَّلَ وَاجِبًا	۸۳
۱۱۵	بَاب التَّشَهُّدِ فِي الْأُولَى	۸۴
۱۱۵	بَاب التَّشَهُّدِ فِي الْآخِرَةِ	۸۵
۱۱۵	بَاب الدُّعَاءِ قَبْلَ السَّلَامِ	۹۰
۱۱۵	بَاب مَا يُتَخَيَّرُ مِنْ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ	۹۵
۱۱۵	بَاب مَنْ لَمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَهُ وَأَنْفَهُ حَتَّى صَلَّى	۹۷
۱۱۶	بَاب التَّسْلِيمِ	۹۸
۱۱۶	بَاب يُسَلِّمُ حِينَ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ	۱۰۰
۱۱۶	بَاب مَنْ لَمْ يَرَ رَدَّ السَّلَامِ عَلَى الْإِمَامِ وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلَاةِ	۱۰۱

١١٦	بَاب الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ	۱۰۲
١١٧	بَاب يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ	۱۰۸
١١٧	بَاب مُكْثِ الْإِمَامِ فِي مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ	۱۱۰
١١٧	بَاب مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ فَتَخَطَّاهُمْ	۱۱۴
١١٨	بَاب الِانْفِتَالِ وَالِانْصِرَافِ عَنْ الْيَمِينِ وَالشِّمَالِ	۱۱۵
١١٨	بَاب مَا جَاءَ فِي الثُّومِ النِّيِّ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ	۱۱۸
١١٨	بَاب وُضُوءِ الصِّبْيَانِ وَمَتَى يَجِبُ عَلَيْهِمْ الْغُسْلُ وَالطُّهُورُ وَحُضُورِهِمْ إلخ	۱۲۳
١١٩	بَاب خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ	۱۳۰
١٢٠	بَاب صَلَاةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ	۱۳۴
١٢٠	بَاب سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَاءِ مِنْ الصُّبْحِ وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ	۱۳۵
١٢٠	بَاب اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمَسْجِدِ	۱۳۵
١٢٠	كِتَاب الْجُمُعَةِ	۱۳۷
١٢٠	بَاب فَرْضِ الْجُمُعَةِ	۱۳۸
١٢٠	بَاب فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُودُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَوْ عَلَى النِّسَاءِ	۱۴۳
١٢١	بَاب الطِّيبِ لِلْجُمُعَةِ	۱۴۷
١٢١	بَاب فَضْلِ الْجُمُعَةِ	۱۴۹
١٢١	بَاب	۱۵۲
١٢١	بَاب الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ	۱۵۳
١٢١	بَاب يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ	۱۵۵
١٢٢	بَاب السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۱۵۷
١٢٢	بَاب مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ	۱۶۰
١٢٢	بَاب مَا يُقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۱۶۱

۱۲۲	بَاب الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ	۱۶۲
۱۲۲	بَاب هَلْ عَلَى مَنْ لَمْ يَشْهَدْ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ	۱۶۷
۱۲۳	بَاب الرُّخْصَةِ إِنْ لَمْ يَحْضُرْ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ	۱۷۲
۱۲۳	بَاب مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ وَعَلَى مَنْ تَجِب	۱۷۳
۱۲۳	بَاب وَقْتُ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ	۱۷۷
۱۲۴	بَاب إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۱۸۰
۱۲۴	بَاب الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ	۱۸۱
۱۲۴	بَاب لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۱۸۴
۱۲۴	بَاب لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقْعُدُ فِي مَكَانِهِ	۱۸۵
۱۲۴	بَاب الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۱۸۶
۱۲۴	بَاب الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۱۸۷
۱۲۴	بَاب يُجِيبُ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ	۱۸۸
۱۲۵	بَاب الْجُلُوسِ عَلَى الْمِنْبَرِ عِنْدَ التَّأْذِينِ	۱۹۰
۱۲۵	بَاب التَّأْذِينِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ	۱۹۱
۱۲۵	بَاب الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ	۱۹۳
۱۲۵	بَاب الْخُطْبَةِ قَائِمًا	۱۹۷
۱۲۵	بَاب اسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ إِذَا خَطَبَ	۱۹۸
۱۲۶	بَاب مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ أَمَّا بَعْدُ	۱۹۹
۱۲۷	بَاب الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۲۱۱
۱۲۷	بَاب الِاسْتِمَاعِ إِلَى الْخُطْبَةِ	۲۱۲
۱۲۷	بَاب إِذَا رَأَى الْإِمَامُ رَجُلًا جَاءَ وَهُوَ يَخْطُبُ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ	۲۱۳
۱۲۷	بَاب مَنْ جَاءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ	۲۱۷

۱۲۷	بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ	۲۱۸
۱۲۷	بَاب الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۲۱۹
۱۲۷	بَاب الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ	۲۲۰
۱۲۸	بَاب السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ	۲۲۲
۱۲۸	بَاب إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنْ الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَصَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ	۲۲۴
۱۲۸	بَاب الصَّلَاةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَقَبْلَهَا	۲۲۷
۱۲۸	بَاب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾	۲۲۹
۱۲۸	بَاب الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ	۲۳۱
۱۲۸	أَبْوَاب صَلَاةِ الْخَوْفِ	۲۳۲
۱۲۹	بَاب صَلَاةِ الْخَوْفِ رِجَالًا وَرُكْبَانًا، رَاجِلٌ قَائِمٌ	۲۳۸
۱۲۹	بَاب يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ	۲۴۰
۱۲۹	بَاب الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُونِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ	۲۴۱
۱۲۹	بَاب صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ رَاكِبًا وَإِيمَاءً	۲۴۵
۱۲۹	بَاب التَّكْبِيرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الْإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ	۲۵۰
۱۳۰	كِتَاب الْعِيدَيْنِ	۲۵۲
۱۳۰	بَاب مَا جَاءَ فِي الْعِيدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيهِمَا	۲۵۳
۱۳۰	بَاب الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيدِ	۲۵۵
۱۳۰	بَاب سُنَّةِ الْعِيدَيْنِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ	۲۵۸
۱۳۰	بَاب الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ	۲۶۰
۱۳۰	بَاب الْأَكْلِ يَوْمَ النَّحْرِ	۲۶۱
۱۳۱	بَاب الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ	۲۶۴
۱۳۱	بَاب الْمَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدِ (وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ	۲۶۷
۱۳۱	بَاب الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيدِ	۲۷۰
۱۳۲	بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ	۲۷۳
۱۳۲	بَاب التَّبْكِيرِ لِلْعِيدِ	۲۷۵
۱۳۲	بَاب فَضْلِ الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ	۲۷۶

۱۳۲	بَاب التَّكْبِيرِ أَيَّامَ مِنًى وَإِذَا غَدَا إِلَى عَرَفَةَ	۲۷۸
۱۳۲	بَاب الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ	۲۸۱
۱۳۳	بَاب حَمْلِ الْعَنَزَةِ أَوْ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيْ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ	۲۸۱
۱۳۳	بَاب خُرُوجِ النِّسَاءِ وَالْحُيَّضِ إِلَى الْمُصَلَّى	۲۸۲
۱۳۳	بَاب خُرُوجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلَّى	۲۸۳
۱۳۳	بَاب اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ	۲۸۴
۱۳۳	بَاب الْعَلَمِ الَّذِي بِالْمُصَلَّى	۲۸۵
۱۳۳	بَاب مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ	۲۸۷
۱۳۳	بَاب إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيدِ	۲۸۹
۱۳۴	بَاب اعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلَّى	۲۹۱
۱۳۴	بَاب النَّحْرِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُصَلَّى	۲۹۲
۱۳۴	بَاب كَلَامِ الْإِمَامِ وَالنَّاسِ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ وَإِذَا سُئِلَ الْإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ	۲۹۳
۱۳۴	بَاب مَنْ خَالَفَ الطَّرِيقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيدِ	۲۹۵
۱۳۴	بَاب إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ	۲۹۷
۱۳۵	بَاب الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدِ وَبَعْدَهَا	۳۰۱
	أَبْوَابُ الْوِتْرِ	۳۰۳
۱۳۵	بَاب مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ	۳۰۳
۱۳۵	بَاب سَاعَاتِ الْوِتْرِ	۳۱۳
۱۳۶	بَاب إِيقَاظِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم أَهْلَهُ بِالْوِتْرِ	۳۱۶
۱۳۶	بَاب لِيَجْعَلْ آخِرَ صَلَاتِهِ وِتْرًا	۳۱۶
۱۳۶	بَاب الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ	۳۱۷
۱۳۶	بَاب الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ	۳۱۹
۱۳۶	بَاب الْقُنُوتِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ	۳۱۹
	[أَبْوَابُ الِاسْتِسْقَاءِ]	۳۲۴
۱۳۶	بَاب الِاسْتِسْقَاءِ وَخُرُوجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الِاسْتِسْقَاءِ	۳۲۵
۱۳۶	بَاب دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم: اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ	۳۲۶
۱۳۷	بَاب سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الِاسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحَطُوا	۳۳۱

۱۳۷	بَاب تَحْوِيلِ الرِّدَاءِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ	۳۳۶
۱۳۷	باب انتقام الرب عز وجل من خلقه بالقحط إذا انتهک محارمه	۳۳۹
۱۳۷	بَاب الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ	۳۳۹
۱۳۸	بَاب الِاسْتِسْقَاءِ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ	۳۴۴
۱۳۸	بَاب الِاسْتِسْقَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ	۳۴۵
۱۳۸	بَاب مَنْ اكْتَفَى بِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ	۳۴۷
۱۳۸	بَاب الدُّعَاءِ إِذَا تَقَطَّعَتْ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ	۳۴۷
۱۳۸	بَاب مَا قِيلَ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمْ يُحَوِّلْ رِدَاءَهُ فِي الِاسْتِسْقَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	۳۴۸
۱۳۹	بَاب إِذَا اسْتَشْفَعُوا إِلَى الْإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ	۳۴۹
۱۳۹	بَاب الدُّعَاءِ إِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا	۳۵۳
۱۳۹	بَاب الدُّعَاءِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ قَائِمًا	۳۵۴
۱۳۹	بَاب الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ	۳۵۶
۱۳۹	بَاب كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ	۳۵۶
۱۳۹	بَاب صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ رَكْعَتَيْنِ	۳۵۷
۱۴۰	بَاب الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْمُصَلَّى	۳۵۷
۱۴۰	بَاب اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ	۳۵۸
۱۴۰	بَاب رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ	۳۵۹
۱۴۰	بَاب رَفْعِ الْإِمَامِ يَدَهُ فِي الِاسْتِسْقَاءِ	۳۶۰
۱۴۰	بَاب مَا يُقَالُ إِذَا مَطَرَتْ	۳۶۱
۱۴۰	بَاب مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتَّى يَتَحَادَرَ عَلَى لِحْيَتِهِ	۳۶۳
۱۴۱	بَاب إِذَا هَبَّتْ الرِّيحُ	۳۶۵
۱۴۱	بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نُصِرْتُ بِالصَّبَا	۳۶۵

۱۴۱	بَاب مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ	۳۶۶
۱۴۱	بَاب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ	۳۷۰
۱۴۱	بَاب لَا يَدْرِي مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ إِلَّا اللهُ	۳۷۲
۱۴۱	أَبْوَابُ الْكُسُوف	۳۷۵
۱۴۱	بَاب الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ	۳۷۵
۱۴۲	بَاب الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوفِ	۳۸۲
۱۴۲	بَاب النِّدَاءِ بِ"الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ" فِي الْكُسُوفِ	۳۸۳
۱۴۲	بَاب خُطْبَةِ الْإِمَامِ فِي الْكُسُوفِ	۳۸۴
۱۴۲	بَاب هَلْ يَقُولُ كَسَفَتْ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ	۳۸۷
۱۴۳	بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَوِّفُ اللهُ عِبَادَهُ بِالْكُسُوفِ	۳۸۹
۱۴۳	بَاب التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوفِ	۳۹۱
۱۴۳	بَاب طُولِ السُّجُودِ فِي الْكُسُوفِ	۳۹۳
۱۴۳	بَاب صَلَاةِ الْكُسُوفِ جَمَاعَةً	۳۹۳
۱۴۴	بَاب صَلَاةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوفِ	۳۹۶
۱۴۴	بَاب مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ	۳۹۷
۱۴۴	بَاب صَلَاةِ الْكُسُوفِ فِي الْمَسْجِدِ	۳۹۸
۱۴۴	بَاب لَا تَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ	۳۹۹
۱۴۵	بَاب الذِّكْرِ فِي الْكُسُوفِ	۴۰۱
۱۴۵	بَاب الدُّعَاءِ فِي الْخُسُوفِ	۴۰۳
۱۴۵	بَاب قَوْلِ الْإِمَامِ فِي خُطْبَةِ الْكُسُوفِ أَمَّا بَعْدُ	۴۰۳
۱۴۵	بَاب الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الْقَمَرِ	۴۰۴
۱۴۵	باب صب المرأة علی رأسها الماء إذا أطال الإمام القیام فی الرکعة الأولی	۴۰۷

۱۴۵	بَاب الرَّكْعَةُ الْأُولَى فِي الْكُسُوفِ أَطْوَلُ	۴۰۸
۱۴۵	بَاب الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوفِ	۴۰۸
	أَبْوَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ	۴۱۰
۱۴۶	بَاب مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِهَا	۴۱۰
۱۴۶	بَاب سَجْدَةِ تَنْزِيلِ السَّجْدَةِ	۴۱۳
۱۴۶	بَاب سَجْدَةِ ص	۴۱۴
۱۴۶	بَاب سَجْدَةِ النَّجْمِ	۴۱۵
۱۴۶	بَاب سُجُودِ الْمُسْلِمِينَ مَعَ الْمُشْرِكِينَ	۴۱۶
۱۴۶	بَاب مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ	۴۲۳
۱۴۶	بَاب سَجْدَةِ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ	۴۲۴
۱۴۶	بَاب مَنْ سَجَدَ لِسُجُودِ الْقَارِئِ	۴۲۵
۱۴۶	بَاب ازْدِحَامِ النَّاسِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ السَّجْدَةَ	۴۲۶
۱۴۶	بَاب مَنْ رَأَى أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُوجِبْ السُّجُودَ	۴۲۷
۱۴۷	بَاب مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلَاةِ فَسَجَدَ بِهَا	۴۳۰
۱۴۷	بَاب مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُودِ مَعَ الْإِمَامِ مِنْ الزِّحَامِ	۴۳۱
۱۴۷	أَبْوَابُ تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ	۴۳۳
۱۴۷	بَاب مَا جَاءَ فِي التَّقْصِيرِ وَكَمْ يُقِيمُ حَتَّى يَقْصُرَ	۴۳۷
۱۴۷	بَاب الصَّلَاةِ بِمِنًى	۴۴۲
۱۴۷	بَاب كَمْ أَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّتِهِ	۴۴۴
۱۴۷	بَاب فِي كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ	۴۴۵
۱۴۸	بَاب يَقْصُرُ إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهِ	۴۵۱
۱۴۸	بَاب يُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا فِي السَّفَرِ	۴۵۶
۱۴۸	بَاب صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّابَّةِ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ	۴۵۷
۱۴۸	بَاب الْإِيمَاءِ عَلَى الدَّابَّةِ	۴۵۹
۱۴۸	بَاب يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوبَةِ	۴۶۰
۱۴۹	بَاب صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الْحِمَارِ	۴۶۱
۱۴۹	بَاب مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ دُبُرَ الصَّلَاةِ وَقَبْلَهَا	۴۶۴

۱۴۹	بَاب مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِي غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا	۴۶۶
۱۴۹	بَاب الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ	۴۶۸
۱۴۹	بَاب هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ	۴۷۰
۱۴۹	بَاب يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى الْعَصْرِ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ	۴۷۲
۱۵۰	بَاب إِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتْ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ	۴۷۲
۱۵۰	بَاب صَلَاةِ الْقَاعِدِ	۴۷۳
۱۵۰	بَاب صَلَاةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيمَاءِ	۴۷۷
۱۵۰	بَاب إِذَا لَمْ يُطِقْ قَاعِدًا صَلَّى عَلَى جَنْبٍ	۴۷۹
۱۵۰	بَاب إِذَا صَلَّى قَاعِدًا ثُمَّ صَحَّ أَوْ وَجَدَ خِفَّةً تَمَّمَ مَا بَقِيَ	۴۸۰
۱۵۱	کتاب التهجد	۴۸۲
۱۵۱	بَاب التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ	۴۸۳
۱۵۱	بَاب فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ	۴۸۶
۱۵۱	بَاب طُولِ السُّجُودِ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ	۴۸۸
۱۵۱	بَاب تَرْكِ الْقِيَامِ لِلْمَرِيضِ	۴۸۹
۱۵۱	بَاب تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ	۴۹۱
۱۵۲	بَاب قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللَّيْلَ حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ	۴۹۷
۱۵۲	بَاب مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ	۴۹۸
۱۵۲	بَاب مَنْ تَسَحَّرَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمْ يَنَمْ حَتَّى صَلَّى الصُّبْحَ	۵۰۱
۱۵۲	بَاب طُولِ الْقِيَامِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ	۵۰۲
۱۵۳	بَاب كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَكَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي بِاللَّيْلِ	۵۰۴
۱۵۳	بَاب قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِاللَّيْلِ وَنَوْمِهِ وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ	۵۰۶
۱۵۳	بَاب عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ	۵۰۹
۱۵۳	بَاب إِذَا نَامَ وَلَمْ يُصَلِّ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ	۵۱۱
۱۵۳	بَاب الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ	۵۱۲
۱۵۳	بَاب مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَحْيَا آخِرَهُ	۵۱۵
۱۵۴	بَاب قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ	۵۱۷
۱۵۴	بَاب فَضْلِ الطُّهُورِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَفَضْلِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْوُضُوءِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ	۵۲۰
۱۵۴	بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ التَّشْدِيدِ فِي الْعِبَادَةِ	۵۲۱

۱۵۴	بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ تَرْكِ قِيَامِ اللَّيْلِ لِمَنْ كَانَ يَقُومُهُ	۵۲۲
۱۵۴	بَاب	۵۲۴
۱۵۵	بَاب فَضْلِ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى	۵۲۴
۱۵۵	بَاب الْمُدَاوَمَةِ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ	۵۳۰
۱۵۵	بَاب الضِّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ	۵۳۱
۱۵۵	بَاب مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَضْطَجِعْ	۵۳۳
۱۵۵	بَاب مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى	۵۳۳
۱۵۶	بَاب الْحَدِيثِ يَعْنِي بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ	۵۳۸
۱۵۶	بَاب تَعَاهُدِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَمَنْ سَمَّاهُمَا تَطَوُّعًا	۵۳۹
۱۵۶	بَاب مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ	۵۴۰
۱۵۶	بَاب التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ	۵۴۲
۱۵۷	بَاب مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ	۵۴۴
۱۵۷	بَاب صَلَاةِ الضُّحَى فِي السَّفَرِ	۵۴۵
۱۵۷	بَاب مَنْ لَمْ يُصَلِّ الضُّحَى وَرَآهُ وَاسِعًا	۵۴۹
۱۵۷	بَاب صَلَاةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ	۵۵۰
۱۵۷	بَاب الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ	۵۵۲
۱۵۷	بَاب الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ	۵۵۳
۱۵۸	بَاب صَلَاةِ النَّوَافِلِ جَمَاعَةً	۵۵۶
۱۵۸	بَاب التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ	۵۶۱
	كتاب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ	۵۶۳
۱۵۸	بَاب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ	۵۶۳
۱۵۹	بَاب مَسْجِدِ قُبَاءٍ	۵۷۳
۱۵۹	بَاب مَنْ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ	۵۷۵
۱۵۹	بَاب إِتْيَانِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا	۵۷۵
۱۵۹	بَاب فَضْلِ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ	۵۷۶
۱۵۹	بَاب مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ	۵۷۹
۱۵۹	أَبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ	۵۸۱

۱۵۹	بَاب اسْتِعَانَةِ الْيَدِ فِي الصَّلَاةِ إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ	۵۸۱
۱۶۰	بَاب مَا يُنْهَى عَنْهُ مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ	۵۸۳
۱۶۰	بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ التَّسْبِيحِ وَالْحَمْدِ فِي الصَّلَاةِ لِلرِّجَالِ	۵۹۰
۱۶۰	بَاب مَنْ سَمَّى قَوْمًا أَوْ سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِهِ مُوَاجَهَةً وَهُوَ لَا يَعْلَمُ	۵۹۱
۱۶۰	بَاب التَّصْفِيقِ لِلنِّسَاءِ	۵۹۳
۱۶۰	بَاب مَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرَى فِي صَلَاتِهِ أَوْ تَقَدَّمَ بِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ	۵۹۳
۱۶۰	بَاب إِذَا دَعَتِ الْأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلَاةِ	۵۹۴
۱۶۱	بَاب مَسْحِ الْحَصَا فِي الصَّلَاةِ	۵۹۷
۱۶۱	بَاب بَسْطِ الثَّوْبِ فِي الصَّلَاةِ لِلسُّجُودِ	۵۹۸
۱۶۱	بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ	۵۹۸
۱۶۱	بَاب إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ	۵۹۹
۱۶۲	بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ الْبُصَاقِ وَالنَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ	۶۰۴
۱۶۲	بَاب مَنْ صَفَّقَ جَاهِلًا مِنَ الرِّجَالِ فِي صَلَاتِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ	۶۰۶
۱۶۲	بَاب إِذَا قِيلَ لِلْمُصَلِّي تَقَدَّمْ أَوِ انْتَظِرْ فَانْتَظَرَ فَلَا بَأْسَ	۶۰۶
۱۶۲	بَاب لَا يَرُدُّ السَّلَامَ فِي الصَّلَاةِ	۶۰۸
۱۶۲	بَاب رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الصَّلَاةِ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ	۶۱۰
۱۶۳	بَاب الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ	۶۱۱
۱۶۳	بَاب يُفْكِرُ الرَّجُلُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ	۶۱۲
	كتاب السهو	۶۱۷
۱۶۳	بَاب مَا جَاءَ فِي السَّهْوِ إِذَا قَامَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَرِيضَةِ	۶۱۷
۱۶۳	بَاب إِذَا صَلَّى خَمْسًا	۶۲۱
۱۶۳	بَاب إِذَا سَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ أَوْ فِي ثَلَاثٍ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ مِثْلَ سُجُودِ الصَّلَاةِ أَوْ أَطْوَلَ	۶۲۳
۱۶۳	بَاب مَنْ لَمْ يَتَشَهَّدْ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ	۶۲۴
۱۶۴	بَاب مَنْ يُكَبِّرُ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ	۶۲۵

۱۶۴	بَاب إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ	۶۲۸
۱۶۴	بَاب السَّهْوِ فِي الْفَرْضِ وَالتَّطَوُّعِ	۶۳۱
۱۶۴	بَاب إِذَا كُلِّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَاسْتَمَعَ	۶۳۱
۱۶۵	بَاب الْإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ	۶۳۳

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العلمين، الرحمن الرحيم، وصلى الله وسلم على سيدنا محمد، خاتم النبيين، أشرف الأنبياء والمرسلين، قائد الغر المحجلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

أما بعد:

اللہ تعالیٰ کا صد لاکھ شکر واحسان ہے کہ الفیض الجاری فی دروس البخاری افادات استاذنا العلامۃ المحقق محدث العصر حضرت مولانا محمد یونس جونپوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی جلد خامس جو باب إذا رکع دون الصف سے شروع ہو کر أبواب التهجد پر ختم ہو رہی ہے طبع ونشر کے لائق ہو رہی ہے، یقیناً اس جلد کو بہت جلد آنا چاہئے مگر عوارض وموانع کے ساتھ شواغل ومشاغل نے اس قدر گھیرا کہ تاخیر پر تاخیر ہوتی گئی اور اس سے پہلی اور اس جلد میں چودہ ماہ کا طویل فاصلہ ہو گیا، اللہ کرے آئندہ کمر ہمت بندھی رہے اور بلا سستی واعذار مانعہ کے اگلی جلد بلا تاخیر منظر عام پر آسکے۔

اس وقت کوشش کی گئی ہے کہ کم سے کم صفحات میں زیادہ سے زیادہ ابواب کی شرح آجائے تا کہ اسکو مزید جلدوں کی کثرت اور زیادہ ضخامت سے بچایا جاسکے مگر افادات ومضامین کی کثرت ووسعت کی بنا پر سمیٹنا بہت مشکل ہو رہا ہے، پھر بھی ایک کوشش یہ کی گئی کہ جس طرح بعض مخلص اہل علم کے مشورہ پر احادیث کے عربی متن کے تحت ترجمہ کرنے کا التزام کیا تھا اس میں کچھ کمی کی گئی کہ وہ احادیث جو ما قبل میں گزر گئیں اسکا ترجمہ حذف کر کے ما قبل باب کا حوالہ دے دیا گیا جس کی وجہ سے کافی صفحات کی بچت ہو گئی، نیز عنوانات کی کثرت سے بھی پرہیز کیا گیا تب کہیں اس جلد میں بخاری شریف کے کل ۵۸ صفحات کی شرح ہی آسکی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ چوتھی جلد سے حضرۃ الاستاذ کی ۱۹۸۲ء کا درس جو کیسٹ سے نقل کیا گیا تھا اسی کو کاغذ پر منتقل کر کے ترتیب دیا جا رہا ہے مگر بعض ابواب میں کچھ گنجلک پیش آئی تو ۱۹۹۶ء کے درس سے جس کی کاپیاں حضرت مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ (بلیک برن، انگلینڈ) کے پاس تھیں استفادہ کیا گیا، نیز حضرۃ الاستاذ مختلف سالوں میں جس

باب یا عنوان پر مبسوط اور مرتب کلام کرتے اس کو اُس سال کے طلبہ سے نقل کروالیتے، وہ نقل شدہ اوراق حضرت کے پاس محفوظ رہتے اور حضرت اس کو ملاحظہ فرما کر حسب ضرورت اصلاح بھی فرماتے اور بعد میں اپنے ہاتھ سے ان اوراق پر (دیدہ شد) تحریر فرمادیتے جس سے اندازہ ہوتا کہ حضرت کی نظر سے پورا مضمون گزر چکا ہے، وہ تمام اوراق بھی بفضل اللہ ہمارے پاس موجود ہیں، اُن ابواب میں کیسٹ سے نقل شدہ تقریر کے بجائے اسی کو نقل کیا جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کسی سال کے بھی ہوں۔

حوادثِ وفات۔یوں تو ہر شخص کو دنیا میں آنے کے بعد جانا ہے اور موت اپنی جگہ اٹل ہے مگر ڈیڑھ دو سال سے جو عالمی وبا کورونا کے نام سے چلی ہے اس نے زندگی کو انتہائی عارضی اور فانی بنا کر رکھ دیا، اچھا خاصا تندرست چلتا پھرتا انسان چند روز بیمار ہوا اور چل بسا، اس میں بہت سے علماء اور صالحین دنیا سے رخصت ہو گئے اس حقیقت نے زندگی کو اور بھی غیر یقینی بنادیا اور اب یہ صورت حال ہو گئی کہ کس کس کی تعزیت کی جائے، اللہ تعالی سب کی مغفرت فرمائے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، اس وقت حضرت استاد کے علوم و افادات کی قدر کرنے والوں کی نسبت سے چند احباب کا خصوصی تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

ان میں ایک محب عزیز رفیق درس مولانا ظفر احمد صدیقی اعظمی ہیں جن سے میں نے الفیض الجاری جلد سوم میں مقدمہ بھی لکھوایا اور انہوں نے لکھ کر شیخ کی یاد تازہ کرادی، انتہائی قابل اور صاحب علم وفن شخص تھے، اگر وہ خالص درسِ نظامی کے مدارس میں حدیث پاک کی درس و تدریس کرتے تو اپنی قابلیت وصلاحیت کی بنا پر ملک گیر شہرت کے حامل ہوتے، ان کی وفات مختصر بیماری میں ۲۹ دسمبر ۲۰۲۰ کو ہو گئی، اللہ مغفرت فرمائے۔

دوسرے نمبر پر رفیق محترم مولانا عبد الغفار صاحب بستوی ہیں جنھوں نے شیخ کی کتابیں الیواقیت الغالیہ کی چار جلدیں اور کتاب التوحید وغیرہ تیار ہونے کے بعد ان کی طباعت کی فکر و کوشش کی اور دہلی میں رہ کر اس کی عمدہ طباعت وتشہیر کا کام انجام دیا، مولانا بھی شیخ کے شاگرد تھے افاداتِ شیخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے، اسی طرح نبراس الساری اور الفیض الجاری کی جب بھی کوئی جلد عربی یا اردو تیار ہوتی تو اس کا ایک ایک حرف مطالعہ کرتے، کوئی بات قابل تحریر ہو تو مرتب کو اطلاع کرتے۔

اب تک اللہ کا فضل رہا اس کی دی ہوئی ہمت سے کام کرنے کی امنگ باقی رہی تو الیواقیت کی چار جلدیں اور نبراس

الساری فی ریاض البخاری کی پانچ جلدیں اور الفیض الجاری کی چھ جلدیں شائع ہو گئیں۔

نیز سابقہ جلدوں کی طرح یہاں بھی عرض ہے کہ الحمد للہ حضرت سے تعلق رکھنے والے بہت سے تلامذہ اور احباب ان کاموں کی بار بار ہمت افزائی فرمارہے ہیں، بالخصوص حضرت کے خادم خاص مکرم مولانا یونس رندیرا صاحب، محترم مفتی شبیر احمد صاحب، محترم مولانا یوسف ٹنکاروی صاحب، مولانا عبد الرشید متالا صاحب، مولانا ایوب پانولی، مولانا جابر پالنپوری بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

اس موقع پر ایک شکریہ ہمارے عزیز دوست محبی فی اللہ الحاج منصور الحسن غوری کا ہے جو باوجودیکہ نہ کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل نہ فیض یافتہ ہیں، نہ کوئی علمی سلسلہ ومشغلہ، بس دینی ذوق رکھتے اور اردو لکھ بول لیتے ہیں محض دینی تعلق کی وجہ سے اپنا انتہائی قیمتی وقت دے رکھا ہے اور شانہ بشانہ کمپیوٹر پر بیٹھ کر کتاب کی تحریر و تہذیب میں تعاون کرتے رہتے ہیں جبکہ اچھے اچھے جوان فضلاء اس مشقت سے جی کتراتے ہیں، اللہ تعالی اپنے شایانِ شان ان کو اور ان کے گھر والوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں اپنی محبت اور رضا نصیب فرمائیں، اللہ تعالی ان کی اور ہماری اولاد کو بھی صلاح و فلاح سے نواز کر دینی خدمات کے لئے قبول فرمائے۔

آخر میں اپنے تمام محسنین و متعلقین، دوست واحباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کسی بھی طرح اس میں ہمارا تعاون فرمایا، اللہ تعالی محض اپنے کرم سے اس علمی سلسلہ کو قبول فرمائیں اور ہمت و توفیق عطا فرمائیں، تمام قارئین سے درخواست ہے کہ حضرۃ الاستاذ کی مغفرت تامہ اور درجات عالیہ میں ترقی کی دعاء فرمائیں اور مرتب کے حق میں خیر و عافیت اور بالخصوص اس سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور اللہ تعالی کی مدد شامل حال ہونے کی ضرور دعاء کریں۔

والسلام احقر محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ

خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات

وخادم مجلس دعوۃ الحق یوکے، ودعوۃ الحق سورت

۱۶ صفر ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۲۰۲۱ء شبِ جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ص ۱۰۸) بَاب إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ

۷۵۰. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنِ الأَعْلَمِ - وَهُوَ زِيَادٌ - عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ.

ترجمہ: باب، صف میں پہونچنے سے پہلے رکوع کرنے کا بیان۔

حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ تک ایسی حالت میں پہونچے کہ آپ رکوع میں جاچکے تھے تو ابو بکرہؓ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کرلیا، تو حضور ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تمہاری حرص (علی الخیر) میں اضافہ کرے لیکن دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

تشریح: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ کو بظاہر یہاں کے بجائے ابواب امامت میں ہونا چاہئے جہاں امام بخاری نے صفوف کے مسائل ذکر کئے ہیں اور وہاں باب المرأۃ وحدھا تکون صفا کا ترجمہ منعقد کیا ہے لیکن غالباً آگے رکوع کا ترجمہ آرہاہے اس مناسبت سے یہ ترجمہ ذکر کردیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ترجمہ بالکل برمحل ہے، امام بخاری جب ابواب قرأۃ سے فارغ ہوگئے اور ان کے نزدیک قرأۃ فاتحہ فرض ہے اسلئے حدیثِ عبادہؓ ذکر کرکے اسکی فرضیت بیان کی تو اسکے بعد آمین کے ابواب لائے، اور جب قرأۃ اور توابع قرأۃ کے ابواب سے فارغ ہوئے تو رکوع کے ابواب لائے اسلئے کہ رکوع قرأۃ کے بعد ہوتا ہے، مگر چونکہ رکوع خلف الصف امام بخاری کے یہاں غیر معتبر تھا اسلئے اس کو پہلے ذکر کردیا کہ یہ من باب دفع الضرر ہے۔

اس باب میں دو مسئلے ہیں، (۱) اگر کوئی آدمی صف کے پیچھے رکوع کرلے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ (۲) اگر کوئی آدمی صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر بلا وجہ ایسا کیا تو کراہت کا ارتکاب کیا اور نماز صحیح ہو جائے گی، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، میرے نزدیک امام بخاری اسی مسلک کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔

اباحت واجازت کے قائلین حضرت ابو بکرہؓ کی حدیث کو دلیل بناتے ہیں کہ وہ آئے اور صف کے پیچھے رکوع کر دیا، حضور ﷺ نے فراغت کے بعد ان کو اعادۂ صلوۃ کا حکم نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا زَادَکَ اللہ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ، اللہ تعالیٰ شانہ تمہارے حرص میں اضافہ فرمائے اور تم دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

لیکن امام بخاری اور علامہ ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کلام سے صلوۃ خلف الصف سے منع کیا ہے اس پر ان حضرات نے یہ فرمادیا کہ صف کے پیچھے کوئی آدمی رکوع نہ کرے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ متعین طور پر اس کا یہ مطلب قرار دینا بڑا مشکل ہے اس لئے کہ اس میں اور بھی احتمالات ہیں، ۱ علامہ ابو حاتم بن حبان بُستی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں شرکت کرنے میں آئندہ تاخیر نہ کرنا، ۲ بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ صف کے پیچھے رکوع کرنے کیطرف عود نہ کرنا، چنانچہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے أَيُّكُمْ دَخَلَ الصَّفَّ وَهُوَ رَاكِعٌ أخرجه الطحاوی، ۳ امام طحاوی نے اس کا ایک مطلب احتمالاً بیان کیا ہے کہ نماز میں دوڑ کر شامل نہ ہونا، چنانچہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے مَنِ السَّاعِي الآن؟ کون تھا جو اس وقت دوڑ کر آرہا تھا رواہ ابن السکن۔

بعض لوگوں نے صلوۃ منفرد خلف الصف کے جواز پر حضرت ام سلیمؓ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضور پاک ﷺ کھڑے ہوئے پیچھے انسؓ ویتیم کھڑے ہوگئے اور انکے پیچھے بڑھیا ام سلیمؓ کھڑی ہوگئیں، امام شافعی، نسائی اور بیہقی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ منفرد خلف الصف کی نماز صحیح ہے۔

لیکن محدث ابن خزیمہ، امام طحاوی اور ابن حزم ظاہری وغیرہ نے اس استدلال کو رد کیا ہے، امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ صلوۃِ منفرد خلف الصف بہر حال ممنوع ہے ان لوگوں کے نزدیک بھی جو نماز کی صحت کے قائل ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک بھی جو فساد کے قائل ہیں، اور عورت کا تنہا خلف الصف کھڑا ہونا مامور بہ ہے تو مامور پر منہی عنہ کو کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟

حافظ ابن حجر چونکہ شافعی المسلک ہیں اور یہ استدلال امام شافعی کا ہے اس لئے انہوں نے امام شافعی کی طرف سے وکالت کی کہ اصل میں جن حضرات نے یہ استدلال کیا ہے انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے جو تنہا صف کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے یہ نہی تنزیہی ہے اور امر باعادۃ الصلوۃ لمن صلی خلف الصف وحدہ امر استحبابی ہے، چنانچہ وابصہ بن معبدؓ وغیرہ کی روایات میں ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہوا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو اعادۂ صلوۃ کا حکم فرمایا ہے، اس کا محل یہی ہے یعنی استحبابی طور پر آپ نے اعادۂ صلاۃ کا حکم دیا۔

اور بعض حضرات جیسے امام بیہقی نے لیلۃ المبیت کے قصہ سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو بائیں طرف سے پیچھے کی جانب سے کھینچ کر دائیں طرف کھڑا کر دیا تھا، لیکن ابن حزم نے اس استدلال کو رد کیا اور فرماتے ہیں کہ یہ صلوۃِ منفرد خلف الصف تھوڑے ہے، یہ تو مقتدی کو پیچھے سے بائیں طرف سے دائیں طرف لایا جارہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ استدلال واہی اور ضعیف ہے۔

مجوزین کی سب سے قوی دلیل اس باب میں یہی حضرت ابو بکرہؓ کی روایت ہے۔

اور مانعین نے وابصہ بن معبدؓ اور علی بن شیبان کی روایات سے استدلال کیا ہے، ابن شیبان کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا لاصلوۃ لمنفرد خلف الصف، أخرجہ ابن حبان، ان روایات کو ابو بکر بزار معلول قرار دیتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضرت وابصہؓ کی روایت کو احمد بن حنبل، ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے، علی بن شیبان کی روایت ابن حبان نے صحیح قرار دی ہے۔

اب اس کی کوئی تاویل کرنی چاہئے، امام شافعی کی تاویل تو معلوم ہو چکی کہ وہ اباحت کی روایت کو اصل بناتے ہیں اور نہی کی روایات کو تنزیہ پر اور امر باعادۃ الصلوۃ کی روایت کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل چونکہ صلوۃِ منفرد خلف الصف کی عدمِ صحت کے قائل ہیں اس لئے وہ اور طرح روایات کو جمع کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر کوئی صف کے پیچھے ہی نماز پڑھتا رہے تو نماز باطل ہے اور یہی ہے لاصلوۃ لمن صلی خلف الصف والی روایت کا محمل، اور اگر کوئی آدمی پیچھے نماز شروع کرلے لیکن اس کے بعد صف میں شامل ہو جائے تو نماز ہو جائے گی اور یہی ہے ابو بکرہؓ کی روایت کا محمل، وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔

وَلَا تَعُدْ: عود نہ کرنا، اس کے متعلق کلام گزر چکا، جمہور علماء نے اس حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال

کیا ہے کہ اگر کسی نے امام کے پیچھے رکوع پالیا تو اس کو رکعت مل گئی، ائمہ ثلاثہ کا یہی مسلک ہے، علامہ سفارینی حنبلی نے نفثات الصدر المکمد فی شرح ثلاثیات المسند میں لکھا ہے وھو معتمد مذھبنا یعنی حنابلہ کا معتمد مذہب یہی ہے۔

(ص ۱۰۸) بَاب إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ

قاله ابن عباس عن النبي ﷺ وفيه مالك بن الحويرث.

۷۵۱. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ: ذَكَّرَنَا هَذَا الرَّجُلُ صَلَاةً كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَكُلَّمَا وَضَعَ.

۷۵۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ، فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ: إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، رکوع میں تکبیر کو پورا کرنے کا بیان۔ یہ بات ابن عباسؓ نے حضور ﷺ سے نقل کر کے کہی اور اس سلسلہ میں مالک بن حویرثؓ کی روایت بھی ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بصرہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ فرمایا کہ اس انسان نے ہمیں وہ نماز یاد دلادی جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے، پھر حضرت عمرانؓ نے بتایا کہ حضرت علیؓ جب سر اٹھاتے اور جب سر جھکاتے تو تکبیر کہتے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور جب جھکتے تھے اور جب اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور نماز سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ میری نماز تم میں حضور ﷺ کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔

تشریح: یہاں دو ترجمے منعقد کئے ہیں، ایک إِتْمَامُ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ اور دوسرا إِتْمَامُ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ، ان دونوں ترجموں سے امام بخاری کا مقصد یا تو یہ ہے کہ رکوع کی تکبیر کا مکمل مد ہو گا، یعنی جب سے جھکنا شروع ہو تب سے سجدہ میں پہونچنے تک تکبیر چلے گی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مقصد ہو کہ رکوع و سجود میں تکبیر کہی جائیں گی، ان کو چھوڑا نہیں جائے گا اور ان تکبیرات کو مکمل کیا جائے گا، اس صورت میں امام بخاری نے ایک مسئلۂ خلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انتقالات کی تکبیر آیا واجب ہیں یا سنت؟ جمہور علماء سنت کے قائل ہیں اور ظاہر یہ وجوب کے، یہی امام احمد بن حنبل کی ایک روایت بلکہ یہی ان کا مذہب ہے اور امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

یہ مسئلہ سلف ہی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہ سے عدم اتمام تکبیر منقول ہے یعنی وہ لوگ خفض کی تکبیرات چھوڑ دیا کرتے تھے، حافظ ابن عبد البر وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات نے حذفِ تکبیرات کو اپنے متقدمین سے یہ سمجھ کر لیا ہے کہ یہ واجب نہیں ورنہ ہر گز اس کو نہ چھوڑتے، اور ایک روایت مصنف ابن ابی شیبہ، ابو داود، طحاوی اور بیہقی نے عبد الرحمن بن ابزیٰ سے نقل کی ہے صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُتِمَّ التَّكْبِيرَ، یہ بظاہر مؤید ہے ان حضرات کی جو تکبیرات انتقالات کو واجب نہیں کہتے ہیں۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک جہت سے اگر مؤید ہے تو دوسری جہت سے مضر ہے، اس لئے کہ اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عادت شریفہ ہی یہی تھی کہ آپ انتقالات کی تکبیرات کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس کا اتمام نہیں فرمایا کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت قابل استناد نہیں ہے، حسن بن عمران اس کا راوی مجہول ہے قالہ البزار والطبری، اور امام بخاری نے ابو داؤد طیالسی سے نقل کیا ہے هَذَا عِنْدَنَا بَاطِلٌ، اور اگر بالفرض اس کو ثابت مان لیا جائے تو اس صورت میں علماء نے اس کی اور توجیہات کی ہیں۔

مثلاً ۱۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے نہ سنا ہو، ۲۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے تکبیرات کو نقل کیا ہے اُن کی روایات اِن کی روایات پر ترجیح پائیں گی، ۳۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اصل میں عدم اتمام تکبیر سے مراد عدمُ اتمامِ المدہے، یعنی گاہے آپ نے اس کو پوری طرح سے نہیں کھینچا، ۴۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے نفی جہر مقصود ہے۔

۵۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے عجیب و غریب توجیہ کی وہ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں تصحیف واقع ہوئی ہے اصل میں تھا کان لا يَتِمُ التكبير اور یہ لا يَتِمُ؛ وتم سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں نقص کرنے کے یعنی آپ تکبیر میں نقص نہیں کرتے تھے مکمل تکبیر کہا کرتے تھے، شاہ صاحب کی یہ توجیہ ہے تو بہت بڑھیا لیکن کچھ سمجھ

میں نہیں آتا، اس لئے کہ جن حضرات نے یہ حدیث نقل کی ہے اول تا آخر سارے کے سارے لا یُتِمّ ہی نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: ابن عباسؓ کی روایت اگلے باب بَاب إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ میں آئے گی۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ: اصل میں بنوامیہ کے امراء نے گڑبڑ کردی تھی، یہ تکبیراتِ خفض کو چھوڑ دیتے تھے۔

سب سے پہلے کس نے چھوڑا؟ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے چھوڑا، بعض نے کہا کہ حضرت معاویہؓ نے چھوڑا اور بعض کسی اور کا نام لیتے ہیں، اندازیہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ظہر کی نماز میں تکبیرات خفض کو بایں معنی چھوڑ دیا تھا کہ جہراً اس کو نہیں کہتے تھے، اس کے بعد امراء بنوامیہ نے ان کی تقلید کرلی۔

(ص ۱۰۸) بَاب إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ

۷۵۳. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَقَالَ: قَدْ ذَكَّرَنِي هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ، أَوْ قَالَ لَقَدْ صَلَّى بِنَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ.

۷۵۴. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلاً عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، وَإِذَا قَامَ وَإِذَا وَضَعَ، فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: أَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ؟ لَا أُمَّ لَكَ.

ترجمہ: باب، سجود میں تکبیر کو پورا کرنے کا بیان۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب إتمام التکبیر فی الرکوع میں گزرچکا)۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو مقام ابراہیم کے پاس اس طرح سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ جھکتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے ہر مرتبہ تکبیر کہتے اور جب کھڑے ہوتے اور جب سجدہ میں جاتے تو بھی ہر مرتبہ تکبیر کہتے، میں نے

حضرت ابن عباسؓ سے آکر اس بات کو بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا یہی حضور ﷺ کی نماز نہیں تھی، تیری ماں نہ رہے۔

حَدَّثنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ: یہ آگئی ابن عباسؓ کی روایت اور اگلے باب میں بھی آرہی ہے۔

(ص ۱۰۸) بَاب التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ

٧٥٥. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ تَكْبِيرَةً، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ أَحْمَقُ، فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ، سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ. وَقَالَ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ.

٧٥٦. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى يَقْضِيَهَا، وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ. وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ: وَلَكَ الْحَمْدُ.

ترجمہ: باب، سجدہ سے اٹھتے وقت تکبیر کا بیان۔

(روایات کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: جیسے سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہی جائے گی ایسے ہی سجدہ سے اٹھتے ہوئے بھی تکبیر کہی جائے گی۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام نے آگے ص ۱۱۴ پر ایک ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ آدمی جب سجدتین سے اٹھ رہا ہو تو تکبیر کہتا ہوا اٹھے، لہذا ترجمہ مکرر ہو گیا، اس کے دو جواب ہیں۔

۱۔ اس ترجمۃ الباب سے صرف یہ بتلایا ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہی جائے گی، اور اگلے ترجمہ میں تکبیر کا محل بتلایا ہے کہ وہ تکبیر نہوض کے ساتھ ساتھ ہو گی یہ نہیں کہ نہوض کے بعد کہی جائے گی۔

۲؎ یہاں التکبیر عند القیام من السجود کو بیان کیا ہے اور آنے والے باب میں تکبیر عند القیام من الرکعتین کو بیان کیا ہے اور اسی کو سجدتین سے تعبیر فرمایا ہے۔

صَلَّیتُ خَلفَ شَیخٍ بِمَکَّۃَ فَکَبَّرَ ثِنتَینِ وَعِشرِینَ تَکبِیرَۃً: یہ رباعی نماز تھی اور نماز پڑھانے والے حضرت ابو ہریرہؓ تھے جیسا کہ طحاوی اور مسند احمد وغیرہ میں تصریح وارد ہوئی ہے۔

فَقُلتُ لِابنِ عَبَّاسٍ إِنَّهُ أَحمَقُ: عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ یہ احمق ہیں کہ بائیس تکبیریں کہہ ڈالیں، اصل میں عکرمہ نے بنو امیہ کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور وہ خفض میں تکبیرات کہتے نہیں تھے لہٰذا ان کے ذہن میں یہ بات رچ بس گئی تھی کہ خفض میں تکبیرات نہیں ہیں تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ثَکِلَتکَ أُمُّکَ سُنَّۃُ أَبِي القَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ سیدنا ابو القاسم ﷺ کی یہی سنت ہے۔

ثِنتَینِ وَعِشرِینَ تَکبِیرَۃً: بائیس تکبیریں رباعی نماز میں ہوتی ہیں۔

(ص ۱۰۹) بَاب وَضعِ الأَکُفِّ عَلَى الرُّکَبِ فِي الرُّکُوعِ

وقال أبو حميد في أصحابه: أمكن النبي ﷺ يديه من ركبتيه.

۷۵۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعبَةُ عَن أَبِي يَعفُورٍ قَالَ: سَمِعتُ مُصعَبَ بنَ سَعدٍ: صَلَّيتُ إِلَى جَنبِ أَبِي فَطَبَّقتُ بَينَ كَفَّيَّ ثُمَّ وَضَعتُهُمَا بَينَ فَخِذَيَّ، فَنَهَانِي أَبِي وَقَالَ: كُنَّا نَفعَلُهُ، فَنُهِينَا عَنهُ وَأُمِرنَا أَن نَضَعَ أَيدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ.

ترجمہ: باب، رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا بیان۔ حضرت ابو حمیدؓ نے اپنے اصحاب کے درمیان یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ، اپنے دونوں گھٹنوں پر مضبوطی سے رکھے۔

حضرت مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے برابر نماز پڑھی اور میں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک دوسرے سے ملایا اور انہیں اپنی دونوں رانوں کے درمیان دبالیا تو میرے والد نے مجھے اس عمل سے منع کیا اور فرمایا کہ ہم یہ کام حضور ﷺ کے زمانے میں کیا کرتے تھے، پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور یہ حکم دے دیا گیا کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں۔

تشریح: آدمی جب رکوع میں جائے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے گا، اس مسئلہ میں اب تو کوئی

اختلاف نہیں ہے، البتہ صحابہ اور تابعین کے دور میں تھوڑا سا اختلاف تھا، جمہور صحابہ و تابعین تو وضع الکف علی الرکب کے قائل تھے لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کے تلمیذ علقمہ و اسود تطبیق کے، تطبیق کی شکل یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی ملا کر رانوں کے بیچ میں رکھ لے۔

تطبیق اب تو منسوخ ہو چکی، امام ترمذی نے اس کے نسخ کی تصریح کی ہے اور محدث ابن خزیمہ فرماتے ہیں تطبیق کرنا جائز ہی نہیں کیوں کہ حضرت سعدؓ کی روایت میں ہے کُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِينَا عَنْهُ۔

لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ نہی کے لئے نسخ لازم نہیں، ممکن ہے کہ یہ نہی شفقت ہو، حضور اکرم ﷺ نے اس لئے منع فرمایا ہو کہ اس میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اور ویسے فی نفسہ تطبیق اور وضع دونوں جائز ہوں۔

اور بہت ممکن ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے یہ سمجھا ہو کہ دونوں ہی جائز ہیں اس لئے تطبیق ہی پر عمل کرتے تھے، ابن ابی شیبہ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے بسندِ حسن دونوں میں تخییر نقل کی ہے إِذَا رَكَعْتَ فَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ هَكَذَا يَعْنِي وَضَعْتَ يَدَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَإِنْ شِئْتَ طَبَّقْتَ، بہر حال ان سے تخییر نقل کی گئی ہے۔

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: مقصد یہ ہے کہ آدمی رکوع میں اپنے گھٹنوں کو مضبوط پکڑے۔

(ص ۱۰۹) بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ

۷۵۸. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلاً لَا يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ وقَالَ: مَا صَلَّيْتَ، وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللَّهُ مُحَمَّدًا ﷺ.

ترجمہ: باب، نمازی جب رکوع کا اتمام نہ کرے۔

(روایت باب إذا لم يتم السجود پر گزر چکی)۔

تشریح: امام بخاری نے شرط تو ذکر کی لیکن جواب شرط کو ذکر نہیں فرمایا۔

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جواب شرط کو مصنف نے اس لئے حذف کر دیا کہ آگے ترجمہ بَاب أَمْرِ

النَّبِيِّ ﷺ اَلَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالْإِعَادَةِ سے اس کا جواب معلوم ہوگا کہ جو آدمی اتمام رکوع نہیں کرے گا اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی، اس واسطے کہ اتمام رکوع نہ کرنے پر نبی کریم ﷺ نے اس کو اعادہ کا حکم دیا۔

(۲) ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ رکوع وسجود کا اتمام فرض ہے یا واجب؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ طمانینت فرض ہے لہذا رکوع وسجود کا اتمام فرض ہے اور اسی طرح قومہ وجلسہ میں طمانینت فرض ہے، اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ فرض نہیں ہے، اس کے بعد ہمارے یہاں اس میں اختلاف ہے کہ فرض نہیں ہے تو کیا حکم ہے؟ جرجانی کہتے ہیں کہ سنت ہے لیکن ابو الحسن کرخی فرماتے ہیں کہ طمانینت کے ترک کر دینے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء احناف سے جو اختلاف نقل کیا جاتا ہے کہ کوئی طمانینت کو فرض کہتا ہے اور کوئی فرض نہیں کہتا ہے یہ اختلاف صرف تعبیر کا ہے حقیقی نہیں ہے اس لئے کہ قاضی ابو یوسف نے فرض سے فرض عملی مراد لیا ہے لہذا ان کا قول ابو حنیفہ اور محمد کے قول کے منافی نہیں ہے، مگر محقق ابن ہمام کی یہ توجیہ خلاف مشہور ہے اس لئے ہم کو یہ تسلیم نہیں۔

بہر حال ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، چونکہ اختلاف شدید تھا اس لئے مصنف نے اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے شرط تو ذکر کر دی اور جواب شرط سے سکوت فرمالیا۔

ویسے یہ مسئلہ میں ماقبل میں بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ بتلا چکا ہوں کہ امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ نفسِ طمانینت میں سارے ائمہ شریک ہیں اور سب اس کی فرضیت کے قائل ہیں، علامہ عینی نے امام طحاوی ہی کے بیان کو معتمد و مستند قرار دیا ہے اور پھر علامہ عینی نے اس پر یہ پڑھا

إذا قالت حذام فصدّقوها فإن القول ما قالت حذام

لہذا میں بھی پڑھتا ہوں

إذا قالت حذام فصدّقوها فإن القول ما قالت حذام

علامہ عینی بہت پکے حنفی بیرسٹر ہیں اور جب وہ اس مسئلہ میں نماز میں طمانینت کو واجب قرار دیتے ہیں تو یقیناً یہی بیان راجح ہے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طمانینت کے مسئلہ میں حضرات احناف ہی مختلف ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ مالکیہ بھی احناف کے ساتھ ہیں، علامہ ابن الحاجب نے تو فرضیت کے قول کو اختیار کیا ہے لیکن مشہور قول یہ ہے کہ طمانینت واجب نہیں ہے بقولے سنت اور بقولے فضیلت ہے۔

(۳) میرا خیال یہ ہے کہ مصنف نے جواب شرط کو اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ حدیث باب سے خود جواب شرط معلوم ہو جائے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حذیفہؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز میں اتمام رکوع و سجود نہیں کر رہا ہے تو فرمایا مَا صَلَّيتَ، وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيرِ الفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وآله وسلم عَلَيْهَا، ارے تو نے تو نماز ہی نہیں پڑھی اگر اسی حال میں مر گیا تو اس فطرت کے خلاف موت ہو گی جس پر اللہ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ اتمام رکوع و سجود فطرتِ محمد یہ ہے۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: اس روایت میں تو مذکور نہیں لیکن مسند احمد وغیرہ میں اسی روایت میں یہ تصریح وارد ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے یوں پوچھا منذ کم صلّیت؟ کب سے تو اس طرح نماز پڑھتا ہے؟ کہنے لگا منذ أربعين سنة چالیس سال سے میں پڑھ رہا ہوں۔

حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ بظاہر یہ زیادتی وہم ہے اس لئے مصنف نے اس کو عمداً حذف کیا ہے اس لئے کہ حضرت حذیفہؓ کی وفات سن ۳۶ھ میں ہے، اب اگر حذیفہؓ نے ان کو وفات کے سال پوچھا تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ ہجرت سے چار سال پیشتر سے نماز پڑھتا چلا آرہا تھا اور بہت ممکن ہے کہ اس وقت تک نماز فرض ہی نہ ہوئی ہو اس واسطے کہ نماز کی فرضیت لیلۃ الاسراء والمعراج میں ہوئی ہے، اور اسراء و معراج کا قصہ بہت سے علماء کے نزدیک ہجرت سے ایک سال پیشتر واقع ہوا ہے، اگر ہجرت سے ایک سال پیشتر ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ شخص اپنے طور پر نماز پڑھتا تھا، اور بہت ممکن ہے کہ یہ صلوۃ قبل طلوع الشمس اور صلوۃ قبل غروب الشمس کے قبیل سے نماز رہی ہو۔

وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيرِ الفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وآله وسلم عَلَيْهَا: اگر تو مر گیا تو اس فطرت کے غیر پر مرے گا جس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ شانہ نے پیدا فرمایا تھا، حضرت حذیفہؓ کا مقصود اس کلام سے زجر و توبیخ اور طمانینت کی تاکید ہے کہ نماز کے معاملہ میں مصلی کوتاہی نہ کرے گڑبڑ نہ کرے، اور بہت ممکن ہے کہ فطرت سے مراد سنت ہو۔

(ص ۱۰۹) بَاب اسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوعِ

وقال أبو حميد في أصحابه: ركع النبي ﷺ ثم هصر ظهره.

ترجمہ: باب، رکوع میں کمر کو اچھی طرح برابر رکھنے کا بیان۔ حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے اپنے ساتھی صحابہ کے درمیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا اور اپنی کمر مبارک کو موڑ کر بالکل برابر کر دیا۔

تشریح: رکوع میں مصلی کو یہ چاہیے کہ اپنی کمر اور سر کو برابر کر لے، سر کمر سے نیچے نہ ہو اور نہ اٹھا ہوا ہو، یہ مسئلہ متفق علیہا ہے، حضرت امام نے اس مسئلہ کو حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی اس حدیث سے جس کو مصنف نے یہاں پر معلقاً اور آئندہ موصولاً تخریج فرمایا ہے ثابت کیا ہے، اس میں ہے ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ آنحضور ﷺ نے اپنی کمر کو توڑ لیا یعنی بالکل برابر کر لیا۔

(ص ۱۰۹) بَاب حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالِاعْتِدَالِ فِيهِ وَالطُّمَأْنِينَةِ

۷۵۹۔ حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ.

ترجمہ: باب، رکوع میں اتمام کی حد کا بیان، اور اس میں اعتدال اور اطمینان حاصل کرنے کا بیان۔

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رکوع و سجود، اور دونوں سجدوں کے درمیان کا جلسہ اور رکوع سے اٹھنے کے بعد کا قومہ، سب قریب قریب برابر ہوتے تھے، سوائے قیام اور تشہد کے۔

تشریح: امام بخاری نے ماقبل میں یہ بتلایا تھا کہ اگر کوئی آدمی اتمام رکوع نہ کرے تو اس کی موت فطرت محمدیہ کے خلاف پر ہوگی، گویا اتمام رکوع و سجود نہ کرنا خلافِ فطرت محمدیہ ہے، تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتمام رکوع کی کیا حد ہے جو مطلوب ہے اس سے کم نہ کرنا چاہئے، مصنف نے اس حد کے بیان کرنے کے لئے یہ ترجمہ منعقد کیا ہے، فرماتے ہیں حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ اور پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں وَالِاعْتِدَالِ فِيهِ وَالطُّمَأْنِينَةِ، اس سے مصنف نے اس حد کی گویا وضاحت کر دی اور یہ بتلا دیا کہ اتمام رکوع کی حد یہ ہے کہ

اس میں اعتدال کی کیفیت پیدا ہو جائے اور طمانینت حاصل ہو جائے، یہ نہیں کہ آدمی ابھی اطمینان سے رکوع میں جھکا بھی نہیں تھا کہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، ویسے طمانینت کا مسئلہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔

قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ: اس میں دو احتمال ہیں، یا تو قرب مساوات سے مراد ایک رکعت کے قیام، رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ کو دوسری رکعت کے قیام، رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ کے مساوی ثابت کرنا ہے، لیکن یہ احتمال بعید بلکہ غلط ہے، یا ایک ہی رکعت کے ارکان یعنی رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کی مساوات بتلانی مقصود ہے اور یہی احتمال صحیح ہے۔

مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ سے کس قیام و قعود کا استثناء کرنا مقصود ہے؟

مشہور یہ ہے کہ اس سے قیامِ قرأت اور قعودِ تشہد کا استثناء مقصود ہے، لیکن بعض شافعیہ فرماتے ہیں کہ اس سے قیام بعد الرکوع اور قعود بین السجدتین کا استثناء مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ سارے ارکان تقریباً مساوی ہیں صرف قومہ اور جلسہ مختصر ہوا کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیم نے تہذیب سنن ابی داؤد اور زاد المعاد میں اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ تو ایسا ہی ہو گیا جیسے کوئی کہے جاءنی زید و عمرو و بکر و خالد إلا زیدًا و عمرًوا اور یہ صریح تناقض ہے۔

حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اولاً سب کو طمانینت میں داخل کیا گیا اور استثناء کے ذریعہ سے یہ بتلایا گیا کہ قومہ اور جلسہ مختصر ہوں گے رکوع و سجود سے، تو جہت دخول و خروج بدل گئی لہذا یہ تناقض نہیں ہوا، اور جاءنی زید و عمرو و بکر و خالد إلا زیدًا و عمرًوا کے مطابق نہیں ہوا۔

مگر اس طرح کی توجیہات و تاویلات تو ہر جگہ کی جا سکتی ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اس توجیہ کو دل قبول نہیں کرتا، اصطلاح صلوۃ میں جب قیام و قعود بولا جاتا ہے تو اس سے قیامِ قرأت اور قعودِ تشہد ہی مراد ہوتا ہے۔

اصل میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قومہ اور جلسہ کی تطویل مفسد صلوۃ ہے یا نہیں؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ تطویل مباح ہے اور مفسد نہیں، شافعیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ مفسد صلوۃ ہے اور اس کو وہ لوگ رکن قصیر کہتے ہیں، لیکن محققین شافعیہ اس قول کا انکار کرتے ہیں، اب بعض شافعیہ جو ظاہر مذہب شافعی کے قائل تھے انہوں نے اس کی توجیہ کر دی کہ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ سے مراد ماخلا القومة والجلسة ہے لیکن یہ توجیہ بعید ہے۔

تنبیہ: اسی حدیث کی تخریج امام مسلم نے کی ہے اس میں ہے فَوَجَدْتُ قِيَامَهُ فَرَكْعَتَهُ فَاعْتِدَالَهُ بَعْدَ رُكُوعِهِ فَسَجْدَتَهُ فَجَلْسَتَهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ فَسَجْدَتَهُ فَجَلْسَتَهُ مَا بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالِانْصِرَافِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ، قاضی عیاض نے لفظ قِيَامَهُ کو مرجوح قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ قیام کا ذکر صحیح نہیں ہے اور بخاری کے لفظ کو راجح قرار دیا ہے۔

(ص ۱۰۹) بَاب أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم الَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالْإِعَادَةِ

٧٦٠۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرَدَّ عليه النَّبِيُّ ﷺ السَّلَامَ فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا.

ترجمہ: باب، جس نے رکوع میں اتمام نہیں کیا اسکو حضور ﷺ کی جانب سے اعادۂ صلوۃ کے حکم کا بیان۔

(یہ روایت باب وجوب القرأة للإمام والمأموم میں گزر چکی)۔

تشریح: باب أَمْرَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم اور بَاب أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم الَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالْإِعَادَةِ دونوں جائز ہیں، جس نے اتمام رکوع نہیں کیا سرکار دو عالم ﷺ نے اس کو اعادۂ صلوۃ کا امر فرمایا، مصنف کی غرض ظاہر ہے کہ اتمامِ رکوع فرض ہے، اگر کوئی اتمام کو ترک کرے گا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ تراجم خفیہ میں سے ہے اسلئے کہ امام بخاری فرمارہے ہیں کہ جس شخص نے اتمام رکوع نہیں کیا نبی کریم ﷺ نے اسکو اعادۂ صلوۃ کا حکم دیا جبکہ روایت مسیئ فی الصلوۃ میں کہیں بھی تصریح نہیں ہے کہ مسیئ فی الصلوۃ نے رکوع کا اتمام نہیں کیا تھا، لہذا ترجمہ کس طرح ثابت ہوگا؟

پھر آگے چل کر علامہ ابن منیر نے اس کی تقریر کی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسیئ فی الصلوۃ کو جب نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا تو اس سے یہ فرمایا تھا ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا تم رکوع کرنا یہاں تک کہ تم پوری طرح اطمینان کے ساتھ رکوع میں رہو، معلوم ہوا کہ رکوع میں طمانینت مطلوب ہے، اور اس کے بعد حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اور بہت سے ارکان ذکر فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طمانینتِ رکوع کا درجہ وہی ہے جو باقی ارکان میں طمانینت کا ہے، اب اگر کسی رکن میں بھی کوتاہی کی وجہ سے نماز کے اعادہ کا حکم دیا گیا ہے تو یقیناً رکوع میں بھی کوتاہی کرنے کی وجہ سے اعادہ کا امر متوجہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر نے اتنی لمبی چوڑی تقریر ہی نہیں کی، وہ فرماتے ہیں کہ یہی روایتِ مذکورہ ابن ابی شیبہ میں حضرتِ رفاعہ بن رافعؓ سے منقول ہے اس میں دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى صَلَاةً خَفِيفَةً لَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا ہے، ظاہر یہ ہے کہ مصنف نے اس روایت کی طرف اشارہ کر کے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے۔

ارکان صلاۃ میں اعتدال و طمانینت کا اختلاف میں باب إذا لم یتم الرکوع میں بیان کر چکا ہوں۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ: سعید مقبری کے والد ابو سعید مقبری کا واسطہ اس حدیث میں عبید اللہ کے تلامذہ میں سے سوائے یحیٰ بن سعید القطان کے اور کوئی نقل نہیں کرتا ہے، ابو بکر بزار کہتے ہیں لَمْ يُتَابِعْ يَحْيَى عَلَيْهِ، امام ترمذی نے یحی القطان ہی کی روایت کو راجح قرار دیا ہے، امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ یحی القطان حافظ ہیں اس لئے اشبہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ عبید اللہ نے یہ حدیث دونوں طرح سے نقل کی ہے کبھی تو حَدَّثَنَا سَعِيدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بواسطۂ ابو سعید کے اور کبھی حَدَّثَنَا سَعِيدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نقل کی۔

فَدَخَلَ رَجُلٌ: یہ داخل ہونے والے خلاد بن رافعؓ ہیں جیسا کہ ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ جو بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ ایک انسان داخل ہوا كَالْبَدَوِيِّ ان کو بدوی کے ساتھ اس لئے تشبیہ دے دی گئی کہ انہوں نے بدوی جیسا کام کر لیا یا یہ کہ ان کا لباس اس وقت اہل بدو جیسا تھا۔

فَصَلّٰى: نسائی کی روایت میں ہے فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، حافظ ابن حجر کہتے ہیں اقرب یہ ہے کہ یہ نماز تحیۃ المسجد ہوگی۔

فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی کہیں پہونچے اور وہاں کچھ لوگ

موجود ہوں تو آنے والا سلام کرے گا۔

فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ: اس سے بعض احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ طمانینت فرض نہیں ہے اسلئے کہ اگر طمانینت فرض ہوتی تو سرکار دو عالم ﷺ صلوۃ فاسدہ پڑھتے ہوئے دیکھتے تو روک دیتے۔

مگر یہ استدلال ضعیف ہے اسلئے کہ ممکن ہے سرکار دو عالم ﷺ نے یہ قصد کیا ہو کہ وہ اپنے نماز کے افعال میں غور کریں اور اگر انہیں کوئی غلطی معلوم ہو تو خود اسکی اصلاح کرلیں اسلئے آپ نے فرمایا کہ تمہاری نماز باطل ہوگئی دوبارہ پڑھو ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ، انہوں نے پڑھا پھر آپ نے یہی فرمادیا، انہوں نے پھر پڑھا پھر آپ نے یہی فرمایا تب انہوں نے پوچھا یارسول اللہ کیا کمی و کوتاہی ہوئی ہے مجھے تعلیم فرمادیجئے چنانچہ آنحضور ﷺ نے ان کو نماز کی تعلیم فرمائی۔

کیا نفل شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے: اس حدیث پاک سے بعض علماء نے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ اگر نفل نماز شروع کردی جائے تو وہ واجب ہو جائے گی، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ شروع کرنے سے نفل واجب ہو جائے گی، امام احمد نے بھی کتاب الصلوۃ میں اسی کو اختیار کیا ہے، (۲) امام شافعی فرماتے ہیں کہ شروع کرنے سے نفل واجب نہیں ہوتی ہے یہی امام احمد کی دوسری روایت ہے جو انکی کتابوں میں زیادہ مشہور ہے، (۳) امام مالک فرماتے ہیں کہ نفل شروع کرنے سے واجب تو ہو جائے گی لیکن بعذر قطع کرنے پر اعادہ واجب نہیں بلا عذر قطع کرنے پر اعادہ واجب ہے۔

خلاصہ کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ نفل شروع کرنے سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک دونوں کے یہاں واجب اور نماز کے مسئلہ میں امام احمد بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں، امام شافعی کے یہاں واجب نہیں ہوتی ہے، پھر وجوب کے قائلین میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اعادہ واجب ہوگا اور امام مالک ارشاد فرماتے ہیں کہ بعذر توڑنے میں اعادہ واجب نہیں اور بلا عذر میں اعادہ واجب ہوگا۔

ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر دو ملاقات کے بیچ میں تھوڑا سا فصل واقع ہو جائے تو دوبارہ سلام کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ بس ایک مرتبہ سلام ہو گیا اور اس کے بعد چھٹی۔

إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ: اسی روایت کی بناء پر امام مالک واحمد فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کہنا فرض ہے۔

ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ: اس سے حنفیہ نے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ نفس قرأۃ فرض ہے کوئی خاص معین سورۃ فرض نہیں ہے، اور رہی حدیث لا صلوۃ إلا بفاتحة الكتاب اس کو احناف نے وجوب پر محمول کیا ہے کما تقدم۔

قرآن عربی زبان ہی میں پڑھا جائے: اس حدیث پاک سے اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے کہ قرأۃ بالعربیہ ہوگی، کسی اور زبان فارسی وغیرہ میں پڑھنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ فارسی زبان میں قرأۃ کو قرآن نہیں کہا جاتا ہے عربی میں ہو تب اس کو قرآن کہتے ہیں قاله القاضی عیاض۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ اللہ میاں فرماتے ہیں ﴿وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ﴾، اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں قُرْآنًا عَرَبِيًّا، معلوم ہوا کہ قرآن تو وہی ہے جو عربی زبان میں ہو، اسی لئے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غیر عربی میں قرأۃ جائز نہیں، ہاں البتہ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ فارسی وغیرہ زبان میں غیر عربی کیلئے قرأۃ جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا ہے وهذا هو المعتمد۔

ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا: اس سے علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ہر رکعت میں قرأۃ فرض ہے، یہی امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کا مسلک ہے، اور امام ابو حنیفہ کی حسن بن زیاد والی روایت سے ہر رکعت میں قرأۃ کا وجوب نکلتا ہے۔

علماء نے اسی حدیثِ مسیئ فی الصلوۃ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ جو اس میں مذکور ہو وہ واجب ہے اور جو مذکور نہیں ہے اس کو وہ لوگ عدم وجوب پر محمول کرتے ہیں، لیکن شیخ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں کہ بات تو یہی ہے لیکن اگر کسی خاص دلیل سے مزید کسی چیز کا وجوب ثابت ہوتا ہو گا تو اس کو بھی داخل کرنا ہوگا۔

(ص ۱۰۹) بَابُ الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوعِ

۷۶۱. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي.

ترجمہ: باب، رکوع میں دعا کرنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور پاک ﷺ رکوع اور سجدے میں یہ کہتے تھے سُبحَانَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي اے میرے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے! اے اللہ میری مغفرت فرمادے۔

تشریح: آدمی جب رکوع میں جائے تو دعاء کرے، دعاء کی تصریح اسلئے فرمائی کہ امام مالک سے رکوع میں دعاء کی کراہت نقل کی گئی ہے، جمہور علماء جواز کے قائل ہیں، مصنف نے امام مالک کی تردید کی ہے۔

سُبحَانَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي: جب سرور عالم ﷺ پر سورۂ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی اور اس میں یہ ارشاد ہوا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ کَانَ تَوَّابًا اس وقت سے آپ نے اس دعاء کے پڑھنے کا اہتمام کیا، حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ پوچھا بھی کہ یا رسول اللہ! یہ آپ نے کیا نئی دعاء ایجاد کرلی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے ایک علامت مقرر کی گئی تھی کہ جب وہ ظاہر ہو جائے تو میں استغفار کثرت سے کروں اور وہ علامت ظاہر ہوگئی ہے۔

(ص ۱۰۹) بَاب مَا يَقُولُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

۷۶۲. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ يُكَبِّرُ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ.

ترجمہ: باب، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام اور مقتدی کیا دعا پڑھیں؟

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اللهم ربنا ولک الحمد کہتے اور حضور ﷺ جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دونوں سجدوں کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے۔

تشریح: عام نسخ بلکہ سارے نسخ بخاری میں ترجمہ کے یہی الفاظ واقع ہوئے ہیں، لیکن ابن بطال اور ابن منیر کی شرح میں اس سے پہلے بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ کا اضافہ ہے، علامہ ابن رشید اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم تک جو نسخ بخاری پہونچے ہیں ان میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

اگر یہ زیادتی ثابت ہو تو پھر امام بخاری نے اس کے متعلق کوئی روایت کیوں ذکر نہیں کی؟ ابن منیر کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کوئی روایت لکھنا چاہتے ہوں مگر موقع نہ ملا ہو۔

علامہ ابن رشید کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مسلم کی حدیث أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا کی طرف اشارہ کیا ہو لیکن اس روایت کو اس لئے نہیں لیا کہ وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے، مگر پھر خود اس پر اشکال یہ کیا کہ ظاہر ترجمہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرأۃ فی الرکوع والسجود جائز ہے اور حدیث ابن عباسؓ أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، پھر خود ہی اسکا جواب دیا ہے کہ ترجمہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باب حکم القراءۃ فی الرکوع والسجود، اب حکم عام ہے نفیاً ہو یا اثباتاً۔

قرأۃ فی الرکوع کا مسئلہ اپنی جگہ کچھ مختلف فیہ ہے، بعض تابعین ابراہیم نخعی وغیرہ سے ابن ابی شیبہ نے جواز نقل کیا ہے، ابن رشد نے یہی مسلک امام بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، اور غالباً اس کا منشاء یہی ترجمہ ہے جو ابن بطال کی شرح میں واقع ہوا ہے، جمہور علماء أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا کی بناء پر قرأۃ فی الرکوع والسجود سے منع کرتے ہیں۔

آگے مَا يَقُولُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ میں امام بخاری نے امام ومقتدی کے متعلق یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام ومقتدی کیا دعاء پڑھیں گے؟

مسئلۂ امام: حضرت امام ابو حنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ صرف تسمیع پر اکتفاء کرے، صاحبین، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ تسمیع وتحمید میں جمع کرے یہی امام ابو حنیفہ کی ایک روایت ہے اور امام طحاوی کا میلان اسی طرف ہے، امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ امام نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں ہے كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔

مقتدی کیا پڑھے؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صرف تحمید کہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ تسمیع بھی کرے یہی حنفیہ کا ایک قول ہے اور عطاء اور ابن سیرین سے بھی منقول ہے اور بظاہر امام بخاری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن روایت میں مقتدی کے متعلق کوئی بات منقول نہیں ہے، اس میں تو صرف امام کا تذکرہ

ہے، سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے قول مقتدی کو کیسے ثابت فرمایا ہے؟

صاحب خیر جاری فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا یہ ترجمہ شارحہ ہے اور گویا حضرت امام یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد اللھم ربنا ولک الحمد کہے تو مقتدی بھی یہ کہے، اور حدیث پاک کا خلاصہ گویا یہ ہے قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ وقلنا سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وقلنا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ۔

علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنا مدعا ایک دوسری حدیث کی مدد سے ثابت کیا ہے، اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تسمیع وتحمید کرتے تھے اور دوسری روایت میں آپ کا ارشاد ہے إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ اور ایک روایت میں ارشاد ہے صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي لہذا مقتدی بھی امام ہی کی طرح تسمیع وتحمید کرے گا۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ایک اور جواب دیا، وہ فرماتے ہیں کہ اگلا باب: باب فی الباب کے قبیل سے ہے اور اس کی روایت میں قولِ مقتدی کا تذکرہ ہے لہذا اس سے مصنف نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ، حضرت نے جو تقریر کی ہے اس صورت میں امام بخاری جمہور کے ہم خیال ہوں گے اور مقتدی کے حق میں صرف تحمید کے قائل ہوں گے جمع بین التسمیع والتحمید کے قائل نہ ہوں گے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے لَمْ يَصِحَّ فِي ذَلِكَ شَيْءٌ۔

مصلی منفرد کیا پڑھے؟ اس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ جمع بین التسمیع والتحمید کرے۔ اور بعض نے اس پر اجماع بھی نقل کر دیا لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے، بعض حنفیہ کا قول اکتفاء بالتحمید کا ہے اور بعض کا اکتفاء بالتسمیع کا۔

(ص ۱۰۹) بَابُ فَضْلِ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ

۷۶۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ،

فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: باب، اللھم ربنا ولک الحمد کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو اللھم ربنا ولک الحمد کہو اسلئے کہ جس کا قول ملائکہ کے قول سے موافقت کر جائے اسکے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی۔

تشریح: یہ ترجمہ حضرت شیخ دامت برکاتہم کے نزدیک ترجمہ سابقہ کا جزء ہے، اور اگر یہ مستقل ہو تو ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ بیان کی جاسکتی ہے کہ ماقبل کے باب کی روایت میں یہ گزرا تھا کہ نبی پاک ﷺ تسمیع کے بعد تحمید کرتے تھے لہٰذا مصنف نے تبعًا تحمید کی فضیلت بیان فرمادی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: لفظِ تحمید چار طرح سے مروی ہے،(۱) رَبَّنَا لَکَ الحَمْدُ، (۲) رَبَّنَا وَلَکَ الحَمْدُ واؤ کا اضافہ،(۳) اللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الحَمْدُ اللّٰہم کے اضافہ کے ساتھ بغیر واؤ کے،(۴) اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الحَمْدُ اللّٰہم اور واؤ دونوں کے اضافہ کے ساتھ۔

حافظ ابن قیم نے پہلی تین صورتوں کا تذکرہ کیا ہے اور چوتھی صورت کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ کسی روایت میں وارد نہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے، ابھی باب گزشتہ میں جو روایت گزری ہے اس میں ہے قَالَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الحَمْدُ اور اس باب میں بھی بعض نسخوں میں واؤ وارد ہوا ہے، چاروں طرح سے کہا جاسکتا ہے، حنفیہ کے اصول پر سب سے افضل سب سے آخری لفظ ہے کیوں کہ إن زیادۃ المبانی تدل علی زیادۃ المعانی۔

(ص ۱۰۹) بَابٌ

٧٦٤. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَأُقَرِّبَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ، فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَصَلَاةِ الْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَيَدْعُو لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ.

٧٦٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ.

٧٦٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ: كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: مَنِ الْمُتَكَلِّمُ؟ قَالَ: أَنَا، قَالَ: رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ.

ترجمہ: باب۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں تمہارے سامنے نبی کریم ﷺ کی نماز کو قریب کئے دیتا ہوں، چنانچہ ابوہریرہؓ ظہر کی نماز میں، عشاء کی نماز میں اور فجر کی نماز میں آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد قنوت پڑھتے تھے اور اہل ایمان کے لئے دعا کرتے تھے اور کافروں پر لعنت بھیجتے تھے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قنوت فجر اور مغرب کی نماز میں ہوا کرتا تھا۔

حضرت رفاعہ بن رافع زرقیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے ربنا ولک الحمد حمداً کثیراً طیبا مبارکا فیہ کہا، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ یہ کلام کون کہہ رہا تھا؟ تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں تھا، آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سے اوپر کچھ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اس کلام کے سلسلہ میں مسابقت کر رہے تھے کہ اس کو کون پہلے لکھے۔

تشریح: یہ باب بلاترجمہ اسی طرح سے تمام نسخ بخاری میں واقع ہوا ہے، علامہ ابو محمد اصیلی نے یہ باب حذف کر دیا ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اس کو ثابت رکھا جائے اسلئے کہ امام بخاری نے اس باب میں جو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اس سے اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الحَمدُ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے اس لئے اس باب کی روایات کو بلا باب کے نہ رکھنا چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس باب کی روایتوں کا ماقبل سے کیا تعلق ہے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے پہلے یہ بیان کر دیا کہ امام اور مقتدی کیا کہیں گے؟ تو اس کے بعد تبعًا تحمید کی فضیلت بیان کر دی اور اب یہ باب: بابِ اول یعنی بَابُ مَا یَقُولُ الإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّکُوعِ کی تکمیل کے لئے منعقد فرمایا اور ان بعض اذکار کو بیان کر دیا جو رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد پڑھے جائیں گے۔

البتہ یہاں حاشیہ کا نسخہ ہے باب القنوت، یہ ترجمہ اسی طرح سے کرمانی کے نسخہ میں واقع ہوا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ کسی روایت میں ثابت نہیں اور اگر قنوت کا ترجمہ ثابت ہو تو سوال یہ ہے کہ یہاں محل قنوت کیسا اور یہ ترجمہ کیوں منعقد کیا؟

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ قنوت کا لفظ اصلاً طاعت کے معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے پھر اس کے بعد قیام فی الصلوۃ اور دعاءِ مشہور کے لئے بھی استعمال ہونے لگا، اب ہو سکتا ہے کہ حضرت امام نے اس ترجمۃ الباب سے اعتدال کی تکمیل کی طرف اشارہ فرمایا ہو چاہے وہ تکمیل دعاء قنوت کے ذریعہ ہو یا باقی اذکار کے ذریعہ سے، اس صورت میں امام بخاری نے گویا تطویل قومہ کا انکار کرنے اور اس کو مفسد جاننے والوں کی تردید کر دی۔

لَأُقَرِّبَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ: میں قریب کروں گا حضور ﷺ کی نماز کے، یعنی اپنی نماز حضور کی نماز کے قریب کروں گا اور اس کے مشابہ نماز ادا کروں گا۔

فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ: یہ قنوت نازلہ تھی، اس سے معلوم ہو گیا کہ قنوت نازلہ کا پڑھنا ظہر میں ثابت ہے، اور یہ جو امام طحاوی نے لکھ دیا کہ صحابہ کرام میں کسی سے بھی ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ظہر اور عصر کی نماز میں قنوت کیا ہو چاہے جنگ کا حال ہو یا اس کے علاوہ، یہ انہوں نے اپنے علم کے اعتبار سے فرمایا ہے اور یہ فرمانا صحیح نہیں ہے۔

قنوت نازلہ کی مشروعیت پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا قنوت نوازل کس نماز میں پڑھی جائے؟ (۱) امام شافعی فرماتے ہیں کہ ساری نمازوں میں پڑھ سکتے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی حنفیہ کا ایک قول ہے، (۲) سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ صلوات جہریہ میں پڑھی جائے یہ بھی حنفیہ کا ایک قول ہے اور امام احمد سے ایک روایت ہے، (۳) ابو الخطاب کہتے ہیں کہ فجر و مغرب میں پڑھی جائے، (۴) امام ابو حنیفہ کا مشہور قول جو امام طحاوی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے اور امام احمد کی ایک روایت اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ صرف فجر کی نماز میں دعاء قنوت یعنی قنوت نازلہ پڑھی جائے۔

(ص ۱۱۰) بَابُ الطُّمَأْنِينَةِ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

قال أبو حميد: رفع النبي ﷺ واستوى جالسا حتى يعود كل فقار مكانه.

٧٦٧. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ: كَانَ أَنَسٌ يَنْعَتُ لَنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ يُصَلِّي، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ حَتَّى نَقُولَ: قَدْ نَسِيَ.

٧٦٨. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ.

٧٦٩. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يُرِينَا كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ وَذَاكَ فِي غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ، فَقَامَ فَأَمْكَنَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَانْصَبَّ هُنَيَّةً قَالَ: فَصَلَّى بِنَا صَلَاةَ شَيْخِنَا هَذَا أَبِي يَزِيدَ، وَكَانَ أَبُو يَزِيدَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ اسْتَوَى قَاعِدًا ثُمَّ نَهَضَ.

ترجمہ: باب، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد (قومہ میں) اطمینان کا بیان۔

حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور سیدھے کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ کمر کا ہر مہرہ اپنی جگہ پر آگیا۔

حضرت ثابت بنانی سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ ہمیں حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ بتایا کرتے تھے کہ آپ نماز پڑھتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ہم دل میں کہتے کہ آپ کو بھول ہوگئی ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا رکوع، آپ کا سجود، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد قومہ، اور دونوں سجدوں کے درمیان کا جلسہ یہ سب قریب قریب برابر ہوتے تھے۔

(آخری روایت کا ترجمہ باب من صلی بالناس وهو لا يريد إلا أن يعلمهم میں گزر چکا)۔

تشریح: ما قبل میں وہ اذکار بیان کئے جو رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھے جائیں اور اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ میں اعتدال اور طمانینت کی جائے۔

طمانینت کا مسئلہ مختلف فیہا ہے جو میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ الخ: فَقَارٍ فقارۃ کی جمع ہے، فقارۃ کہتے ہیں کمر کے مہرہ کو۔

قَامَ حَتّٰى نَقُولَ قَدْ نَسِيَ: یعنی رکوع سے اٹھنے کے بعد اتنا طویل قیام ہو جاتا تھا کہ ہم کہنے لگتے تھے کہ حضور کو یاد نہیں رہا، حنفیہ فرماتے ہیں کہ دراصل تطویل ہے تو جائز لیکن اس وقت جبکہ نفل کی جماعت ہو اور مقتدیوں کو دیر نہ ہوتی ہو، ورنہ حضرات احناف کہتے ہیں کہ طمانینت کا لحاظ کرتے ہوئے تخفیف ملحوظ رکھنا چاہئے کیوں کہ ائمہ مامور بالتخفیف ہیں، من أمّ منکم فلیخفف ارشاد نبوی ہے۔

فَانْصَبَّ هُنَيَّةً: یہاں پر دو نسخے ہیں، ایک فَانْصَبَّ، انصباب سے باء معجمہ کے ساتھ، یہ اکثر نسخ بخاری میں واقع ہوا ہے، اور دوسرا نسخہ فَأَنْصَتَ تاء مثناۃ کے ساتھ انصات سے کشمیہنی کی روایت میں ہے۔

اگر أنصت ہو تو اس کے معنی یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ رکوع سے اٹھنے کے بعد خاموش ہو جاتے اور فورًا سجدہ کے لئے تکبیر نہیں کہتے تھے، اور ہو سکتا ہے کہ سکونِ اعضاء کو کنایۃً انصات سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔

اور اگر فَانْصَبَّ ہے انصباب سے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ حالت رکوع سے قیام کی حالت کی طرف پوری طرح لوٹ جانا مراد ہے، اور اس کو انصباب سے تعبیر غالبًا اس لئے کیا گیا کہ رکوع عارضی جھکنا ہے، اصل حالت کمر کے سیدھے ہونے کی ہے، تو گویا جب راکع رکوع سے اٹھتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹتا ہے۔

أَبِي يَزِيدَ: یہ حضرت عمرو بن سلمہ جرمیؓ کی کنیت ہے۔

اسْتَوَى قَاعِدًا ثُمَّ نَهَضَ: سیدھے بیٹھ جاتے تھے پھر اٹھا کرتے تھے، اس سے جلسۂ استراحت کا ثبوت ہوتا ہے اور امام بخاری نے آگے چل کر ص ۱۱۳ پر اس کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے، تفصیل وہاں بیان ہوگی، حنفیہ اس کا انکار کرتے ہیں إلا لمعذورٍ اور شافعی مطلقًا استحباب کے قائل ہیں۔

(ص ۱۱۰) بَابٌ يَهْوِي بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَسْجُدُ

وقال نافع: كان ابن عمر يضع يديه قبل ركبتيه.

۷۷۰. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ وَغَيْرِهَا فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ، فَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ

لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَقُولُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُ أَكْبَرُ حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الِاثْنَتَيْنِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَنْصَرِفُ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِنْ كَانَتْ هَذِهِ لَصَلَاتَهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا.

۷۷۱. قَالَا: وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، يَدْعُو لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَيَقُولُ: اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ، وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُونَ لَهُ.

۷۷۲. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ - غَيْرَ مَرَّةٍ - عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ سَقَطَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ فَرَسٍ، - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ مِنْ فَرَسٍ -، فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُودُهُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى بِنَا قَاعِدًا وَقَعَدْنَا - وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: صَلَّيْنَا قُعُودًا - فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا.　　قَالَ سُفْيَانُ: كَذَا جَاءَ بِهِ مَعْمَرٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: لَقَدْ حَفِظَ كَذَا، قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَلَكَ الْحَمْدُ، حَفِظْتُ مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ الزُّهْرِيِّ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ - وَأَنَا عِنْدَهُ -: فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ

ترجمہ:　　باب، جب سجدہ میں جائے تو تکبیر کہتا ہوا جھکے۔

حضرت نافع نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے۔

ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فریضہ اور غیر فریضہ اور رمضان وغیر رمضان کی ہر نماز میں تکبیر کہتے تھے، چنانچہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب رکوع میں

جاتے تو تکبیر کہتے پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے پھر سجدہ میں جانے سے پہلے ربنا ولک الحمد کہتے، پھر جب سجدہ کے لئے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے پھر جب دوسرے سجدہ میں جاتے تو اللہ اکبر کہتے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب دو رکعتوں میں قعدہ کر کے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے، اور وہ نماز کی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے تھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرماتے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں تم سب لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھتا ہوں، بے شک حضور ﷺ کی نماز اسی طرح تھی یہاں تک کہ آپ نے دنیا کو خیرباد کہہ دیا، ابو بکر اور ابو سلمہ دونوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ حضور ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد کہہ کر چند لوگوں کے لئے دعا کرتے تھے اور ان کو نام لے کر نامزد فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ: ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو نجات عطا فرما، اے اللہ! کفار مضر پر اپنی گرفت یا دباؤ کو سخت فرمادے اور ان کو ایسے قحط میں مبتلا کر دے جیسا قحط یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا، (حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ مشرق میں رہنے والے کفار مضر اس زمانہ میں حضور ﷺ کے مخالف تھے۔

علی بن عبد اللہ المدینی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے سفیان نے کئی بار حضرت زہری سے روایت بیان کی کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سے گر گئے اور کبھی سفیان نے عن فرس کے بجائے من فرس کہا، تو آپ کی داہنی جانب چھل گئی چنانچہ ہم حضور ﷺ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم بھی بیٹھ گئے، اور ایک بار سفیان نے یہ فرمایا کہ ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ امام کو امام بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، پھر جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور وہ جب سجدہ میں جائے تو تم سجدہ کرو۔

سفیان نے علی بن مدینی سے پوچھا کہ معمر نے اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا ہے؟ تو علی بن مدینی کہتے ہیں میں نے کہا جی ہاں! اس پر سفیان نے فرمایا کہ بے شک معمر نے یاد رکھا، اسی طرح زہری نے ولک الحمد کہا تھا اور مجھے یاد ہے کہ زہری نے من شقه الأیمن کہا تھا، پھر جب ہم زہری کے پاس سے نکلے تو ابن جریج نے کہا کہ امام زہری نے فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ کہا تھا جبکہ میں (سفیان) زہری کے پاس تھا۔

تشریح: جب سجود کیلئے انخفاض اور ھوی (جھکنا اور گرنا) شروع کرے تو تکبیر کہتا ہوا جھکے، یعنی جھکنے کے ساتھ تکبیر شروع کرے اور سجدہ میں پہونچنے تک تکبیر کہے، یہی مسنون طریقہ ہے، کیوں کہ مقصود ساری

نماز کا ذکر سے معمور کرنا ہے، یہ نہیں کہ آدمی آدھا جھک جائے اور پھر تکبیر شروع کرے۔

وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ: یہ اثر ابن خزیمہ، طحاوی، دار قطنی اور بیہقی نے بطریق دراوردی عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمرؓ روایت کیا ہے، اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں گے اور پھر گھٹنے۔

یہاں دو باتیں بیان کرنی ہیں، اول مسئلہ کا حکم اور دوسرے اس اثر کو مصنف نے یہاں کیوں ذکر کیا؟

پہلی بات: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے یا گھٹنوں کو؟ (۱) امام مالک فرماتے ہیں کہ پہلے ہاتھ رکھے جائیں اور پھر اس کے بعد گھٹنے اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے، (۲) امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ پہلے گھٹنے رکھے جائیں اور پھر ہاتھ اور یہی امام احمد کا مشہور قول ہے، (۳) امام مالک اور امام احمد سے ایک ایک روایت یہ منقول ہے کہ مصلی کو اختیار ہے جو چاہے پہلے رکھے، محدث دارمی نے اپنی سنن میں یہی قول اختیار کیا ہے، امام بخاری کا رجحان بظاہر قول اول کی طرف معلوم ہوتا ہے، اسی لئے حضرت ابن عمرؓ کا اثر يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ ذکر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں دو متعارض روایات نقل کی جاتی ہیں، ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے إذا سَجَدَ أحدُكم فلا يَبرُكْ كما يَبرُكُ البعيرُ وليَضعْ يديه قبل رُكبتيه، رواه أبو داود وغيره، اور دوسری روایت حضرت وائل بن حجرؓ کی ہے قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ، رواه أصحاب السنن الأربعة، ان دونوں روایات میں تعارض ہے۔

ابو ہریرہؓ کی روایت ان لوگوں کی مؤید ہے جو تقدیم یدین علی الرکبتین کے قائل ہیں اور وائلؓ کی روایت جمہور کے قول کی موافقت کر رہی ہے، جمہور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔

(۱) یہ روایت معلول ہے جیسا کہ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے۔

(۲) دوسرا جواب خطابی نے دیا ہے کہ وائلؓ کی روایت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اصح ہے یعنی ابو ہریرہؓ کی روایت مرجوح ہے۔

(۳) تیسرا جواب ابن خزیمہ اور موفق حنبلی نے دیا کہ ابو ہریرہؓ کی روایت منسوخ ہے اس لئے کہ ابن خزیمہ

کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے كُنَّا نَضَعُ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ فَأُمِرْنَا بِالرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ، واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت اگر ثابت ہوتی تو سارے نزاع کا خاتمہ ہو جاتا مگر اس کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل بن یحی بن سلمۃ بن کہیل ہے جو اپنے باپ سے نقل کرتا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت مقلوب ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوہریرہؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے فَلْيَبْدَأْ بِرُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، مگر اس کی سند میں شدید اختلاف ہے۔

(۵) اس روایت میں اضطراب ہے، سنن کی روایت میں ہے ولیضع یدیه قبل رکبتيه اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے فَلْيَبْدَأْ بِرُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ اور بیہقی کی روایت میں وارد ہوا ہے ولیضع یدیه علی رکبتيه۔

امام نووی کی رائے ہے کہ دونوں روایتیں قابل احتجاج ہیں اس لئے انسان کو اختیار ہے کہ چاہے اس پر عمل کرے اور چاہے اس پر عمل کرے، گنجائش ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسائل مخیر بہا میں کسی ایک جزء کو ضروری قرار دینا بہت بڑی تنگی کا باعث ہو جاتا ہے۔

دوسری بات: اس اثر کو امام بخاری نے یہاں کیوں ذکر کیا؟ علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے جب سجدہ میں جھکنے کی صفت بیان کی تو اس کی فعلی صفت بھی اس کے بعد بیان فرمادی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ اثر دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تو جزء ترجمہ ہے، مگر علامہ عینی؛ حافظ کی بات نہیں سمجھے اور اس کو جزء ترجمہ قرار دینے پر اعتراض کر دیا کہ پھر اس کا مُثبِت کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ شارحِ ترجمہ ہے تو محتاجِ اثبات ہے ہی نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ اثر لاکر سجدہ میں جانے کی پوری کیفیت بیان کر دی کہ آدمی سجدہ میں تکبیر کہتا ہوا جائے اور پہلے یدین رکھے اور پھر رکبتین۔

قَالَا: قالا کی ضمیر حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن کی طرف عائد ہے۔

وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُونَ لَهُ: یعنی اُس زمانہ میں مدینہ کے مشرق کے باشندے جو قبیلۂ مضر کے لوگ تھے حضور اکرم ﷺ کے سخت مخالف تھے اسلئے آپ نے ان کے حق میں بددعا کی اور فرمایا اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ اے اللہ اپنی گرفت کو مضر پر سخت کر دے، یہ جملہ وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُونَ لَهُ ذہن میں رکھو کتاب الاستسقاء میں میں اس کی طرف اشارہ کروں گا۔

سَقَطَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ابو حاتم بن حبان البستی نے اپنی صحیح المسمیٰ بالانواع والتقاسیم میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ ذی القعدہ سن ۵ھ میں پیش آیا ہے۔

كَذَا جَاءَ بِهِ مَعْمَرٌ؟: یہ مقولہ سفیان کا ہے، سفیان نے اپنے شاگرد علی بن مدینی سے جب یہ حدیث بیان کی تو ان سے یہ پوچھا كَذَا جَاءَ بِهِ مَعْمَرٌ؟ کیا اسی طرح معمر نے بھی یہ حدیث بیان کی؟ تو علی بن مدینی نے فرمایا کہ ہاں۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ علی بن مدینی اس حدیث کو دو طرح سے روایت کرتے ہیں ایک معمر اور دوسرے سفیان بن عیینہ سے، جب انہوں نے سفیان سے یہ روایت سنی تو اس کے بعد سفیان نے پوچھا کہ تم سے معمر نے بھی اسی طرح روایت بیان کی ہے تو علی بن مدینی نے فرمایا کہ ہاں! تو اس پر سفیان نے فرمایا لَقَدْ حَفِظَ ان کو یعنی معمر کو یہ حدیث یاد ہے۔

لیکن یہ مطلب غلط ہے اس لئے کہ امام علی بن مدینی تو معمر کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو معمر سے روایت کہاں لے سکتے ہیں، معمر کی وفات سن ۱۵۴ھ میں ہوئی ہے اور امام علی بن مدینی کی ولادت سن ۱۶۱ھ میں ہے تو معمر کی وفات کے سات سال کے بعد علی بن مدینی پیدا ہوئے ہیں؟ اس لئے علامہ کرمانی نے جو مطلب بیان کیا اور علامہ برماوی نے ان کا اتباع کیا یہ غلط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ معمر کی روایت علی بن مدینی کو کسی اور طریق سے پہنچی ہوگی، اس کے متعلق سفیان نے پوچھا کہ کیا معمر کی روایت میں بھی اسی طرح سے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ وَلَكَ الْحَمْدُ: یعنی زہری کی اس حدیث میں ولک الحمد واؤ کے اضافہ کے ساتھ واقع ہوا ہے۔

حَفِظْتُ مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ الزُّهْرِيِّ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَنَا عِنْدَهُ فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ: ایک اور بات بتاتے ہیں اور اپنی یادداشت کو بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں یعنی یہ حدیث جب میں نے زہری سے سنی تو مجھے پوری طرح سے یہ حدیث محفوظ ہے کہ انہوں نے مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ کہا، لیکن جب ہم زہری کے یہاں سے نکلے تو ابن جریج نے یہ حدیث بیان کی اور میں خود ابن جریج کے پاس موجود تھا کہنے لگے فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ، یعنی ابن جریج کو پورا لفظ محفوظ نہیں رہا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابن جریج کے لفظ کو غلط قرار دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ شِقِهِ الأَيْمَنِ لفظ عام ہے اور ابن جریج کی روایت اس کی تفسیر کرتی ہے، بخاری شریف میں باب الصلوة فی السطوح والمنبر میں حضرت انسؓ کی روایت آچکی ہے اس میں فجحش ساقه اور کتفه وارد ہوا ہے۔

(ص ۱۱۱) بَاب فَضْلِ السُّجُودِ

۷۷۳ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا أَنَّ النَّاسَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: هَلْ تُمَارُونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَهَلْ تُمَارُونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذَلِكَ، يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الشَّمْسَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الْقَمَرَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الطَّوَاغِيتَ، وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَأْتِيهِمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا، فَيَدْعُوهُمْ فَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ، وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ، وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ يُوبَقُ بِعَمَلِهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُو، حَتَّى إِذَا أَرَادَ اللهُ رَحْمَةَ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ اللهُ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَيُخْرِجُونَهُمْ وَيَعْرِفُونَهُمْ بِآثَارِ السُّجُودِ، وَحَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ فَكُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ النَّارُ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، ثُمَّ يَفْرُغُ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَيَبْقَى

رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولاً الْجَنَّةَ مُقْبِلًا بِوَجْهِهِ قِبَلَ النَّارِ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا، فَيَقُولُ: هَلْ عَسَيْتَ إِنْ فُعِلَ ذَلِكَ بِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: لاَ وَعِزَّتِكَ، فَيُعْطِي اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ مَا يَشَاءُ مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ، فَيَصْرِفُ اللَّهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ فَإِذَا أَقْبَلَ بِهِ عَلَى الْجَنَّةِ رَأَى بَهْجَتَهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَسْكُتَ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ، قَدِّمْنِي عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعُهُودَ وَالْمِيثَاقَ أَنْ لاَ تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنْتَ سَأَلْتَ؟ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، لاَ أَكُونُ أَشْقَى خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: فَمَا عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذَلِكَ أَنْ لاَ تَسْأَلَ غَيْرَهُ، فَيَقُولُ: لاَ وَعِزَّتِكَ، لاَ أَسْأَلُ غَيْرَ ذَلِكَ، فَيُعْطِي رَبَّهُ مَا شَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ، فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَأَى زَهْرَتَهَا وَمَا فِيهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُورِ فَيَسْكُتُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَسْكُتَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَيْحَكَ يَا ابْنَ آدَمَ، مَا أَغْدَرَكَ أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ أَنْ لاَ تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي أُعْطِيتَ؟ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، لاَ تَجْعَلْنِي أَشْقَى خَلْقِكَ، فَيَضْحَكُ اللَّهُ مِنْهُ ثُمَّ يَأْذَنُ لَهُ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ: تَمَنَّ فَيَتَمَنَّى حَتَّى إِذَا انْقَطَعَتْ أُمْنِيَّتُهُ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: زِدْ مِنْ كَذَا وَكَذَا أَقْبَلَ يُذَكِّرُهُ رَبُّهُ حَتَّى إِذَا انْتَهَتْ بِهِ الأَمَانِيُّ، قَالَ اللَّهُ: لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ لأَبِي هُرَيْرَةَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: قَالَ اللَّهُ لَكَ ذَلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَمْ أَحْفَظْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلاَّ قَوْلَهُ لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ ذَلِكَ: لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ.

ترجمہ: باب، سجدے کی فضیلت کا بیان۔

سعید بن مسیب اور عطاء بن یزید لیثی سے روایت ہے کہ ان سے حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کیا جب چودھویں رات کے چاند پر ابر نہ ہو تو اس کے دیکھنے میں تمہیں کچھ شک رہتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، یارسول اللہ! پھر آپ نے فرمایا کیا سورج پر ابر نہ ہو تو اس کے دیکھنے میں تمہیں شک رہتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، یارسول اللہ! پھر آپ نے فرمایا کہ بالکل اسی طرح بے شک وشبہ

تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے، قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا پھر ان سے اللہ تعالیٰ یہ کہے گا کہ جو کسی چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کا اتباع کرے چنانچہ کچھ ایسے ہوں گے جو سورج کا اتباع کریں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو چاند کا اتباع کریں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو شیاطین یا بتوں کا اتباع کریں گے اور یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں اس کے منافقین بھی ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ (ایک معروف صورت میں) ان کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو یہ لوگ عرض کریں گے کہ ہم اسی مقام پر رہیں گے یہاں تک کہ ہمارا پروردگار ہمارے پاس آئے، جب ہمارا پروردگار آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے پھر ان کے پاس اللہ عزوجل آئے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو یہ لوگ کہیں گے کہ تو ہمارا پروردگار ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کو بلائے گا، اور پل صراط کو جہنم کے بالکل بیچ میں قائم کر دیا جائے گا، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام رسولوں میں پہلا رسول میں ہوں گا جو اپنی امت کے ساتھ اس پل صراط سے پار ہوگا اور اس دن پیغمبروں کے علاوہ کوئی شخص زبان سے کچھ نہ کہہ سکے گا اور پیغمبر علیہم السلام بھی اس دن صرف یہ کہتے ہوں گے اے اللہ نجات عطاء فرما، نجات عطاء فرما۔

اور جہنم میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے سعدان درخت کے کانٹوں کو دیکھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں دیکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے مگر وہ اتنے بڑے ہوں گے کہ ان کی بڑائی خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، یہ آنکڑے لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے بہت تیزی کے ساتھ پکڑ لیں گے، کچھ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک کر دیئے جائیں گے، کچھ لوگ وہ ہوں گے جو بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پھر نجات پا جائیں گے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اہل جہنم میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو اللہ کی عبادت کرتا تھا اس کو نکال لائیں چنانچہ فرشتے ایسے لوگوں کو نکال لائیں گے اور وہ انہیں سجدوں کے نشان سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جہنم پر یہ حرام کر دیا ہوگا کہ وہ سجدے کے نشان کو کھا جائے، چنانچہ وہ فرشتے ان لوگوں کو نکال کر لائیں گے تو سجدوں کے نشان کے علاوہ ابن آدم کے تمام حصۂ جسم کو آگ کھا جائے گی، پھر یہ لوگ جہنم سے اس حال میں نکلیں گے کہ وہ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے، پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا تو وہ اس طرح تیزی سے اگیں گے (نشو نما پائیں گے) جس طرح دانہ سیلاب کے کیچڑ میں اگتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہوگا اور ایک شخص جنت اور دوزخ کے درمیان باقی رہ جائے گا اور وہ اہل جہنم میں سے جنت میں جانے والا آخری انسان ہوگا اس کا رخ جہنم کی طرف ہوگا وہ عرض کرے گا اے پروردگار میرا منھ دوزخ کی طرف سے پھیر دے، اس کی ہوا مجھے زہر پلا رہی ہے اور اس کی تیزی مجھے جلائے دیتی ہے تو اللہ فرمائے گا کہ اگر تیری یہ بات پوری کر دی جائے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس کے علاوہ کوئی اور سوال کرے؟ وہ عرض کرے گا تیری عزت کی قسم! ایسا نہ ہوگا چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے جتنا اللہ چاہے گا اتنا عہد و پیمان کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کے منھ کو جہنم سے پھیر دے گا، پھر جب وہ جنت کی طرف منھ کر لے گا تو اس کی رونق کو دیکھے گا اور جتنا خدا کو منظور ہے اتنی دیر خاموش رہے گا، پھر عرض کرے گا اے

پروردگار! مجھے جنت کے دروازے تک بڑھنے کی اجازت دے دے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تو نے یہ عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ اس پہلے سوال کے علاوہ تو کوئی سوال نہیں کرے گا؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میری تمنا یہ ہے کہ میں تیری مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ رہوں، پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اگر تیری یہ تمنا پوری کردی جائے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس کے علاوہ کوئی سوال نہ کرے؟ تو وہ عرض کرے گا تیری عزت کی قسم! ایسا نہ ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ سے جتنا چاہے گا عہد و پیمان کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازے پر پہنچادے گا، پھر جب وہ دروازے تک پہنچ جائے گا تو اس کی رونق وزینت کو اور اس کی تروتازگی و مسرت کو دیکھے گا، پھر جتنا خدا کو منظور ہے اتنی مدت خاموش رہے گا، پھر یہ عرض کرے گا اے پروردگار مجھے جنت میں پہنچادے تو اللہ عزوجل فرمائے گا ابن آدم! تجھ پر بڑا افسوس ہے تو کتنا بڑا عہد شکن ہے؟ کیا تو نے یہ عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ جو چیز تجھ کو دے دی گئی ہے اس کے علاوہ کسی چیز کا سوال نہیں کرے گا؟ وہ عرض کرے گا اے پروردگار مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا، پھر اللہ تعالیٰ اس کی بات سن کر ہنس دے گا پھر اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمادے گا اور اس سے فرمائے گا بتا اور کیا تمنا ہے؟ چنانچہ وہ تمنائیں عرض کرے گا یہاں تک کہ جب تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ عزوجل فرمائے گا ایسی اور ایسی تمناؤں کا اور اضافہ کرلے، اس کو اس کا پروردگار یاد دلائے گا، یہاں تک کہ جب تمام تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ عزوجل فرمائے گا یہ سب تجھ کو عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ اسی کے برابر مزید دیا گیا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل اس شخص سے فرمائے گا کہ تجھ کو یہ سب دیا گیا اور اس کے ساتھ اس سے دس گنا دیا گیا، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے یاد نہیں ہے، مجھے تو صرف یہی یاد ہے کہ تجھے یہ سب دیا گیا اور اس کے ساتھ اس جیسا دیا گیا، حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ سب دیا گیا اور اس سے دس گنا دیا گیا۔

تشریح: میں ماقبل میں تنبیہ کر چکا ہوں کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جن جن امور کی فضیلت مصنف کی شرط کے مطابق ثابت ہو اس پر وہ ترجمہ منعقد کرتے جاتے ہیں، چونکہ سجود کی فضیلت کے سلسلہ میں خاص طور سے ایک روایت موجود تھی اسلئے مصنف نے فضل سجود کا ترجمہ منعقد کر دیا، اور ممکن ہے کہ مسلم کی ایک روایت **أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ** کی طرف اشارہ کیا ہو۔

هَلْ تُمَارُونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ تُمَارُوْنَ ضم تاء کے ساتھ ماخوذ ہے **مماراة** سے بمعنی مجادلہ اور اختلاف یعنی کیا تم جھگڑتے ہو چودھویں رات کے چاند میں، اور اگر یہ **بفتح التاء تَمَارُوْنَ** ہے تو ماخوذ ہے **مِرْيَةٌ** سے اور معنی ہوں گے کیا تمہیں شک ہے چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں، صحابہ نے عرض کیا نہیں۔

فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ: تم اسی طرح سے دیکھوگے کوئی شبہ اور مجادلہ کا مسئلہ نہیں، میں ماقبل میں باب المواقیت میں بیان کر چکا ہوں کہ اہل سنت والجماعت رؤیت باری تعالی کے قائل ہیں اور معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں، اہل سنت نے اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ متواترہ سے استدلال کیا ہے۔

وَتَبْقَى هٰذِهِ الأُمَّةُ: اور یہ امت رہ جائے گی اور اس میں اس کے منافقین رہ جائیں گے۔

عارف ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اس سے حضرت محمد ﷺ کی امت مراد ہو، اور یا اس سے مطلقاً وہ امت مراد ہو جو اللہ تعالیٰ شانہ کو مانتی ہو چاہے حقیقۃً ہو اور چاہے ظاہراً جیسے منافقین۔

فَيَأْتِيهِمُ اللّٰهُ: حق تعالیٰ شانہ تشریف لائیں گے، یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے، حق تعالی کے تشریف لانے سے کیا مراد ہے؟ مختلف اقوال ہیں۔

(۱) حنابلہ اس کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں اور عام اہل کلام اس طرح کی روایات اور اس طرح کے نصوص کی تاویل کرتے ہیں۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ اتیان کنایہ ہے رؤیت سے اسلئے کہ جو آتا ہے وہ نظر بھی آتا ہے۔

(۳) بعضوں نے کہا ہے کہ یہ فعل من افعال اللہ ہے یعنی یہ حدیث صفاتِ افعال میں سے ہے۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اتیان بعض الملائکہ ہے، قاضی عیاض نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

(۵) میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کو بالکل اپنے ظاہر پر رکھا جائے، واقعۃً حق تعالیٰ شانہ کا اتیان ہوگا اور وہ اپنی ربوبیت کا اعلان فرمائیں گے اور حاضرین اقرار کریں گے، اور رہی یہ بات کہ اتیان کس طرح ہوگا تو جب ہم ذات حق سے واقف نہیں اس کی حقیقت نہیں جانتے تو اس کے صفات اور اس کے حال سے کیا واقفیت ہوگی؟ بس اتنا جانتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ فرمادیا وہ برحق ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، میں اس مسئلہ کو تفصیل سے کتاب التوحید میں بیان کروں گا۔

فَيَقُولُونَ هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا: ارشاد ہوگا کہ میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے کہ ہم تو یہیں رہیں گے یہاں تک کہ ہمارا رب ہمارے پاس آجائے، پہلی تجلی ایسی ہوگی کہ اس میں اللہ کی پوری معرفت نہیں ہوگی اسلئے لوگ کہیں گے کہ ہم تو یہیں رہیں گے اور جب ہم ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، اس کے بعد پھر حق تعالی دوسری تجلی فرمائیں گے اور یہ تجلی محبت وعنایت کی چاشنی لئے ہوئے ہوگی لہذا حقیقت واضح

ہو جائے گی اور لوگوں کے دل میں یہ یقین داخل ہو جائے گا کہ یہ اللہ جل جلالہ و عم نوالہ ہیں اور اللہ کے أَنَا رَبُّكُمْ کہنے پر سب اعتراف کریں گے أَنْتَ رَبُّنَا تم ہمارے رب ہو فَيَدْعُوهُمْ حق تعالیٰ شانہ ان کو بلائے گا۔

وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ: اور پل صراط جہنم کی پشت پر نصب کر دیا جائے گا، حضرت ابو سعید خدریؓ سے مسلم شریف میں نقل کیا گیا ہے بَلَغَنِي أَنَّ الْجِسْرَ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرَةِ وَأَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہو گا، یہ مضمون مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مرفوع میں وارد ہوا ہے۔

فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ: سب سے پہلا شخص جو جہنم کو پار کرے گا وہ میں ہوں گا اپنی امت کے ساتھ، اسمیں دو احتمال ہیں، (۱) یا مطلب یہ ہے کہ رسولوں میں سب سے پہلے آپ پل صراط پار کریں گے پھر باقی رسول درجہ بدرجہ، اور امتوں میں آپکی امت سب سے پہلے پار ہو گی پھر باقی امتیں درجہ بدرجہ، (۲) یا حضور ﷺ اپنی امت کے ساتھ پار ہو جائیں گے پھر باقی انبیاء اپنی امتوں کے ساتھ پار ہوں گے۔

دوسرے مطلب پر اشکال یہ ہے کہ اس سے اس امت کا تقدم دیگر انبیاء پر لازم آئے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقدم تابع ہو گا استقلالی نہیں جیسے بادشاہ چلتا ہے تو اس کے پیچھے پیچھے اس کے خادم بھی چلتے ہیں اس کے بعد وزیر چلتا ہے، ظاہر بات ہے کہ یہاں بادشاہ کے خدام کا وزیر کے آگے چلنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ وزیر سے اکمل ہیں بلکہ وہ بادشاہ کے تابع اور اس کے ضمن میں داخل ہیں۔

وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں صرف انبیاء و رسل کلام کریں گے اور انکا کلام رب سلّم سلّم ہو گا، جبکہ مسند عبد بن حمید اور ترمذی میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا شعار المؤمنین یوم القیامة علی الصراط رب سلّم سلّم، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین بھی پل صراط پر گزرتے ہوئے رب سلّم سلّم کہتے ہوں گے، سوال یہ ہے کہ بخاری سے تو معلوم ہوا کہ صرف انبیاء کہیں گے اور ترمذی سے معلوم ہوا کہ مؤمنین بھی کہیں گے۔

اس تعارض کا (۱) ایک جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت کے مقابلہ میں ترمذی کی روایت مرجوح سمجھی جائے، (۲) دوسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اصل میں رسول ہی کلام کر رہے ہوں گے مگر ان کا کلام ان کے متبعین کی طرف مجازی طور پر منسوب کر دیا گیا اسلئے کہ وہ ان کے متبع ہیں، (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ

حضرات رسل تو اپنی زبانوں سے کہہ رہے ہوں گے اللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ اور مؤمنین دل ہی دل میں اللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ کہہ رہے ہوں گے، (۴) ہمارے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ رسل علیہم الصلوۃ والسلام کا کلام غیر کے حق میں ہوگا اور امتیوں کا کلام اپنے حق میں ہوگا، تو وَلَا یَتَکَلَّمُ یَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ کا مطلب یہ ہے کہ غیر اور عام لوگوں کیلئے حضرات رسل بول رہے ہوں گے اور باقی لوگ نفسا نفسی کے عالم میں ہوں گے اور اپنے لئے رب سلّم سلّم کی دعائیں کررہے ہوں گے۔

وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ: اور جہنم میں آنکڑے ہوں گے جیسے سعدان کے کانٹے ہوتے ہیں، کلالیب جمع ہے کلّوب کی اور بعضوں نے کہا کہ کلّاب کی جمع ہے، ایک لوہا ہوتا ہے جس کا سرا مڑا ہوا ہوتا ہے جس سے تنور سے روٹیاں نکالی جاتی ہیں۔

مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ: سعدان ایک خاردار چھوٹا درخت ہوتا ہے جس کو اونٹ بہت پسند کرتا ہے کانٹے اس کے ٹیڑھے ٹیڑھے ہوتے ہیں۔

هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟ کیا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا کہ صورۃً تو سعدان کے کانٹے جیسے ہوں گے لیکن ان کی مقدار اور بڑائی کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ: لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے اچکتے ہوئے پکڑتے ہوں گے، قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ یہ کلالیب انسان کی وہ شہوات ہوں گی جس کی طرف حدیثِ حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ میں اشارہ کیا گیا ہے، یہ حدیث کتاب الزکوۃ میں آرہی ہے۔

فَمِنْهُمْ مَنْ يُوبَقُ بِعَمَلِهِ، إلخ: بعض تو اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہی ہوجائیں گے، اور بعض کٹ جائیں گے پھر نجات پالیں گے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ شانہ اپنے بندوں پر رحمت کا ارادہ فرمائیں گے یعنی ان مؤمنین پر جو اپنے اعمال سیئہ کی وجہ سے جہنم میں جاچکے ہوں گے تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جو اللہ کی پرستش کرتا تھا یعنی توحید کا قائل تھا اسے نکال لو، مطلب یہ ہے کہ نری توحید ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ طاعت بھی کرتا تھا اسے نکالو۔

فَيُخْرِجُونَهُمْ وَيَعْرِفُونَهُمْ بِآثَارِ السُّجُودِ: روایت میں آثار السجود بصیغۂ جمع وارد ہوا ہے اور اس سے بظاہر اعضاء سبعہ مراد ہیں، اور ہوسکتا ہے کہ اس سے پیشانی مراد ہو، مسلم کی ایک روایت میں ہے

یَحتَرِقُونَ فِیهَا إِلَّا دَارَاتُ وُجُوهِهِمْ سارے اعضاء جل جائیں گے لیکن گولائی اور تدویر محفوظ رہے گی، قاضی عیاض کا رجحان اسی طرف ہے کہ یہاں آثارِ سجود سے مراد پیشانی ہے اور انہوں نے مسلم کی روایت کو بنیاد بنایا ہے، لیکن امام نووی کی رائے یہ ہے کہ مسلم کی روایت ایک مخصوص جماعت کے لئے ہے باقی جو عامۂ مسلمین نماز پڑھتے ہوں گے ان کے سارے اعضاء سجود محفوظ ہوں گے ان پر آگ اثر نہیں کرے گی۔

آگ کیوں اثر نہیں کرے گی؟　اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بظاہر اس کا منشاء یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کرم یہ گوارا نہیں کرے گا کہ جو اعضاء اللہ کے سامنے دنیا میں سجدہ ریز اور ذلیل ہوئے تھے؛ ان کو جرائم کی وجہ سے معذب کیا جائے، باقی بدن پر تو عذاب ہوگا لیکن یہ اعضاء محفوظ رہیں گے، حافظ ابن حجر عسقلانی کے والد کا شعر ہے۔

یا رب أعضاء السجود عتقتها　　من فضلک الوافی وأنت الواقی

والعتق یسری بالغنی یا ذا الغنی　　فامنن علی الفانی بعتق الباقی

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اعضاء سجود کو اپنے کرم سے آزاد کر ہی دیا ہے اور آزادی کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک عضو کو آزاد کرنے سے پورا انسان آزاد ہو جاتا ہے لہذا اے اللہ باقی کو بھی تو آزاد فرمادے۔

فَكُلَّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ النَّارُ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ:　اثر سجود کو آگ نہیں کھا سکتی، اس سے سجود کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

قَدِ امْتَحَشُوا:　پھر آگ سے نکالے جائیں گے اور وہ جل چکے ہوں گے، ان پر ماء حیات ڈالا جائے گا اور وہ لوگ ایسے اگیں گے اور ان میں ایسا نور ہوگا جیسے سیلاب کے کوڑا کرکٹ میں دانہ سے سبزہ نکلتا ہے۔

ثُمَّ يَفْرُغُ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ:　فراغت کنایہ ہے اتمام سے، یہ مطلب نہیں ہے کہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کو مشغول کر دے گا اور وہ اس وقت دوسرا کام نہیں کر سکیں گے۔

وَيَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ لْجَنَّةِ وَالنَّارِ، إلخ:　ایک آدمی جنت و جہنم کے درمیان باقی رہ جائے گا، وہ اہل نار کا سب سے آخری انسان ہوگا چہرہ جہنم کی طرف کئے ہوگا کہے گا اے اللہ میرا چہرہ آگ سے پھیر دے، اس کی بدبو نے مجھ کو مسموم کر دیا اور اس کی لپٹوں نے مجھ کو جلا دیا، حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ ارے یہ تو بتا کہ اگر تیرے ساتھ یہ سلوک واحسان کر دیا جائے تو اس کے بعد تو اس کے علاوہ نہیں مانگے گا؟ کہے گا تیری

عزت وجلال کی قسم! نہیں! کچھ بھی نہیں مانگوں گا، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے جتنا اللہ چاہے گا اتنا عہد وپیمان کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے منھ کو جہنم سے پھیر دے گا پھر اس کے بعد جنت کی طرف متوجہ ہو گا دور ہی سے اس کی سبزی وشادابی نظر آئے گی وہ خاموش رہے گا جتنا اللہ چاہیں گے پھر کہے گا اے اللہ! مجھ کو جنت کے دروازے کے قریب کر دے۔

اس روایت میں تو اختصار ہے، ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ اس کو ایک درخت نظر آئے گا وہ یہ کہے گا کہ اللہ! مجھے اس درخت کے قریب کر دے تا کہ میں اس کے سایہ سے فائدہ حاصل کروں وہاں پانی ہے اس کو پیوں گا، حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے اے ابن آدم! تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ آگے کچھ نہیں مانگے گا، پھر حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے اچھا اس کے علاوہ تو کچھ نہیں مانگے گا؟ وہ کہے گا کہ نہیں! تو اس کے قریب کر دیں گے، جب وہاں قریب ہو گا تو وہاں سے جنت کی شادابی اور اس کی تازگی نظر آئے گی، کچھ دنوں تک تو صبر کرے گا اور اس کے بعد چیخ وپکار شروع کر دے گا، حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرمائیں گے کہ اے ابن آدم! یہ تیری چیخ وپکار کیوں ہے؟ وہ کہے گا کہ اے اللہ! مجھے جنت کے قریب کر دے مجھے دروازۂ جنت کے پاس کر دے، اللہ میاں فرمائیں گے کیا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ جو مانگ چکا ہے اس کے علاوہ نہیں مانگے گا؟ کہے گا اے اللہ! مجھے اپنی مخلوقات میں سب سے زیادہ محروم نہ بنا، حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ اچھا یہ بتلا کہ اس کے علاوہ تو تو نہیں مانگے گا؟ کہے گا کہ تیری عزت وجلال کی قسم! اس کے سوا میں کچھ بھی نہیں مانگوں گا، اللہ تعالیٰ سے عہد وپیمان کرتا رہے گا اللہ میاں جنت کے دروازہ کے پاس پہنچا دیں گے جہاں دروازہ کے پاس پہونچے گا اور اندر کی سبزی وشادابی پر اس کی نظر پڑے گی، بس کچھ دنوں تک تو خاموش رہے گا اور اس کے بعد پھر چیخ وپکار شروع کر دے گا کہ اے اللہ! مجھے جنت میں داخل کر دے، حق تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! افسوس ہے تجھ پر! کتنا بڑا بے وفا ہے تو، کیا تو نے عہد وپیمان نہیں کیا تھا کہ تجھے جو دے دیا گیا اس کے سوا کچھ نہیں مانگے گا؟ وہ عرض کرے گا اے اللہ! اپنی مخلوقات میں مجھ کو سب سے زیادہ محروم نہ بنا، اس وقت حضرت باری جل مجدہ ہنس پڑیں گے اور پھر جنت میں داخل ہونے کی اجازت ہو جائے گی اور اس کے داخل ہونے کے بعد ارشاد ہو گا کہ مانگ! کیا مانگتا ہے، جو کچھ اسے یاد آتا جائے گا مانگتا جائے گا، جب اس کی ساری تمناؤں کا خاتمہ ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائیں گے کہ ارے یہ بھی تو مانگ لے یہ بھی تو مانگ لے، غرض کہ مانگتے مانگتے جب تمناؤں کا خاتمہ

ہو جائے گا اور اس کی ساری امیدیں پوری ہو جائیں گی تو حق تعالیٰ فرمائیں گے لَکَ ذٰلِکَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ۔

حضرت ابو سعیدؓ نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے فرمایا کہ حضور ﷺ نے تو فرمایا تھا لَکَ ذٰلِکَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ، حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا کہ مجھے وَمِثْلُهُ مَعَهُ ہی یاد ہے، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اولاً آپ نے وَمِثْلُهُ مَعَهُ فرمایا ہو گا اور پھر کسی دوسری مجلس میں وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ فرمایا ہو گا۔

یہ جو ارشاد ہوا کہ جنت میں داخل ہونے والا یہ آخری شخص ہو گا، اس کے علاوہ اور بھی متعدد اشخاص ایسے ہیں جن کے بارے میں احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جنت میں سب سے آخر میں وہ داخل ہوں گے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کوئی خاص فرد ہو گا، اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص قسم کے لوگ ہوں گے اور ان کی مخصوص جماعتیں ہوں گی جو اپنے اپنے اعتبار سے جنت میں داخل ہونے والے آخری افراد ہوں گے۔

رہی یہ بات کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہ کیا کیا کہ جہنم سے نکال کر باہر کر دیا اور منھ جہنم کی طرف کر دیا، پھر اس نے ہائے واویلا کیا تو منھ جنت کی طرف، پھر اس کے بعد درخت کی طرف، پھر اس کے بعد بابِ جنت کی طرف اور پھر اس کے بعد جنت کے اندر، جب جہنم سے نکال دیا گیا تو پھر آگے جنت میں پہنچا دینا چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں جہنم کافر کے لئے تو محل تعذیب ہے اس کا جرم کفر ہے کہ یہ اصل تو خدائے پاک کے ساتھ بغاوت ہے اس لئے اس کو تو سزا ہی دینی مقصود ہے، اور مؤمن کے لئے جہنم محل تادیب اور محل تہذیب ہے، مؤمن ہو کر اپنا ہو کر سرکشی کی ہے تو تادیب کے طور پر سزا ہو گی، لیکن اس تادیب کا مقصد تعذیب نہیں بلکہ تہذیب ہو گا، معاصی کی وجہ سے انسان میں ایک سیاہی پیدا ہو گئی اس کے نفس میں ظلمت آگئی تاریکی آگئی ہے اس کی صفائی کی جائے گی، جب بالکل مزکّی ہو جائے گا اور جنت میں داخلہ کے قابل ہو جائے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا لیکن ابھی اس میں پوری صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے تھوڑی تھوڑی تادیب کی صورت رکھی جائے گی تاکہ آہستہ آہستہ اس میں صلاحیت پیدا ہوتی جائے اور پھر جنت میں پہونچایا جائے۔

یہ جو ہم نے کہا ہے کہ جہنم میں مؤمن کا ڈالنا تعذیب کے لئے نہیں بلکہ تہذیب کے لئے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں مؤمن کے پاس ایک مایہ ہے اور وہ ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اس کی شان یہ ہے مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ، مگر معاصی کی شان یہ ہے کہ جہنم میں لے جائے، اب جنت میں لے جانے والا سامان اس کے پاس موجود ہے لیکن موانع بھی اس کے پاس ہیں تو ان موانع کی صفائی کی جائے گی، جب صفائی

ہو جائے گی تو پھر مؤمن جنت میں پہنچ جائے گا، اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے بادشاہ کا کپڑا کہ وہ جب میلا کچیلا ہو جاتا ہے تو دھوبی کی بھٹی میں پہنچتا ہے وہ اس کو پکاتا ہے صفائی کرتا ہے اور اس کے بعد پھر بادشاہ اس کو زیب تن کرتا ہے، کیا کوئی عقلمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ دھوبی کا اس کپڑے کو پکانا اور اس کو کوٹنا اور پیٹنا اس کے ساتھ زیادتی ہے؟ بلکہ یہ تو عین اس کے ساتھ کرم کا معاملہ ہے تا کہ آئندہ پھر وہ بادشاہ کے بدن کا لباس اور اس کے لئے زینت بن سکے، یہی حال مؤمن کا ہو گا۔

لیکن بہر حال ہم ضعیف ہیں ناتواں ہیں اسلئے اللہ ذو الکرم و الاحسان سے اپنے معاصی کی معافی مانگنی چاہئے اور اللہ سے یہ درخواست کرنی چاہئے کہ اللہ بغیر عذاب کے اپنے کرم سے جنت میں پہنچا دے۔

(ص ۱۱۲) بَاب يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ

۸۰۷ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: باب، نمازی سجدے میں بازوں کو ظاہر کرے اور سجدے میں پہلوؤں کو الگ رکھے۔

حضرت عبد اللہ بن مالک ابن بحینہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کشادہ رکھتے یہاں تک کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہوتی۔

لیث کہتے ہیں کہ جعفر بن ربیعہ نے مجھ سے اسی طرح کی روایت بیان کی۔

تشریح: یہ ترجمہ بَاب يُبْدِي ضَبْعَيْهِ اور اس کے بعد والا ترجمہ بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُودَ دونوں ابواب قبلہ میں ص ۵۶ پر آچکے ہیں، وہاں بے محل تھا اور یہاں بر محل، وہاں پر ان کے ہونے کی وجہ بیان کی جاچکی ہے کہ امام بخاری نے ہو سکتا ہے بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُودَ کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو کہ من ترک شرطاً کمن ترک رکناً، اگر کوئی آدمی شرط صلوۃ چھوڑ دے تو اس کی نماز ایسی ہی نہیں ہو گی جیسے رکن صلوۃ چھوڑنے والے کی نہیں ہوتی ہے، اور بَاب يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تجافات اور ابداء ضبعین ستر عورۃ کے منافی نہیں ہے، آدمی اپنے بازو کو ظاہر کرے اور

دور رکھے سجدہ میں پہلو سے۔

ابداء الضبعین شافعیہ وحنابلہ کے یہاں مستحب ہے اور ترک کرنا اساءت ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں سنت ہے اور ترک کرنا مکروہ ہے، یہ حکم مردوں کا ہے، عورتوں کے حق میں اتفاق ہے کہ ان کو ابداء الضبعین کی اجازت نہیں ہے وہ تو اپنے ضبعین کو اپنے پہلو سے اور اپنے پیٹ کو اپنی ران سے ملالیں۔

ابداء ضبعین اور مجافات فی السجود کی علماء نے بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں، (۱) ایک حکمت یہ ہے کہ اس میں سجدہ کرنے میں سہولت ہوتی ہے، ناک اور پیشانی پر زیادہ بوجھ نہیں پڑتا ہے، (۲) نیز یہ تواضع کی شان کے زیادہ مناسب ہے، (۳) نیز اس سے چستی کی شکل معلوم ہوتی ہے بخلاف کسل مند آدمی کے کہ وہ ایسے ہی عورتوں کی طرح سجدہ کرتا ہے۔

حَتّٰی یَبْدُوَ بَیَاضُ إِبْطَیْهِ: یہاں تک کہ آپ کے بغل شریف کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ بغل مبارک سفید تھی اور یہ مضمون متعدد روایات میں وارد ہوا ہے لیکن عبد اللہ بن اقرم خزاعی کی روایت میں ترمذی شریف میں وارد ہوا ہے فَكُنْتُ أَنْظُرُ إِلَی عُفْرَتَيْ إِبْطَیْهِ، میں حضور ﷺ کی بغل کی عفرۃ دیکھتا تھا، عفرۃ کہتے ہیں بیاض غیر ناصع کو، غیر خالص بیاض کو، عام طور سے بغل کا خاصہ یہ ہے کہ جہاں اس میں سلوٹ ہوتی ہے موڑ ہوتا ہے وہاں پر سفیدی بعض وقت کم ہوا کرتی ہے لہذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، جہاں پر بیاض کا ذکر ہے وہاں پر نفس بیاض پر نظر کی گئی ہے اور جہاں پر عفرہ کا تذکرہ ہے وہاں پر پوری صورت حال ملحوظ رکھی گئی ہے۔

(ص ۱۱۲) بَاب يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ

قاله أبو حميد عن النبي ﷺ.

ترجمہ: باب، سجدے کی حالت میں نمازی اپنے پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے۔

اس کو ابو حمیدؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ ترجمہ بھی ابواب قبلہ میں ص ۵۶ پر گزر چکا ہے اور وہاں یہ بتلایا تھا کہ ابواب قبلہ کی

ابتداء میں یہ ترجمہ ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ سارے اعضاء بدن سے استقبال مطلوب ہے حتی کہ اطراف رجلین سے بھی استقبال مطلوب ہے۔

اور یہاں امام بخاری نے صفۃ الصلوۃ کی مناسبت سے ذکر فرمایا ہے کہ مصلی جب سجدہ میں جائے تو اس کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں، بہت سے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ ظہر قدم کو زمین سے ملا لیتے ہیں اور انگلیوں کو قبلہ کی طرف سے پھیر لیتے ہیں اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ابو حمیدؓ کی روایت عنقریب ص ۱۱۴ پر آرہی ہے۔

(ص ۱۱۲) بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُودَهُ

۷۷۵. حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً لاَ يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلاَ سُجُودَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلاَتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ: مَا صَلَّيْتَ - وَأَحْسِبُهُ قَالَ: - لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ.

ترجمہ: باب، جب نمازی سجدہ کا اہتمام نہ کرے۔

(روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: یہ آگیا وہ باب جس کا ابھی حوالہ دیا گیا تھا۔

(ص ۱۱۲) بَاب السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ

۸۰۹. حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أُمِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ، وَلاَ يَكُفَّ شَعَرًا وَلاَ ثَوْبًا: الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ.

۸۱۰. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أُمِرْنَا أَنْ نَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلاَ نَكُفَّ شَعَرًا وَلاَ ثَوْبًا.

٨١١. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ - وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ - قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ، فَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ جَبْهَتَهُ عَلَى الأَرْضِ.

ترجمہ: باب، سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو یہ حکم تھا کہ سات اعضاء پر سجدہ کیا کریں اور یہ کہ بال اور کپڑے کو سمیٹا نہ کریں اور وہ سات اعضاء ہیں؛ پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پیر۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور یہ کہ بالوں اور کپڑوں کو جمع نہ کریں۔

حضرت براء بن عازبؓ نے بیان کیا اور وہ کاذب نہیں تھے انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی اپنی کمر نہ جھکاتا یہاں تک کہ حضور ﷺ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا چاہئے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اعضاءِ سبعہ یعنی جبہہ، یدین، رکبتین اور رجلین پر سجدہ کرنا فرض ہے یا صرف ناصیہ پر فرض ہے اور باقی پر سنت؟ حضرت امام شافعی اور امام احمد ایک ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اعضاء سبعہ پر سجدہ کرنا فرض ہے اور اسی کو امام نووی نے شافعیہ میں سے اور موفق نے حنابلہ میں سے صحیح اور راجح قرار دیا ہے، ان دونوں حضرات کی دوسری روایت اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ صرف پیشانی پر سجدہ کرنا فرض اور باقی اعضاء ستہ پر سجدہ کرنا سنت ہے۔

امام بخاری بظاہر قول اول کے قائل معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں جیسے سجدہ علی سبعۃ أعظم کو ثابت کرنے والی روایت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے ایسے ہی حضرت براءؓ کی بھی روایت نقل کی ہے اور اس میں ہے لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ جَبْهَتَهُ عَلَى الأَرْضِ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشانی پر صرف سجدہ مطلوب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمائی

ہے کہ ساکت حجت نہیں ہے ناطق پر، لہٰذا اگر براءؓ کی روایت میں صرف پیشانی کا ذکر ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کے علاوہ اور دوسرے اعضاء پر سجدہ کرنا فرض نہ ہو۔

رہا براءؓ کی روایت میں صرف پیشانی کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اشرفِ اعضاءِ سجود ہے، نیز سب سے پہلے اس پر مصلی کی اور ناظر کی نظر پڑتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری نے حضرت براءؓ کی روایت ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ اصلاً و بالذات تو پیشانی پر سجدہ کرنا فرض ہے اور باقی اعضاء سجود کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ سجدہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ احتمال اول ہی مصنف کے تصرف کے زیادہ قریب ہے یعنی ان کے طرز کے مطابق ہے، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت براءؓ کی روایت سے اپنا مدعا اس طور پر ثابت کیا ہے کہ سجود علی الجبہۃ بغیر استعانتِ اعضاءِ ستہ کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔

(ص ۱۱۲) بَابُ السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ

۸۱۲. حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ ثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: عَلَى الْجَبْهَةِ - وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ - وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ، وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعَرَ.

ترجمہ: باب، ناک پر سجدہ کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ پیشانی پر اور آپ نے اپنا ہاتھ ناک پر پھیرا، اور دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں پر، اور دونوں پیروں کی انگلیوں پر، اور یہ کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو نماز میں نہ سمیٹا کریں۔

تشریح: سجدہ علی الانف امام شافعی اور امام احمد سے ایک ایک روایت میں واجب ہے، اسی کو ابو خیثمہ، اسحاق بن راہویہ، ابن ابی شیبہ اور ابن حبیب مالکی نے اختیار کیا ہے، حنفیہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے، لیکن ان حضرات کے یہاں وجوب فرض کے معنی میں مستعمل ہے اور ہمارے احناف کے یہاں وجوب

دوسرے معنیٰ میں مستعمل ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے سجود علی الاعضاء السبعۃ کو ذکر کرنے کے بعد سجود علی الانف کا ترجمہ اس لئے منعقد کیا ہے کہ انف اعضاء سبعہ میں مذکور نہیں ہے، تو گویا امام بخاری نے اس ترجمہ سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ جیسے اعضاء سبعہ پر سجدہ کرنا مطلوب ہے ایسے ہی انف پر بھی سجدہ کرنا مطلوب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف جمع بین الجبہۃ والانف کے قائل ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل ایک روایت میں اور امام شافعی ایک روایت میں فرماتے ہیں وھو قول لجماعۃ من الحنفیۃ۔

کیا صرف سجود علی الانف کافی ہے؟　　اس میں دو قول ہیں، (۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بلا عذر ایسا کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے کیا تو سجدہ نہیں ہوگا، (۲) امام اعظم ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ بلا عذر بھی کر سکتا ہے اس لئے کہ انف حقیقۃً پیشانی کی ہڈی کا ٹکڑا ہے تو اس پر سجدہ کرنا گویا پیشانی ہی پر سجدہ کرنا ہے، البتہ امام صاحب کراہت کے قائل ہیں، فتویٰ ہمارے یہاں صاحبین کے قول پر ہے اور صاحب شرنبلالیہ نے برہان سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اسی قول کی طرف رجوع فرمایا ہے، صاحب در مختار نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

محقق ابن ہمام نے رجوع کے قول کو پسند نہیں کیا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر رجوع کا قول مان لیا جائے تو خبر واحد کے ذریعہ سے زیادۃ علی الکتاب لازم آتی ہے اور ہمارے یہاں خبر واحد کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے، مگر میں ابن ہمام کی بحث نہیں سمجھ سکا اس واسطے کہ علامہ ابن ہمام نے بنیاد یہ رکھی ہے کہ سجود نام ہے چہرہ کو زمین پر رکھنے کا اور اس میں ناک بھی داخل ہے یہ کہاں سے ثابت ہوا؟ دوسرا کہہ سکتا ہے کہ سجود نام ہے پیشانی کے زمین پر رکھنے کا اور اگر ابن ہمام کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ تو دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث پاک ہی میں وارد ہوا ہے لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ جَبْهَتَهُ عَلَى الأَرْضِ، حقیقت یہ ہے کہ سجدہ نام ہے زمین پر پیشانی کے ڈال دینے کا لہٰذا میرے نزدیک رجوع ہی کا قول ارجح ہے۔

قدم بھی زمین پر ٹکنے چاہئیں:　اگرچہ احناف کے یہاں سجدہ تو صرف پیشانی پر فرض ہے لیکن علماء احناف نے لکھا ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے دونوں قدموں میں سے کسی ایک قدم کا زمین پر رہنا واجب ہے ورنہ

نماز نہیں ہوگی سجدہ نہیں ہوگا کیوں کہ یہ تمسخر اور استہزاء کی صورت ہے، بہت سے بچے اس میں بے التفاتی کرتے ہیں، سجدہ میں جائیں گے تو پیشانی اور ناک تو زمین پر ہوگی لیکن پاؤں کی انگلیاں اٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔

وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ: اس روایت سے امام ابو حنیفہ کے قول کے لئے استدلال کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے اعضاء سبعہ کا ذکر کیا لیکن پیشانی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے انف پر ہاتھ رکھ دیا، معلوم ہوا کہ انف بھی ان اعضاء میں داخل ہے، لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ نے اشارہ کرتے ہوئے انف پر ہاتھ رکھا لیکن یہ ایک مستقل عضو کی حیثیت رکھتی ہے اس واسطے اس کا حکم الگ ہی ہوگا۔

(ص ۱۱۲) بَابُ السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ فِي الطِّينِ

۸۱۳. حَدَّثَنَا مُوسَى ثَنَا هَمَّامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فَقُلْتُ: أَلَا تَخْرُجُ بِنَا إِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ، فَخَرَجَ، قَالَ: قُلْتُ: حَدِّثْنِي مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، قَالَ: اعْتَكَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعَشْرَ الْأُوَلِ مِنْ رَمَضَانَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ فَأَتَاهُ جِبْرَئِيلُ، فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرَئِيلُ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ، فَقَالَ: مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ فَلْيَرْجِعْ، فَإِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّي نُسِّيتُهَا، وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي وِتْرٍ، وَإِنِّي رَأَيْتُ كَأَنِّي أَسْجُدُ فِي طِينٍ وَمَاءٍ، وَكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيدَ النَّخْلِ وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا، فَجَاءَتْ قَزْعَةٌ فَأُمْطِرْنَا فَصَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ وَالْمَاءِ عَلَى جَبْهَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَرْنَبَتِهِ، تَصْدِيقَ رُؤْيَاهُ.

ترجمہ: باب، کیچڑ میں ناک پر سجدہ کرنے کا بیان۔

حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ کھجور کے باغ کی طرف چلیں گے تاکہ وہاں کچھ باتیں کریں، چنانچہ وہ چل دیئے، ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ نے حضور ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں جو سنا ہے اس کو بیان فرمایئے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ کا

اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، پھر جبرئیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ جس چیز کو تلاش کر رہے ہیں وہ آگے آرہی ہے چنانچہ پھر آپ نے عشرۂ اوسط کا اعتکاف کیا اور ہم نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، پھر جبرئیل آئے اور بتایا کہ آپ جس چیز کو تلاش کر رہے ہیں وہ آگے آرہی ہے، چنانچہ آپ رمضان کی بیسویں تاریخ کی صبح کو خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ جس نے نبی (کریم ﷺ) کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ لوٹ آئے کیوں کہ مجھ کو لیلۃ القدر دکھلا دی گئی ہے اور یہ کہ میں اس کو بھول گیا ہوں اور یہ کہ وہ رمضان کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں ہے اور وہ یہ کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں گویا کیچڑ اور پانی میں سجدہ کر رہا ہوں اور اس وقت مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور ہم آسمان میں کوئی چیز نہیں دیکھ رہے تھے، اتنے میں ایک بدلی نمودار ہوئی اور پانی برسا، پھر ہم کو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی یہاں تک کہ میں نے حضور ﷺ کی پیشانی اور آپ کی ناک کے بانسے پر مٹی اور پانی کا اثر دیکھا اور آپ کے خواب کی تصدیق ہوگئی۔

تشریح: امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے سجود علی الانف کی اہمیت اور اس کا تاکد بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا حتی کہ آپ کے ارنبہ پر مٹی کا اثر موجود تھا لہٰذا اگر کہیں کیچڑ اور پانی بھی ہو تو وہاں بھی سجدہ کیا جائے گا چاہے ناک پر کیچڑ ہی کیوں نہ لگ جائے۔

علماء احناف نے لکھا ہے کہ کیچڑ وغیرہ پر سجدہ کیا جاسکتا ہے جب پیشانی اس پر ٹکتی ہو، پھر امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر بارش میں کیچڑ اور پانی کی وجہ سے زمین پر سجدہ نہ کیا جاسکتا ہو تو سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں اور اس پر سجدہ کر سکتے ہیں، امام شافعی اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، امام مالک سے دونوں قول منقول ہیں، حنفیہ اور حنابلہ کی دلیل حضرت یعلیٰ بن مرہؓ کی روایت ہے۔

فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سال پورے ایک ماہ کا اعتکاف کیا تھا، علامہ ابن قیم نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے عشرۂ اخیر کے اعتکاف پر مداومت فرمائی، بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے پورے مہینہ کا اعتکاف کرنا ثابت نہیں ہے، لیکن مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، روایات سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرتبہ پورے ماہ کا اعتکاف فرمایا تھا۔

(ص ۱۱۳) بَاب عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا

وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِذَا خَافَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَوْرَتُهُ

۸۱۴. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمْ عَاقِدُو أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ، فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ: لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا.

ترجمہ: باب، کپڑوں میں گرہ لگانے اور ان کو باندھ لینے کا بیان، اور اس شخص کی حالت کا بیان جو انکشاف ستر کے اندیشہ سے اپنے کپڑے سمیٹ لے۔

(روایت باب إذا کان الثوب ضیقًا میں گزر چکی)۔

تشریح: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ ابواب ثیاب کا تھا، نسّاخ نے اس مقام پر گڑبڑ کردی کہ دو ترجمے ابواب صفۃ الصلوۃ کے بَاب يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ اور بَاب إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُودَ ابواب ثیاب میں ذکر کر دیئے اور ابواب ثیاب کے دو ترجمے بَاب عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا اور بَاب لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ یہاں پر ذکر کر دیئے۔

بات یہ ہے کہ ابواب صفۃ الصلوۃ کے دونوں ترجموں میں تو میری رائے حافظ ابن حجر کے ساتھ ہے کہ بظاہر ابواب ثیاب میں ان کا تذکرہ نساخ کی گڑبڑ ہے اور اگر اتفاق سے وہاں تسلیم کر لیا جائے تو ان کی توجیہ گزر چکی، لیکن یہ دونوں ابواب صورۃً ثیاب کے ابواب ہیں مگر حقیقۃً ان کا تعلق صفۃ الصلوۃ سے ہے اس لئے کہ نماز کے لئے بہت سے شرائط ہیں انہی شرائط میں ستر عورت بھی ہے، ستر عورت کا تو ہر جگہ اہتمام کیا جائے گا لیکن نماز میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے گا۔

لہٰذا اگر آدمی کو خطرہ ہو کہ ستر کھل جائے گا تو وہ اپنے کپڑے کو نماز کی حالت میں سمیٹ سکتا ہے، اور یہ جو احادیث میں کف الثیاب کی ممانعت ہے اس کا محمل عدم اضطرار کی حالت ہے جہاں انکشاف عورۃ کا خطرہ نہ ہو، اور یہاں یہ ترجمہ ابواب سجود میں اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ کپڑے سمیٹ کر سجدہ کرنا آسان ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: یہی حدیث ص ۵۲ پر باب إذا کان الثوب ضیقًا میں اسی سند سے آئی

ہے اور اس سے امام بخاری نے اپنا ترجمہ اس طور پر ثابت کیا ہے کہ جب پہلے ہی سے لوگ اپنی ازاروں کو اپنی گردنوں پر اس خوف سے باندھ لیتے تھے کہ کہیں بدن کھلنے نہ پاوے تو پھر اگر نماز میں یہ خطرہ ہو تو آدمی نماز میں بھی عقد ثیاب کر سکتا ہے۔

(ص ۱۱۳) بَاب لَا يَكُفُّ شَعَرًا

۸۱۵. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا يَكُفَّ شَعَرَهُ وَلَا ثَوْبَهُ.

ترجمہ: باب، نمازی بالوں کو نہ سمیٹے۔

(روایت پانچ ابواب پہلے گزر چکی)۔

تشریح: مصلی کو سر کے بال نہ سمیٹنا چاہئے، اس بات پر اتفاق ہے کہ بالوں کو سمیٹنا مصلی کے واسطے ممنوع ہے اس لئے کہ جیسے انسان کا سر سجدہ کرتا ہے ایسے ہی اس کے بال بھی سجدہ کرتے ہیں۔

لیکن آیا مطلقاً بالوں کا سمیٹنا مکروہ ہے یا صرف نماز میں سمیٹنا مکروہ ہے اور اگر پہلے سے سمیٹے ہوئے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مطلقاً سمیٹنا مکروہ ہے چاہے پہلے سے لپٹے ہوئے ہوں اور چاہے نماز پڑھتے ہوئے لپیٹ دیا ہو، لیکن علامہ داؤدی فرماتے ہیں کہ اگر پہلے سے لپٹے ہوئے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہاں عین نماز پڑھتے ہوئے بالوں کو لپیٹتا ہے تو وہ محل کراہت ہے، امام نووی نے شرح مسلم میں یہ قول داؤدی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن شرح مہذب میں براہ راست امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے، صاحب تلویح اور علامہ عینی وغیرہ نے بھی امام مالک ہی سے یہ قول نقل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، مالکیہ میں سے صرف داؤدی اس کے قائل ہیں، قاضی عیاض نے داؤدی پر رد کیا ہے کہ ان کا قول جمہور کے خلاف ہے، امام بخاری نے بَاب لَا يَكُفُّ شَعَرًا علی الاطلاق کہہ کر جمہور کی تائید کی ہے۔

(ص ۱۱۳) بَاب لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ

۸۱۶. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ لَا أَكُفُّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا.

ترجمہ: باب، نماز میں اپنے کپڑوں کو نہیں سمیٹنا چاہیے۔

(روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری نے یہاں فِي الصَّلَاةِ کی قید لگائی ہے جبکہ پہلے ترجمہ میں بَاب لَا يَكُفُّ شَعَرًا کے آگے فِي الصَّلَاةِ کی قید نہیں لگائی، اب یا تو یہ کہا جائے کہ امام نے تفنن سے کام لیا اور دونوں سے مراد ایک ہی ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ بالوں کا سمیٹنا تو مطلقاً ممنوع ہے چاہے پہلے سے بال لپٹے ہوئے ہوں یا عین نماز کے وقت بالوں کو سمیٹے، اور کپڑا سمیٹنے کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ اگر پہلے ہی سے لپٹے اور سمٹے ہوئے ہوں تب تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر عین نماز کے وقت اپنے کپڑوں کو گرد و غبار سے محفوظ رکھنے کیلئے لپیٹتا ہے تو یہ محلِ کراہت ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

پھر اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے اس طرح نماز پڑھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی، ابن جریر طبری نے صحت صلوۃ پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن ابن منذر نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ اس طرح اگر کوئی نماز پڑھے تو واجب الاعادہ ہوگی، غالباً ابن جریر طبری کو حسن بصری کا اختلاف نہیں پہنچا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ دو مسئلے ہیں، ایک مسئلہ یہ ہے کہ کفِ ثوب کی کراہت مطلق ہے یا جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اس وقت کف کرنا اور کپڑوں کو بچانا مکروہ ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس طرح نماز پڑھ لے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی اور ابن جریر طبری نے صحت صلوۃ پر اجماع بھی نقل کیا ہے لیکن ابن منذر نے حسن بصری سے اعادہ نقل کیا ہے۔

(ص ۱۱۳) بَاب التَّسْبِيحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُودِ

۸۱۷. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ.

ترجمہ: باب، سجدہ کی حالت میں تسبیح اور دعا کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رکوع اور سجود میں اکثر یہ پڑھا کرتے تھے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِي، اس طرح آپ معنی قرآن پر عمل کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری نے ایک ترجمہ ص ۱۰۹ پر بَابُ الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوعِ کا قائم کیا اور یہاں باب التَّسْبِيحُ وَالدُّعَاءُ فِي السُّجُودِ کا ترجمہ قائم کیا اور دونوں جگہ حضرت عائشہؓ کی روات ذکر فرمائی۔

سوال یہ ہے کہ روایت ایک ہے تو ترجمہ کے الفاظ میں مصنف نے تفریق کیوں کی؟ وہاں الدُّعَاءُ فِي الرُّكُوعِ کا ترجمہ منعقد کیا اور یہاں التَّسْبِيحُ وَالدُّعَاءُ فِي السُّجُودِ فرما کر تسبیح کے لفظ کا اضافہ کر دیا۔

ایک جواب یہ ہے کہ مصنف نے تبعًا للحدیث ذکر کر دیا، دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں دعاء فی السجود کا مسئلہ متفق علیہا ہے لیکن دعاء فی الرکوع کے مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور جواز کے قائل ہیں اور امام مالک سے کراہت منقول ہے لہٰذا مصنف نے الدعاء فی الرکوع کہہ کر امام مالک کی تردید فرمائی ہے، مالکیہ کا استدلال ہے کہ حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں سجدہ میں اکثار دعاء کے حکم سے یہ کہاں لازم آیا کہ رکوع میں دعاء نہیں کی جاسکتی ہے۔

رکوع وسجود کی تسبیحات کا حکم: رکوع وسجود میں تسبیحات جمہور کے نزدیک مشروع ہیں، امام مالک فرماتے ہیں کہ اس پر مداومت مکروہ ہے کیوں کہ مداومت سے کوئی دوسرا آدمی وجوب کا گمان کر سکتا ہے۔

مشروعیت کس درجہ کی ہے؟ رکوع وسجود کی تسبیحات مستحب ہیں یا واجب؟ جمہور فرماتے ہیں کہ مستحب ہیں، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ واجب ہیں۔

پھر حنابلہ کے یہاں کیا پڑھنا واجب ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الأعلیٰ، بعض کہتے ہیں کہ بعض اوراد مسنونہ، بعض کہتے ہیں کہ سبحان ربی العظیم وبحمدہ واجب ہے، علامہ ابن

تیمیہ کہتے ہیں کہ لفظ تسبیح کا مادہ واجب ہے۔

یَتَأَوَّلُ القُرآن: أی یعمل بالقرآن، آپ قرآن کے حکم پر عمل کرتے تھے، اوّل کے معنی ہیں رجوع کے، یَتَأَوَّلُ أی یرجع یعنی آپ قرآن کے حکم کی طرف لوٹتے تھے اس پر عمل کرتے تھے، اور مراد اس سے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ کَانَ تَوَّابًا پر عمل کرنا ہے۔

(ص ۱۱۳) بَاب الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

٨١٨. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ - قَالَ: وَذَاكَ فِي غَيْرِ حِينِ صَلَاةٍ - فَقَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَامَ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هُنَيَّةً فَصَلَّى صَلَاةَ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ شَيْخِنَا هَذَا، قَالَ أَيُّوبُ: كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ أَرَهُمْ يَفْعَلُونَهُ كَانَ يَقْعُدُ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ.

٨١٩. فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ فَقَالَ: لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى أَهْلِيكُمْ صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.

٨٢٠. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الزُّبَيْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ سُجُودُ النَّبِيِّ ﷺ وَرُكُوعُهُ وَقُعُودُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ.

٨٢١. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بن مَالِكٍ قَالَ: إِنِّي لَا آلُو أَنْ أُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي بِنَا، قَالَ ثَابِتٌ: كَانَ أَنَسٌ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ أَرَكُمْ تَصْنَعُونَهُ، كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ، وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ.

ترجمہ: باب، دونوں سجدوں کے درمیان ٹھہرنے کا بیان۔

حضرت ابوقلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی نماز پڑھ کر نہ بتلاؤں؟ ابوقلابہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ بات کہی تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور وقت تھا پھر وہ کھڑے ہوئے پھر رکوع میں گئے پھر اللہ اکبر کہا پھر اپنا سر اٹھایا اور تھوڑی دیر کھڑے رہے، پھر سجدے میں گئے پھر اپنا سر تھوڑی دیر کے لئے اٹھایا پھر سجدہ میں گئے پھر اپنا سر تھوڑی دیر کے لئے اٹھایا، پھر انہوں نے ہمارے اس شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی، ایوب سختیانی نے کہا کہ عمرو بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کیا کرتے تھے جو میں اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھتا تھا وہ تیسری رکعت کے آخر یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت مالک بن حویرثؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس مقیم رہے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ جاؤ تو فلاں نماز ایسے وقت اور فلاں نماز ایسے وقت پڑھنا اور جب نماز کا وقت ہو جایا کرے تو تم میں ایک شخص اذان دے اور تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا سجدہ اور رکوع اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ قریب قریب برابر ہوتا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اس طرح نماز پڑھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا جس طرح میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو دیکھا ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہمیں نماز پڑھاتے تھے، ثابت بنانی نے کہا کہ حضرت انس بن مالکؓ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں تم لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھتا، جب وہ رکوع سے سر اٹھاتے تو کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ کہنے والا (دل میں) کہتا کہ بھول گئے ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنا ٹھہرتے کہ کہنے والا کہتا کہ بھول گئے ہیں۔

تشریح: دو سجدوں کے درمیان مکث یعنی توقف کرنا چاہئے، یہ ہے جلسہ، اور جلسہ میں طمانینت کا مسئلہ وہی اختلاف رکھتا ہے جو پوری نماز میں طمانینت کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔

سجدتین کے درمیان کچھ پڑھنا بھی چاہئے یا نہیں؟ امام احمد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رب اغفرلی پڑھنا واجب ہے، داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ فرض ہے حتیٰ کہ اگر کوئی عمداً چھوڑ دے گا تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، جمہور علماء کے نزدیک فرض اور واجب نہیں ہے۔

حنفیہ کی مشہور کتابوں میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے کہ فرائض میں بین السجدتین کوئی دعاء نہیں ہے اور جتنی ادعیہ منقول ہیں سب نوافل پر محمول ہیں، لیکن فرائض میں کوئی دعاء پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ حضور کی سنت کو اپنانا چاہئے اور کچھ دعاء کرنی چاہئے جیسا کہ روایات میں ہے۔

(ص ۱۱۳) بَاب لَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُودِ

وقال أبو حميد: سجد النبي ﷺ ووضع يديه غير مفترش ولا قابضهما.

۸۲۲. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ.

ترجمہ: باب، سجدے کی حالت میں اپنی دونوں کلائیوں کو زمین پر نہ بچھائے، ابوحمیدؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر اس طرح رکھا کہ نہ کلائیوں کو زمین پر بچھایا اور نہ ان کو پہلو سے ملنے دیا۔
حضرت انس بن مالکؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سجدہ میں ٹھیک طریقہ اختیار کرو اور تم میں سے کوئی شخص اپنی کلائیوں کو کتے کی طرح زمین پر نہ بچھائے۔

تشریح: یہاں سجدہ کرنے کا طریقہ تلقین فرمارہے ہیں کہ جب آدمی سجدہ میں جائے تو ذراعین کو زمین پر نہ بچھائے، یہ مسئلہ ائمۂ اربعہ کے یہاں متفق علیہا ہے۔

اِعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ: سجدہ میں اعتدال کرو، یعنی افتراش و قبض کے درمیان معتدل کیفیت اختیار کرنی چاہئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اعتدال سے مراد طمانینت لی جائے مگر یہاں پہلے ہی معنی مناسب ہے۔

وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ: انبساط الکلب اور ابنساط الکلب انفعال اور افتعال دونوں طرح سے وارد ہوا ہے، تقدیر عبارت ہے وَلَا يَبْسُطُ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ فَيَنْبَسِطُ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ، مگر روایت اور ترجمہ میں مناسبت نہیں، اسلئے کہ ترجمہ میں ہے لَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ اپنے بازو نہ بچھائے اور روایت میں ہے وَلَا يَبْسُطُ أَحَدُكُمْ اپنے بازو نہ پھیلائے، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظاً فرق ہے مگر معناً دونوں میں اتحاد ہے اسلئے کہ افتراش کے معنی وہی ہے جو بسط کے معنی ہے، اور اسی حدیث میں ابوداؤد میں لَا يَبْسُطُ کے بجائے لَا يَفْتَرِشْ کا لفظ وارد ہوا ہے وکأن المصنف أشار إليه۔

انْبِسَاطَ الْكَلْبِ: کتے کی طرح سے، جناب رسول اکرم ﷺ نے نماز کو حیوانات کی حالات سے محفوظ رکھنے کی ترغیب دی اسی لئے آپ نے سجدہ میں انبساط کلب سے اور قعود میں اقعاء کلب سے، بیٹھتے وقت

بروکِ بعیر کی کیفیت اختیار کرنے سے، سجدہ میں چڑیا کی چونچ مارنے سے منع فرمایا، حدیث میں ہے قام فنقر أربعاً لا یذکر اللہ عزوجل فیھا إلا قلیلاً۔

(ص ۱۱۳) باب من استوی قاعدًا في وتر من صلاته ثم نهض

۸۲۳. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيُّ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جو نماز کی طاق رکعتوں میں پہلے اچھی طرح بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو جائے۔

حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب آپ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہوتے جب تک کہ سجدے سے سر اٹھا کر سیدھے نہ بیٹھ جاتے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں مسئلہ جلسۂ استراحت کو بیان کیا ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل مشہورہ میں سے ہے، حضرت امام شافعی اپنے مشہور قول میں اس بات کے قائل ہیں کہ جلسۂ استراحت مسنون ہے یہی امام احمد کی ایک روایت ہے، حضرت امام ابو حنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ جلسۂ استراحت مسنون نہیں ہے یہی شافعی واحمد کی دوسری روایت اور اکثر علماء کی رائے ہے۔

امام بخاری نے حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایت سے استدلال کیا، امام احمد فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث جلسۂ استراحت کے ذکر سے خالی ہیں، علامہ ابو البرکات ابن تیمیہ نے علامہ ابو الخطاب کی کتاب الہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ صحابۂ کرام کا ترکِ جلسۂ استراحت پر اجماع واتفاق ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت اور صفت نقل کی ہے ان میں سے سوائے ابو حمیدؓ اور مالک بن حویرثؓ کے اور کسی نے جلسۂ استراحت نقل نہیں کیا، ابو حمیدؓ کی روایت ابوداؤد شریف اور ترمذی میں ہے اور مالک بن حویرثؓ کی روایت بخاری شریف میں سامنے موجود ہے، علامہ ابن قیم ارشاد فرماتے ہیں کہ محض جلسہ کر لینے سے اس کی سنیت کا ثبوت لازم نہیں آتا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی بخاری شریف کی کتاب الاستیذان میں جلسۂ استراحت کا تذکرہ وارد ہوا ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ حافظ صاحب نے کچھ شانِ تحقیق کو چھوڑ کر بات کی ہے، وہ لفظ محدثین کے نزدیک معلول ہے، خود امام بخاری نے اس کی علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ابواسحاق مروزی فرماتے ہیں کہ اگر آدمی عمر رسیدہ ضعیف اور بیمار ہو تو اس کے حق میں مسنون ہے اور صحت مند اور جوان دونوں کے حق میں مسنون نہیں، علامہ موفق نے اسی کو اختیار کیا ہے اور جمع بین الحدیثین قرار دیا ہے اور یہی ان شاء اللہ اوفق بالدلیل ہے۔

جو لوگ جلسۂ استراحت کے قائل ہیں وہ اوپر کی روایتوں کو دلیل بناتے ہیں جیسا کہ ہم بتلا چکے، اور جو لوگ منکر ہیں وہ عام صفت صلوۃ کی روایات کو دلیل بناتے ہیں، اور بعضوں نے سعید بن منصور اور ترمذی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ، ولكن إسناده ضعيف۔

لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا: اس روایت کو ہمارے علماء نے ضعف کے حال پر محمول کیا یعنی مالک بن حویرثؓ آخری زمانہ میں تشریف لائے تھے اس وقت حضور ﷺ ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے اس لئے آپ کمزوری کی وجہ سے جلسۂ استراحت کرتے تھے، لیکن مجھے اس پر ایک بڑا اشکال یہ ہے کہ مالک بن حویرثؓ ہی رفع یدین کی روایت نقل کرتے ہیں جب ان کی آمد آخری زمانہ میں ہوئی ہے تو پھر رفع یدین بھی آخری زمانہ کا فعل نکلتا ہے۔

(ص ۱۱۴) بَاب كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ

٨٢٤. حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فَصَلَّى بِنَا فِي مَسْجِدِنَا هَذَا فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ، وَلَكِنْ أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي، قَالَ أَيُّوبُ: فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ: وَكَيْفَ كَانَتْ صَلَاتُهُ، قَالَ:

مِثْلَ صَلَاةِ شَيْخِنَا هَذَا يَعْنِي عَمْرَو بْنَ سَلِمَةَ. قَالَ أَيُّوبُ: وَكَانَ ذَلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ.

ترجمہ: باب، جب رکعت سے کھڑا ہو تو زمین پر کس طرح سہارا دے۔

(روایت باب من صلّى بالناس وهو لا يريد إلا أن يعلّمهم میں گزر چکی)۔

تشریح: جب آدمی رکعت سے اٹھنے لگے تو زمین پر ٹیک لگا کر اٹھنا چاہئے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا مسائل میں سے ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے زمین پر ٹیک لگا کر اٹھنا چاہئے اور یہ ٹیک لگانا مستحب ہے، مالکیہ میں سے ابن ابی زید نے اپنے رسالہ میں یہی ذکر کیا ہے، امام ابو حنیفہ اور امام احمد اس اعتماد کو مستحب قرار نہیں دیتے ہیں، امام مالک سے اس مسئلہ میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، عتبیہ میں تو انہوں نے جائز قرار دیا ہے لیکن بعد میں اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے استحباب کے قائلین کی تائید فرمائی ہے اور دلیل میں مالک بن حویرثؓ کی روایت پیش کی ہے وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ۔

جو حضرات اعتماد کو مستحب نہیں مانتے ہیں وہ دوسرے دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱) اول ابو ہریرۃؓ کی روایت كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ، رواه سعيد بن منصور في سننه والترمذي في جامعه۔

(۲) دوسری دلیل عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ، رواه أحمد وأصحاب السنن الأربعة۔

(۳) تیسری دلیل حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں نهى رسول الله ﷺ أن يَعْتَمِدَ الرجل على يديه إذا نهض في الصلاة، رواه أبو داود، اور مالک بن حویرثؓ کی روایت کبر اور ضعف پر محمول ہے۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں کیفیتِ اعتماد کا تذکرہ کیا ہے لیکن روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، مصنف کا یہ ترجمہ کیسے ثابت ہوا؟

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے کیفیت یوں اخذ فرمائی ہے کہ روایت میں یہ تصریح وارد ہوئی ہے کہ پہلے بیٹھتے تھے پھر زمین پر ٹیک لگاتے اور پھر کھڑے ہوتے تھے، اس مجموعہ سے اعتماد علی الارض کی کیفیت معلوم ہوگئی، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ اعتماد سے امام بخاری نے اپنا ترجمہ اخذ کیا ہے کیوں کہ اعتماد ماخوذ ہے عماد سے اور عماد کہتے ہیں ہاتھ سے ٹیک لگانے کو، معلوم ہوا کہ ہاتھ سے ٹیک لگا کر اٹھے گا۔

يُتِمُّ التَّكْبِيرَ: اتمام تکبیر یعنی تمام تکبیراتِ انتقالات کو ادا کرتے تھے کسی تکبیر کو چھوڑتے نہیں تھے، اور بعضوں نے کہا ہے اتمام تکبیر کنایہ ہے مدِ تکبیر سے، باقی عبد الرحمن بن ابزیٰ کی روایت میں جو کان رسول اللہ ﷺ لا یتم التکبیر وارد ہوا ہے اس پر کلام ہو چکا۔

(ص ۱۱۴) بَاب يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ

وكان ابن الزبير يكبر في نهضته.

٨٢٥. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: صَلَّى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَحِينَ سَجَدَ وَحِينَ رَفَعَ وَحِينَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ، وَقَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ.

٨٢٦. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ قَالَ: صَلَّيْتُ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ صَلَاةً خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ أَخَذَ عِمْرَانُ بِيَدِي فَقَالَ: لَقَدْ صَلَّى بِنَا هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ أَوْ قَالَ: لَقَدْ ذَكَّرَنِي هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ.

ترجمہ: باب، دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے ہوئے تکبیر کہنے کا بیان۔

اور ابن زبیرؓ کھڑے ہوتے ہوئے تکبیر کہتے تھے۔

سعید بن حارث سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت ابو سعید خدریؓ نے نماز پڑھائی تو انہوں نے سجدے سے سر اٹھاتے وقت اور سجدے میں جاتے وقت اور دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں سے اٹھتے وقت جہراً تکبیر کہی اور فرمایا کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح تکبیر کہتے ہوئے سنا ہے۔

مطرف سے روایت ہے کہ میں نے اور عمران بن حصینؓ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدے میں جاتے تو اللہ اکبر کہتے، جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے، اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو حضرت عمرانؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ انہوں نے ہمیں حضرت محمد ﷺ جیسی نماز پڑھائی یا یہ فرمایا کہ انہوں نے مجھ کو محمد ﷺ کی نماز یاد دلا دی۔

تشریح: آدمی سجدتین سے تکبیر کہتا ہوا اٹھے۔

یہاں علامہ ابن رشید نے یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے ایک ترجمہ پہلے ص ۱۰۸ پر منعقد کیا تھا بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ اس کا بھی یہی مقصد ہے کہ آدمی جب سجدہ سے اٹھنے لگے تو تکبیر کہے، اور اِس ترجمہ میں بھی یہی بات بیان کی ہے کہ آدمی جب سجدتین سے اٹھے تو تکبیر کہتا ہوا اٹھے لہذا ترجمہ مکرر ہو گیا۔

پھر خود اس کے دو جواب دیئے ہیں، (۱) وہاں پر تکبیر عند القیام من السجود کو بیان کیا ہے اور یہاں تکبیر عند النہوض من الرکعتین کو بیان کیا ہے اور سجدتین سے مراد رکعتین ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آدمی ثلاثیہ اور رباعیہ میں عند الرکعتین کے بعد اٹھ رہا ہو تو تکبیر کہتا ہوا اٹھے گا۔

(۲) بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ میں یہ بتلایا ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہی جائے گی اور یہاں اس تکبیر کا محل بتلایا ہے کہ وہ تکبیر نہوض کے ساتھ ہو گی، یہ نہیں کہ کھڑے ہونے کے بعد تکبیر کہی جائے گی یا کھڑے ہونے سے پہلے ہی اللہ اکبر کہے گا اور اس کے بعد کھڑا ہو جائے گا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اس باب سے دونوں باتوں کو امام بخاری نے ملحوظ رکھا ہو اس لئے کہ یہاں فرماتے ہیں يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ تکبیر کہے اس حال میں کہ وہ سجدتین سے اٹھ رہا ہو چاہے وہ سجدتین اولیٰ یا ثلاثیہ کے ہوں اور چاہے سجدتین سے مراد رکعتین ہو، اور مطلب یہ ہے کہ آدمی جب بھی قیام کی طرف اٹھے گا چاہے سجود سے اٹھ رہا ہو اور چاہے قعود سے بہر حال تکبیر کہتا ہوا اٹھے گا، اور اس باب کی دونوں روایتوں میں سجود سے اٹھتے ہوئے بھی تکبیر کا ذکر ہے اور قعود سے اٹھتے ہوئے بھی تکبیر کا ذکر ہے، اور جو اثر مصنف نے ابن زبیرؓ کا ذکر کیا ہے اس میں ہے يُكَبِّرُ فِي نَهْضَتِهِ، لفظِ نہضہ اپنے عموم کی وجہ سے نہضہ من السجود اور نہضہ من القعود دونوں کو شامل ہے اگرچہ لفظِ نہضہ کا اطلاق نہوض من القعود پر ہوتا ہے۔

(ص ۱۱۴) بَاب سُنَّةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ

وكانت أم الدرداء تجلس في صلاتها جلسة الرجل وكانت فقيهة.

٨٢٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ، فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ، فَنَهَانِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ: إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتَثْنِيَ الْيُسْرَى، فَقُلْتُ: إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ رِجْلَايَ لَا تَحْمِلَانِّي.

٨٢٨. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ وَيَزِيدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرْنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ: أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى، وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ.

وَسَمِعَ اللَّيْثُ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ وَيَزِيدُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَلْحَلَةَ وَابْنُ حَلْحَلَةَ مِنَ ابْنِ عَطَاءٍ.

قَالَ أَبُو صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ: كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ. وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرٍو حَدَّثَهُ: كُلُّ فَقَارٍ.

ترجمہ: باب، تشہد میں بیٹھنے کے مسنون طریقہ کا بیان۔

اور ام الدرداء نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ فقہ جاننے والی خاتون تھیں۔

عبد اللہ بن عبد اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھتے تھے کہ جب وہ نماز میں بیٹھتے ہیں تو چار زانو ہو کر بیٹھتے ہیں، عبد اللہ کہتے ہیں چنانچہ میں نے یہی طریقہ اختیار کیا اور میں اس وقت نو عمر تھا، پھر یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے مجھے اس چیز سے منع کیا اور فرمایا کہ نماز میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے داہنے پیر کو کھڑا کر لو اور بائیں پیر کو موڑ لو، اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ تو چار زانو بیٹھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے پیر میرا بوجھ نہیں اٹھا پاتے۔

محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے، پھر یہ کہ ہمارے درمیان حضور ﷺ کی نماز کا ذکر آیا تو حضرت ابو حمید ساعدیؓ نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کی نماز کو تم میں سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے دیکھا کہ جب آپ ﷺ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر جما دیتے پھر اپنی کمر کو موڑ کر بالکل ہموار کر لیتے پھر اپنا سر اٹھا کر بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ کمر کا ہر مہرہ اپنی جگہ آجاتا اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ کلائیوں کو زمین پر بچھاتے اور نہ ان کو پہلو سے ملاتے اور اپنے پیر کی انگلیوں کے کناروں کو قبلہ رخ کر دیتے، پھر جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر پر بیٹھتے اور داہنے پیر کو کھڑا رکھتے، پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر کو آگے بڑھا دیتے اور دوسرے پیر کو کھڑا رکھتے اور اپنے سرین پر بیٹھ جاتے۔

اور لیث نے یزید بن ابی حبیب سے، اور یزید نے محمد بن حلحلہ سے اور ابن حلحلہ نے ابن عطاء سے سنا ہے، اور ابو صالح نے لیث سے کُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ نقل کیا ہے، اور عبد اللہ بن مبارک نے اس روایت کو یحیٰ بن ایوب سے بیان کیا، یحیٰ نے کہا کہ مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے حدیث بیان کی کہ محمد بن عمرو بن حلحلہ نے اس حدیث میں کُلُّ فَقَارٍ بیان کیا۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے نماز میں بیٹھنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔

نماز میں تین جلوس ہیں، (۱) جلوس بین السجدتین، (۲) جلوس فی التشہد الاول، (۳) جلوس فی التشہد الثانی، مصنف نے یہاں جلوس بین السجدتین سے تعرض نہیں کیا ہے، اور رکعت ثانیہ رکعتِ اولیٰ جیسی پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کے بیان کی ضرورت بھی نہیں پیش آئی، ہاں دوسری رکعت کے بعد جلوس ہوتا ہے اس جلوس کا مسنون طریقہ بیان کر رہے ہیں۔

احادیث میں جلوس کی دو صورتیں وارد ہوئی ہیں، ۱۔ افتراش: بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کو روبقبلہ کھڑا کر لے، ۲۔ تورّک: بایاں پاؤں دائیں پاؤں کے نیچے کر لے یعنی قدرے دائیں طرف نکال لے اور ورک (سرین) پر بیٹھ جائے، اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں جلوس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نماز کے سارے جلسات میں افتراش مسنون ہے، (۲) امام مالک فرماتے ہیں کہ تورک مسنون ہے، (۳) امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر جگہ تورک مسنون ہے البتہ صرف دو تشہد والی نماز کے پہلے جلسہ میں افتراش مسنون ہے، (۴) امام احمد فرماتے ہیں کہ ہر جگہ افتراش مسنون ہے البتہ صرف دو تشہد والی نماز کے تشہد ثانی میں تورک مسنون ہے۔

اس باب میں ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث میں پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے میں تورک وارد ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک دو قعدہ والی نماز میں قعدۂ ثانیہ میں تورّک ہے جس سے بر سبیل مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جہاں دو قعدہ نہ ہو ایک ہی ہو تو وہاں افتراش ہوگا، گویا امام بخاری امام احمد کے ہم خیال ہیں۔

طرفین کے دلائل: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ افتراش مسنون ہے وہ حضرت عائشہؓ کی حدیث وفرش رجله اليسرى وجلس عليها (رواہ مسلم) اور وائل بن حجرؓ کی حدیث فرش رجله اليسرى ثم قعد عليها اور اس طرح کی دیگر احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

تورّک کے قائلین مؤطا مالک میں آئی ہوئی تورّک کی حدیث کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

جو لوگ تفصیل کے قائل ہیں وہ ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور ابن عمرؓ سے بخاری میں افتراش کی حدیث آرہی ہے، لیکن مؤطا امام مالک میں ابن عمرؓ ہی سے تورّک منقول ہے، جب سب روایات کو جمع کیا جاتا ہے تو وہی تفصیلی صورت جو ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث میں آئی ہے نکلتی ہے یعنی بخاری کی روایت قعدۂ اولیٰ پر محمول کی جائے گی اور مؤطا میں وارد اثر قعدۂ اخیرہ پر محمول کیا جائے گا۔

تورّک کی کیفیت: (۱) اکثریت کہتی ہے کہ تورّک میں دایاں پاؤں روبقبلہ کھڑا رہے گا، (۲) مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف بطنِ ابہام (انگوٹھے کا نچلا حصہ) زمین سے لگا ہوگا، (۳) حنفیہ کے یہاں دونوں پاؤں دائیں طرف نکالے جائیں گے، ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث سے جو ابو داؤد میں وارد ہوئی ہے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

مرد و عورت کے جلوس میں فرق: (۱) امام مالک، امام شافعی فرماتے ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے، یہی امام بخاری نے اختیار کیا ہے اسی لئے فرمایا وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ وَكَانَتْ فَقِيهَةً، (۲) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ مرد کے لئے افتراش ہے اور عورت کے لئے تورّک ہے، (۳) امام احمد مرد

کے بارے میں تو تفصیل کے قائل ہیں جو بیان کر دی گئی اور عورت کے بارے میں ان کی دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں وہ تورّک کے قائل ہیں دوسری روایت میں تربع کے۔

وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ وَكَانَتْ فَقِيهَةً: یہ اثر فریابی نے اپنی مسند میں اور بخاری نے تاریخ صغیر میں موصولاً روایت کیا ہے، ابن ابی شیبہ نے بھی تخریج کی ہے مگر وَكَانَتْ فَقِيهَةً کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

ام درداء دو ہیں: ایک ام درداء کبریٰ ان کا نام خیرۃ ہے، دوسری ام درداء صغریٰ ان کا نام هجيمه على المشهور ہے وقيل جهيمه، علامہ عینی کا رجحان یہ ہے کہ ام درداء کبریٰ ہیں لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ ام درداء صغریٰ ہیں، اس لئے کہ اس روایت کو ام درداء سے مکحول روایت کرتے ہیں اور مکحول نے ام درداء صغری کو پایا ہے ام درداء کبری کو نہیں پایا، اور میاں! حافظ کی بات غیر حافظ کے مقابلہ میں راجح ہوتی ہے اس لئے حافظ ابن حجر کی بات علامہ عینی کے مقابلہ میں راجح ہوگی، یہ ام درداء قرأۃ خلف الامام کی قائل تھیں۔

كَانَ يَرَى عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ الخ: عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نو عمر تھا اپنے ابّا کو دیکھا کہ چار زانو بیٹھتے ہیں، بیٹا باپ کی حکایت و نقل کرتا ہی ہے میں نے شروع کر دیا۔

إِنَّ رِجْلَايَ لَا تَحْمِلَانِي: میرے دونوں پیر مجھ کو اٹھا نہیں پاتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کو خیبر میں فدع ہو گیا تھا، فدع کہتے ہیں ہاتھ پیر مڑ جانے کو، خطابی کہتے ہیں یہودیوں نے ان پر جادو کر دیا تھا جس سے ان کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے تھے، صحیح یہ ہے کہ یہودیوں نے ان کو چھت پر سے گرا دیا تھا، بخاری شریف کتاب الشروط میں آرہا ہے لما فدع أهل خيبر عبد الله بن عمر، اسکے آگے ہے وإن عبد الله بن عمر خرج إلى ماله هناک (أى خيبر) فعدى عليه من الليل ففدعت يداه و رجلاه اور اس فدع کی تفسیر دوسری کتب حدیث میں وارد ہوئی ہے ألقوا ابن عمر، ابن عمرؓ کو اوپر سے نیچے گرا دیا۔

كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ: فَقار فاء کے فتح کے ساتھ یحیی بن بکیر کی روایت میں فقارۃ کی جمع بمعنی منکا جو کمر کی ہڈیاں ہیں، اور فاء کے کسرہ کے ساتھ فِقار ابو صالح کی روایت میں ہے، بعض نسخوں میں قفار بتقدیم القاف ہے یہ

تحریف ہے اسلئے کہ قفار قفر کی جمع ہے بمعنی چٹیل میدان۔

وَقَالَ إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ: نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرلو اور بایاں پاؤں بچھالو، اس لفظ نے ایک عام قاعدہ سنا دیا کہ ہر قعودِ صلوۃ میں یہی ہوگا مگر ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث نے آکر کہہ دیا کہ ہاں ہے تو یہی لیکن دو تشہد والی نماز کے تشہد اخیر میں تورّک ہوگا۔

ذرا بخاری کی ذہانت تو دیکھو! کس طرح سے اشارہ کرتے ہیں باتوں کی طرف، اور یہ نکتہ ایسا ہے کہ شراح میں سے کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دلائی۔

(ص ۱۱۴) بَاب مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الْأَوَّلَ وَاجِبًا

لأن النبي ﷺ قام من الركعتين ولم يرجع.

۸۲۹. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ هُرْمُزَ مَوْلَى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ - وَقَالَ: مَرَّةً مَوْلَى رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ - أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ بُحَيْنَةَ - قَالَ: وَهُوَ مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَبْدِ مُنَافٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ - أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ، وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ.

ترجمہ: باب، پہلے قعدہ میں تشہد کو واجب یعنی فرض نہ کہنے والوں کی دلیل کا بیان۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور تشہد پڑھنے کے لئے دوبارہ نہیں بیٹھے۔

زہری نے کہا کہ مجھ سے عبد الرحمن بن ہرمز نے بیان کیا جو بنو عبد المطلب کے مولیٰ تھے اور کبھی زہری نے کہا کہ وہ ربیعہ بن حارث کے مولیٰ تھے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ ابن بحینہؓ نے جو قبیلۂ ازد شنوءہ میں سے تھے اور بنی عبد مناف کے حلیف تھے اور حضور ﷺ کے اصحاب میں سے تھے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی اور آپ پہلی دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور تشہد کے لئے نہیں بیٹھے، پھر جب آپ کھڑے ہو گئے تو لوگ آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ جب آپ نماز سے فارغ ہونے لگے اور لوگ آپ کے سلام کا انتظار کرنے لگے تو آپ نے بیٹھے ہوئے اللہ اکبر کہا اور سلام سے پہلے دو سجدے کئے، پھر سلام پھیرا۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تشہد اول کو واجب نہ سمجھتا ہو تو اس کی بات ٹھیک ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے دو رکعت پر قیام کر دیا اور تشہد نہیں کیا تھا اور نہ اس کی قضاء کی، معلوم ہوا کہ تشہد اول واجب یعنی فرض نہیں ہے۔

لفظِ تشہد دو معنی پر بولا جاتا ہے، ایک دعاءِ تشہد، دوسرے قعود للتشہد (تشہد میں بیٹھنا)، (۱) اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہے، (۲) پھر امام شافعی فرماتے ہیں کہ اول سنت ابعاض ہے ترک پر سجدۂ سہو لازم آئے گا اور ثانی رکن ہے، (۳) امام احمد فرماتے ہیں کہ اول واجب ہے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہے اور ثانی رکن ہے، (۴) امام مالک فرماتے ہیں کہ دونوں سنت ہیں لیکن وہ قعود جس میں سلام ہے وہ قدر التسلیمہ فرض ہے اور اس کے ماسوا سنت ہے، (۵) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قعود کا حکم قراۃِ تشہد سے جداگانہ ہے، قعود اول واجب اور ثانی قدرِ تشہد فرض ہے، اور قراۃِ تشہد علی المشہور دونوں قعودات میں واجب ہے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ تشہد اول واجب یعنی فرض ہے، تقابل سے اس کے معنی یہ نکلے کہ ثانی فرض ہے یعنی امام بخاری غالباً وہی کہہ رہے ہیں جو امام احمد کا مذہب ہے کہ اول واجب ہے ترک پر سجدۂ سہو لازم آئے گا اور ثانی رکن ہے اس کے ترک سے نماز نہ ہوگی۔

(ص ۱۱۵) بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْأُولَى

۸۳۰. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ الظُّهْرَ فَقَامَ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ، فَلَمَّا كَانَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ: باب، قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھنے کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن مالک ابن بحینہؓ نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو آپ دو رکعت پر کھڑے ہوگئے جبکہ آپکو اس جگہ تشہد کے لئے بیٹھنا تھا پھر جب نماز کا آخر ہوا تو آپ نے بیٹھے بیٹھے (سہو کے) دو سجدے کئے۔

تشریح: یہ باب تشہد فی الاولیٰ کے بیان میں ہے، امام بخاری نے پہلے ترجمہ سے بتلایا کہ تشہد اول

واجب نہیں اور اس باب میں یہ بتلایا کہ تشہد فی الاولیٰ مشروع ہے، عام ہے اس سے کہ واجب ہو یا غیر واجب، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے باب سے قعودِ تشہد کو بیان کیا ہو اور اِس باب سے قراۃِ تشہد کو ولکنہ بعید۔

(ص ۱۱۵) بَاب التَّشَهُّدِ فِي الْآخِرَةِ

۸۳۱. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى جِبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلَّهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

ترجمہ: باب، قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ (پہلے) جب ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو (سلام کے وقت) کہتے تھے، جبرئیل ومیکائیل پر سلام، فلاں اور فلاں پر سلام، پھر (ایک موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ بے شک اللہ تو خود سلام ہے اس لئے تم میں سے کوئی انسان جب نماز پڑھے تو یوں کہا کرے التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ الخ کہ تمام قولی عبادتیں اور تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں آپ پر، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر، اس لئے کہ جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام زمین وآسمان میں اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تشریح: فی الآخرۃ، أی التشھد فی الجلسۃ الآخرۃ، میں اسکا حکم بیان کر چکا ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ تشہد ثانی شافعی واحمد کے یہاں فرض ہے، امام مالک کے یہاں سنت ہے، اور امام ابو حنیفہ کے یہاں جلوس بقدر التشہد تو فرض ہے اور قراۃِ تشہد واجب ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ روایۃ الباب سے تشہد فی الآخرۃ کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، اس میں تو صرف اتنا وارد ہے

كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، تو فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ تشہد بالکل آخر میں جلسۂ اخیرہ میں پڑھا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنا ترجمہ اس طور پر اخذ کیا ہے کہ فَإِذَا صَلَّى کے معنی ہیں أتمّ صلوته، اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ نماز کے ختم کرنے کے بعد تشہد نہیں پڑھتے تھے لامحالہ اس سے مراد یہ ہوگا کہ جب آدمی ختم کے قریب ہو جائے، اور ختم کے قریب سلام سے پہلے کی حالت ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے روایت الباب کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہے، یہی روایت بَابُ مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ میں آرہی ہے اس میں ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو ہے اور یہ دعاء نماز کے آخر میں ہوتی ہے، گویا اس حدیث میں جو تشہد مذکور ہے وہ جلسۂ اخیرہ کا تشہد ہوگا۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری نے ابن خزیمہ وغیرہ کی بعض روایات کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں ہے کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ التَّشَهُّدَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ وَفِي آخِرِهَا، امام طحاوی، نسائی اور ابن حبان کی ایک روایت میں ابن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں كُنَّا لَا نَدْرِي مَا نَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَلَّمَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهُ فَقَالَ إِذَا قَعَدْتُمْ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَقُولُوا التَّحِيَّاتُ الخ۔

عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ: یعنی اور فرشتوں کے نام لیا کرتے تھے۔

إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ: حق تعالیٰ شانہ سلام ہے، اللہ کی سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی سلامتی عطا فرمانے والا ہے ورنہ تو اللہ کو دعاءِ سلامت کی کیا ضرورت ہے؟ دعاءِ سلامت کا تو وہ محتاج ہوتا ہے جس کے اوپر فناء اور زوال اور نقص اور عیب طاری ہو اور اللہ تعالیٰ شانہ تمام نقائص اور عیوب سے خالی ہے، یا یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سلام ہے یعنی سلام کا مبدأ ہے اس سے سلامتی کی دعاء مانگی جائے اپنے اور اوروں کے لئے۔

فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ: یہی روایت کتاب الاستیذان میں آرہی ہے، اس میں ہے فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، اس سے معلوم ہوگیا کہ حدیث میں یہاں صلّی سے مراد أتم الصلوۃ اور قارب التمام ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے جلوس فی الصلوۃ کی حالت میں اس دعاء کو پڑھنے کی تلقین کی ہے۔

التَّحِيَّاتُ: عبادات قولیہ، **الصَّلَوَاتُ:** عبادات فعلیہ، **الطَّيِّبَاتُ:** عبادات مالیہ۔

اسکے علاوہ اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں۔

السَّلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ: سلامتی ہو آپ پر اے نبی! عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کے تمام طرق میں السلام دونوں جگہ معرّفاً وارد ہوا ہے، اور ابن عباسؓ کی روایت جو مسلم وغیرہ میں وارد ہوئی ہے اس میں بعض روایات میں معرّفاً وارد ہوا ہے اور بعض روایات میں منکّراً، امام نووی نے لکھا ہے کہ تعریف و تنکیر دونوں جائز ہے، بات تو یہی ہے کہ اکثر روایات پر نظر کرتے ہوئے دونوں کا جواز نکلتا ہے لیکن ابن مسعودؓ کی روایت میں بلا اختلاف السلام معرّف واقع ہوا ہے اس لئے تعریف ہی ارجح ہے، اور اگر منکّر ہو تو تنکیر تعظیم کے لئے ہو گی اور سلام عظیم مراد ہو گا۔

السلام میں الف ولام تعریف کیسا ہے؟ اس میں کئی احتمال ہیں، (۱) الف ولام عہد ذہنی ہو اور مراد وہ سلام ہے جو حضرات انبیاء وصالحین کی طرف بھیجا گیا، (۲) الف ولام جنس کا ہو اور اس سے جنس سلام اور حقیقت سلام مراد ہو، (۳) الف ولام عہد خارجی ہو اور اس سے مراد مخصوص سلام ہو جس کا تذکرہ قرآن میں واقع ہوا ہے سَلَامٌ علی عبادہ الَّذین اصطفی۔

عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ میں صیغۂ خطاب کیوں: اس خطاب پر اشکال یہ ہے کہ یہ مقام تو مقام غیبت ہے اس لئے کہ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ یہ سب صیغے غیبت کو مقتضی ہیں پھر خطاب کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اتباعاً یہاں تقلید کی جائے گی۔

علامہ طیبی نے عارفین کے انداز میں ایک حکمت بیان کی کہ جب نمازی نماز پڑھتا ہوا بارگاہِ رب العالمین میں شرفِ مناجات سے مشرف ہوتا ہے تو اس کی نگاہِ قلب اٹھتی ہے تو حضرت حبیب پاک ﷺ کو حرم حبیب میں پاتا ہے تو آپ کو سلام پیش کرتا ہے اور گویا یہ اشارہ کرتا ہے کہ جو کچھ ہم کو ملا ہے آپ کے طفیل سے اور آپ کی ہدایت ورہنمائی سے ملا ہے، بعضوں نے اور بھی حکمتیں بیان کی ہیں۔

اور یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ جب حضور ﷺ معراج میں تشریف لے گئے تو آپ نے یہ کہا تھا التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ تو فرشتوں نے کہا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، سچی بات یہ ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ ایسے ہی بعض ان فقہاء کی کتابوں میں ملتا ہے جن کو حدیث پاک سے شغف اور اس کے ساتھ پورا انہماک حاصل نہیں ہو سکا۔

بعد وفاتِ نبوی بصیغۂ خطاب یا غیبت: یہاں اسی طرح بصیغۂ خطاب وارد ہوا ہے اور علیک أیھا النبی پڑھنا تمام علماء کا مذہب ہے۔

لیکن یہی روایت امام بخاری نے جلد ثانی کتاب الاستیذان میں تخریج کی ہے اس میں ہے فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ، جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم نے کہا السَّلَامُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ، نیز ابو عوانہ، سرّاج، ابو بکر جوزقی، ابو نعیم اور امام بیہقی نے یہی روایت کی ہے سب میں فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وارد ہوا ہے، ابن ابی شیبہ نے یہ روایت المصنف میں ابو نعیم سے نقل کی ہے اس میں بھی ہے السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ۔

علامہ تقی الدین سبکی نے یہ روایت صرف ابو عوانہ کے حوالہ سے نقل کی اور لکھا ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تشہد میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہنا واجب نہیں السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہنا کافی ہے۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ بھلا روایت کی صحت میں کیا کلام ہے کہ اتنے بڑے سب ائمہ نے یہ روایت اس لفظ کے ساتھ نقل کی ہے لہٰذا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ واجب نہیں ہے۔

اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ یہ تو ابن مسعودؓ کا اجتہاد ہے اور خود ابن مسعودؓ سے اس کے خلاف منقول ہے، سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور جب زندہ تھے تب ہم کہتے تھے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اور اب کہیں گے السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ، تو ابن مسعودؓ نے کہا کہ ہم کو السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ سکھایا گیا تھا لہٰذا ہم یہی پڑھیں گے، مگر بات یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں انقطاع بھی ہے اور ضعف بھی ہے، اور ابن مسعودؓ سے بخاری اور دیگر کتب میں السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کا لفظ وارد ہوا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ صحابۂ کرام یہ سمجھتے تھے کہ السَّلَامُ عَلَيْكَ کا خطاب حیات کے ساتھ خاص ہے حیات کے بعد ضروری نہیں، سرّاج نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی الصلوۃ علی النبی کہتی تھیں وإسناده صحيح۔

بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام اسفار میں بھی السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہتے تھے، معلوم ہوا کہ

یہ لفظ توقیفی ہے اس لئے اسی طرح اسے کہنا پڑے گا، مگر یہ تعلیل میرے نزدیک ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں اسفار کی کیا تخصیص؟ صحابۂ کرام مدینہ میں ہوتے تھے اور اپنے گھروں میں نماز پڑھتے تھے اور تہجد پڑھتے تھے سب میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کہتے تھے، اصل بات یہی ہے کہ صحابہ نے غالبًا حضور ﷺ کی حیات کے ساتھ ہی اس لفظ کو ضروری سمجھا ہے اور اسی لئے بعد میں ابن مسعودؓ وعائشہؓ نے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ تعلیم کیا۔

فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ: یعنی جب یہ دعاء اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ کی جائے تو آسمان وزمین میں جو عبد صالح ہو گا سب کو یہ دعاء پہونچے گی۔

اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس دعاء اور سلام کا استحقاق انہیں صالحین بندوں کو ہو گا، اور جن میں خدا نخواستہ نیکی نہیں ہوگی وہ مسلمانوں کی روزمرہ کی نمازوں کی اس دعاء میں شامل نہیں ہوں گے، خدا کی پناہ۔

تشہد کے الفاظ: یہ تشہد ابن مسعودؓ کا تشہد کہلاتا ہے، تشہد کے سلسلہ میں چوبیں صحابہ سے روایتیں منقول ہیں جن میں سے بہت سے تشہدات مشترک ہیں، مجموعی طور پر کل دس تشہد ہیں جن میں تین تشہد زیادہ معروف ہیں، (۱) ابن مسعودؓ کا تشہد جو صحاح ستہ میں ہے، (۲) ابن عباسؓ کا تشہد جو بخاری کے علاوہ باقی صحاح میں ہے، (۳) اور حضرت عمرؓ کا تشہد جو امام مالک نے مؤطا میں موقوفًا نقل کیا ہے، ابن مسعودؓ کا تشہد ابو حنیفہ اور احمد نے اختیار کیا ہے، ابن عباسؓ کا تشہد امام شافعی نے، اور حضرت عمرؓ کا تشہد امام مالک نے اختیار کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور ابن عبدالبر وغیرہ نے لکھا ہے کہ ان تشہدات میں سے کوئی بھی تشہد پڑھ لے کافی ہو جائے گا اور سب کے جواز پر اجماع بھی نقل کیا ہے، ائمۂ اربعہ کا یہ اختلاف صرف اولیٰ وافضل ہونے میں ہے، ہر ایک نے کوئی نہ کوئی وجہ ترجیح سامنے رکھی ہے، مثلاً مالکیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی حاضری میں بر سر منبر تشہد پڑھا، اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کو خود حضور ﷺ نے تشہد کی تعلیم فرمائی۔

اور ابن مسعودؓ کی وجہ ترجیح بہت سی ہیں، سب سے پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ محمد بن یحیٰ الذہلی، ترمذی اور بزار وغیرہ فرماتے ہیں کہ تشہد کے باب میں سب سے اصح روایت یہی ہے، امام بغوی کہتے ہیں کہ اس پر سب کا اجماع واتفاق ہے کہ اس باب میں یہ سب سے اصح روایت ہے، دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں عَلَّمَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ التَّشَهُّدَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ، تیسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ ابن مسعودؓ تشہد کی تلقین

کرتے ہوئے اپنے اصحاب کو بہت زیادہ تنبیہ کرتے تھے حتی کہ واؤ وغیرہ پر بھی گرفت فرماتے تھے، اور بھی اس کی بہت سی وجوہ ترجیح ہیں۔

(ص ۱۱۵) بَابُ الدُّعَاءِ قَبْلَ السَّلَامِ

۸۳۲. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ، فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ مِنَ الْمَغْرَمِ، فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ.

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: سَمِعْتُ خَلَفَ بْنَ عَامِرٍ يَقُولُ فِي الْمَسِيحِ وَالْمِسِّيحِ: لَيْسَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ وَهُمَا وَاحِدٌ أَحَدُهُمَا عِيسَى عليه السلام والآخَرُ الدَّجَّالُ.

۸۳۳. وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

۸۳٤. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي، قَالَ: قُلِ: اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.

ترجمہ: باب، سلام سے پہلے دعا کا بیان۔

حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کی زوجہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (سلام سے پہلے) یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور مسیح دجال کی آزمائش سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، پھر کسی کہنے والے نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ قرض سے بہت زیادہ پناہ طلب کرتے

ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ انسان مقروض ہوتا ہے تو جب کوئی بات کہتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ محمد بن یوسف فربری نے (امام بخاری سے نقل کرتے ہوئے) کہا کہ میں نے خلف بن عامر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مَسیح اور مِسِّیح میں کوئی فرق نہیں اور وہ دونوں ایک ہیں، ان میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرا دجال ہے۔

زہری سے روایت ہے کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے حدیث بیان کی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ اپنی نماز میں دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایسی دعا سکھادیں جسے میں نماز میں پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا یہ پڑھا کرو اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي الخ اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے، اس لئے اپنے فضل سے مجھے گناہوں سے مغفرت عطا فرمادے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: دعاء قبل السلام کے حکم کو میں اگلے باب میں بیان کروں گا۔

یہاں اشکال یہ ہے کہ امام بخاری کے تراجم کی ترتیب کا تقاضہ یہ ہے کہ دعاء قبل السلام سے مراد ان کے نزدیک وہ دعاء ہے جو تشہد کے بعد سلام سے پہلے پڑھی جاتی ہے، مگر اس باب میں مصنف نے جو روایتیں ذکر کی ہیں ان روایتوں سے اس محل کی تعیین نہیں ہوتی ہے ہاں البتہ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعائیں سلام سے پہلے کسی جگہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں، ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ دو محل ہیں ایک سجدہ میں اور دوسرے تشہد کے بعد۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام بخاری نے بعض دیگر طرق پر نظر کرتے ہوئے الدعاء قبل السلام کا ترجمہ ان روایات پر اسلئے منعقد کیا ہو کہ ابن خزیمہ وغیرہ کی بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ تعوذ من اربع تشہد کے بعد ہوگا اور ابن مسعودؓ کی بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ تشہد کے بعد آپ نے فرمایا ثُمَّ لْيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ مَا شَاءَ، ان روایتوں کو ملانے سے نتیجہ نکلا کہ آدمی کو تشہد کے بعد دعاء پڑھنی چاہئے اور اس میں پہلے تعوذ من اربع ہو اور اس کے بعد جو دعاء پسند ہو جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعاء بھی داخل ہے۔

علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے دعاء قبل السلام کو یوں ثابت کیا ہے کہ ہر مقام کا ایک مخصوص ذکر ہے لہذا یہ دعاء جو ذکر کی گئی ہے بہر حال اس کا مقام سلام سے پہلے ہی ہوگا، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ سجدہ کا ایک مخصوص ذکر ہے اور وہ ہے تسبیح اس کے باوجود اس میں دعاء کی جاسکتی ہے، اسی طرح سے تشہد کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ایک مخصوص ذکر ہے اور وہاں بھی دعاء کی اجازت ہے لہذا اس سے یہ کہاں

معلوم ہوا کہ دعاء مذکور کا محل قبل السلام ہے۔

سلام سے پہلے کون سی دعا مانگی جائے؟ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دعاء ماثور یعنی منقول دعاء پڑھنی چاہئے، امام احمد بن حنبل سے یہی ایک روایت ہے، اور امام مالک اور امام شافعی کہتے ہیں کہ کوئی تخصیص نہیں دین و دنیا کی بھلائی جو چاہے مانگے، یہی حنابلہ کا ایک قول ہے۔

آپ تعوذ کیوں کرتے تھے؟ سرکار دو عالم ﷺ عذاب قبر، مسیح دجال اور محیا و ممات کے فتنہ سے محفوظ تھے لیکن آپ یہ دعاء اسلئے کرتے تھے تا کہ (۱) امت آپ سے سیکھ لے، (۲) یا ہو سکتا ہے کہ آپ یہ دعاء حقیقۃً امت ہی کے لئے کرتے ہوں، (۳) اور یا آپ اظہارِ عبودیت کے لئے یہ دعاء کرتے ہوں۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ: میں مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں، مسیح دجال مسیح ضلالت ہے جو آخری زمانہ میں رونما ہوگا، ایک آنکھ سے کانا ہوگا اور دوسری آنکھ بھی عیب دار ہوگی اور وہ اپنی ربوبیت کا دعوی کرے گا اور اس کے ساتھ جنت و جہنم ہوگی۔

دجال کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہ دجال ماخوذ ہے دجل سے اور دجل کہتے ہیں فریب اور ملمع سازی کو، مسیح دجال کو دجال اس کی دروغ گوئی اور ملمع سازی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

دجال کو مسیح کیوں کہتے ہیں؟ مَسِيحٌ تخفیف کے ساتھ ہے، مسیح دجال کو مسیح اس لئے کہتے ہیں (۱) لِأَنَّهُ يَمْسَحُ الْأَرْضَ أي يسير فيها، (۲) بعض نے کہا ہے لِأَنَّهُ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ، (۳) بعض نے کہا ہے لِأَنَّ أَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهِ خُلِقَ مَمْسُوحًا لَا عَيْنَ فِيهِ وَلَا حَاجِبَ۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ مِسِّيخ تشدید کے ساتھ ہے آگے اس کی تحقیق آرہی ہے۔

وَأَعُوذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ: پناہ چاہتا ہوں میں فتنۂ محیا اور فتنۂ ممات سے۔

(۱) فتنۂ محیا سے مراد شہوات و جہالات ہیں اور فتنۂ ممات سے مراد سوء خاتمہ ہے، (۲) ممکن ہے کہ فتنۂ ممات سے مراد مابعد الموت کا فتنہ ہو اور فتنۂ محیا اس سے پہلے کے فتنوں کو شامل ہو، (۳) فتنۂ محیا یہ ہے کہ آدمی اس طرح مصیبت میں گرفتار ہو جائے کہ دامن صبر آدمی سے چھوٹ جائے اور فتنۂ ممات یہ ہے کہ قبر میں جب فرشتے سوال کرنے آئے تو خدا نخواستہ حیرت میں مبتلا ہو جائے اور جواب نہ دے پائے۔

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعوذُبِکَ مِنَ المَأْثَمِ وَالمَغْرَمِ: اے اللہ میں گناہ سے اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں، ایک صحابی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ کثرت سے قرض سے پناہ چاہتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ آدمی جب قرضدار ہوتا ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور یہ دونوں منافقین کی علامت ہے۔

وقال محمد بن یوسف: یہ محمد بن یوسف فربری؛ بخاری کے تلمیذ ہیں۔

سمعت خلف بن عامر یقول: میں نے خلف بن عامر ہمدانی حافظ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مَسِیْح بفتح المیم وکسر السین مخففۃً اور مِسِّیْخ بکسر المیم وتشدید السین المکسورۃ میں کوئی فرق نہیں ہے وھما واحد، أحدھما عیسی علیہ السلام والآخر الدجال، مطلب یہ ہے کہ مخفف ومشدد دونوں ہم معنی ہیں اور دونوں کا اطلاق حضرت عیسیٰ اور مسیح دجال پر ہوتا ہے، (۱) یہ ایک رائے ہے۔

(۲) دوسری رائے جو اس سے مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف مَسِیْح بالتخفیف ہے اور اس کا اطلاق مسیح الہدایۃ حضرت عیسیٰ اور مسیح الضلالۃ مسیح دجال دونوں پر علی السواء ہوتا ہے، (۳) بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کالقب مَسِیْح بفتح المیم وکسر السین المخففۃ اور مسیح دجال مِسِّیْخ بکسر المیم وتشدید السین ہے، (۴) بعض نے کہا کہ دجال مِسِّیْخ خاء معجمہ کے ساتھ ہے ممسوخ کے معنی میں لیکن یہ تصحیف ہے۔

حضرت عیسیٰ کو مسیح کہنے کی وجوہات: (۱) لِأَنَّهُ خَرَجَ مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ مَمْسُوحًا صاف ستھرے پیدا ہوئے تھے، (۲) حضرت زکریا علیہ السلام نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا، (۳) لِأَنَّهُ كَانَ لَا يَمْسَحُ ذَا عَاهَةٍ إِلَّا بَرِئَ جس پر ہاتھ پھیر دیں وہ اچھا ہو جائے، (۴) لِأَنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ الْأَرْضَ أی یسیر فیھا، اور بھی مختلف وجوہ ہیں، یہ ساری توجیہات اس وقت ہیں جب مسیح عربی لفظ ہو، (۵) یہ معرّب ہے مشیحا کا اور مشیحا عبرانی زبان کا لفظ ہے، علامہ احمد بن مبارک نے اپنے پیر ومرشد شیخ عبد العزیز دباغ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ مشیخا خاء معجمہ کے ساتھ ہے اسی سے معرّب ہو کر مسیح بن گیا، مشیحا سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں الکبیر۔

عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي: یہاں اس روایت میں ہے کہ عبد اللہ بن عمروؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نقل کرتے ہیں گویا یہ روایت مسانیدِ ابی بکر صدیقؓ سے ہے، یہی روایت بخاری کتاب التوحید میں

آرہی ہے اس میں ہے إن أبابكر الصديق یعنی یہ حدیث عبد اللہ بن عمروؓ کے مسانید میں سے ہے۔

اصل میں یہ اختلاف یزید بن ابی حبیب کے تلامذہ میں ہوا ہے، لیث بن سعد اس کو ابو بکر صدیقؓ کے مسانید میں سے اور عمرو بن حارث اس کو عبد اللہ بن عمروؓ کے مسانید میں سے نقل کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا: میں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے۔

یہاں پر ظُلْمًا كَثِيرًا ہے اور حاشیہ کا نسخہ ہے ظُلْمًا كَبِيرًا، یہ روایت امام بخاری نے کتاب التوحید میں بطریق عمرو بن الحارث عن يزيد بن أبي حبيب نقل کی ہے وہاں بھی اسی طرح نسخ بخاری میں اختلاف ہے، یہاں پر اختلاف قسطلانی نے بیان کیا ہے اور کتاب التوحید میں حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ لیث بن سعد اور عمرو بن الحارث دونوں کی روایتوں میں اختلاف ہے، بخاری کے بعض نسخوں میں كَثِيرًا بالثاء المثلثة اور بعض نسخوں میں كبيرًا بالباء الموحدة ہے، لیکن امام مسلم نے لیث بن سعد کی روایت میں كبيرًا بالباء الموحدة اور عمرو بن الحارث کی روایت میں كَثِيرًا بالثاء المثلثة نقل کیا ہے۔

كثيرًا پڑھے یا كبيرًا؟ امام نووی شرح مہذب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ دونوں کو جمع کرلے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر کی رائے ہے کہ جمع کرنا ثابت نہیں لہذا کبھی یہ پڑھ لے اور کبھی وہ پڑھ لے، علامہ انور شاہ کشمیری نے اسی کو اختیار کیا ہے اور میرے نزدیک بھی یہی مختار اور یہی صواب ہے۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ادعیہ منقول ہیں ان کو تنوع عمل پر محمول کر کے کبھی اس کو پڑھ لینا چاہئے اور کبھی اس کو، جن دعاؤں کو حضور سے جمع کرنا منقول اور ثابت نہیں ان کو جمع نہیں کرنا چاہئے۔

اسی طرح سے مسئلۂ تشہد میں بھی بعض شافعیہ کی رائے ہے کہ سارے الفاظ کو جمع کرلے، لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اس کو رد کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ جو صیغے الگ الگ منقول ہیں ان کو الگ الگ ہی پڑھا جائے گا، جمع کر کے نئی صورت ایجاد نہ کی جائے، امام شافعی نے متعدد صیغۂ تشہد کے جواز پر أنزل القرآن على سبعة أحرف سے استدلال کیا اس لئے کہ قرأة علی سبعۃ احرف کی اجازت یسر و آسانی کی بناء پر دی گئی ہے اور یہ سبب تشہدات میں بھی موجود ہے۔

(ص ۱۱۵) بَابُ مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

۸۳۵. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الأَعْمَشِ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى اللهِ مِنْ عِبَادِهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللهِ؛ فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلٰكِنْ قُولُوا: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَاءِ أَوْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو.

ترجمہ: باب، اس دعا کا بیان جس کا تشہد کے بعد انتخاب کیا جاتا ہے اور وہ واجب نہیں ہے۔
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے، (آگے مضمون یہ ہے) پھر یہ کہ نمازی دعاؤں میں سے اس دعا کو منتخب کرلے جو اس کو سب سے زیادہ پسند ہو، پھر وہ دعا مانگے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ تشہد کے بعد جو دعاء پڑھی جاتی ہے وہ امور مخیر بہا میں سے ہے واجب نہیں ہے، اس میں اختلاف ہے کہ یہ دعاء واجب ہے یا نہیں۔

(۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ تشہد کے بعد کوئی دعاء پڑھنی واجب نہیں ہے، یہی امام مالک، ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب ہے، امام احمد بن حنبل کی یہی ایک روایت ہے، علامہ ابن منذر فرماتے ہیں کہ اگر حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ نہ ہوتا تو میں تعوذ من اربع کے وجوب کا قول اختیار کرتا، (۲) عبد الرزاق نے طاؤس یمانی سے ایک اثر نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک تعوذ من اربع یعنی اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ القَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ المَسِيحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ المَحْيَا وَفِتْنَةِ المَمَاتِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ المَأْثَمِ وَالمَغْرَمِ واجب ہے، ایک مرتبہ طاؤس کے بیٹے نے نماز پڑھی اور تعوذ من اربع نہیں کیا تو حضرت طاؤس نے ان کو اعادۂ صلاۃ کا حکم دیا، ظاہر ہے کہ یہ حکم علی وجہ الوجوب فرمایا تھا، (۳) ابن حزم ظاہری نے تشہدین میں اس کو واجب قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ فرما کر جمہور علماء کی تائید کی ہے یعنی تشہد کے بعد کوئی دعا پڑھنا واجب نہیں

ہے، اس صورت میں دعاء کا امر استحباب اور ندب پر محمول کیا جائے گا، لیکن ممکن ہے کہ وَلَیسَ بِوَاجِبٍ کا مطلب یہ ہو کہ دعاءِ مخصوص واجب نہیں ہے اور دعاءِ مخصوص کے واجب نہ ہونے سے مطلقاً دعاء کا عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے، علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ تخییر فی آحاد الشیئ؛ تخییر فی اصل الشیئ کی دلیل نہیں۔

صلاۃ علی النبی کا باب کیوں نہیں؟ امام بخاری نے تشہد اور دعاء قبل السلام کا ترجمہ تو منعقد کیا لیکن صلوۃ علی النبی ﷺ کا ترجمہ منعقد نہیں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق ترجمہ امام بخاری نے کتاب الدعوات میں ذکر کیا ہے، تو گویا امام نے اس کو ادعیۂ عامہ میں شمار کیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نماز میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔

نماز میں صلاۃ علی النبی کا حکم: مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ نماز میں آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ جمہور علماء مالک، ابو حنیفہ اور احمد فی روایۃٍ فرماتے ہیں کہ سنت ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز میں درود شریف پڑھنا فرض ہے، یہی امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ یہی امام احمد کا آخری قول ہے، اور مالکیہ میں سے فقیہ ابو بکر محمد بن ابراہیم الشہیر بابن المواز نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

بہت سے علماء طحاوی، طبری، ابو بکر بن المنذر، خطابی، ابو بکر رازی، قاضی عیاض اور ابن قشیری وغیرہ نے امام شافعی پر تفرد کا الزام لگایا ہے یعنی ان کو وجوب الصلوۃ علی النبی ﷺ کے قول میں منفرد قرار دیا ہے، لیکن یہ دعوی تفرد کسی طرح صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ معلوم ہو چکا کہ امام احمد اپنے آخری قول میں امام شافعی کے ہم خیال ہیں، ابن المواز مالکی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور بعض علماء جیسے حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ تین صحابہ اور تین تابعین اسی کے قائل ہیں، صحابہ میں حضرت جابرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو مسعود انصاریؓ اور تابعین میں ابو جعفر باقر، عامر شعبی اور محارب بن حیان ہیں، لہذا ان حضرات کی موافقت کے بعد امام شافعی پر تفرد کا الزام کوئی معنی نہیں رکھتا ہے، اور حضور اکرم ﷺ کے مقام رفیع پر نظر کرتے ہوئے یہی قول اقرب معلوم ہوتا ہے جبکہ آنحضور ﷺ کا امر بھی **قولوا اللهم صل علی محمد** وارد ہوا ہے تو پھر اس قول کی قوت میں کوئی تامل باقی نہیں رہتا ہے۔

لیکن جو لوگ درود شریف کے عدم وجوب کے قائل ہیں غالباً انہوں نے ثُمَّ لِيَتَخَيَّرَ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ

سے دلیل پکڑی ہے اور نیز آپ نے مسیئ فی الصلوۃ کو تعلیم نہیں دی، مگر واقعہ یہ ہے کہ مسیئ فی الصلوۃ کی حدیث کو ہر جگہ استعمال کرنا بہت بعید ہے، یہ تو میں نہیں کہتا ہوں کہ درود شریف واجب سمجھ کر پڑھا جائے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس کا بڑا اہتمام والتزام کیا جائے۔

میرا اپنا معمول یہ ہے کہ سنت پڑھتے ہوئے اگر نماز کھڑی ہو رہی ہو تو اللهم صل علی محمد اور اللهم اغفرلی کہہ کر سلام پھیر دیتا ہوں تاکہ درود شریف بھی ہو جائے اور مختصر سی دعاء بھی ہو جائے۔

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا: نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا فقہاء اپنی کتابوں میں عام طور سے تذکرہ کرتے ہیں لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کا امام ومقتدی کا ایک ساتھ ہاتھ اٹھا کر نماز کے بعد دعاء کرنا اور اس پر مداومت کرنا بدعت ہے، اس کا قرون مشہودہ بالخیر میں کوئی ثبوت نہیں ہے، اگر یہ دعاء بس مندوب تک رہے اور اس کو ضروری نہ سمجھا جائے تب تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کا التزام کرنے اور اس کے تارک پر ملامت کرنے اور امام کے ساتھ ہی بہر حال ہاتھ اٹھایا جائے اور امام کے ہاتھ پھیر دینے پر ان کے ساتھ ہی ہاتھ پھیرا جائے یہ سب چیزیں کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فرائض کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے، حضرت ابو امامہؓ کی حدیث ہے قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، رواه الترمذی، اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے ارشاد فرمایا تھا أوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلاة تقول اللهم أعني على ذِكْرِكَ وشُكْرِكَ وحُسْنِ عِبادَتِكَ، رواه أبو داود وغیرہ، اور بھی اس مضمون کی روایات ہیں لیکن سب کا جمع ہو کر ایک ساتھ دعاء کرنا ایک آدھی روایت ہی میں منقول ہے اور اس پر مداومت کر لینا اور اس کو ایسی شکل دے دینا جو التزام کی صورت بنتی ہو اس میں تامل ہے۔

(ص ۱۱۵) بَاب مَنْ لَمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَهُ وَأَنْفَهُ حَتَّى صَلَّى

قال أبو عبد الله: رأيت الحميدي يحتج بهذا الحديث أن لا يمسح الجبهة في الصلاة.

۸۳۶. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ

الْخُدْرِيَّ فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کی دلیل جو نماز میں پیشانی اور ناک کو صاف نہ کرنے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے، ابوعبداللہ بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے حمیدی کو دیکھا کہ وہ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے تھے کہ نماز میں پیشانی کو صاف نہ کیا جائے۔

حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے حتی کہ میں نے آپ کی پیشانی پر مٹی کا اثر دیکھا۔

تشریح: امام بخاری نے مَنْ کے ساتھ ترجمہ منعقد کر کے مسئلہ اور اس کی دلیل کو ذکر کر دیا اور اپنی طرف سے کوئی حکم اور فیصلہ کن بات نہیں کہی، اس کی وجہ زین بن منیر وغیرہ شارحین نے یہ بیان کی ہے کہ مصنف کی دلیل محتمل ہے اس لئے کہ اس میں یہ مذکور ہے رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ، مگر مٹی کا اثر پیشانی پر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ آپ نے نہیں پونچھا، ممکن ہے پونچھ لیا ہو مگر اس کے بعد بھی اثر باقی رہا ہو، اور ممکن ہے کہ پونچھنا یاد نہ رہا ہو، اور یا اس لئے پونچھا نہ ہو تاکہ لوگوں کو آنحضور ﷺ کے خواب کی تصدیق ہو جائے، اور یا اولویت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یا بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو۔

غرضکہ ان احتمالات کی بناء پر کوئی فیصلہ نہیں کیا، ویسے یہ مسئلہ سلف کے یہاں مختلف فیہا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، سعید بن جبیر اور حسن بصری وغیرہ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے اور سالم بن عبداللہ بن عمر، محمد بن سیرین، حکم، ابن شہاب زہری، حماد بن سلیمان اباحت کے قائل تھے، بہت ممکن ہے کہ مصنف محقق نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہو اور ان لوگوں کی تائید کی ہو جو کراہت کے قائل ہیں۔

(ص ۱۱۶) بَاب التَّسْلِيمِ

۸۳۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ وَمَكَثَ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأُرَى، وَاللهُ أَعْلَمُ، أَنَّ مُكْثَهُ لِكَيْ يَنْفُذَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ.

ترجمہ: باب، سلام پھیرنے کا بیان۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو آپ کے سلام کو ختم کرتے ہی عورتیں کھڑی ہو جاتیں اور آپ اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر یوں ہی بیٹھے رہتے تھے، ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں واللہ اعلم کہ آپ کا ٹھہرنا اس لئے ہوتا تھا کہ عورتیں اس سے پہلے نکل جائیں کہ قوم کے نماز پڑھ کر لوٹنے والے مرد ان کو پاسکیں۔

تشریح: امام بخاری نے سلام بعد التشہد کا ترجمہ منعقد کیا ہے مگر اس کا حکم ذکر نہیں فرمایا ہے اسلئے کہ دلائل اس میں متعارض ہیں، جمہور علماء کی رائے ہے کہ تسلیم الصلوۃ فرض ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ فرض نہیں ہے اور قدماء میں سے سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، ابراہیم اور قتادہ سے ان کی موافقت نقل کی گئی ہے، عینی وغیرہ نے ابن جریر طبری سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ سلام فرض نہیں ہے۔

سلام کی فرضیت کے قائلین کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے نماز کے بعد سلام پھیرنا احادیث کثیرہ شہیرہ میں وارد ہوا ہے حتی کہ تسلیمتین کی روایات بیس سے زائد ہیں اور اگر ان کے ساتھ دوسری روایات کو دیکھا جائے تو تیئیس سے کم روایات نہیں ہوتی ہیں اور یہ ایک بہت بڑا عدد ہے اس سے کم میں تواتر حاصل ہو جاتا ہے، جیسے رؤیت باری کے مسئلہ میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں ابن جریر طبری نے تیئیس اور بعضوں نے اس سے زائد نقل کی ہیں، تو جب ان روایات کو بیس کی تعداد تک پہنچ جانے کی وجہ سے متواتر کہا جاسکتا ہے تو اسی طرح تسلیمتین کی روایات کو بھی متواتر کہا جاسکتا ہے جبکہ اس کے ساتھ وَتَحرِيمُهَا التَّكبِيرُ وَتَحلِيلُهَا التَّسلِيمُ کا لفظ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے تو پھر اس کی فرضیت کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

مگر سلام کو فرض نہ ماننے والے دیگر دلائل پر بنیاد رکھتے ہیں، ان میں سے ایک حدیث مسیئ فی الصلوۃ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسیئ فی الصلوۃ کو نماز کا طریقہ تعلیم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ثم اجلِس حتی تَطمئِن جالساً فإذا فعلتَ هذا فقد تَمَّتْ صلاتُک وما انتقَصتَ من هذا فإنما انتقَصتَه من صلاتِک أو کما قال، رواه أبو داود وابن أبی شیبة من حدیث رفاعة بن رافع ورواه أبو داود من حدیث أبی هریرة۔

دوسری دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے تشہد کے بعد حدیث میں وارد ہے إذا قلتَ هذا أو قضیتَ هذا فقد قضیتَ صلاتَک إن شئتَ أن تقوم فقم وإن شئتَ أن تقعدَ فاقعُد، رواه أبو داود وغیره، لیکن محدثین کرام کہتے ہیں کہ یہ لفظ موقوف ہے، دار قطنی، ابن حبان، حاکم، بیہقی اور خطیب وغیرہ فرماتے ہیں

کہ یہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا مقولہ ہے۔

بعض احناف نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز بجائے چار کے پانچ پڑھ لی اور فرض سے نفل کی طرف منتقل ہو گئے اور سلام پھیرنے کے بعد جب اطلاع ہوئی تو آپ نے سجدۂ سہو کر لیا، اگر سلام ارکان صلوۃ میں سے ہوتا تو اس کا ترک کیسے جائز ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترک بالسہو تھا اور پانچویں رکعت پر جو سلام ہوا یہی سلام فریضہ تھا اور سلام نافلہ اس میں مندرج ہو گیا۔

پھر احناف میں سے بعض اس کو سنت کہتے ہیں اور بعض واجب، یہی مشہور ہے اور کہتے ہیں کہ قدرت کے باوجود تسلیم کا ترک مکروہ تحریمی ہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ، إلخ: مطلب یہ ہے کہ آپ مرد و عورت کے اختلاط کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(ص ۱۱۶) بَاب يُسَلِّمُ حِينَ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ

وكان ابن عمر يستحب إذا سلّم الإمام أن يسلّم من خلفه.

٨٣٨. حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُودٍ - هُوَ ابْنُ الرَّبِيعِ - عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ.

ترجمہ: باب، امام کے سلام پھیرتے وقت سلام پھیرنے کا بیان، اور حضرت ابن عمرؓ اس بات کو مستحب جانتے تھے کہ جب امام سلام پھیرے تو اس کے پیچھے اقتدا کرنے والے بھی سلام پھیر دیں۔

حضرت عتبان بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو جب آپ سلام پھیرتے تو اس وقت ہم بھی سلام پھیر دیتے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے تسلیم کا وقت بیان کیا گیا ہے کہ قوم کب سلام پھیرے؟

امام بخاری نے حدیث کے لفظ ہی کو ترجمہ بنا دیا اسلئے کہ اس میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ جب حضور ﷺ سلام کی ابتداء کرتے تھے اس کے بعد صحابہ ابتداء کرتے تھے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضور ﷺ جب سلام سے فارغ ہو جاتے تب صحابۂ کرام سلام کیا کرتے تھے، امام بخاری نے روایت کے لفظ میں احتمال ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ روایت میں امام بخاری نے اپنی طرف سے کسی ایک احتمال کو متعین کئے بغیر مجتہد کے حوالہ کر دیا کہ وہ فیصلہ کرے، مجتہدین میں امام مالک فرماتے ہیں کہ مساوات فی السلام مبطل ہے، شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے، اور ابو حنیفہ مساوات کے قائل ہیں۔

اقرب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری شاید احناف کے ساتھ ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کو فوراً سلام پھیرنا چاہئے کسی اور دعاء وغیرہ میں مصروف ہو کر دیر نہ کرنا چاہئے۔

(ص ۱۱٦) بَاب مَنْ لَمْ يَرَ رَدَّ السَّلَامِ عَلَى الْإِمَامِ وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلَاةِ

۸۳۹. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ وَزَعَمَ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ.

۸٤۰. قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي لِقَوْمِي بَنِي سَالِمٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَإِنَّ السُّيُولَ تَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِي فَلَوَدِدْتُ أَنَّكَ جِئْتَ فَصَلَّيْتَ فِي بَيْتِي مَكَانًا حَتَّى أَتَّخِذَهُ مَسْجِدًا، فَقَالَ: أَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ مَعَهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي أَحَبَّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ، فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ.

ترجمہ: باب، جس نے امام کے سلام کا مستقل جواب نہ دیا اور صرف نماز کے سلام کو کافی سمجھا۔

(اول روایت باب متی یصح سماع الصغیر میں اور دوسری روایت باب المساجد فی البیوت میں گزر چکی)۔

تشریح: اگر کسی نے امام کو سلام کا جواب نہیں دیا اور تسلیم صلوۃ پر اکتفاء کر لیا تو یہ کافی ہے۔

اس ترجمۃ الباب کے سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ نماز میں کتنی بار سلام پھیرے؟

جمہور علماء ائمہ ثلاثہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ دو سلام ہے، امام مالک کی رائے ہے کہ امام و منفرد پر ایک سلام

ہے، اور مقتدی اگر تنہا ہو تو دو سلام ہے، ایک دائیں طرف اور دوسرے بائیں طرف امام کو سلام کرے، اور اگر دو مقتدی ہوں تو پھر تیسرا سلام ہے یہی مالکیہ کے یہاں معروف ہے، لیکن قاضی ابن العربی تسلیمۂ ثالثہ کو بدعت کہتے ہیں اس لئے کہ احادیث متواترہ میں دو ہی سلام وارد ہوئے ہیں، اور جو مالکیہ تسلیمۂ امام کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے یہی منقول ہے، سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الإِمَامِ وَأَنْ نَتَحَابَّ وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ، رواہ أبو داود۔

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ امام کے لئے مستقل سلام ضروری نہیں ہے دو سلام ہی میں مقصد حل ہو جاتا ہے، آدمی جب ایک سلام پھیرے تو دائیں طرف کے لوگوں کی نیت کرے اور دوسرے سلام میں بائیں طرف اور امام جس طرف ہو گا اس میں داخل ہو جائے گا اور اگر بالکل سامنے ہو گا تو دونوں میں داخل ہو جائے گا۔

پھر اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ تسلیمۂ اولیٰ واجب ہے تسلیمۂ ثانیہ واجب نہیں، حسن بصری فرماتے ہیں کہ تسلیمۂ ثانیہ بھی واجب ہے یہی امام ابو حنیفہ اور احمد کے مذہب میں ایک ایک قول ہے۔

غرض ترجمہ: اس میں تین قول ہیں، (۱) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری نے تسلیمۂ ثالثہ کے قائلین پر رد کیا ہے اور یہی نص ترجمہ مَنْ لَمْ يَرَ رَدَّ السَّلَامِ عَلَى الْإِمَامِ سے سمجھ میں آتا ہے، (۲) علامہ ابن بطال کہتے ہیں کہ اس سے دوسرے سلام کے وجوب کے قائلین پر رد کیا ہے، (۳) حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے اگر دل میں کسی کو سلام کا خیال نہ ہو اور ویسے ہی آدمی نے نماز کا سلام پھیر دیا تو یہ کافی ہو گا، ہمارے نزدیک ان اقوال میں سے پہلا ہی قول راجح ہے اور وہی مصنف کے ترجمہ کے الفاظ سے واضح ہے۔

(ص ۱۱٦) بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

۸٤۱. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذَلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ.

٨٤٢. حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بِالتَّكْبِيرِ. قَالَ عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: كَانَ أَبُو مَعْبَدٍ أَصْدَقَ مَوَالِي ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ عَلِيٌّ: وَاسْمُهُ نَافِذٌ.

٨٤٣. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَى وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ أَمْوَالٍ يَحُجُّونَ بِهَا وَيَعْتَمِرُونَ وَيُجَاهِدُونَ وَيَتَصَدَّقُونَ، قَالَ: أَلاَ أُحَدِّثُكُمْ بِمَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ إِلاَّ مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ، تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ وَتُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا فَقَالَ بَعْضُنَا: نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَنُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ: تَقُولُ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللهُ أَكْبَرُ حَتَّى يَكُونَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ.

٨٤٤. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بِهَذَا، وَقَالَ الْحَسَنُ: جَدٌّ غِنًى، وَعَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ وَرَّادٍ بِهَذَا.

ترجمہ: باب، نماز کے بعد ذکر کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ حضور پاک ﷺ کے زمانہ میں جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تھے تو بلند آواز سے ذکر کرتے تھے، اور فرمایا کہ میں جب ذکر کی آواز سنتا تھا تو اسی سے مجھے لوگوں کا نماز سے فارغ ہونا معلوم ہوتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول پاک ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کو تکبیر کی آواز سن کر پہچان لیتا تھا، علی بن عبد اللہ نے کہا کہ مجھ سے سفیان نے بیان کیا کہ مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا کہ ابو معبد؛ ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلاموں

میں سب سے سچے تھے، علی نے کہا اور ان کا نام نافذ تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نادار صحابہ کرام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کے حصول میں آگے نکل گئے کہ وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور ان کو فاضل مال ودولت حاصل ہے جس سے وہ حج کرتے ہیں عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتادوں کہ اگر تم اس پر عمل کر دگے تو ان لوگوں کو پکڑ لوگے جو تم سے آگے نکل گئے ہیں اور تمہارے بعد کوئی تم کو نہ پاسکے گا اور تم جن لوگوں کے درمیان ہو ان میں سب سے بہتر شمار کئے جاؤ گے الا یہ کہ کوئی اسی جیسا عمل اختیار کرلے، ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر تینتیس مرتبہ پڑھا کرو۔

سُمَیّ کہتے ہیں کہ پھر ہمارے درمیان اختلاف ہوا اور ہم میں سے بعض نے یہ کہا کہ ہم سبحان اللہ تینتیس مرتبہ، الحمدللہ تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس مرتبہ پڑھیں تو میں ابوصالح کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے فرمایا کہ تم سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر اس طرح پڑھو کہ ان میں سے ہر ایک کی تعداد تینتیس ہو جائے۔

ورّاد جو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے کاتب تھے کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کے نام ایک خط میں یہ لکھوایا کہ نبی کریم ﷺ ہر فرض کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ الخ۔

اور شعبہ نے بھی عبدالملک سے ایسی ہی روایت بیان کی اور حسن بصری نے فرمایا کہ جد کے معنٰی ہیں مالداری، اور شعبہ نے حکم بن عتیبہ سے اور انہوں نے قاسم بن مخیمرہ سے اور انہوں نے ورّاد سے اس روایت کو بیان کیا۔

تشریح: یہاں مقصد ان اذکار کا تذکرہ ہے جو احادیث میں وارد ہیں تاکہ مسلمان نماز سے فراغت کے بعد ان کو پڑھے، حضرت نبی پاک ﷺ سے نماز کے بعد بہت سے اذکار صحاح ومسانید میں وارد ہیں، آدمی جو ان میں سے اپنے مناسب حال سمجھے اور سنداً اس کی ثابت ہو صحیح ہو یا حسن اس کو معمول بہا بنالے۔

یہ اذکار کب پڑھے جائیں: (۱) جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ اذکار نماز کے متصلاً بعد پڑھے جائیں گے، (۲) حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز کے بعد اگر سنت ہو تو پہلے سنت ادا کی جائے اذکار بعد میں پڑھے جائیں، لیکن شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں لا بأس بالفصل بالأذكار بين الفرض والسنة۔

بعض علماء احناف کہتے ہیں کہ سنت بھی فرض کے توابع میں سے ہے اور اذکار بھی؛ اور سنت کا حال اقویٰ ہے اذکار سے اس لئے سنت کو مقدم کرنا چاہئے۔

لیکن غور کیجئے کہ اذکار کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں ہے، اگر آپ ان کو فرائض کے بعد پڑھیں گے تو توابع

فرائض میں سمجھے جائیں گے اور سنت کے بعد پڑھیں گے تو توابعِ سنت میں سمجھے جائیں گے۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان اذکار کے سلسلہ میں سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ہم کو کیا ہدایت ملی ہے؟ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جتنی بھی حدیثیں وارد ہیں وہ دوطرح کی ہیں، بعض میں تو کوئی قید نہیں، بعض میں دبر الصلوۃ کا لفظ ہے، دبر الصلوۃ سے مراد ختم صلوۃ یعنی نماز کے مکمل ہونے کے بعد کا متصل وقت ہے، اور ایک روایت مسلم میں ہے مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَسْبِيحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَحْمِيدَةً وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ تَكْبِيرَةً فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ، کچھ کلمات ایسے ہیں جو فرض کے بعد کہے جاتے ہیں ان کا کہنے یا کرنے والا ناکام نہیں ہوتا، الخ، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اذکار نمازوں کے بعد متصلاً ہی پڑھے جائیں گے۔

أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ الخ: اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا دستور ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد ہلکی سی آواز کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، اس روایت سے استدلال کر کے علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ آدمی کو بلند آواز سے ذکر کرنا چاہئے، مگر علامہ ابن بطال نے مذاہب متبوعہ کے ماننے والوں اور دوسرے حضرات سے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ رفع الصوت بالتکبیر والذکر مستحب نہیں ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ رفع الصوت بالذکر کی دو صورت ہے، ایک یہ ہے کہ آدمی قرأۃ کی طرح بلند آواز سے ذکر کرے اس کا تو واقعی کوئی ثبوت نہیں ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ آواز مسموع ہو لیکن دوسرے کو تشویش نہ ہوتی ہو گنگناہٹ کی سی آواز ہو تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، آج بھی حرمین میں یہی معمول ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ أَعْلَمُ الخ: ابن عباسؓ کہتے ہیں جب میں بلند آواز ذکر کی سنتا تو سمجھ جاتا کہ نماز ختم ہوگئی، بظاہر نوعمری کی وجہ سے یہ گا ہے نماز میں شریک نہیں ہوتے ہوں گے یا ہوتے ہوں گے تو آخر میں بچوں کی صف میں ہوتے ہوں گے اسلئے انکو نماز کے ختم ہونے کا تکبیر سے علم ہوتا ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِالتَّكْبِيرِ: تکبیر بھی ذکر کی ایک صورت ہے، مگر اس تکبیر سے کیا مراد ہے؟ (۱) ابن حزم وغیرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا، (۲) بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ اس سے تسبیحات فاطمی کا ایک جزء تکبیر مراد ہے، (۳) بعضوں نے کہہ دیا کہ دستور یہ تھا کہ جب لوگ جنگ کے لئے جاتے تھے تو تین مرتبہ باآواز بلند سلام کے بعد اللہ اکبر کہتے تھے، مگر یہ توجیہ بالکل خلاف ظاہر ہے۔

جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ان فقراء میں ابوذرؓ وابوالدرداءؓ کے اسماء مسند احمد سے ثابت ہیں۔

مَنْ سَبَقَكُمْ: سے سبق حسی بھی مراد ہو سکتا ہے اور سبق معنوی بھی، شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے اسی دوسرے کو اقرب قرار دیا ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تم سے سابق فی الدرجہ ہیں ان تسبیحات کے ذریعہ تم ان کو پالوگے۔

وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ إِلَّا الخ: اور تم سارے لوگوں میں سب سے افضل ہو جاؤ گے۔

یہاں ایک اشکال سا ہوتا ہے کہ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ تم مساوی ہو جاؤ گے اور وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ان سے فائق ہو جاؤ گے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے مساوات حاصل ہو اور بعد میں فوقیت حاصل ہو جائے اس میں کوئی تنافی نہیں ہے۔

فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا: یہ مقولہ ہے سُمَیٌّ کا جیسا کہ مسلم شریف میں وارد ہے، کہتے ہیں ہم میں آپس میں اختلاف ہوا کہ یہ جو فرمایا گیا تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ الخ اس کا کیا مطلب ہے؟ آیا اس ۳۳ کے عدد کا تعلق مجموعے سے ہے اور ہر ایک پر تقسیم ہو جائے گا اور گیارہ گیارہ مرتبہ کہنا مطلوب ہے، یا ہر ایک کے لئے الگ الگ ہے اور ہر ایک کو ۳۳، ۳۳ مرتبہ کہنا مقصود ہے، مگر یہاں پر ہر ذکر ۳۳، ۳۳ مرتبہ کرنا مراد ہے۔

فائدہ: اذکار بعد الصلوات کے متعلق احادیث میں مختلف اعداد وارد ہیں، (۱) بہت سی احادیث میں تسبیح؛ تکبیر؛ تحمید کا عدد دس دس مرتبہ آیا ہے، (۲) بہت سی احادیث میں تینوں کا عدد ۳۳، ۳۳ مرتبہ آیا ہے، (۳) بہت سی احادیث میں تکبیر کا عدد ۳۴ مرتبہ آیا ہے مجموعہ سو ہو گیا، (۴) بعض احادیث میں تکبیر کے ۳۴ مرتبہ کہنے کے بجائے ۳۳ مرتبہ اور ایک مرتبہ کلمۂ توحید کہنا وارد ہے یہ بھی سو ہو گئے، (۵) بعض میں کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ ۲۵ مرتبہ آیا ہے اور باقی کو بھی ۲۵، ۲۵ مرتبہ کہنا وارد ہے تو عدد سو ہو گیا۔

یہ جو اعداد کا اختلاف ہے اختلافِ اوقات پر محمول ہے، اور علماء فرماتے ہیں کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے سب اعداد ثابت ہیں تو مسلمان کو اختیار ہے چاہے یہ کہہ لے اور چاہے یہ کہہ لے۔

پھر نمازوں کے بعد اعداد مذکورہ کا التزام ضروری ہے یا اس پر اضافہ کر سکتے ہیں؟

(۱) علامہ شہاب الدین قرافی کہتے ہیں کہ اعداد کی مثال نسخۂ طبیب کی ہے جتنا وارد ہے اس کا التزام ضروری ہے اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں، (۲) حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اس کی مثال حلاوہ کی سی ہے جتنی چینی ڈالو گے

اتنا ہی میٹھا ہو جائے گا، (۳) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگر عدد مسنون پورا کرنے کے بعد کوئی اضافہ کرتا ہے تو عدد مسنون پر ثوابِ موعود حاصل ہو جائے گا اور مزید پر مزید، اور اگر یوں ہی کوئی کہتا چلا جائے تو نیکیوں کا ثواب ملے گا مگر ثوابِ موعود نہیں ملے گا، یہی صحیح بات ہے۔

علامہ حطاب مالکی نے نقل کیا ہے کہ ایک عالم تھے انہوں نے اپنی طرف سے مسنون اعداد میں اضافہ کر دیا اور سو سو بار کرنے لگے، ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک میدان ہے اس میں خلقت جمع ہے اور اعلان ہو رہا ہے کہ تسبیح کا ثواب تسبیح والے آکر لے جائیں، لوگ آتے رہے اور لیکر جاتے رہے، سب سے آخر میں یہ رہ گئے ان کا نام تک نہیں پکارا گیا، انہوں نے عرض کیا میں بھی تو تسبیح پڑھتا تھا، جواب ملا یہاں تو ان لوگوں کو مل رہا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے عدد کے مطابق پڑھ رہے ہیں تم تو اپنی طرف سے پڑھتے تھے۔

غور کرو اس جانِ جہاں کے مہر لگا دینے کے بعد تھوڑے عمل کی کیا قدر و قیمت ہو گئی، ۳۳ والوں کو تو بلا لیا گیا اور سو (۱۰۰) والے کا نام تک نہیں لیا گیا، سنت کی یہی طاقت ہے، سنت میں وہ طاقت ہے جو بڑے بڑے مجاہدوں میں نہیں ہے کیوں کہ سنت والا جو عمل ہے وہ بڑی سرکار سے آیا ہوا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے چلا ہوا ہے، وہ مستند ہے۔

اور آدمی اپنی طرف سے کرے؟ اگر کوئی خلاف شریعت بات نہیں ہے تو نیکی ہونے کی وجہ سے اس پر حسنہ تو مرتب ہو گا لیکن غیر رجسٹرڈ عمل ہے اس لئے اس پر وہ بات نہیں حاصل ہو گی جو نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے اعمال پر حاصل ہو گی، اس لئے لمبی لمبی نفلیں پڑھنے کے بجائے مسنون نفلیں پڑھیے، مسجد میں داخل ہوں تو تحیۃ المسجد پڑھیں، وضوء کریں تو تحیۃ الوضوء پڑھیں، اور اسی طرح سے اشراق، چاشت، تہجد وغیرہ نمازوں کا اہتمام کریں، سنت کے مطابق جب عمل ہوتا ہے تو محبوب اور مقبول ہوتا ہے۔

وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ: یہاں یہ لفظ جَدّ بفتح الجیم مروی ہے۔

بعض علماء نے ابو عمرو شیبانی سے نقل کیا ہے کہ وہ اس کو جِدّ بکسر الجیم نقل کرتے تھے، ابو عبید القاسم بن سلّام اور بغوی اس ضبط کی تردید کرتے ہیں، اس لئے کہ اگر اس کو بکسر الجیم پڑھا جائے تو معنی یہ ہو جائیں گے کہ کوشش والے کو اس کی کوشش سود مند نہ ہو گی۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے عمل صالح کی کوشش کرنے کا امر فرمایا ہے وَسَارِعُوا إِلَى

مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ الخ، پھر جس چیز کی ترغیب دی ہے اس کے بارے میں یہ کیسے فرماسکتے ہیں کہ اس میں کوشش بے فائدہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ لفظ بکسر الجیم ثابت ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ کسی کی ذاتی کوشش اور اجتہاد بغیر اللہ کی نصرت و مدد اور نظر کرم کے مفید نہیں، آدمی ہزار عمل کرتا رہے اگر اللہ کی طرف سے نصرت نہ ہو اور عمل کو صحیح نہ کیا جائے تو اس عمل میں کوئی بھی عیب پیدا ہو کر بیکار ہو جائے گا۔

اور اگر جَدّ بفتح الجیم ہو تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ احد الاجداد مراد ہے ابو الام یا ابو الاب نانا دادا وغیرہ، یعنی خاندانی شرف اللہ کی توفیق کے بغیر فائدہ نہیں دے گا، ہزار آدمی سید ہو قریشی ہو انصاری ہو اگر اللہ کی توفیق نہیں ہے اور انسان کا عقیدہ و عمل صحیح نہیں تو یہ فائدہ نہیں دے گا۔

مشہور یہ ہے کہ جَدّ کے معنی یہاں پر غنی اور حظ (نصیب) ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کا مال کسی کا حظ اللہ کی توفیق کے بغیر فائدہ نہیں دیتا ہے۔

(ص ۱۱۷) بَاب يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ

٨٤٥. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ.

٨٤٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ عز وجل؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.

٨٤٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَخَّرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الصَّلَاةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا صَلَّى أَقْبَلَ عَلَيْنَا

بِوَجْهِهِ فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوا وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ.

ترجمہ: باب، سلام کے بعد امام کو نمازیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنے چاہئے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھاتے تو ہماری طرف رخ کرکے بیٹھتے تھے۔

حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیبیہ میں بارش کے بعد جو رات میں ہوئی تھی فجر کی نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو لوگوں کی طرف آپ نے رخ کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار عزوجل نے کیا کہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ علم والا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کہتا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہوئے اور کچھ کافر ہوئے یعنی جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں ستارے کے ایسی اور ایسی جگہ پہونچنے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرا انکار کرنے والے اور ستاروں پر ایمان لانے والے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ایک رات میں نماز (عشاء) کو آدھی رات تک مؤخر فرمادیا، پھر آپ تشریف لائے، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے اپنا رخ ہماری طرف کیا اور فرمایا کہ بے شک لوگ نماز پڑھ چکے ہیں اور سو چکے ہیں اور یہ کہ تم جب تک نماز کے انتظار میں رہوگے برابر نماز ہی میں شمار کئے جاؤگے۔

تشریح: ترجمہ کی غرض سنئے، (١) اگر امام سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کا استقبال کرے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، (٢) نمازیوں کی طرف رخ کرنے کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہو، (٣) علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ مقتدیوں کی پیٹھ کرنا حق امامت کی وجہ سے تھا، اب جب امامت ختم ہوگئی تو پھر امام کو مقتدیوں کی طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھے رہنا بظاہر اہانت کی شکل ہے اس لئے ان کا استدبار کرنے کے بجائے ان کا استقبال کرنا چاہئے، (٤) استقبالِ مصلین اس لئے کیا جائے تاکہ بعد میں داخل ہونے والے کو یہ پتہ چل جائے کہ نماز ختم ہوچکی، (٥) جب امام لوگوں کو تعلیم و تلقین کرنا چاہتا ہو تو نمازیوں کی طرف رخ کرے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ: یہ روایت مصنف نے بہت مختصر نقل کی ہے، مفصل طور پر یہ روایت کتاب الجنائز میں باب ماقیل فی أولاد المشرکین کے بعد باب بلا ترجمہ میں آرہی ہے۔

نَوْءٌ: مفرد ہے، أنواء اس کی جمع آتی ہے، ہندی میں اسے نچھتر کہا جاتا ہے، لفظ نَاءَ الکوکب بمعنی سَقَطَ اور نَاءَ الکوکب بمعنی طَلَعَ اضداد میں سے ہے دونوں معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

کچھ کواکب ہیں جو مختلف اوقات میں ایک معین فصل سے طلوع اور غروب ہوتے رہتے ہیں، اہل جاہلیت کا عقیدہ یہ تھا کہ بارش کا تعلق بھی ان کے طلوع وغروب سے ہے، اسلام نے اس کی تردید کی اور یہ ثابت کردیا کہ بارش ہونے اور نہ ہونے سب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کو دخل ہے سب کچھ وہی کرتے ہیں۔

فَلَمَّا صَلَّى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ: حضور اکرم ﷺ سے نماز سے فراغت کے بعد متعدد صورتیں مروی ہیں، بعض میں یہ وارد ہوا ہے کہ آنحضور ﷺ سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے، اور بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ دائیں یا بائیں طرف منصرف ہوجاتے تھے، ان روایات میں کوئی تعارض نہیں، اصل میں سرور عالم ﷺ کو جب لوگوں سے کچھ بات چیت کرنی ہوتی تھی اور تلقین وتعلیم کرنا چاہتے تب تو آپ قوم کی طرف متوجہ ہوجاتے اور اگر بات چیت مقصود نہ ہوتی ذکر کرنا یا کچھ پڑھنا چاہتے تو پھر دائیں یا بائیں انصراف فرمایا کرتے تھے۔

(ص ۱۱۷) بَاب مُكْثِ الْإِمَامِ فِي مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ

٨٤٨. وَقَالَ لَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي مَكَانِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ الْفَرِيضَةَ، وَفَعَلَهُ الْقَاسِمُ، وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ: لَا يَتَطَوَّعُ الْإِمَامُ فِي مَكَانِهِ، وَلَمْ يَصِحَّ.

٨٤٩. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمْكُثُ فِي مَكَانِهِ يَسِيرًا. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَنُرَى، وَاللَّهُ أَعْلَمُ، لِكَيْ يَنْفُذَ مَنْ يَنْصَرِفُ مِنَ النِّسَاءِ.

٨٥٠. وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ قَالَ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةُ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَتْ مِنْ صَوَاحِبَاتِهَا، قَالَتْ: كَانَ يُسَلِّمُ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ فَيَدْخُلْنَ بُيُوتَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَنْصَرِفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَتْنِي هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ. وَقَالَ عُثْمَانُ

بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ. وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ أَنَّ هِنْدًا بِنْتَ الْحَارِثِ الْقُرَشِيَّةَ أَخْبَرَتْهُ، وَكَانَتْ تَحْتَ مَعْبَدِ بْنِ الْمِقْدَادِ، وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَتْ تَدْخُلُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ. وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ الْفِرَاسِيَّةِ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ ابْنُ شِهَابٍ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ حَدَّثَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، سلام کے بعد امام کے اپنی جگہ پر ٹھہرنے کا بیان۔

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے نقل کیا کہ ہم سے شعبہ نے بہ روایتِ ایوب سختیانی حضرت نافع سے نقل کیا کہ حضرت ابن عمرؓ جس جگہ فرض نماز پڑھتے تھے اسی جگہ دیگر نمازیں پڑھتے تھے اور یہی عمل قاسم بن محمد کا تھا، اور حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً منقول ہے 'امام اپنی جگہ نوافل نہ پڑھے' اور اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

زہری نے ہند بنت الحارث سے اور انہوں نے حضرت ام سلمہؓ سے نقل کیا کہ حضور ﷺ جب سلام پھیر دیتے تھے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ ٹھہرے رہتے تھے، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ ہمارا ظن غالب واللہ اعلم یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل اس لئے تھا کہ جو عورتیں واپس ہونا چاہتی ہیں وہ نکل جائیں۔

جعفر بن ربیعہ نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھ سے ہند بنت الحارث الفراسیہ نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہؓ نے (جو حضور ﷺ کی زوجۂ محترمہ ہیں اور ہند بنت الحارث ان کی سہیلیوں میں تھیں) بیان کیا کہ حضور ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تو عورتیں رسول اللہ ﷺ کے گھر واپس ہونے سے پہلے اپنے گھروں میں آجایا کرتی تھیں۔

ابن وہب بہ روایت یونس ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ہند فراسیہ نے یہ حدیث بیان کی۔ عثمان بن عمر بہ روایت یونس عن زہری نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ہند قرشیہ نے حدیث بیان کی۔ زبیدی نے کہا کہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی کہ مجھ سے ہند بنت الحارث القرشیہ نے حدیث بیان کی، اور وہ معبد بن مقداد کی اہلیہ تھیں جو بنو زہرہ کے حلیف تھے اور ہند کا حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آنا جانا تھا۔ اور شعیب نے زہری سے نقل کیا کہ مجھ سے ہند قرشیہ نے حدیث بیان کی۔ اور ابن عتیق نے بیان کیا کہ زہری نے ہند فراسیہ سے نقل کیا۔ اور لیث بن سعد نے کہا کہ مجھ سے یحیٰ بن سعید نے اور ان سے ابن شہاب نے بیان کیا اور ان سے قریش کی ایک عورت نے بیان کیا اور اس عورت نے حضور ﷺ سے نقل کیا۔

تشریح: حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ماقبل میں یہ بتلایا تھا کہ امام سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کا استقبال کر سکتا ہے اور اب یہ بتلا رہے ہیں کہ امام کا استقبال الی الناس ضروری نہیں

ہے، اگر لوگوں سے بات چیت کرنے کی ضرورت نہ ہو تو امام اپنے مصلّیٰ پر رو بہ قبلہ بیٹھا رہ سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس باب کو بابِ سابق سے مربوط کر دیا اور یہ فرماتے ہیں کہ امام استقبال کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھا رہ سکتا ہے، تو حافظ کے اور شیخ دامت برکاتہم کے بیان میں فرق یہ ہے کہ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ امام پر استقبال قوم واجب نہیں ہے، اگر وہ ضرورت نہیں سمجھتا ہے تو مستقبل القبلہ وہیں بیٹھا رہ سکتا ہے، اور حافظ ابن حجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام استقبال قوم کے بعد اپنی جگہ بیٹھا رہ سکتا ہے۔

مسئلہ سن لو! امام کا اپنی جگہ پر مستقبل القبلہ بیٹھا رہنا حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں اگر تھوڑی دیر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور دیر تک بیٹھا رہنا مکروہ ہے اس لئے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، رواہ مسلم۔

پھر امام کا مصلّیٰ پر بیٹھے رہنا عام ہے چاہے امام ذکر میں مشغول رہے یا دعاء میں، یا تعلیم میں مشغول ہو یا نماز میں، اسی لئے امام بخاری نے مکث الإمام فی مصلاہ کے ترجمہ میں تطوع کا مسئلہ ذکر کیا اور یہ بتلا دیا کہ امام اپنی جگہ پر نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

امام کا اپنے مصلّیٰ پر ہی نوافل پڑھنا: یہ مسئلہ اپنی جگہ پر مختلف فیہا ہے، قاسم فرماتے ہیں کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہ، شافعی اور جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ امام کو اپنی جگہ پر تطوع نہ پڑھنا چاہئے بلکہ وہاں سے ہٹ کر پڑھے، حضرت ابن عمرؓ اس مسئلہ میں قولِ اول کے قائل ہیں یعنی وہیں نفل پڑھنا جائز ہے، اور امام بخاری اسی قول کی طرف مائل ہیں اسی لئے ابن عمرؓ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کا اثر نقل فرمایا ہے يُصَلِّي فِي مَكَانِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ الفَرِيضَةَ وَفَعَلَهُ القَاسِمُ۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے لَا يَتَطَوَّعُ الْإِمَامُ فِي مَكَانِهِ، أخرجه أبو داود، لیکن امام بخاری یوں فرماتے ہیں لَمْ يَصِحَّ، یا لَا يَصِحُّ علی اختلاف النسخ، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں لیث بن ابی سلیم منفرد ہے اور ضعیف ہے، نیز اس کی سند میں اضطراب ہے، مگر اس کے بعض مؤیدات اور شواہد بھی ہیں، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ابو داؤد شریف میں وارد ہوئی ہے، ان روایتوں کے افراد متکلم فیہ ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ سے قوت

پیدا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ کی مزید وضاحت: بحث کی تکمیل کے طور پر اتنی بات اور بھی سن لو! علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے مکث الإمام فی مصلاہ فرمایا اور اس کا حکم نہیں بیان کیا کہ آیا یہ مستحب ہے یا مکروہ؟ اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، (۱) ابن بطال نے اکثر علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ امام راتب کو اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا مکروہ ہے الا یہ کہ کسی ضرورت کی وجہ سے ٹھہرے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت تعلیم وغیرہ کی وجہ سے ٹھہر جاتے تھے اور پھر فرماتے ہیں کہ یہی شافعی واحمد کا قول ہے، (۲) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کے بعد سنت ہو تب تو کھڑا ہو جائے اور اگر نماز کے بعد سنت نہیں ہے جیسے عصر و صبح تو اس میں اختیار ہے، (۳) ابن ابی زید مالکی کہتے ہیں کہ ہر نماز میں منتقل ہو جانا چاہئے، حافظ قطب الدین حلبی نے یہی قول امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے، علامہ علاؤالدین حصکفی نے یہی ہمارا مسلک نقل کیا ہے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور شافعی واحمد سبھی کی رائے یہ ہے کہ امام کو اپنی جگہ سے منتقل ہو جانا چاہئے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمْكُثُ فِي مَكَانِهِ يَسِيرًا: اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ تھوڑی دیر مستقبل القبلہ ٹھیرے رہتے تھے، اگرچہ یہاں روایت میں وارد نہیں ہوا ہے لیکن انداز سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا اس لئے کرتے تھے تاکہ عورتیں نکل جائیں یعنی مرد اور عورت مخلوط نہ ہونے پائیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس تعلیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر مقتدی صرف مرد ہی مرد ہوں عورتیں نہ ہوں تو اس صورت میں یہ مکث مستحب نہیں ہے، علامہ موفق بن قدامہ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے كَانَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ کو اسی معنیٰ پر محمول فرمایا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: امام بخاری نے اس باب میں سات تعلیقات ذکر کی ہیں بعض میں ہند فراسیہ واقع ہوا ہے اور بعض میں ہند قرشیہ، ہمارے موجودہ نسخوں میں تین میں ہند فراسیہ ہے اور تین میں ہند قرشیہ اور ایک

روایت میں امْرَأَۃٍ مِنْ قُرَیْشٍ ہے۔

امام بخاری نے ان تعلیقات کو بیان کر کے ہند کے نسب کا اختلاف بتلایا ہے، بعضوں نے ان کو فراسیہ کہا ہے اور بعضوں نے ان کو قرشیہ کہا ہے لیکن دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ فراس کنانہ ہی کی ایک شاخ ہے، اور کنانہ ہی جمّاع قریش ہے یعنی ان کی جو اولاد ہیں وہ قریش کہلاتی ہیں لہذا ان کے نسب میں کوئی اختلاف نہیں، مگر بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قریش تو فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہے تو اس صورت میں ایک نسبت تو اصلی ہوگی اور دوسری نسبت صرف معاہدہ کی ہوگی۔

وَقَالَ اللَّيْثُ: مصنف نے ساتویں نمبر پر لیث بن سعد کی تعلیق جس میں امْرَأَۃٍ مِنْ قُرَیْشٍ کا لفظ وارد ہوا ہے اس غرض کے لئے ذکر کی ہے کہ بعضوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اِس روایت میں ہند القرشیہ جو واقع ہوا ہے وہ تصحیف ہے اصل میں تھا فراسیہ کسی نے اس کو قرشیہ کر دیا، مصنف نے تعلیق لیث کو ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ یہ تصحیف نہیں ہے۔

(ص ۱۱۷) بَاب مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَةً فَتَخَطَّاهُمْ

۸۵۱. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ، فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأَى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ فَقَالَ: ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ.

ترجمہ: باب، جس شخص نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر اس کو اپنی ضرورت یاد آئی اور وہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا گزر گیا۔

حضرت عقبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے پیچھے مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ عجلت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے ازواج مطہرات کے حجروں میں سے کسی حجرے میں داخل ہوئے، لوگوں کو آپ کی اس عجلت سے گھبراہٹ ہوئی پھر جب آپ حجرے سے باہر آئے اور آپ نے دیکھا کہ لوگوں کو آپ کی عجلت پر بڑی حیرت ہوئی ہے تو ارشاد فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ ہمارے یہاں سونے کا ایک ٹکڑا رکھا رہ گیا ہے تو مجھے یہ بات

ناگوار ہوئی کہ یہ چیز میرے لئے روک نہ بن جائے تو میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ امام کا اپنے مصلّٰی پر سلام کے بعد ٹھہرا رہنا کوئی ضروری نہیں ہے، اگر کوئی حاجتِ طبعیہ پیش آجائے تو امام سلام پھیر کر فوراً اپنی ضرورت کے واسطے نکل سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ٹھہرنا عدمِ ضرورت کی صورت میں ہے اور اگر ضرورت ہو تو اس صورت میں نہ ٹھہرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، احتیاج اور ضرورت کے وقت مکث چھوڑا جاسکتا ہے، اور حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ تخطیٔ رقاب سے جو منع کیا گیا ہے وہ عدمِ ضرورت کی صورت میں ہے، اگر ضرورت ہو تو پھر تخطی کی گنجائش ہے۔

تِبْرٌ: غیر مضروب سونا یعنی وہ سونا جو معدن سے نکلا ہو، ڈھلا ہوا نہ ہو۔

أَنْ يَحْبِسَنِي: مجھ کو روک دے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ طاعات کے کاموں سے روک دے، اور بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ توجہ الی اللہ سے روک دے، دونوں کا خلاصہ ایک ہی نکلتا ہے، نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا اللہ سے غافل کرنے والی ہے۔

(ص ۱۱۸) بَابُ الِانْفِتَالِ وَالِانْصِرَافِ عَنِ الْيَمِينِ وَالشِّمَالِ

وكان أنس بن مالك ينفتل عن يمينه وعن يساره ويعيب على من يتوخى أو من تعمد الانفتال عن يمينه.

۸۵۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَا يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ، يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَثِيرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ.

ترجمہ: باب، نماز کے بعد دائیں اور بائیں طرف مڑ کر بیٹھنے یا لوٹنے کا بیان، اور حضرت انس بن مالکؓ دائیں اور بائیں دونوں طرف مڑ کر بیٹھتے تھے اور جو شخص صرف داہنی طرف مڑنے کا اہتمام یا قصد کرتا اس کو برا جانتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا کوئی حصہ مقرر نہ کرے، یہ سمجھے کہ نماز کے داہنی طرف ہی لوٹنا لازم ہے، بے شک میں نے بہت مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو بائیں طرف لوٹتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: انفتال مڑ جانا، جس کو عربی میں لیّ الوجہ کہتے ہیں، اور انصراف کسی طرف کو لوٹ جانا۔

امام بخاری نے دونوں کو ایک ہی باب میں ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جب امام نماز کے بعد اپنے مصلّٰی ہی پر بیٹھا بیٹھا مڑ جائے یا سلام پھیر کر اٹھ کر اپنی ضرورت کیلئے چلا جائے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی دونوں میں دائیں اور بائیں پھرنا اور دایاں وبایاں رخ اختیار کرنا برابر ہے جائز ہے۔

انفتال کا مسئلہ سنو! اگر امام نماز پڑھا کر دائیں یا بائیں مڑ کر بیٹھنا چاہے تو کون سی صورت ارجح ہے؟

(۱) جمہور علماء امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور حنفیہ کے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ دائیں طرف مڑنا بہتر ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ امام کا دایاں مقتدیوں کی طرف اور بایاں محراب کی طرف۔

(۲) اور بعض مشائخ احناف اس کے عکس کے قائل ہیں، امام بغوی نے یہی قول امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی شافعیہ کے بعض علماء کا قول ہے۔

(۳) اختیار ہے کوئی جانب کسی جانب پر راجح نہیں ہے، صاحب بدائع نے اسی تخییر والے قول کو راجح قرار دیا ہے، علامہ ابراہیم حلبی حنفی نے قول اول کو راجح قرار دیا ہے اس لئے کہ حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُونَ عَنْ يَمِينِهِ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ اس لئے امام کو یہ چاہئے کہ اس کا دایاں حصہ مقتدیوں کی طرف اور بایاں حصہ محراب کی طرف ہو، مگر یہ کچھ لازم اور متعین نہیں اسی لئے امام بخاری نے عَنِ الْيَمِينِ وَ الشِّمَالِ دونوں کو ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ انصراف عن الیمین والشمال دونوں کی روایتیں منقول ہیں، آدمی کو اپنی حاجت دیکھنی چاہئے جدھر حاجت ہو ادھر مڑ جائے، اور سرور عالم ﷺ سے جو انصراف عن الیمین والشمال کی روایتیں ذکر کی گئی ہیں وہ حاجت ہی پر محمول ہیں۔

وَ كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَنْفَتِلُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ: دائیں اور بائیں مڑتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کسی خاص جانب کو معین کر کے اسی کی طرف مڑنا یہ صحیح نہیں ہے۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کر لے کہ

اپنے ذمہ یہ لازم پکڑ لے کہ وہ دائیں ہی طرف مڑے گا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے دائیں طرف مڑنے کا التزام نہیں کیا تھا لہٰذا ایک ایسی چیز کا جس کا سرور عالم ﷺ نے التزام نہیں کیا اس کا التزام کر لینا یقیناً شریعت میں ایک نئی چیز کا پیدا کرنا ہے، اس طرح شیطان کو انسان کی نماز میں حصہ مل جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے جس کا التزام نہیں کیا اس کا التزام نہ کرنا چاہیے۔

لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَثِيرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ: میں نے حضور اکرم ﷺ کو بکثرت بائیں طرف مڑتے ہوئے دیکھا ہے، مسلم کی روایت میں ہے أکثر، اکثر حضور اکرم ﷺ بائیں طرف مڑا کرتے تھے، لیکن حضرت انس بن مالک ؓ سے امام مسلم نے ایک روایت نقل کی ہے اسماعیل سدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ؓ سے پوچھا كَيْفَ أَنْصَرِفُ إِذَا صَلَّيْتُ عَنْ يَمِينِي أَوْ عَنْ يَسَارِي؟ فرمایا أَمَّا أَنَا فَأَكْثَرُ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ میں نے حضور اکرم ﷺ کو اکثر دائیں طرف مڑتے ہوئے دیکھا ہے، اب یہاں انس ؓ اور ابن مسعود ؓ کی روایتوں میں تعارض ہو گیا، ایسے تعارض کے وقت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کی روایت کو حضرت انس ؓ کی روایت پر ترجیح حاصل ہو گی۔

مزید یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت انس ؓ نے اکثریت سے مراد اکثریت واقعیہ نہیں لی ہے بلکہ اکثریت نفس الامریہ لی ہے، اکثریتِ واقعیہ کا مطلب ہے مقابل سے زیادہ ہونا، اور اکثریتِ نفس الامریہ کا مطلب فی الجملہ کسی چیز کا زیادہ ہونا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جو کثرت سے بائیں طرف مڑتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا حجرۂ شریفہ قبلہ کی بائیں جانب تھا اور آپ نماز پڑھ کر حجرۂ شریفہ میں لوٹتے تھے اس لئے اکثر بائیں طرف ہی لوٹا کرتے تھے۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ سرور عالم ﷺ انفتال تو اکثر دائیں طرف اور انصراف بائیں طرف کرتے تھے، انفتال تو یہ ہے کہ صرف مڑ کر بیٹھ جائے اور انصراف یہ ہے کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔

(ص ١١٨) بَاب مَا جَاءَ فِي الثُّومِ النِّيِّ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ

وقول النبي ﷺ: من أكل الثوم أو البصل من الجوع أو غيره فلا يقربن مسجدنا.

٨٥٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ - يُرِيدُ الثُّومَ - فَلاَ يَغْشَانَا فِي مَسَاجِدِنَا، قُلْتُ: مَا يَعْنِي بِهِ؟ قَالَ: مَا أُرَاهُ يَعْنِي إِلاَّ نِيئَهُ. وَقَالَ مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: إِلاَّ نَتْنَهُ.

٨٥٣. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ - يَعْنِي الثُّومَ - فَلاَ يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا.

٨٥٥. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: زَعَمَ عَطَاءٌ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ زَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلاً فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُولٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا، فَسَأَلَ فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ، فَقَالَ: قَرِّبُوهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ، فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا، قَالَ: كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لاَ تُنَاجِي.

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ أُتِيَ بِبَدْرٍ، قَالَ ابْنُ وَهْبٍ: يَعْنِي طَبَقًا فِيهِ خَضِرَاتٌ. وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ فَلَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيثِ.

٨٥٦. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: مَا سَمِعْتَ نَبِيَّ اللهِ ﷺ فِي الثُّومِ؟ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلاَ يَقْرَبَنَّا، وَلاَ يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا.

ترجمہ: باب، کچی لہسن اور پیاز اور گندنا کو استعمال کرنے کا بیان، اور نبی کریم ﷺ کے اس قول کا بیان کہ جو لہسن یا پیاز کو بھوک یا بغیر بھوک کے استعمال کرے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اس درخت (مراد تھی لہسن) کو کھائے وہ ہماری

مسجد میں نہ آئے، راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا اس سے کیا مراد تھی؟ تو فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ صرف کچا لہسن مراد ہے اور مخلد بن یزید نے ابن جریج سے نقل کیا کہ صرف لہسن کی بدبو مراد ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں فرمایا کہ جو شخص اس درخت کو یعنی لہسن کو کھائے تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے الگ سے رہے یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔

اور یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہانڈی لائی گئی جس میں ترکاریوں میں کچھ سبزیاں تھیں تو آپ نے ان میں بو محسوس فرمائی تو ان کے بارے میں پوچھا چنانچہ آپ کو ان سبزیوں کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو فلاں صحابی کو دے دو جو آپ کے ساتھ تھے، جب ان صحابی نے اس کو دیکھا تو انہوں نے بھی اس کا کھانا ناپسند کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کو کھالو اس لئے کہ میں اس ذات سے مناجات کرتا ہوں جس سے تم مناجات نہیں کرتے، احمد بن صالح نے ابن وہب سے اس روایت میں یہ الفاظ نقل کئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بدر پیش کیا گیا- ابن وہب نے کہا کہ بدر سے مراد ہے بڑی تھالی- جس میں سبزیاں تھیں- اور لیث اور ابو صفوان نے یونس سے اس روایت میں ہانڈی کا قصہ بیان نہیں کیا تو راوی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ (ہانڈی کا قصہ) زہری کا کلام ہے یا حدیث کا جز ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لہسن کے بارے میں کیا سنا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس درخت کو کھائے تو وہ ہم سے قریب نہ ہو اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔

تشریح: ثوم- لہسن، النیئ- غیر مطبوخ اور کچا، بصل- پیاز، کراث گندنا، یہ ایک سبزی ہوتی ہے اس کی پتیاں پیاز جیسی ہوتی ہیں لیکن پیاز کی بنسبت باریک ہوتی ہیں۔

ابواب کی مناسبت: امام بخاری نے یہاں سے اختتام صفۃ الصلوۃ تک جو ابواب ذکر کئے ہیں بظاہر اس کا صفۃ الصلوۃ سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا ہے، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ ابواب؛ صفۃ الصلوۃ کے اختتام پر بطور مسائل شتّٰی کے ذکر فرمائے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے ایک تقریر کی ہے جس سے ان ابواب کی ابواب سابقہ کے ساتھ مناسبت ہو جاتی ہے کہ اصل میں امام بخاری نے پہلے اذان، پھر اقامت، پھر امامت، پھر صفوف، پھر جماعت اور اس کے بعد صفۃ صلوۃ ذکر کی ہے اور یہ سارے ابواب مربوط ہیں، جب صفۃ صلوۃ سے مصنف فارغ ہوگئے تو اب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ

اگر نماز میں آنے سے کوئی عذر ہو تو کیا کرے؟ مثلاً اگر کسی شخص نے بدبودار چیز کھائی ہو تو کیا کرے؟ پھر امام بخاری نے یہ بتلایا کہ کس پر جماعت واجب نہیں ہے؟ اس کے لئے اگلا ترجمہ منعقد کر دیا، پھر کن کیلئے جماعت میں حضور بعض حالات میں مندوب اور بعض حالات میں مندوب نہیں؟ اس کے لئے باب خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ اور بعد کے تراجم منعقد کئے ہیں۔

گویا حافظ صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اصل تو ابوابِ جماعت ہیں اور جماعت ہی کے ضمن میں صفۃ الصلوۃ ذکر کی گئی ہے اور اسی ذیل میں تین صورتیں بتلانا چاہتے ہیں، (۱) کسی کو کوئی عذر ایسا پیش آجائے جو حضورِ جماعت سے مانع ہے تو کیا کرے؟ اس کیلئے یہ ترجمہ منعقد کر دیا، (۲) بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کیلئے جماعت میں حاضر ہونا واجب نہیں اس کیلئے دوسرا ترجمہ منعقد کر دیا، (۳) بعض ایسے بھی ہیں جن کے حق میں وجوبِ جماعت بعض اوقات میں مندوب اور بعض اوقات غیر مندوب ہوتا ہے، اس کیلئے تیسرا ترجمہ مقرر کیا۔

روایت میں کراث کا ذکر نہیں: اس ترجمۃ الباب میں ثوم اور بصل اور کراث تین چیزوں کا ذکر ہے مگر روایات میں ثوم اور بصل کا ذکر ہے لیکن کراث کا کوئی ذکر نہیں، اس کا جواب (۱) بعض کہتے ہیں کہ بصل پر قیاس کیا ہے کیوں کہ دونوں کی پتیاں ایک جیسی گول گول ہوتی ہیں، (۲) حضرت جابرؓ کی حدیث میں خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُولٍ کا لفظ اپنے عموم کی وجہ سے اس کو بھی شامل ہے گویا اس کے عموم سے ترجمہ ثابت کیا، (۳) بعض حضرات کہتے ہیں اور یہی حافظ کی رائے ہے کہ امام بخاری نے مسلم کی ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس میں وارد ہوا ہے مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا أو كما قال صلى الله عليه وآله وسلم۔

مِنَ الْجُوعِ: سوال یہ ہے کہ روایات باب میں جوع کا ذکر نہیں ہے پھر من الجوع کا ترجمہ کیسے ثابت کیا؟ اس کا جواب (۱) ہو سکتا ہے کہ روایت کے اطلاق سے ترجمہ ثابت کیا ہو کیوں کہ حضرت ﷺ نے مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ مطلق فرمایا ہے جوع یا غیر جوع کی قید نہیں لگائی ہے، (۲) اور ممکن ہے کہ امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق بعض دیگر روایات کی طرف اشارہ کیا ہو، چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے لَمْ نَعْدُ أَنْ فُتِحَتْ خَيْبَرُ فَوَقَعْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي تِلْكَ الْبَقْلَةِ الثُّومِ وَالنَّاسُ جِيَاعٌ فَأَكَلْنَا مِنْهَا أَكْلًا شَدِيدًا ثُمَّ رُحْنَا إِلَى الْمَسْجِدِ فَوَجَدَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم الرِّيحَ فَقَالَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْخَبِيثَةِ شَيْئًا فَلَا يَقْرَبَنَّا فِي الْمَسْجِدِ اور جب بھوک کی حالت میں کھا کر جانے کی صورت

میں گنجائش نہیں تو بغیر بھوک کے کھانے میں بدرجۂ اولیٰ گنجائش نہیں ہوگی۔

فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا: مسجدنا سے کیا مراد ہے؟ مسجد سے مراد مساجد مسلمین ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت اس لحاظ سے ہے کہ ساری مسجدیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع بنائی گئی ہیں، نیز بعض الفاظ میں فَلَا يَقْرَبَنَّ الْمَسَاجِدَ کا لفظ وارد ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساری مساجد کیلئے عام ہے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق صرف مسجد نبوی سے ہے اس لئے کہ وہ محل نزول ملائکہ ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتے آکر بات چیت کرتے تھے اور آپ نے اس کے کھانے سے فرشتوں کی رعایت میں منع کیا ہے، آپ نے ابوایوب انصاریؓ سے فرمایا كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي، تو صرف آپ کی مسجد کے ساتھ یہ حکم خاص ہے اس لئے کہ وہاں فرشتوں سے مناجات ہوتی تھی باقی دیگر مساجد کا یہ حکم نہیں ہے، لیکن یہ مطلب لینا بعید ہے حدیث کے عام الفاظ اس سے اباء کرتے ہیں۔

قُلْتُ مَا يَعْنِي بِهِ؟ علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ سائل عطاء اور مسئول جابرؓ ہیں، علامہ شوکانی اور عینی نے ان کا اتباع کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ سائل ابن جریج ہے اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت سے اس کی رہنمائی بھی ہوتی ہے، حافظ ہی کا بیان اس میں اقویٰ معلوم ہوتا ہے۔

سائل کا مقصود یہ تھا کہ آیا اس سے مطلقاً لہسن مراد ہے یا کچھ اور؟ استاذ صاحب نے بتلادیا کہ میرا خیال یہ ہے کہ کچا لہسن مراد ہے، چنانچہ سنن کی روایت میں وارد ہوا ہے إن كنتم لا بُدَّ آكِلِيهِما فأَمِيتُوهُمَا طَبخاً قال يعني البَصَلَ و الثُّوم یعنی پکا کر ان کی بو ماردو، بعض علماء نے لکھا ہے کہ ثوم میں اور بصل میں کچھ مضار اور کچھ منافع بھی ہیں پکا لینے سے ان کے مضار دور ہو جاتے ہیں اور منافع باقی رہتے ہیں۔

إِلَّا نَتْنَهُ: حافظ کہتے ہیں کہ یہ تصحیف ہے اس لئے کہ روح بن عبادہ نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور اس میں إِلَّا نِيئَهُ ہے جیسا کہ ابوعاصم نے ابن جریج سے نقل کیا ہے۔

قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ: علامہ داؤدی فرماتے ہیں کہ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر جاتے ہوئے یا خیبر سے واپسی میں فرمائی تھی، علامہ ابن التین فرماتے ہیں کہ صواب یہ ہے کہ آپ نے غزوۂ خیبر میں مقام خیبر ہی میں فرمایا تھا، اصل میں علامہ داؤدی نے فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا میں مسجد سے مراد مسجد نبوی لے لی اس لئے ان کو یہ

توجیہ کرنی پڑی کہ حضور ﷺ نے یا تو خیبر کی طرف جاتے ہوئے فرمایا یا وہاں سے واپسی کے بعد فرمایا مگر یہ صحیح نہیں ہے، مسجد کا لفظ عام ہے اور تمام مساجد کو شامل ہے، حضور ﷺ نے یہ کلام خاص خیبر میں فرمایا تھا جیسا کہ روایات کے دوسرے طرق دلالت کرتے ہیں اور مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جو آنحضور ﷺ نے خیبر میں نماز ادا کرنے کے لئے وقتی طور پر متعین فرمادی تھی۔

زَعَمَ عَطَاءٌ: زَعَمَ قول محقق کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور قول مرتاب کے لئے بھی، یہاں قول محقق کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِقِدْرٍ: حضور ﷺ کی خدمت میں ایک ہانڈی پیش کی گئی۔

یہ حدیث پہلی حدیث سے الگ دوسری حدیث ہے، پہلی حدیث تو بعد کی ہے یعنی خیبر سن ۷ ہجری میں فرمائی اور یہ حدیث بہت مقدم ہے پہلی حدیث سے چھ سال پیشتر جب حضور ﷺ ہجرت کرکے تشریف لائے تھے اس وقت آپ کا قیام حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر ہوا تھا، ابوایوب انصاریؓ کھانا پکوا کر خدمت والا شان میں بھجوایا کرتے تھے آپ کچھ تناول فرماتے اور باقی واپس کردیتے تھے، جہاں آپ کی انگلیاں پڑی ہوتی تھیں وہیں سے ابوایوب انصاریؓ تبرک کے لئے کھایا کرتے تھے، ایک دن کچھ پکوا کر بھیجا تو سارا کھانا وہاں سے واپس آگیا، حضرت ابوایوبؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سبب پوچھا تو سرورعالم ﷺ نے فرمایا کہ اس میں یہ بُووالی چیز پڑی ہوئی ہے، حضرت ابوایوبؓ نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں! كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي میں تو اس لئے نہیں کھاتا ہوں کہ میں ایسے سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی نہیں کرتے ہو یعنی فرشتوں سے اور ان کو بدبودار چیز سے تکلیف ہوا کرتی ہے۔

لہسن اور پیاز کا حکم: اس حدیث پاک سے ظاہریہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ثوم و بصل اور ایسی بدبودار چیز کا کھانا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ مانع عن الجماعۃ ہے، امام احمد بن حنبل کے یہاں مکروہ ہے اور ایک روایت میں امام احمد فرماتے ہیں کہ حرام ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کھانا جائز ہے، علامہ ابومحمد بن حزم ظاہری وجوب جماعت کے قائل ہیں لیکن ان چیزوں کی اباحت میں جمہور کے ساتھ ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ آدمی اتنے سویرے کھالے کہ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور بدبو اس سے پہلے ہی زائل ہوجائے۔

فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي: میں فرشتوں سے مناجات کرتا ہوں اور ان کو اس کی بو سے تکلیف ہوتی ہے، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ اگر کسی آدمی کو کسی چیز سے تکلیف ہوتی ہو یا کسی بدبودار چیز سے تو اس کے پاس اس چیز کے ساتھ نہ جانا چاہئے۔

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ أُتِيَ بِبَدْرٍ: امام نووی فرماتے ہیں قال العلماء وھو الصواب یعنی بدر کا لفظ صواب ہے اور اس کے معنی ہیں طبق (طباق، خوانچہ) کے، اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر بقول ہانڈی میں ہوتی تو پک جانے کی وجہ سے اس کی بو ختم ہو گئی ہوتی تو پھر آپ کو بو کیوں محسوس ہوئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بَدْر ہے نہ کہ قِدر، لیکن حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ أُتِيَ بِقِدْرٍ قاف کے ساتھ ارجح ہے اس لئے کہ ابن وہب کے تلامذہ میں سے احمد بن صالح تنہا أُتِيَ بِبَدْرٍ نقل کرتے ہیں اور ان کے باقی تلامذہ مسدد بن مسرہد، حرملہ اور ابو الطاہر أُتِيَ بِقِدْرٍ نقل کرتے ہیں، مسدد کی روایت بخاری میں سامنے موجود ہے اور حرملہ اور ابو الطاہر کی روایت امام مسلم نے جلد اول ص ۲۰۹ پر تخریج فرمائی ہے اور احمد بن صالح کی یہ تعلیق جو مصنف نے یہاں ذکر کی ہے جلد ثانی ص ۱۰۹۴ پر موصولاً آ رہی ہے۔

وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ: علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ اور اسی طرح فَلَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيثِ ہو سکتا ہے کہ احمد بن صالح کا قول ہو یا ابن وہب یا سعید کا قول ہو، اور ہو سکتا ہے کہ بخاری کا قول ہو، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ امام بخاری کا قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب زہری کے تلمیذ یونس سے یہ حدیث جیسے ابن وہب نقل کرتے ہیں ایسے ہی لیث بن سعد اور ابو صفوان بھی نقل کرتے ہیں، ابن وہب کی روایت میں أُتِيَ بِقِدْرٍ اور أُتِيَ بِبَدْرٍ کا لفظ ہے لیکن لیث بن سعد اور ابو صفوان کی روایت میں یہ لفظ نہیں ہے، اب امام بخاری کو اس میں تأمل ہے کہ آیا یہ حدیث کا جملہ ہے اور یونس نے بیان کیا تھا لیکن بعض تلامذہ کے سامنے نہیں بیان کیا یا یہ کہ ابن شہاب زہری کا قول ہے۔

(ص ۱۱۸) بَابُ وُضُوءِ الصِّبْيَانِ وَمَتَى يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُورُ وَحُضُورِهِمُ الْجَمَاعَةَ وَالْعِيدَيْنِ وَالْجَنَائِزَ وَصُفُوفِهِمْ

۸۵۷. حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ فَأَمَّهُمْ وَصَفُّوا عَلَيْهِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَمْرٍو مَنْ حَدَّثَكَ؟ قَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ.

۸۵۸. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ. ثَنِي صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

۸۵۹. حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا خَفِيفًا - يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ جِدًّا - ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، فَأَتَاهُ الْمُنَادِي يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قُلْنَا لِعَمْرٍو: إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ: إِنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنِّىٓ أَرَىٰ فِى ٱلْمَنَامِ أَنِّىٓ أَذْبَحُكَ﴾.

۸۶۰. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ، فَقَالَ: قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ، فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالْيَتِيمُ مَعِي وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ.

۸۶۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ.

٨٦٢. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ ح وَقَالَ عَيَّاشٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْعِشَاءِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ: قَدْ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، قَالَتْ: فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ يُصَلِّي هَذِهِ الصَّلاَةَ غَيْرُكُمْ، وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَوْمَئِذٍ يُصَلِّي غَيْرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ.

٨٦٣. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: شَهِدْتَ الْخُرُوجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَوْلاَ مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ - يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ - أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَتَصَدَّقْنَ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُهْوِي بِيَدِهَا إِلَى حَلْقِهَا تُلْقِي فِي ثَوْبِ بِلاَلٍ، ثُمَّ أَتَى هُوَ وَبِلاَلٌ الْبَيْتَ.

ترجمہ: باب، بچوں کے وضو کرنے کا بیان، اور یہ کہ ان پر غسل کرنا اور پاکی حاصل کرنا کب واجب ہوتا ہے؟ اور ان کے جماعت، عیدین، جنازے میں شریک ہونے، اور ان کی صفوں کا بیان۔

شعبی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص (صحابی) نے حدیث بیان کی جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک اکیلی قبر پر گیا تھا کہ آپ ﷺ نے امامت فرمائی اور حاضرین نے صف بندی کی، سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے پوچھا کہ اے ابوعمرو! آپ سے یہ کس نے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباسؓ نے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ آدمی پر واجب ہے۔

(تیسری روایت کا ترجمہ باب التخفیف فی الوضوء میں گزر چکا)۔

(چوتھی روایت کا ترجمہ باب الصلاۃ علی الحصیر میں گزر چکا)۔

(پانچویں روایت کا ترجمہ باب متی یصح سماع الصغیر میں گزر چکا)۔

(چھٹی روایت کا ترجمہ باب فضل العشاء میں گزر چکا)۔

(ساتویں روایت کا ترجمہ باب عظة الإمام النساء میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے صبیان اور بچوں سے متعلق مسائل بیان کئے ہیں او

گویا اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وضو للصبیان مشروع ہے مگر فی نفسہ اس پر واجب نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمہ میں چھ اجزاء اور سات روایتیں ذکر کی ہیں اور مجموعۂ اجزاء کو مجموعۂ روایاتِ باب سے ثابت فرمایا ہے، یعنی ساتوں روایات کے مجموعہ سے ترجمہ کے اجزاء ستہ ثابت ہو جاتے ہیں اور بعض روایات سے کئی کئی جزء ثابت ہوتے ہیں اور بعضوں سے صرف بعض اجزاء ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بَاب وُضوءِ الصِّبيَانِ قائم فرمایا مگر اس کا حکم بیان نہیں فرمایا کہ فرض ہے یا واجب یا مندوب؟ وجہ یہ ہے کہ اگر یوں فرماتے کہ بچوں کے حق میں وضوء مندوب ہے تو اس سے یہ شبہ ہوتا کہ بچے بلا وضو بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر یہ فرمادیتے کہ بچوں کے ذمہ وضوء واجب ہے تو یہ شبہ ہوتا کہ اگر بچہ وضوء نہیں کرے گا تو اس کے ترک پر اس کو عقاب ہوگا، لہٰذا امام بخاری نے اس اعتراض سے نجات حاصل کرلی اور ایسی عبارت پیش کردی کہ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

علامہ سندی فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بھی تو کہہ سکتے تھے وضوء الصبيان صحيح تصح به الصلوة لہٰذا اس پر کیا اشکال ہے؟ یا بَاب وُضوءِ الصِّبيَانِ اور اس کا مطلب ہو صحيح تصح به الصلوة، یا بَاب وُضوءِ الصِّبيَانِ أی له اصل فی السنة، یا لاتصح الصلوة بدونه اور اس کے یہ معنی نہیں کہ بچوں کو اس کے ترک پر عقاب ہوگا بلکہ بغیر اس کے نماز صحیح نہیں، یا وضوء الصبيان واجب اور واجب کے معنی یہ لئے جائیں لاتصح الصلوة بدونه اور الذی يعاقب علی تركه کے معنی نہ لئے جائیں۔

علامہ سندی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام بخاری وجوب کی تصریح فرمادیتے تب بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا اس لئے کہ واجب کے معنی یہ بھی لئے جاسکتے ہیں کہ بغیر اس کے نماز صحیح نہیں نہ یہ کہ اس کے ترک پر عقاب ہوگا، دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ غیر مکلف ہے لہٰذا اس کو عقاب نہیں ہوگا لیکن اگر وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے تو بغیر وضوء کے اس کی نماز صحیح نہیں ہوسکتی ہے وضوء کرنا واجب ہے۔

وَمَتَى يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُورُ: اور بچوں پر غسل اور طہور کب واجب ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، (۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جب بالغ ہو جائے تب واجب ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ، آپ نے دار و مدار احتلام پر رکھا ہے یہی امام احمد کا ظاہر مذہب ہے، (۲) امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ بچہ جب دس سال کا ہو جائے تو اس پر

طہور و غسل واجب ہے کیوں کہ اس پر نماز واجب ہے، ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ کی روایت میں وارد ہوا ہے جس کا مضمون یہ ہے مُرُوا أولا کمِ بالصلاةِ وهم أبناءُ سبعِ سِنینَ واضرِبوهم علیها وهم أبناءُ عَشرٍ اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں نماز کا حکم کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو اس کے ترک پر مارو اور مارنا ترکِ واجب ہی پر ہو سکتا ہے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ مارنا تدریب کیلئے ہے تاکہ بچہ کو نماز پڑھنے کی عادت ہو جائے، اور بعض علماء امام بیہقی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ ابتداء کا حکم ہے اور اس کے بعد حدیث رُفِعَ القلم عن ثلاثةٍ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے اسلئے کہ آپ نے وعن الصَّبيِ حتی یَحتلِمَ ارشاد فرمایا ہے۔

وَحُضُورِهِمُ الجَمَاعَةَ: مطلب یہ ہے کہ بچے جماعت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔

وَالعِيدَيْنِ: اور عیدین میں بھی جا سکتے ہیں۔

وَالجَنَائِزَ: اور جنائز میں بھی شرکت کر سکتے ہیں۔

وَصُفُوفِهِمْ: اور ان کی نماز میں صفیں بنائی جائیں گی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وصفوفهم پر اشکال یہ ہے کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی کوئی مخصوص صف ہو گی جبکہ احادیث باب سے اس کا ثبوت ہوتا نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وَصُفُوفِهِمْ سے مراد وُقُوفُهُمْ فِي الصَّفِ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ صف بندی کر سکتے ہیں اور اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے منفرد خلف الصف کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اسکے حکم میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ باطل ہے جیسے حنابلہ۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ کسی کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو وہ منفرد خلف الصف کے حکم سے خارج ہو جائے گا اور اس کی نماز عند الجمہور کراہت سے نکل جائے گی مگر عند الحنابلہ بطلان سے نکلے گی یا نہیں؟

امام بخاری نے وَصُفُوفِهِمْ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ہاں بچہ مردوں کے ساتھ صف بندی کر سکتا ہے اور اب یہ شخص کھڑا ہونے والا منفرد خلف الصف نہیں کہلائے گا بلکہ بچہ کے اس کے ساتھ کھڑے ہو جانے کی وجہ سے صف ہو گئی۔

جمہور علماء کے نزدیک بچہ کا ساتھ کھڑا ہو جانا استحباب کے لئے کافی ہے اور نماز کراہت سے خالی ہو جائے گی

لیکن امام احمد سے مسئلہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر امام کے ساتھ دو آدمی ہوں ایک بالغ اور ایک نابالغ تو بالغ دائیں طرف کھڑا ہوگا اور نابالغ بائیں طرف کھڑا ہوگا، جیسے حضرت ابن مسعودؓ نے علقمہ کو دائیں طرف کھڑا کیا تھا کیوں کہ وہ بالغ تھے اور اسود کو بائیں طرف کھڑا کیا تھا کیوں کہ وہ نابالغ تھے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک بچہ کے کھڑے ہو جانے کی وجہ سے منفرد شخص منفرد ہی رہے گا، بہر حال امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر نفل میں ہو تو کھڑا ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت انسؓ کے ساتھ یتیم بھی کھڑے ہو گئے لیکن فرض میں بالغ دائیں طرف کھڑا ہوگا اور نابالغ بائیں طرف کھڑا ہوگا۔

عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ: اور علی قبرِ منبوذٍ اضافت کے ساتھ دونوں جائز ہے، اگر اضافت کے ساتھ ہو تب تو منبوذ لقیط کے معنی میں ہوگا اور اگر صفت ہو تو منبوذ بمعنی المنفرد ہے یعنی وہ قبروں سے ایک طرف تھی۔

فَأَمَّهُمْ وَصَفُّوا عَلَيْهِ: حضور ﷺ نے سب کی امامت کی، اس سے مصنف نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ بچہ جماعت میں حاضر ہو سکتا ہے، ابن عباسؓ وہاں موجود تھے اور اس وقت وہ بالغ نہیں ہوئے تھے، نیز اس سے بچہ کا جنائز میں حاضر ہونا نکلتا ہے، نیز یہ بھی نکلتا ہے کہ بچہ صف میں مردوں کے ساتھ کھڑا ہو سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: یہ حدیث اسی سند سے کتاب الشہادات میں آرہی ہے، امام بخاری نے اس سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ بچہ کے اوپر غسل اور طہور قبل البلوغ واجب نہیں ہے۔

فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ: اس سے وضوء صبیان کو ثابت کیا ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: امام بخاری نے اِس روایت سے صفوف صبیان کا مسئلہ ثابت بیان کیا ہے، بچہ نے حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ مل کر صف بندی کی ہے کیوں کہ یتیم کہتے ہیں اس کو جو بالغ نہ ہو، حدیث میں ہے لَا يُتْمَ بَعْدَ حُلُمٍ أو كما قال ﷺ۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ جمہور کے نزدیک نابالغ بڑوں کے ساتھ کھڑا ہو سکتا ہے اور اس سے بڑے کی نماز صلوۃ منفرد خلف الصف کے حکم سے خارج ہو جائے گی، لیکن حنابلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نافلہ کا تو یہی حکم ہے جیسا کہ حضرت انسؓ کے گھر قصہ پیش آیا اور فریضہ میں بڑا دائیں طرف اور بچہ بائیں طرف کھڑا ہوگا جیسے ابن مسعودؓ نے علقمہ و اسود کے ساتھ کیا تھا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: اس روایت سے بھی صفوف صبیان کا مسئلہ بیان کیا ہے کہ بچہ مردوں

کے ساتھ صف بندی کر سکتا ہے کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ ناہز الحلم تھے بالغ نہیں تھے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: یہ حدیث ابواب مواقیت میں گزر چکی ہے۔

قَدْ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ: اس سے ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ بچے مراد ہیں جو اپنی ماؤں کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوئے تھے، اس سے پتہ چلا کہ بچے جماعت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔

إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ: حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین کے لوگوں میں سے کوئی بھی اس وقت تمہارے علاوہ یہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔

اس فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اسلام عام طور سے پھیلا نہیں تھا، مدینہ ہی کے لوگ جماعت کی نماز کا انتظار کرتے تھے اور اگر کچھ مسلمان قریٰ اور بوادی میں موجود تھے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھ کر سو جاتے تھے، اسی طرح مکہ میں جو مستضعفین تھے وہ اپنی اپنی نماز تنہا چپکے سے پڑھ کر سو جایا کرتے تھے۔

قَالَ لَهُ رَجُلٌ شَهِدْتَ الْخُرُوجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ: اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ بچہ عیدین میں حاضر ہو سکتا ہے اور اسی سے حضورِ جنائز کا مسئلہ بھی نکالا جا سکتا ہے، کیوں کہ عیدین کی نماز جیسے مصلّیٰ میں ہوتی ہے جنازہ کی نماز بھی مصلّیٰ میں ہوتی ہے، قَالَ نَعَمْ، ہاں میں حاضر ہوا ہوں۔

وَلَوْلَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ: حدیث کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ سے میری رشتہ داری نہ ہوتی تو میں اپنے چھوٹے ہونے کی وجہ سے وہاں حاضر نہ ہو سکتا، مجھے کوئی لے ہی نہ جاتا وہاں پر، میرا بچپن مانع ہوتا۔

لیکن ابواب عید میں حدیث کے الفاظ ہیں وَلَوْلَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اگر میں چھوٹا نہ ہوتا تو میں وہاں جا ہی نہ سکتا، یعنی بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے میری ضد پوری کی گئی اور مجھے بھی ساتھ لے گئے، لیکن یہ مطلب بعید ہے، اس حدیث کے عام طرق پر نظر کرنے سے پہلے ہی معنی متعین ہوتے ہیں اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ ابواب عیدین میں اس پر تنبیہ بھی کروں گا۔

أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ: کثیر بن صلت تابعی ہیں، ان کا مکان مصلیٰ عید کے پاس تھا، وہاں ایک نشان بنا دیا گیا تھا جس سے متعین ہو جاتا تھا کہ یہ مصلّیٰ عید ہے اور حضور اکرم ﷺ وہاں تشریف لائے وہاں آنحضور ﷺ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھی وغیرہ وغیرہ۔

(ص ۱۱۹) بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ

٨٦٤. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْعَتَمَةِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ غَيْرُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ وَلَا يُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ، وَكَانُوا يُصَلُّونَ الْعَتَمَةَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ.

٨٦٥. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ حَنْظَلَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ.

تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

٨٦٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ النِّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ قُمْنَ، وَثَبَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللَّهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَامَ الرِّجَالُ.

٨٦٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ.

٨٦٨. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ.

٨٦٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ

قَالَتْ: لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ، قُلْتُ لِعَمْرَةَ: أَوَ مُنِعْنَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ.

ترجمہ: باب، عورتوں کے رات کو اور اندھیرے میں مسجد میں آنے کا بیان۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب فضل العشاء میں گزر چکا)۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری عورتیں رات میں مسجد میں جانے کے لئے تم سے اجازت طلب کریں تو ان کو اجازت دے دیا کرو، عبید اللہ بن موسی کی شعبہ نے عن اعمش عن مجاہد عن ابن عمر متابعت کی ہے۔

(تیسری روایت کا ترجمہ باب التسلیم میں گزر چکا)۔

(چوتھی روایت کا ترجمہ باب فی کم تصلی المرأة من الثیاب میں گزر چکا)۔

(پانچویں روایت کا ترجمہ باب من أخف الصلاة عند بکاء الصبی میں گزر چکا)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو پالیتے جو عورتوں نے ان کے بعد ایجاد کرلی ہیں تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا، یحیٰ کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں!

تشریح: امام بخاری نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی ہے لیکن ان کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مسجد میں ایک قید کے ساتھ جاسکتی ہیں اور وہ قید تاریکی کی ہے، یا تو رات کی تاریکی ہو یا غلس کی۔

اس باب میں جو احادیث ذکر کی ہیں بعض مطلق ہیں اور بعض مقید ہیں، مطلق مقید پر محمول ہیں اور امام نے یہ بتلا دیا کہ جس روایت میں علی الاطلاق عورتوں کا مسجد میں جانا مذکور ہے وہ مقید ہیں لیل یا غلس کی قید کے ساتھ، اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ عورتیں مطلقاً مساجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاسکتی ہیں، امام مالک اور حنفیہ عجائز اور شوابّ میں فرق کرتے ہیں، عجائز کو اجازت دیتے ہیں اور شوابّ کو منع کرتے ہیں، پھر حنفیہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں شرکت کرسکتی ہیں اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں شرکت کرسکتی ہیں، امام بخاری اس مسئلہ میں کچھ تو حنفیہ کے ساتھ لگتے ہیں اور کچھ ان سے الگ، مطلب امام ابو حنیفہ فجر، مغرب اور عشاء میں اجازت دیتے ہیں اور امام بخاری رات اور غلس میں اجازت

دیتے ہیں دونوں کا حاصل ایک ہی ہوتا ہے، مگر امام ابو حنیفہ شوابّ (جوان عورتوں) اور عجائز (بوڑھی عورتوں) کے درمیان فرق کرتے ہیں اور امام بخاری کوئی فرق نہیں کرتے ہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کو مساجد میں مطلقاً جانے کی اجازت ہے وہ روایات مطلقہ کو دلیل میں لاتے ہیں اور قید لیل و غلس کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ یہ اولویت کے بیان کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ غلس اور لیل میں زیادہ گنجائش ہے اور اس کے علاوہ اوقات میں بہتر یہ ہے کہ نہ حاضر ہوں لیکن روایات مطلقہ کی بناء پر اگر وہ چاہیں تو حاضر ہو سکتی ہیں۔

اور جو حضرات صرف صلوات لیل ہی میں اجازت دیتے ہیں وہ روایات مطلقہ کو مقیدہ پر محمول کرتے ہیں، پھر شوابّ اور عجائز میں فرق کرنے والے یہ ملحوظ رکھتے ہیں کہ شوابّ کے نکلنے میں فتنہ ہے بخلاف عجائز کے کہ وہ قلت رغبت کی بناء پر حصول امن کی وجہ سے نکل سکتی ہیں۔

علامہ عینی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اب حکم مطلقاً عدم خروج کا ہے اس لئے کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ، یحیٰ بن سعید کہتے ہیں قُلْتُ لِعَمْرَةَ: أَوَمُنِعْنَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، رواہ البخاری، اور جب حضرت عائشہؓ اپنے زمانہ میں یہ کہہ رہی ہیں تو اس کے بعد تو کیا حال ہوگا؟

علامہ عینی نے اپنے زمانہ کے بہت سے مفاسد کا تذکرہ کیا ہے ان کی وفات میں ۸۷۰ھ میں ہوئی ہے اور اب تو ۱۴۰۱ھ چل رہا ہے ساڑھے پانچ سو سال تقریباً زائد ہو چکے اور دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔

حضرت عمرؓ کی اہلیہ عاتکہ بنت زید بن عمرو مساجد میں جماعت کی نماز پڑھنے حاضر ہوتی تھیں، لوگوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہوگا کہ عمرؓ اس کو ناپسند کرتے ہیں پھر بھی جاتی ہو؟ کہنے لگی کہ اگر ناپسند ہے تو مجھ کو منع کیوں نہیں کر دیتے، لیکن حضرت عمرؓ اللہ کے رسول ﷺ کے ارشاد مقدس لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ کے ادب کی وجہ سے منع نہیں کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی جب شہادت ہوئی تو یہ مسجد ہی میں تھیں، اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے نکاح کر لیا، حضرت عاتکہ مسجد میں نماز کے پڑھنے کے لئے جاتی تھیں زبیرؓ منع کرتے تھے مانتی تھیں نہیں کہ جب میں عمرؓ کے نکاح میں ہوتے ہوئے جماعت کو چھوڑ نہیں سکی اور اس میں شرکت کرتی تھی تو تمہارے نکاح میں ہونے کے بعد میں کہاں رک سکتی ہوں؟ حضرت زبیرؓ نے ایک حکیمانہ حرکت اختیار کی ایک

دن یہ عشاء کی نماز کے لئے نکلیں حضرت زبیرؓ جلدی سے آگے بڑھے اور اندھیرے میں جاکر ایک طرف کھڑے ہوگئے جب یہ گزریں تو حضرت زبیرؓ نے ایک تھپڑ ان کے سرین پر مار دیا اور بھاگ گئے، حضرت عاتکہ واپس ہوگئیں، جب دوسرا دن آیا تو حضرت زبیرؓ نے کہا کیوں مسجد نہیں جاتی؟ کہنے لگی **سبحان اللہ فسد الناس** لوگ خراب ہوگئے، حضرت زبیرؓ اسی بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے، یہ سارا قصہ مصنف عبد الرزاق اور استیعاب لابن عبد البر میں وارد ہوا ہے۔

اصل میں بعض وقت حکم دائر ہوتا ہے کسی علت پر، جب تک وہ علت موجود ہے حکم باقی ہے اور جب علت ختم ہوگئی تو حکم بھی ختم ہوا، ہوسکتا ہے کہ نماز ادا کرنے کیلئے سرورعالم ﷺ نے اجازت دی ہو اور فساد کی وجہ سے یہ اجازت منقطع ہوگئی، بہر حال بہت سے علماء نے فساد ہی کی وجہ سے منع کیا ہے، ویسے جو حضرات اجازت دیتے ہیں ان کی رائے یہی ہے کہ افضل یہ ہے کہ عورت اپنے مکان میں نماز ادا کرے کیوں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **صلوة المرأة فی بیتها أفضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی حجرتها أفضل من صلوتها فی مسجد قومها وصلوتها فی مسجد قومها أفضل من صلوتها فی مسجد الجماعة أو کما قال** ﷺ، **رواه أحمد**۔

حَتّٰی نَادَاهُ عُمَرُ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْیَانُ: طحاوی کے بعض نسخوں میں تو اسی طرح سے ہے **نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْیَانُ**، اور بعض نسخوں میں **نَامَ النِّسَاءُ** کے بجائے **نام الناس** واقع ہوا ہے یہ تصحیف ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: اس روایت پر کریمہ بنت احمد مروزیہ کے نسخہ میں ایک ترجمہ واقع ہوا ہے **بَابُ انْتِظَارِ النَّاسِ قِیَامَ الْإِمَامِ الْعَالِمِ** اور صغانی کے نسخہ میں بھی یہ ترجمہ ہے، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ غیر معتمد ہے اس لئے کہ اس مضمون کا ترجمہ اپنے مقام میں ص ۸۸ پر **باب متی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة** اسی کے ہم معنٰی الفاظ کے ساتھ گزر چکا ہے۔

کَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِیلَ: مصنف عبد الرزاق کی بعض روایات میں ہے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں مسجد میں جاتی تھیں اور لکڑی کے پاؤں (کھڑاؤں) بنالیتی تھیں اور اس پر چڑھ کر اپنے اخدان اور دوستوں کو دیکھا کرتی تھیں تو انہیں مسجد جانے سے منع کر دیا گیا اور انہیں حیض میں مبتلا کر دیا گیا۔

(ص ۱۲۰) بَاب صَلَاةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

۸۷۰. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ وَيَمْكُثُ هُوَ فِي مَقَامِهِ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ، قَالَ: نُرَى، وَاللهُ أَعْلَمُ، أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِكَيْ تَنْصَرِفَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ الرِّجَالُ.

۸۷۱. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ فَقُمْتُ وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا.

ترجمہ: باب، مردوں کے پیچھے عورتوں کے نماز پڑھنے کا بیان۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب التسلیم میں گزر چکا)۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب الصلاۃ علی الحصیر میں گزر چکا)۔

تشریح: ماقبل میں یہ بیان کیا ہے کہ عورتیں مساجد میں رات میں اور غلس میں جاسکتی ہیں اور اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلارہے ہیں کہ عورتیں مردوں کے پیچھے صف بندی کریں گی۔

یہ مسئلہ متفق علیہا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں أخروھن من حیث أخرھن اللہ، أخرجہ عبدالرزاق، یہ الفاظ فقہاء کی کتابوں میں سرکار دوعالم ﷺ کی طرف منسوب کرکے نقل کئے گئے ہیں لیکن حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، البتہ ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں بروایت حضرت حذیفہؓ اور صاحب مشکوۃ نے بروایت حضرت حذیفہؓ رزین عبدری کے حوالہ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ یہ ترجمہ بخاری کے بعض نسخوں میں یہاں پر مکرر ہے، علامہ سندی نے مکرر ہونے کی شکل میں ہر ترجمہ کی غرض الگ بیان کی، ایک ترجمہ کی غرض تو وہی بیان کی جو میں نے ابھی بیان کی اور دوسرے ترجمہ کی غرض یہ بیان کی ہے کہ عورتیں مردوں کا اقتداء کرسکتی ہیں، تو گویا ایک میں اقتداء کو بیان کیا ہے اور دوسرے میں ان کے مقام صفوف کو بیان کیا ہے۔

وَأُمّ سُلَيْم خَلْفَنَا: یہ مقصود بالترجمہ ہے کہ حضرت ام سلیمؓ سب سے پیچھے کھڑی تھیں۔

(ص ۱۲۰) بَاب سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَاءِ مِنَ الصُّبْحِ وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ

۸۷۲. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ بِغَلَسٍ فَيَنْصَرِفْنَ نِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ لَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ أَوْ لَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا.

ترجمہ: باب، صبح کی نماز کے بعد عورتوں کے جلد واپس ہونے اور مسجد میں کم ٹھہرنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب فی کم تصلی المرأة من الثیاب میں گزر چکا)۔

تشریح: عورتیں جب مسجد میں جائیں گی تو وہ نماز کے بعد فوراً واپس ہو جائیں گی، مسجد میں جا کر کسی کو ٹھہرنے کی گنجائش نہیں اور خصوصاً صبح کی نماز میں تو بہت ہی جلدی ان کو لوٹنا چاہئے۔

صبح کی قید مصنف نے اس لئے لگائی کہ وہاں پر تھوڑی تاخیر سبب بن جائے گا اسفار کا لہذا اسراع اس کے مناسب ہے بخلاف عشاء کے کہ اگر اس میں تاخیر ہو گئی تو بجائے اس کے ظلمت بڑھ جائے گی لہذا یہ مضر نہیں ہو گی، یہ توجیہ امام بخاری ہی کے مسلک پر منطبق ہو گی اس واسطے کہ بخاری اور ان کے متبعین صبح میں غلس کے استحباب کے قائل ہیں۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مسلم شریف کی ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو اور اس کی تائید کی ہو، مسلم کی ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا، اس لئے کہ عورتیں جلدی سے اسی وقت واپس ہو سکتی ہیں جب وہ آخری صف میں ہوں۔

(ص ۱۲۰) بَاب اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمَسْجِدِ

۸۷۳. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا

ترجمہ: باب، بیوی کا اپنے شوہر سے مسجد جانے کے لئے اجازت طلب کرنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔

تشریح: ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ عورتیں اگر مسجد میں جائیں گی تو اپنے خاوند سے اجازت لیکر جائیں گی، خاوند والی عورت بلا اذن زوج کے مسجد میں نہیں جاسکتی ہے۔

آیا اگر بیوی اجازت لے تو خاوند کو منع کا حق پہونچتا ہے یا نہیں؟ شافعیہ کہتے ہیں کہ ہاں منع کر سکتا ہے، حنابلہ کے اس میں دو قول ہیں، قاضی ابویعلیٰ کہتے ہیں کہ منع کر سکتا ہے اور موفق وغیرہ کا رجحان یہ ہے کہ منع نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے لاتمنعوا إماء اللہ مساجد اللہ، شافعیہ اسی روایت کی بناء پر فرماتے ہیں کہ بہتر تو یہ ہے کہ خاوند منع نہ کرے لیکن جو ولی امر ہو وہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکے اور منع کرے۔

إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا: اس روایت میں مطلقاً استیذان کا ذکر ہے استیذان بالخروج الی المسجد کا کوئی ذکر نہیں ہے پھر مصنف کا ترجمہ روایت سے کیسے ثابت ہوا؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ شارحہ ہے گویا مصنف نے یہ بتلادیا کہ روایت میں استیذان سے مراد استیذان بالخروج الی المسجد ہے۔

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری نے روایت الباب کے بعض دیگر طرق کی طرف اشارہ کیا ہو، چنانچہ ابھی ص۱۱۹ پر بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت بطریق عبیداللہ بن موسیٰ عن حنظلة عن سالم عن ابن عمرؓ گزری ہے اس کے الفاظ ہیں إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ جب تمہاری عورتیں تم سے رات میں مسجد کی طرف جانے کی اجازت مانگیں تو تم ان کو اجازت دے دیا کرو۔

أبواب صفة الصلاۃ پورے ہوئے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کِتَابُ الْجُمُعَةِ

امام بخاری صلوات یومیہ سے فارغ ہوگئے اب ہفتہ والی نماز بیان فرمارہے ہیں، جمعہ ہفتہ میں ایک مرتبہ آتا ہے اس لئے امام نے اس کو صلواتِ خمسہ سے مؤخر فرمادیا۔

جُمعہ میں جیم تو بہر حال مضموم ہے، اس کی میم پر ضمہ اور سکون اور فتحہ تینوں جائز ہیں، اگر فتحہ کے ساتھ ہو تو یہ فاعل کے معنی میں ہوگا اور جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جامع للجماعات ہے، اور اگر ضمہ یا سکون کے ساتھ ہو تو یہ مفعول فیہ کے معنٰی میں ہوگا لأن الناس یجتمعون فیه۔

زمانۂ جاہلیت میں جمعہ کا دن یوم العروبۃ کہلاتا تھا اور اس کے بعد جمعہ کہا جانے لگا، یہ نام آیا اسلامی ہے یا پہلے ہی سے جمعہ کہتے تھے؟ اس میں دونوں قول ہیں، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری کی رائے یہ ہے کہ یہ اسلامی نام ہے اور اس کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں لوگ جمعہ کی نماز کے واسطے جمع ہوتے ہیں، اور اہل لغت کا خیال یہ ہے کہ اسلام کے پہلے ہی سے اس کو جمعہ کہا جانے لگا تھا۔

اب اُس وقت کیوں جمعہ کہتے تھے؟ اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہے، (۱) جمعہ کے دن تک تمام خلائق پیدا اور جمع کر دی گئی اور اسی میں حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی، (۲) اسی میں حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالا گیا، (۳) اسی میں قیامت قائم ہوگی، (۴) اسی میں ساعتِ جمعہ واقع ہوتی ہے، (۵) بعض حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ کو جمعہ اسلئے کہتے ہیں کہ اس دن میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خمیر تیار کیا گیا، مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں وارد ہے کہ کسی شخص نے حضور پاک ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! جمعہ کو جمعہ کیوں کہتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے اس کا جواب یہ دیا کہ تمہارے باپ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی اسی دن گوندھی گئی اور یہ بھی آپ نے اس میں تذکرہ فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ہے وہ ساعتِ اجابت ہے، (۶) یا اس لئے

جمعہ کہتے ہیں کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اس دن مدینہ منورہ میں سب سے پہلے لوگوں کو نماز کے واسطے جمع کیا تھا، پورا قصہ عبد الرزاق نے المصنف میں اور وہیں سے عبد بن حمید نے اپنی مسند میں محمد بن سیرین سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جماعتِ انصار کو اسعد بن زرارہؓ نے جمع کیا اور آپس میں یہ گفتگو ہوئی کہ عیسائی ایک مخصوص دن میں جمع ہوتے ہیں اور یہودی ایک مخصوص دن میں جمع ہوتے ہیں لاؤ ہم بھی ایک مخصوص دن میں جمع ہوا کریں اور ان لوگوں نے جمعہ کا دن منتخب کیا، (۷) بعض کہتے ہیں کہ کعب بن لؤی اپنی قوم کو جمع کر کے وعظ و نصیحت کرتے تھے اور یہ بتلاتے تھے کہ تمہاری قوم سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اس لئے یہ جمعہ کہا جانے لگا، (۸) بعض کہتے ہیں کہ قصی بن کلاب جمع کرتے تھے۔

(ص ۱۲۰) بَاب فَرْضِ الْجُمُعَةِ

لقول الله تعالی: ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾، فاسعوا فامضوا

۸۷۶. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ مَوْلَى رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ له فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ الْيَهُودُ غَدًا وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ.

ترجمہ: باب، جمعہ کی فرضیت کا بیان، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے (سورۂ جمعہ میں) فرمایا کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکر خداوندی کی طرف چلے جاؤ اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو، یہی چیز تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، فاسعوا کے معنی ہیں نکل کھڑے ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم دنیا میں سب امتوں کے بعد آنے والے؛ قیامت کے دن سب سے آگے رہنے والے ہیں، مگر یہ کہ یہود و نصاریٰ کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی، پھر یہ کہ جمعہ کا دن، ان کا وہ دن ہے جو ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا، پس وہ اختلاف میں مبتلا ہو گئے اور اللہ نے ہمیں اس دن کے لئے ہدایت عطا فرمائی، پس تمام امتیں اس میں ہمارے تابع ہو گئیں کہ یہود کا دن کل ہے یعنی سنیچر اور نصاریٰ کا کل کے بعد یعنی اتوار۔

تشریح: نمازِ جمعہ کی فرضیت متفق علیہا ہے، قرآن واحادیث سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع بھی ہے، پھر امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جمعہ فرض عین ہے، ایک قول بعض علماء نے حضرت امام شافعی سے یہ نقل کر دیا کہ فرض کفایہ ہے لیکن امام شافعی کی طرف اس قول کی نسبت کرنے میں ناقل کو غلطی ہوئی ہے، امام شافعی نے اصل میں ایک مسئلہ ذکر کیا ہے أما صلوة العيد فتجب على كل من تجب عليه صلوة الجمعة اور صلوۃ عید ان کے یہاں فرض کفایہ ہے تو اس سے بعضوں نے یہ سمجھ لیا کہ صلوۃ جمعہ بھی فرض کفایہ ہے، علامہ ابن قیم نے اس وہم کی تغلیط فرمائی ہے۔

جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوئی یا مدینہ منورہ میں؟ حافظ ابن حجر نے اکثر علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ اس کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے اور مصنف نے جو آیت اور روایت پیش کی ہے اس کا بھی یہی تقاضہ ہے اس لئے کہ آیت مدنی ہے اور روایت تو مدنیہ ہے ہی۔

لیکن حافظ نے شیخ ابو حامد سے نقل کیا ہے کہ جمعہ مکہ میں فرض ہوا ہے، حافظ نے اس قول کو غریب قرار دیا ہے، مگر علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں اور ابن حجر مکی نے التحفۃ میں اور محمد بن احمد الرملی نے النہایہ میں اور علامہ شوکانی نے نیل الأوطار میں یہی اختیار کیا ہے کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی اور اس کے مختلف دلائل ہیں۔

پہلی دلیل حضرت کعب بن مالکؓ کی وہ حدیث ہے جو امام احمد، ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابن حبان، طبرانی اور حاکم نے بطریق عبد الرحمن بن کعب روایت کی ہے وہ اپنے باپ کعب بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة فقلت لأبي إذا سمعتَ النداء يوم الجمعة ترحَّمتَ لأسعد بن زرارة؟ قال لأنه أول من جمّع بنا في هزم النبيت من حرّة بني بياضة في نقيع يقال له نقيع الخضمات، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی وغیرہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور بیہقی وغیرہ میں اس کے راوی ابن اسحاق نے اپنے سماع کی تصریح کی ہے، اسعد بن زرارہؓ نے حضور ﷺ کی آمد سے پہلے جمعہ قائم کیا تھا، روایت کے الفاظ ہیں كَانَ أَوَّلَ مَنْ صَلَّى بِنَا الْجُمُعَةَ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ أَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ۔

دوسری دلیل عبد الرزاق نے المصنف میں اور عبد بن حمید نے اپنی مسند میں محمد بن سیرین سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے اور آیتِ جمعہ کے نزول سے پہلے پہلے اہل مدینہ نے جمعہ کی نماز ادا

کی، انصار ایک دن جمع ہوئے اور یہ کہنے لگے کہ یہودی سات دن میں ایک دن جمع ہوتے ہیں اور نصرانی بھی ایک دن جمع ہوتے ہیں لاؤ ہم بھی ایک دن متعین کر لیں اور اس میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں اور اللہ کے لئے نماز پڑھیں اور اللہ کا شکر ادا کریں، اس کے بعد یہ کہا گیا کہ یوم السبت تو یہودیوں کا ہے اور یوم الاحد نصاریٰ کا ہے لاؤ ہم یوم العروبہ منتخب کر لیں چنانچہ یوم العروبہ کو انہیں نے منتخب کیا اور لوگ اسعد بن زرارہؓ کے پاس جمع ہوئے، انہوں نے ان کو اس دن دو رکعت نماز پڑھائی وعظ و نصیحت کی اور اس کا نام جمعہ پڑ گیا اس کے بعد حق تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ نازل فرمائی، یہ روایت مرسل ہے لیکن اس کی سند حسن ہے۔

تیسری دلیل حضرت ابو مسعودؓ انصاری کی حدیث ہے کہ سب سے پہلے مہاجرین میں سے مدینہ منورہ میں مصعب بن عمیرؓ آئے فرماتے ہیں وهو أول من جمّع بها يوم الجمعة جمّعهم قبل أن يقدم رسول الله ﷺ، رواه الطبراني في الكبير والأوسط وفيه صالح بن أبي الأختر وفيه كلام۔

چوتھی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث طبرانی نے تخریج کی ہے أذن النبي ﷺ بالجمعة قبل أن يهاجر ولم يستطع أن يجمّع بمكة فكتب إلى مصعب إذا مال النهار عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة فتقربوا إلى الله بركعتين، حضور اکرم ﷺ کو ہجرت سے پہلے ہی جمعہ کا اذن مل چکا تھا لیکن آپ مکہ مکرمہ میں جمعہ پڑھنے پر قادر نہیں تھے آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو لکھا کہ جب جمعہ کے دن سورج ڈھل جائے تو تم دو رکعت تقرب الی اللہ کی نیت سے پڑھو۔

﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾: مصنف نے اس آیت شریفہ سے ابتداء فرضیت جمعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے، رہا یہ کہ اس آیت شریفہ سے جمعہ کی فرضیت کیسے اخذ کی ہے؟ علماء نے اس کی کئی تقریریں کی ہیں۔

(۱) علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ مصنف نے یا تو اس بات سے فرضیت اخذ کی ہے کہ اذان خصائص فرائض میں سے ہے اور اس میں اذان کا تذکرہ ہے، (۲) یا یہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ جب نداء جمعہ سنو تو ذکر اللہ کی طرف دوڑو اور بیع چھوڑ دو، بیع امر مباح ہے اور مباح سے روکنا اور منع کرنا دلیل ہے اس امر کے وجوب کی جس کی وجہ سے بیع مباح سے روکا جا رہا ہے، (۳) علامہ موفق بن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ

فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ کے امر سے فرضیت ثابت ہوتی ہے یہی میرے نزدیک راجح ہے۔

إِلَى ذِكْرِ اللهِ: ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد خطبہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز ہے، بعضوں نے کہا کہ خطبہ اور نماز دونوں مراد ہیں۔

فَاسْعَوْا فامضوا: یہ حقیقتِ مترادفہ ہے جیسا کہ کتاب التفسیر میں آرہا ہے، مصنف نے یہ بتلادیا کہ سعی بمعنی الجری یعنی دوڑنے کے نہیں بلکہ مضی اور مشی کے معنی میں ہے۔

نَحْنُ الآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الآخِرُونَ السَّابِقُونَ کی مراد میں کئی اقوال ہیں، (۱) ہم زمانہ کے اعتبار سے مؤخر ہیں اور قیامت کے دن باعتبار رتبہ کے سبقت کرنے والے ہیں، (۲) ہم زمانا تو مؤخر ہیں لیکن احرازِ جمعہ میں سابق ہیں یعنی امم سابقہ کو جمعہ نہیں مل سکا اور حق تعالیٰ نے ہم کو توفیق دی اور ہم نے جمعہ کو حاصل کرلیا، (۳) مقصد یہ ہے کہ السابقون إلَى الْقَبُولِ وَالطَّاعَةِ یعنی اگرچہ ہم زمانا مؤخر ہیں لیکن حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی طاعت اور اس کی بات کو قبول کرنے اور اس کے احکام کو ماننے میں سابق ہیں، حافظ ابن حجر نے ان تینوں احتمالوں میں سے احتمال اول ہی کو اولیٰ وارجح قرار دیا ہے۔

بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا: بَيْدَ کے معنی میں کئی اقوال ہیں، (۱) بَيْدَ: غَيْرَ کے وزن پر ہے اور اسی کے معنی میں ہے أی غَيْرَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا یعنی ان کو صرف اتنی سی فضیلت ہے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب عطا کی گئی ہے، یہ تعریف من قبیل الذم بمایشبہ المدح ہے صورت تو مدح کی ہے لیکن حقیقۃً مذمت ہے، یعنی بس اتنی سی فوقیت حاصل ہے کہ ہم سے پہلے ان کو کتاب ملی، دیکھنے میں یہ فضیلت ہے لیکن حقیقت میں یہ ان کی مذمت ہوئی کہ کتاب تو ہم سے پہلے دی گئی لیکن عمل میں ہم سے پیچھے رہ گئے۔

(۲) بعض نے کہا کہ یہ بَيْدَ، مَعَ کے معنی میں ہے، (۳) بعض نے کہا کہ عَلَى کے معنی میں ہے۔

(۴) ابن حبان نے مزنی سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام شافعی نے بَيْدَ کے معنی مِنْ أَجْلِ بیان کئے ہیں، قاضی عیاض نے اس معنی کی تضعیف کی ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ فرمائی ہے کہ ہم اگرچہ زمانہ کے اعتبار سے مؤخر ہیں مگر کل قیامت کے دن سابق ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سے پہلے ان کو کتاب دی گئی لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور ہم کو بعد میں کتاب ملی لیکن ہم نے اس پر عمل کیا تو ہم سابق ہو گئے۔

ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ: یعنی یہ یوم الجمعہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کیلئے ہی

متعین کیا گیا تھا مگر انہوں نے اختلاف کیا اور اپنی طرف سے یہودیوں نے یوم السبت اور عیسائیوں نے یوم الاحد کو منتخب کر لیا۔

فُرِضَ عَلَيْهِمْ سے کیا مراد ہے؟ آیا ان کو ان کے اجتہاد کے حوالہ کیا گیا تھا اور منشاء یہ تھا کہ جمعہ کا دن وہ خود منتخب کریں لیکن ان کو غلطی ہوئی، یا یہ کہ جمعہ کا دن متعین کر دیا گیا تھا اور انہوں نے اس تعیین میں اپنی رائے داخل کر دی؟ دونوں احتمال ہیں۔

علامہ ابن بطال احتمال اول کی طرف مائل ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ ان کے حق میں غیر معین دن فرض کیا گیا تھا اور ان کے اجتہاد کے حوالہ کر دیا گیا تھا، لیکن حق تعالیٰ نے ان کو یوم الجمعہ کی ہدایت نہیں دی اور وہاں تک ان کی رسائی نہیں ہوئی، یہودیوں نے یوم السبت کو اختیار کر لیا کہ حق تعالیٰ شانہ اس دن میں خلائق کی تخلیق سے فارغ ہوا لہذا ہم اس کو عبادت کے لئے فارغ کریں گے اور نصرانیوں نے یوم الاحد کو اختیار کیا کہ اس دن سے تخلیق کی ابتداء ہوئی گویا انہوں نے اس دن کو اللہ کے شکریہ کے لئے منتخب کر لیا۔

لیکن جمعہ کا دن اس امت نے اپنے لئے رکھا اس واسطے کہ جمعہ ہی کے دن آدم علیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے ہیں تو آدم علیہ السلام کی تخلیق کا شکریہ یہ ہے کہ جمعہ کا دن عبادت کے لئے خاص کیا جائے۔

قاضی عیاض نے بھی اسی مطلب کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے تعیین ہو جاتی اور پھر یہ لوگ مخالفت کرتے تو فَاخْتَلَفُوا کے بجائے فَخَالَفُوا کہا جاتا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یوم جمعہ ان کے حق میں متعین کر دیا گیا ہو لیکن انہوں نے وہاں پر رائے زنی کی ہو اور یہ سمجھتے ہوں کہ یہ تعیین صرف ہماری سہولت کے پیش نظر ہے اس دن کا اختیار کرنا کچھ ضروری نہیں ہے ہم اگر چاہیں تو اپنی طرف سے تبدیلی کر سکتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے ایک دن تبدیل کیا، یہودیوں نے یوم السبت کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور عیسائیوں نے یوم الاحد کو۔

فَهَدَانَا اللهُ لَهُ: اس ہدایت میں دو احتمال ہیں۔

یا تو یہ مراد ہو کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس دن کو ہمارے لئے منصوص و معین فرما دیا، یا ہدایت سے مراد ہدایۃ بالاجتہاد ہو یعنی حق تعالیٰ شانہ نے ہم کو ہدایت دی ہم نے اجتہاد کیا اور منشاء خداوندی کو پا لیا، حضرت کعبؓ کی جو

روایت ابھی ہم نے ذکر کی ہے دوسرے معنی کی تائید کرتی ہے، اور ابن عباسؓ کی روایت جو بحوالہ دار قطنی ذکر کی ہے وہ پہلے معنی کی تائید کرتی ہے لیکن دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہوسکتا ہے کہ ادھر صحابہ نے اجتہاد کیا ہو اور ادھر سرور عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں بتلادیا گیا ہو کہ جمعہ کے دن دو رکعت زوال کے بعد پڑھنی چاہئے۔

فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ: لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں، یہودی کل کے دن اور نصرانی بعد کے دن۔

اليَهُودُ غَدًا: علامہ قرطبی فرماتے ہیں أی اليَهُودُ يُعَظِّمُونَ غَدًا اور بعض علماء کہتے ہیں أيْ تَعْيِيدُ اليَهُودِ غَدًا، بہر حال کچھ نہ کچھ توجیہ کرنی پڑے گی اس لئے کہ غَدًا ظرف زمان ہے اور وہ اليهود کی خبر واقع نہیں ہوسکتا ہے۔

یہود ونصاری تابع کیوں ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تین دن ہیں، جمعہ، شنبہ اور یک شنبہ، اگر ایک ساتھ تینوں دنوں کا ذکر کیا جائے تو جمعہ ہی پہلے آئے گا، یہ ہے حضور ﷺ کے ارشاد فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ کا مطلب، لوگ ہمارے تابع ہیں کہ پہلے ہمارا دن آتا ہے پھر یہودیوں کا اور پھر اس کے بعد عیسائیوں کا۔

(ص ۱۲۰) بَابُ فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ
وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُودُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَوْ عَلَى النِّسَاءِ

۸۷۷. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

۸۷۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَنَادَاهُ عُمَرُ: أَيَّةُ سَاعَةٍ هَذِهِ؟ قَالَ: إِنِّي شُغِلْتُ فَلَمْ أَنْقَلِبْ إِلَى أَهْلِي حَتَّى سَمِعْتُ التَّأْذِينَ فَلَمْ أَزِدْ أَنْ تَوَضَّأْتُ، قَالَ: وَالْوُضُوءُ أَيْضًا؟ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي

سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن غسل کرنے کی فضیلت کا بیان، اور یہ کہ بچوں پر یا عورتوں پر جمعہ کی نماز میں حاضری ضروری ہے یا نہیں؟

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے آئے تو اس کو غسل کرنا چاہئے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس درمیان میں کہ حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے مہاجرین اولین میں سے ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو آواز دے کر فرمایا کہ یہ کونسا وقت ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں ایک کام میں مشغول ہو گیا اور ابھی گھر بھی نہیں لوٹ پایا تھا کہ جمعہ کی اذان سن لی تو میں صرف وضو کر کے حاضر ہو گیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا صرف وضو پر اکتفاء کر کے آگئے؟ جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔

تشریح: امام بخاری نے فضل غُسل کا ترجمہ منعقد کیا لیکن اس باب کی روایات سے غسل یوم جمعہ کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہوتی، پہلی حدیث میں ہے إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ترکِ غسل پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ اور تیسری حدیث میں ہے غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جمعہ کے دن کا غسل ایک فضیلت والا عمل ہے اسلئے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ جیسے شخص کے ترکِ غسل پر نکیر کی لیکن ان کو یہ نہیں کہا کہ جاکر غسل کر کے آؤ حالانکہ وہ امر بالغسل کی حدیث خود بھی نقل کرتے ہیں اور ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی، معلوم ہوا کہ یہ امر ایجابی نہیں ہے۔

غسل جمعہ کا حکم: اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ امام بخاری غسل یوم الجمعہ کو واجب نہیں مانتے ہیں، یہی جمہور علماء امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی کا مذہب اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، امام احمد دوسری روایت میں اور ظاہر یہ واجب کہتے ہیں اسلئے کہ غسل کا امر احادیث میں وارد ہے والأمر للوجوب۔

اور بعض علماء حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر انسان نظیف البدن ہو تو غسل واجب نہیں ہے ورنہ واجب ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے غسل کا حکم علی الاطلاق نہیں دیا ہے بلکہ ایسے حالات میں دیا ہے جبکہ بُو پیدا ہو گئی ہو لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہو، امام احمد وابو داؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اصل میں لوگ خود اپنا کام کرتے تھے خادم نہیں تھے ان کے کپڑوں میں بو پیدا ہو جایا کرتی تھی اس لئے حضور پاک ﷺ نے غسل کا حکم دیا اور آئندہ بخاری میں روایت آرہی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا لو اغتسلتم اگر آج کے دن غسل کر لیتے تو بہتر ہوتا۔

جو لوگ علی الاطلاق عدم وجوب غسل کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ترکِ غسل پر نکیر کی لیکن ان کو غسل کا حکم نہیں دیا یہ دلیل ہے کہ غسل واجب نہیں، یہ استدلال اسی طرح میرے علم میں سب سے پہلے امام محمد بن حسن شیبانی نے کیا اس کے بعد پھر امام شافعی نے اور پھر امام ابن خزیمہ، ابو جعفر بن جریر طبری، ابو جعفر طحاوی، ابن حبان، ابن عبد البر وغیرہ نے کیا ہے۔

یہاں پہنچ کر شراح کرام یا بعض شراح اس استدلال کی روایت کی نسبت امام شافعی کی طرف کرتے ہیں اور امام محمد کو نظر انداز کر دیا حالانکہ امام محمد سب سے پہلے استدلال کرنے والے ہیں۔

اصل میں علماء احناف نے تفریعات کا زیادہ اہتمام کیا اس لئے دوسروں نے ان کی کتابوں کی طرف التفات نہیں کیا ورنہ ان کی کتابوں میں بہت سی باتیں ملتی ہیں۔

امام طحاوی اور ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ سارا معاملہ تمام صحابہ کی موجودگی میں ہوا تو صحابہ کے درمیان مسئلہ مجمع علیہا بن گیا۔

لیکن ابن منذر نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث توجمعہ کے غسل کے وجوب کی دلیل ہے، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ جیسے شخص پر ترکِ غسل پر نکیر کر رہے ہیں اگر غسل واجب نہ ہوتا تو نکیر کیوں کرتے؟ اور حضرت عثمانؓ کو اس لئے غسل کا حکم نہیں دیا کہ تاخیر ہو گئی تھی جمعہ کے چھوٹ جانے کا اندیشہ تھا، علامہ ابن حزم ظاہری نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا کہ یہ سارا بمحضر من الصحابۃ ہوا لہٰذا یہ صحابہ کے درمیان متفق علیہ مسئلہ بن گیا۔

دیکھئے ایک ہی واقعہ ہے مگر اس سے ایک ہی مسئلہ کے دو رخ پر استدلال کیا جا رہا ہے، ایک جماعت عدم

الوجوب پر استدلال کرکے اس کو صحابہ کا مجمع علیہا قول بتاتی ہے اور دوسرے گو قلیل ہیں وہ اس کو وجوب کی دلیل میں پیش کرکے صحابہ کا مجمع علیہا قول بتاتے ہیں، یہ ہے اجتہاد۔

وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُودُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَوْ عَلَى النِّسَاءِ: یہ ہے ترجمہ کا دوسرا جزء۔

یہاں پہنچ کر ابوعبدالملک البونی نے بخاری پر اعتراض کر دیا کہ امام نے دعوی تو کر دیا اور کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی، احادیث باب میں عورت اور بچے کے شہود کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

زین بن منیر کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اشارہ کیا ہے کہ جمعہ کا غسل نمازِ جمعہ کے لئے مشروع ہوا ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے لہذا اب یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ کس کو جمعہ کے لئے جانا چاہئے تاکہ اس سے غسل کا مطالبہ کیا جائے، امام بخاری نے ترجمہ میں استفہام رکھا کیوں کہ مسئلہ محتمل ہے، اگر أَحَدُكُمْ کے عموم کو دیکھا جائے تو بچہ بھی اس میں داخل ہے لیکن دوسری حدیث میں مُحْتَلِم کی قید اس کو نکال دیتی ہے، نیز عورتیں بھی أَحَدُكُمْ کے عموم میں تبعاً داخل ہو جائیں گی لیکن ان کو مسجد میں جانے کی اجازت صرف رات میں آئی ہے اس لئے جمعہ کے حکم سے وہ نکل جاتی ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بچہ تو مُحْتَلِم کی قید سے نکل گیا اور عورت اس لئے نکل گئی کہ عورتوں کے اکثر احکام کا تعلق حیض سے ہے لیکن یہ دلیل ضعیف ہے، اس لئے کہ جیسے عورتوں کے احکام کا تعلق حیض سے ہے ایسے ہی بلوغ سے بھی ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے والغیب عند اللہ کہ امام بخاری نے ترجمہ میں لفظِ هَلْ لاکر یہ اشارہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، حاصل یہ ہے کہ بچہ اور عورت پر شہود جمعہ تو واجب ہے ہی نہیں، بچہ پر اس لئے واجب نہیں کہ وہ غیر مکلف ہے اور غسل یوم الجمعہ جو توابع صلوۃِ جمعہ میں ہے وہ بالغ کے ذمہ کیا گیا ہے اور بالغ ہی پر صلوۃ جمعہ فرض ہے لہذا غسل بھی بدرجۂ اولی بالغ پر فرض ہوگا، اور عورت اسلئے خارج ہے کہ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ کا خطاب مردوں کو ہے، کُمْ کی ضمیر مردوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے لیکن وہ جمعہ میں اگر جانا چاہیں تو جائز ہے اور اس کی دلیل وہ نصوص عامہ ہیں جو جماعت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، المختصر یہ ہے کہ بخاری نے دلائل باب سے صرف یہ واضح کیا ہے کہ عورت اور بچہ پر جمعہ کا شہود واجب نہیں ہے لیکن حضور جائز ہے۔

پھر یہاں یہ سوال ہے کہ امام بخاری کا اس ترجمۃ الباب سے مقصد کیا ہے؟ اگر ان کا مقصد عورت اور بچہ کے

ذمے غسل کا مسئلہ بیان کرنا ہے تو اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس مقصد کے لئے ص ۱۲۲ پر ایک مستقل ترجمہ هَلْ عَلَى مَنْ لَمْ يَشْهَدْ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ ذکر کیا ہے، اور اگر ان کا مقصد شہود یوم جمعہ ہے جیسا کہ ترجمہ کے الفاظ میں تصریح ہے تو اب سوال یہ ہے کہ پھر عورتوں اور بچوں کے جمعہ میں حاضر ہونے کے مسئلہ کو بَاب فَضْلِ الْغُسْلِ میں کیوں ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے بَاب فَضْلِ الْغُسْلِ کے ضمن میں اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ جو احادیث غسل یوم الجمعہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں وہ عورتوں اور بچوں کے شہود یوم الجمعہ پر بھی دلالت کرتی ہیں مگر یہ بتاتی ہیں کہ عورتوں اور بچوں پر جمعہ کا شہود واجب نہیں جیسا کہ ابھی اس کی تقریر ہو چکی ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ: مہاجرین اولین کی تفسیر میں تین اقوال ہیں، (۱) بعض کہتے ہیں کہ وہ صحابہ مراد ہیں جنہوں نے قبلتین کی طرف نماز پڑھی، (۲) بعض کہتے ہیں کہ وہ صحابہ مراد ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے، (۳) اور بعض کہتے ہیں کہ جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔

غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ: اس حدیث سے ظاہریہ وجوب پر استدلال کرتے ہیں، جمہور علماء کی طرف سے اس کے دو جوابات دیئے گئے ہیں، ۱۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہاں وجوب سے وجوب اختیار مراد ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے دوست سے کہنے لگے حقک واجب علیّ تمہارا حق میرے ذمہ واجب ہے، ۲۔ ابن دحیہ سے امام قدوری نے نقل کیا ہے کہ واجب کے معنی ساقط ہیں، ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ یہ مکروہ تاویل ہے اس لئے کہ بالکل ظاہر کے خلاف ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد ہوتا تو واجب کیوں کہتے سیدھے کہہ دیتے لایجب یہ کافی تھا جبکہ ابن حبان کی روایت میں ہے وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ کغسل الجنابة، اس زیادتی نے آکر اس تاویل کی جڑ کاٹ دی، سوال یہ ہے کہ پہلی تاویل کی بھی جڑ کٹ گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ ہونا تو یہی چاہئے لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ معنی ہیں کہ اہتمام کرنا چاہئے غسل کا۔

(ص ۱۲۱) بَابُ الطِّيبِ لِلْجُمُعَةِ

۸۷۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ:

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَأَنْ يَسْتَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ، قَالَ عَمْرٌو: أَمَّا الْغُسْلُ فَأَشْهَدُ أَنَّهُ وَاجِبٌ، وَأَمَّا الِاسْتِنَانُ وَالطِّيبُ فَاللهُ تعالى أَعْلَمُ وَاجِبٌ هُوَ أَمْ لَا؟ وَلَكِنْ هَكَذَا فِي الْحَدِيثِ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: هُوَ أَخُو مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَلَمْ يُسَمَّ أَبُو بَكْرٍ هَذَا، رَوَى عَنْهُ بُكَيْرُ بْنُ الْأَشَجِّ وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي هِلَالٍ وَعِدَّةٌ، وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ يُكْنَى بِأَبِي بَكْرٍ وَأَبِي عَبْدِ اللهِ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن خوشبو لگانے کا بیان۔

عمرو بن سلیم انصاری نے بیان کیا کہ میں ابو سعید خدریؓ پر گواہی دیتا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ پر گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہر بالغ مرد پر غسل کرنا واجب ہے اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو کا استعمال کرے، عمرو بن سلیم کہتے ہیں رہا غسل تو اس کے بارے میں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ واجب ہے لیکن مسواک کرنا اور خوشبو لگانا تو اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ واجب ہیں یا نہیں؟ لیکن حدیث میں تو اسی طرح آیا ہے۔

امام بخاری نے فرمایا کہ ابو بکر بن منکدر محمد بن منکدر کے بھائی ہیں اور ان ابو بکر کا نام ذکر نہیں کیا گیا، اور ان سے بکیر بن اشج، سعید بن ہلال اور متعدد لوگوں نے روایت کی ہے اور محمد بن منکدر کی کنیت ابو بکر اور ابو عبد اللہ بھی تھی۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں طیب کا مسئلہ بیان کیا ہے، جمہور علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں لیکن ابو ہریرہؓ سے سعید بن منصور نے وجوب نقل کیا ہے اور اسی کو ابو محمد بن حزم ظاہری نے اختیار فرمایا ہے، بہت سے علماء خطابی، قرطبی وغیرہ نے عدم الوجوب پر اتفاق نقل کیا ہے غالبًا ان لوگوں کو ابن حزم اور ابو ہریرہؓ کا اختلاف معلوم نہ ہو سکا۔

امام بخاری نے ترجمہ گول مول سا رکھا ہے، بس اتنا بتلا دیا کہ جمعہ کے دن خوشبو استعمال کرنی چاہئے، باقی یہ کہ خوشبو استعمال کرنا واجب ہے یا سنت؟ امام بخاری نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، اس عدم تعرض کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ہیں الغُسلُ يَومَ الجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحتَلِمٍ وَأَنْ يَستَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ، اب وَأَنْ يَستَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ میں دو احتمال ہیں، (۱) ایک یہ ہے کہ اس کا الغُسلُ يَومَ الجُمُعَةِ پر عطف ہے تب تو اس صورت میں وَأَنْ يَستَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ کی خبر وَاجِبٌ ہو گی اور تقدیر عبارت ہو گی الغسل

يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَأَنْ يَسْتَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ وَاجِبٌ، اس صورت میں خوشبو لگانے کا وجوب ثابت ہوگا،
(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مستقل جملہ ہو اور تقدیر عبارت بنے گی وَأَنْ يَسْتَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ فَهُوَ أفضل له یا وَأَنْ يَسْتَنَّ وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ استحبابًا اسی لئے امام بخاری نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

وَأَمَّا الِاسْتِنَانُ وَالطِّيبُ فَاللهُ أَعْلَمُ أَوَاجِبٌ هُوَ أَمْ لَا: عمرو بن سلیم کو غسل کے وجوب میں تو کوئی تأمل نہیں ہے لیکن استنان اور طیب کے بارے میں ان کو تأمل ہے، اور غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ عطف تشریک من جمیع الوجوہ کو مقتضی نہیں ہے یعنی نفس مطلوب ہونے میں تو سب شریک ہیں مگر ضروری نہیں کہ سب ہی واجب ہوں، البتہ وجوبِ غسل کا فیصلہ اس لئے کر دیا کہ حدیث میں اس کی تصریح وارد ہے اور بقیہ کا فیصلہ اس لئے نہیں کیا کہ اس میں احتمال ہے جیسا کہ ابھی میں ترجمہ کے ذیل میں اشارہ کر آیا ہوں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ هُوَ أَخُو مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَلَمْ يُسَمَّ أَبُو بَكْرٍ هَذَا: مطلب یہ ہے کہ سند میں ابو بکر بن المنکدر؛ محمد بن منکدر کے بھائی ہیں، ابو بکر بن محمد اور محمد بن منکدر دونوں کی کنیت ابو بکر ہے لیکن محمد ابن ابو بکر اپنے نام کے ساتھ معروف ہیں۔

(ص ۱۲۱) بَابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ

۸۸۰. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ.

ترجمہ: باب، جمعہ کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کیا پھر مسجد گیا تو گویا اسنے اونٹ کی قربانی پیش کی اور جو دوسری ساعت میں گیا تو اسنے گائے کی قربانی پیش کی اور جو تیسری ساعت میں گیا تو اسنے سینگ والے مینڈھے کی قربانی پیش کی اور جو چوتھی ساعت میں گیا تو گویا اسنے مرغی کی قربانی پیش کی اور جو

پانچویں ساعت میں گیا تو گویا اسنے انڈے کی قربانی پیش کی، پھر جب امام آجاتا ہے تو ملائکہ خطبہ سننے کے لئے آجاتے ہیں۔

تشریح: مقصود جمعہ کی فضیلت اور ترغیب و تشویق ہے۔

مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ: غسل جنابت سے کیا مراد ہے؟ (۱) عبد الرحمن بن اسود، ہلال بن یسار، وکیع بن جراح اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعی آدمی اس دن اپنی بیوی سے جماع کرے اور غسل جنابت کرے تاکہ اُس کے نفس کو سکون ہو اور اس کی نگاہ نیچی رہے، گویا یہ حضرات اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کلام تشبیہی ہے یعنی جیسے آدمی غسل جنابت کا اہتمام کرتا ہے ایسے ہی غسل جمعہ میں اہتمام کرے، امام نووی وغیرہ نے دوسرے مطلب کو راجح قرار دیا ہے اور پہلے مطلب کی تضعیف کی ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، پہلا مطلب بڑے بڑے اکابر علماء سے منقول ہے اور حدیث مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَغَسَّلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَدَنَا ذکر کی گئی ہے، یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے۔

اب اگر مطلب اول مان لیا جائے تو اس صورت میں اس سے یہ مسئلہ نکل آیا کہ غسل جنابت غسل جمعہ کی طرف سے کفایت کر جائے گا، یہ مسئلہ جمہور علماء کے نزدیک متفق علیہا ہے صرف بعض ظاہر یہ کہتے ہیں کہ غسل جنابت غسل جمعہ کی طرف سے کفایت نہیں کرے گا۔

البتہ جمہور علماء میں یہ اختلاف ہے کہ غسل میں غسل جمعہ کی نیت بھی ضروری ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام احمد بن حنبل ایک ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ ضروری ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے غسل جنابت کی نیت سے جو غسل کیا گیا وہ غسل جمعہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ایک ساتھ فرمایا ہے اس میں کوئی قید نہیں لگائی۔

ثُمَّ رَاحَ: پھر وہ چلے جمعہ کے لئے، رَاحَ رواح سے ماخوذ ہے اور رواح کے معنی آتے ہیں ذہاب بعد الزوال کے مگر لغتِ عرب میں رواح کا اطلاق مطلقاً ذہاب کے معنی میں ہوتا ہے۔

فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً: گویا کہ اس نے بدنہ کے ساتھ تقرب کیا، بدنہ کا اطلاق ناقہ اور بقرہ دونوں پر ہوتا ہے جیسا کہ علامہ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے، لیکن علامہ ازہری فرماتے ہیں اَلْبَدَنَةُ لَا تَكُونُ إِلَّا مِنَ الْإِبِلِ۔

اگر ازہری کی بات مانی جائے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں لیکن اگر جوہری کی بات مان لی جائے تو اشکال یہ ہے

کہ آگے تو بقرۃ کا مستقل ذکر آرہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بدنہ کا لفظ اگرچہ بقرہ اور ابل دونوں کے لئے مشترک ہیں لیکن یہاں بقرینۂ سیاق بدنہ بول کر ابل ہی مراد لیا گیا ہے۔

وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً: دجاجہ مرغی کو کہتے ہیں، اس پر اشکال یہ ہے کہ مرغی کی قربانی تو جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ تقرب بمعنی تصدق ہے **وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً** أی تصدق بيضة۔

ساعات سے کیا مراد ہے اور کب سے اس کی ابتداء ہو گی؟ اس میں اختلاف ہے، (۱) حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مطلقاً وقت ہے اور زوال کے بعد اس کی ابتداء ہو گی، زوال کے بعد کے لحظاتِ لطیفہ کو ساعات سے تعبیر کر دیا گیا ہے اور اسی کو شافعیہ کی ایک بہت بڑی جماعت قاضی حسین، امام الحرمین، امام بغوی اور رویانی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، ہمارے اکابر میں حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی یہی رائے ہے اور ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کے والد حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر جمہور علماء اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ جب یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ زوال کے بعد ہی جمعہ کی اذان ہو جاتی تھی اور خطبہ شروع ہو جاتا تھا تو اس کے بعد بھی ساعت لطیفہ مراد لینے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ ظاہر یہ ہے کہ اس سے وہی ساعات مراد ہیں جن کی ابتداء دن کی ابتداء سے ہوتی ہے۔

جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ ساعت کی ابتداء صبح سے ہوتی ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کب سے ہوتی ہے، طلوع فجر سے؟ یا طلوع شمس سے؟ یا ارتفاع نہار سے؟ اس میں علماء کے تینوں ہی قول ہیں۔

۱۔ حافظ ابن عبد البر نے سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ طلوع شمس سے اس کی ابتداء ہو گی اور یہی شافعیہ کی ایک جماعت کا قول ہے، ۲۔ شافعیہ کی ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ ارتفاع نہار سے ابتداء ہو گی ابو بکر صیدلانی شافعی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کے نزدیک مختار ہے، ۳۔ شافعیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ طلوع فجر سے ابتداء ہو گی یہی حنابلہ کا مسلک ہے اور علامہ موفق کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حنفیہ کا بھی مسلک ہو گا۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس سے ساعات آفاقیہ مراد ہیں یا ساعات تعدیلیہ؟ اس میں علماء کے دونوں

قول ہیں، ساعات آفاقیہ سے مطلقاً دن کے بارہ گھنٹے اور رات کے بارہ گھنٹے مراد ہیں چاہے موسم کوئی بھی ہو، اور ساعات تعدیلیہ سے مراد دن رات کا چوبیس گھنٹے پر منقسم ہونا ہے کبھی دن بڑا ہو جاتا ہے کبھی چھوٹا۔

(ص ۱۲۱) بَابٌ

۸۸۱. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ عُمَرَ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لِمَ تَحْتَبِسُونَ عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ تَوَضَّأْتُ، فَقَالَ: أَلَمْ تَسْمَعُوا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ.

ترجمہ: باب، ترجمہ گزر چکا باب فضل الغسل یوم الجمعة میں۔

تشریح: یہ باب بلا ترجمہ ہے اور اس میں وہی روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے اور حضرت عثمانؓ صرف وضوء کر کے آئے اس پر حضرت عمرؓ نے نکیر کی اور فرمایا أَلَمْ تَسْمَعُوا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ، امام بخاری نے اس سے فضیلت جمعہ اس طور پر ثابت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جلد نہ آنے پر نکیر کی معلوم ہوا کہ تبکیر الی الجمعہ میں فضیلت ہے اور جب تبکیر میں فضیلت ہے تو جس کی وجہ سے تبکیر میں فضیلت آئی ہے یعنی جمعہ اس میں بدرجۂ اولیٰ فضیلت ہو گی۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ مگر شراح حدیث حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ باب بلا ترجمہ لا کر ان مالکیہ کا رد کیا ہے جنہوں نے کہا کہ اہل مدینہ کا معمول جمعہ میں جلد آنے کا نہ تھا، حاصل تردید یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ پر صحابہ کی موجودگی میں جلد نہ آنے پر نکیر فرمائی، معلوم ہوا کہ ترک تبکیر مجمع علیہا عند اہل المدینہ نہیں ہے۔

مگر ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کی بات مالکیہ پر وارد نہیں ہوتی ہے اور نہ ان کا اعتراض وارد ہوتا ہے اس لئے کہ تبکیر من الصباح معروف نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے لفظ رواح کے ذریعہ سے مالکیہ کی تائید فرمائی ہو۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ لفظ رواح اگرچہ ذہاب بعد الزوال کے معنی میں آتا ہے مگر اربابِ لغت نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ لفظِ رواح مطلق ذہاب کے لئے آتا ہے، ابو منصور ازہری فرماتے ہیں کہ لغتِ عرب میں رواح مطلق ذہاب کے لئے آتا ہے چاہے اول نہار میں ہو یا آخر نہار میں یارات میں ہو اور اسی کو علماء محققین نے راجح قرار دیا ہے اور بظاہر سیاق سے یہی نکلتا ہے۔

(ص ۱۲۱) بَابُ الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ

۸۸۲. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى.

۸۸۳. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ طَاوُسٌ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ذَكَرُوا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوا رُؤُوسَكُمْ وَإِنْ لَمْ تَكُونُوا جُنُبًا وَأَصِيبُوا مِنَ الطِّيبِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ وَأَمَّا الطِّيبُ فَلَا أَدْرِي.

۸۸۴. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ ذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَيَمَسُّ طِيبًا أَوْ دُهْنًا إِنْ كَانَ عِنْدَ أَهْلِهِ؟ فَقَالَ: لَا أَعْلَمُهُ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے لئے بالوں میں تیل لگانے کا بیان۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ممکن ہو پاکی حاصل کرے اور اپنے تیل کو استعمال کرے یا اپنے گھر کی خوشبو استعمال کرے پھر نماز کے لئے نکلے تو دو بیٹھے ہوئے انسانوں کے درمیان نہ گھس جائے پھر جتنا اس کے نصیب میں لکھا ہے اتنی نماز پڑھے پھر جب امام خطبہ دے تو اس کو توجہ سے سنے، تو ایسے شخص کے اس جمعہ سے پچھلے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرو اور اپنے سر کو دھوؤ اگرچہ تم جنبی نہ ہو اور خوشبو لگاؤ؟ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں غسل کے بارے میں تو حضور ﷺ نے فرمایا ہے اور رہا خوشبو کا معاملہ تو میں نہیں جانتا۔

طاؤس ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے یوم جمعہ کے غسل کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا قول نقل فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ اگر اس کے گھر والوں کے پاس خوشبو یا تیل ہو تو کیا اس کو بھی استعمال کرے تو ابن عباسؓ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔

تشریح: بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنے کے بعد تیل وغیرہ لگاتے ہیں لہٰذا مصنف نے اسکی اصل بیان کر دی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف نے اسکے استحباب کی طرف اشارہ کیا ہو، علامہ موفق نے مغنی میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن بالوں وغیرہ میں تیل لگانا مستحب ہے تا کہ بال ٹھیک ہو جائیں۔

عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ: ابن ودیعہ کی بخاری شریف میں صرف یہی ایک روایت ہے۔

إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى: ابن خزیمہ کی روایت میں ہے غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا اس سے معلوم ہوا کہ جمعۂ اخریٰ سے مراد جمعۂ سابقہ ماضیہ ہے، اور یہاں پر غفران سے مراد غفران صغائر ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعضوں کے حق میں غفران کبائر ہو۔

قَالَ طَاوُسٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ذَكَرُوا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے یہ کہا کہ لوگوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ الخ، اس ذکروا سے کون مراد ہیں؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بظاہر اس سے حضرت ابو ہریرہؓ مراد ہیں اس لئے کہ ابن خزیمہ، ابن حبان اور طحاوی نے بطریق عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابی ہریرہ اسی کے قریب قریب روایت نقل کی ہے۔

وَاغْسِلُوا رُؤُسَكُمْ وَإِنْ لَمْ تَكُونُوا جُنُبًا وَأَصِيبُوا مِنَ الطِّيبِ: یعنی اگرچہ تم کو جنابت لاحق نہ ہوئی ہو تو بھی غسل کر لیا کرو اور تیل لگا لو اور سر دھوو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ وَأَمَّا الطِّيبُ فَلَا أَدْرِي: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا تو بہر حال ارشاد نبوی ہے لیکن خوشبو کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ آیا حضور نے فرمایا ہے یا نہیں؟ مگر ابن ماجہ میں ابن عباسؓ کی روایت میں طیب کا ذکر ہے، اب ہو سکتا ہے کہ اوّلاً نسیان ہو گیا ہو اور بعد

میں یاد آگیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اعتماد کرتے ہوئے طیب کو مرسلاً روایت کر دیا۔

علامہ داؤدی فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں ترجمہ پر کوئی دلالت نہیں ہے۔

علامہ زین بن منیر نے اس کا جواب دیا کہ امام بخاری نے اپنا ترجمہ اس طور پر ثابت کیا ہے کہ روایت میں غسل یوم جمعہ کا ذکر ہے اور دستور یہ ہے کہ لوگ غسل کرنے اور سر دھونے کے بعد بالوں میں تیل لگایا ہی کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال ضعیف ہے کیوں کہ اس صورت میں مسئلہ کی دلیل عادت بن گئی نہ کہ حدیث، لہذا یہ کوئی استدلال نہیں ہوا۔

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا کہ اصل میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک کے ناقل ابراہیم بن میسرہ اور دوسرے کے ناقل ابن شہاب زہری ہیں اور دونوں نقل کرتے ہیں طاؤس سے اور طاؤس ابن عباسؓ سے، ابراہیم بن میسرہ اپنی روایت میں دہن کا تذکرہ کرتے ہیں اور زہری نہیں کرتے ہیں، امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہیں فرق اتنا ہے کہ زہری نے اختصار کیا ہے اور ابراہیم بن میسرہ نے مکمل روایت نقل کی ہے لہذا مصنف نے یہاں پر زہری کا طریق ساتھ ساتھ ذکر فرما دیا۔

(ص ۱۲۱) بَاب يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ

۸۸۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ لَوِ اشْتَرَيْتَ هَذِهِ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنْهَا حُلَلٌ فَأَعْطَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ كَسَوْتَنِيهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا.

ترجمہ: باب، اس چیز کا بیان کہ جمعہ کے دن جو اچھے سے اچھا لباس میسر ہو وہ پہنا جائے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ریشمی جوڑا مسجد کے دروازے پر بکتا ہوا دیکھا تو عرض کیا یا رسول

اللہ! اگر آپ اس کو خرید لیں اور اس کو جمعہ کے دن اور وفود کی آمد کے موقع پر پہن لیا کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس لباس کو صرف وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، پھر یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اسی طرح کے ریشمی جوڑے آئے تو آپ نے ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمرؓ کو عطا فرما دیا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے یہ جوڑا مجھے پہننے کے لئے دیا ہے جبکہ آپ عطارد نامی تاجر کے جوڑے کے بارے میں ایسا فرما چکے ہیں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جوڑا میں نے تم کو اس لئے نہیں دیا کہ تم خود پہن لو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے وہ جوڑا مکہ مکرمہ میں رہنے والے ایک مشرک بھائی کو دے دیا۔

تشریح: جمعہ کے دن آدمی کے پاس جو اچھے سے اچھا کپڑا ہو وہ استعمال کرے۔

اس باب میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ ایک حلۂ سیراء حضور کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر یہ خرید لیتے اور جمعہ کے دن اور وفود کی آمد پر پہنتے تو اچھا ہوتا، رسول پاک ﷺ نے ان کی اس فرمائش پر تو کوئی نکیر نہیں کی البتہ اس کے ریشمی ہونے پر نکیر کی، معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اچھا لباس پہننا معروف و متعارف تھا، علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن اچھا لباس پہننا مستحب ہے۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے ابواب الجمعہ میں یہ ترجمہ منعقد کیا ہے بَابٌ يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ اور ابواب العیدین میں ص ۱۳۰ پر ترجمہ منعقد کیا ہے باب ما جاء فی العیدین و التجمل فیھما اور دلیل دونوں جگہ یہی حضرت عمرؓ والی حدیث ہے تو ترجمہ کے الفاظ میں تفریق کیوں کی؟

۱۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ یہ تفنن فی العبارۃ ہے اور دونوں کا مقصد ایک ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیدین اور جمعہ میں اچھا سے اچھا لباس پہننا چاہئے یعنی آدمی کے پاس موجودہ لباس میں جو سب سے بہتر ہو وہ استعمال کرے، ۲۔ مگر ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس باب میں مصنف نے احسن کا لفظ اور کتاب العیدین میں تجمل کا لفظ لا کر ایک لطیفہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جمعہ کے دن تو بس احسن ملبوسات کا ہونا مطلوب ہے نیا ہونا ضروری نہیں ہے اور عیدین کے دن تجمل مطلوب ہے لہذا اگر استطاعت ہو تو آدمی نیا لباس استعمال کرے۔

حُلَّةً سِيَرَاءَ: حلہ وہ کپڑا کہلاتا ہے جس میں ازار اور رداء ایک ہی جنس کے ہوں، اور سیراء کہتے ہیں اس کپڑے کو جس میں ریشم کے خطوط اور دھاریاں ہوں، مگر اس روایت کے طرق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ

وہ خالص ریشم کا تھا۔

كَسَوْتَنِيهَا: أي أعطيتنيها۔

فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ: عطارد بن حاجب تمیمی نامی ایک شخص تھا جو حلّہ فروخت کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس سے حلہ خریدنے کے لئے جب حضور سے درخواست کی تو آپ نے اس پر فرمادیا إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، پھر جب حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حلہ دیا تو انہیں یہ خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ کو یاد نہیں رہا کہ آپ نے اسی نوع کے حلہ پر تو نکیر کی تھی اور پھر یہی حلہ ہم کو عطا فرمادیا، حضور اکرم ﷺ سے جاکر عرض کیا تو آپ نے فرمایا إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا میں نے اس لئے تھوڑے دیا کہ تم خود پہنو، فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه أَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا حضرت عمرؓ نے اپنے بھائی کو بطور ہدیہ کے بھیج دیا جو مشرک تھا اور مکہ مکرمہ میں رہتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ رضاعی بھائی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ماں شریک بھائی تھا اور نسائی اور ابو عوانہ کی روایت میں اس کی تصریح بھی وارد ہوئی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ مسلمان ہوئے یا نہیں؟ اسی روایت کے بعض طرق میں أرسل بها عمر إلى أخ له من أهل مكة قبل أن يسلم سے بطور اشارہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔

(ص ۱۲۲) بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

وقال أبو سعيد عن النبي ﷺ يستن.

۸۸۶. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي - أَوْ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى النَّاسِ - لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ.

۸۸۷. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ الْحَبْحَابِ حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ.

۸۸۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَحُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ

قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن مسواک کرنے کا بیان۔

اور ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ مسواک کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت کے لئے یا اگر میں لوگوں کے لئے مشقت کا باعث نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے مسواک کے بارے میں تم سے بہت بار کہا ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تھے تو اپنے منھ کو مسواک سے رگڑتے تھے۔

تشریح: جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن مسواک کرنا سنت ہے اور بعض علماء نے اس پر اجماع تک نقل کر دیا لیکن شیخ ابو حامد اور قاضی ماوردی نے داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ سے وجوب نقل کیا ہے، پھر داؤد اور اسحاق کے مسلک میں تھوڑا فرق نقل کیا گیا کہ داؤد مطلقاً واجب کہتے ہیں مگر شرطِ صحت قرار نہیں دیتے ہیں اور اسحاق بن راہویہ عامد اور ناسی میں فرق کرتے ہیں، اگر کوئی عمداً چھوڑ دے تو اس کا وضوء باطل نماز باطل اور اگر سہواً چھوڑتا ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

مگر علماء نے داؤد سے وجوب نقل کرنے پر انکار کیا ہے اور اسحاق سے بھی یہ مذہب ثابت نہیں ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر یہ نقل صحیح ہو تو یہ اجماع میں مخل نہیں ہے، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن مسواک فرض ہے اور باقی ایام میں سنت ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن خاص طور سے مسواک کرنے کا حکم دیا ہے وَأَنْ يَسْتَنَّ ارشاد فرمایا۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مسواک کرنا جمعہ کے دن فرض نہیں اس لئے کہ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ اگر امت کے لئے مشقت کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا، معلوم ہوا کہ آپ نے خطرۂ مشقت کی وجہ سے مسواک کا حکم نہیں دیا، مشقت فرض میں ہوتی ہے غیر فرض میں نہیں ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ اب مسواک واجب نہیں ہے بلکہ واجب سے نیچے سنت ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ مسواک سنن صلوۃ میں سے ہے یا سنن وضوء میں سے، شافعیہ کے نزدیک مشہور یہ

ہے کہ سنت صلوۃ ہے اور حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ سنت وضوء ہے، بہتر یہ ہے کہ وضوء کرتے وقت بھی کر لینا چاہئے اور نماز کے وقت بھی، اور یہ جھگڑا پیدا کرنا کہ مَعَ کُلِّ صَلَاةٍ ہے یا مَعَ کُلِّ وُضُوْءٍ، حقیقت یہ ہے کہ مَعَ کا لفظ تو دونوں لفظ یعنی صلوۃ اور وضوء کے ساتھ وارد ہوا ہے لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اس روایت میں جو آگے آرہی ہے مَعَ کُلِّ صَلَاةٍ ہے اور کتاب الصوم میں ایک روایت معلقاً آرہی ہے اس میں عند کل وضوء ہے اور ابن خزیمہ کی روایت میں مع کل وضوء ہے۔

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَنُّ: ابو سعید خدریؓ کی روایت ابھی گزری ہے۔

مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ: اسی لفظ سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ یہ اپنے عموم کی وجہ سے جمعہ کی نماز کو بھی شامل ہے۔

أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ: یعنی بَالَغْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ میں نے بکثرت ترغیب دی مسواک کرنے کی، اور کرمانی فرماتے ہیں ویروی بصیغة المجهول من الماضی أی بولغت من عند الله تعالیٰ، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وَلَمْ أَقِفْ عَلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ صَرِيحَةً۔

ایک اور بات سنتے چلو کہ أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ سے بظاہر ترجمہ ثابت نہیں ہوتا ہے پھر مصنف نے اس سے السواک یوم الجمعة کو کیسے ثابت فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسواک کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے اس سے جمعہ کے دن کی ترغیب بھی ثابت ہوگئی، اور اس کا ایک فائدہ جہاں مصلی کو ہوتا ہے کہ مسواک کے فضائل حاصل ہوئے وہیں دوسرا فائدہ آس پاس والے پڑوسیوں اور بیٹھنے والوں کو بھی حاصل ہوگا کہ اس کے منھ کی بدبو سے تکلیف نہیں پہنچے گی، اور جمعہ کا دن مجامع کا دن ہوا کرتا ہے لہذا اس دن مسواک کرنا بدرجۂ اولیٰ مطلوب ہوگا۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ: يَشُوصُ شوص سے ماخوذ ہے، شوص کا معنی تنقیہ، غسل اور دلک اسنان وغیرہ ہے، اس حدیث سے مصنف نے بطریق اولویت اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ صلوۃ اللیل تو مستحبات میں سے ہے اور جب حضور اکرم ﷺ اس میں اتنا اہتمام کرتے تھے تو جمعہ میں تو بالیقین اس سے زیادہ اہتمام فرمایا کرتے ہوں گے، اور جمعہ کا اہتمام زیادہ مستحق بھی ہے اس لئے کہ جمعہ کا دن مجامع کا دن ہوا کرتا ہے تو دوسرے کو اس کی منھ کی بدبو سے تکلیف پہنچ جانے کا خطرہ ہے۔

(ص ۱۲۲) بَابٌ مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

۸۸۹. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَهُ سِوَاكٌ يَسْتَنُّ بِهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: أَعْطِنِي هَذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، فَأَعْطَانِيهِ فَقَصَمْتُهُ ثُمَّ مَضَغْتُهُ فَأَعْطَيْتُهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَاسْتَنَّ بِهِ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى صَدْرِي.

ترجمہ: باب، اس شخص کا حکم جو دوسرے کی مسواک استعمال کرے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ میرے حجرے میں آئے اور ان کے پاس وہ مسواک تھی جسے وہ استعمال کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھاکر دیکھا تو میں نے عبدالرحمن سے کہا کہ تم یہ مسواک مجھے دے دو، انہوں نے دے دی تو میں نے اس کو توڑا اور اس کو چباکر نرم کیا، پھر میں نے وہ مسواک رسول اللہ ﷺ کو دی اور آپ نے اس مسواک کو استعمال فرمایا اور آپ (بیماری کے سبب) میرے سینے پر سہارا لئے بیٹھے تھے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں بھی جمعہ کے دن مسواک کرنے کی اہمیت پر تنبیہ ہے، حاصل یہ ہے کہ جمعہ کا دِن بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے لہذا اگر اپنے پاس مسواک نہ ہو تو دوسرے کی مسواک اس کی اجازت لیکر استعمال کرنی چاہئے، دوسرے کی مسواک کرنا اس کی اجازت سے جائز ہے صرح به الخطابی والنووی وابن حجر وغیرهم۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام نے اس ترجمۃ الباب سے دو مسئلوں پر تنبیہ کی ہے، اول یہ کہ دوسرے کی مسواک کرنی جائز ہے اور دوسرے یہ کہ بنی آدم کا ریق (لعاب) طاہر ہے، مگر یہ مسئلہ ما قبل میں ابواب وضوء کے اختتام پر گزر چکا ہے لہذا بظاہر یہاں یہ مسئلہ بیان کرنا بعید معلوم ہوتا ہے، پہلی ہی بات صحیح ہے۔

فَقَصَمْتُهُ: أی فکسرته میں نے اس کو توڑ دیا، کریمہ بنت احمد مروزیہ کے نسخہ میں واقع ہوا ہے، فقضمته قضم ضاد معجمہ سے بمعنی اکل باطراف الاسنان، ظاہر یہ ہے کہ عبدالرحمنؓ جس حصہ سے مسواک کر رہے تھے حضرت عائشہؓ نے اس کو توڑ دیا اور اس کے بعد چباکر کے حضور ﷺ کو دیا۔

(ص ۱۲۲) بَاب مَا يُقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۸۹۰. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يوم الْجُمُعَةِ ﴿الٓمٓ تَنزِيلُ﴾ و ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ﴾.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن فجر کی نماز میں کیا سورتیں پڑھی جائیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تَنزِيلُ السَّجدَةُ اور هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: جمعہ کے دن فجر کی نماز میں حضور پاک ﷺ سے سورہ الٓمٓ تنزیل اور ھل أتی علی الانسان کا پڑھنا منقول ہے، اس کے استحباب میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے صرف امام مالک سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ فرائض میں ایسی سورت کا پڑھنا جس میں سجدہ ہو مکروہ ہے۔

البتہ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کے پڑھنے پر مداومت کرے یا نہ کرے؟ امام شافعی کے یہاں مداومت کرے اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ مداومت نہ کرے بلکہ کبھی دوسری سورت بھی پڑھ لیا کرے، صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ہجرِ باقی اور ایہامِ تفضیل کے مشابہ نہ ہو جائے یعنی مداومت کرنے کی وجہ سے کہیں یہ صورت نہ بن جائے کہ باقی کو چھوڑ دیا، یا اس کو بقیہ پر فضیلت حاصل ہے۔

لیکن یہ تعلیل ضعیف ہے اس لئے کہ اگر جمعہ کے فجر میں کوئی آدمی ان دونوں سورتوں کا اہتمام کرلے تو یہ کیا ضروری ہے کہ وہ تمام نمازوں میں اس کا اہتمام کرے گا، اگر اور سورتوں کو اس نماز میں نہیں پڑھ رہا ہے تو دوسری نمازوں میں تو پڑھے گا ہی لہذا اس سے باقی کی مہجوریت کہاں رونما ہوئی اور ایہام تفضیل کہاں پیش آیا؟ اس لئے صاحب ہدایہ کی یہ تعلیل ضعیف ہے اور صحیح بات وہ ہے جو صاحبِ محیط وغیرہ نے لکھی ہے کہ آدمی گاہے گاہے دوسری سورت بھی پڑھ لیا کرے۔

امام طحاوی وغیرہ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اگر یہ خطرہ ہو کہ واجب سمجھ لے گا یا غیر مکروہ تو اس صورت میں دوسری سورت پڑھ لینا چاہئے، اور یہ خیال جاہل آدمی کو بہر حال ہو جاتا ہے اس لئے گاہے کوئی اور

سورت پڑھ لے جیسے مولوی مختار صاحب سال میں ادھر ادھر سے اور سورت پڑھ دیا کرتے ہیں۔

طبرانی کی ایک روایت میں ویدیم علی ذلک کا لفظ وارد ہوا ہے ورجالہ ثقات اس لئے بظاہر مداومت کرنا ہی ارجح معلوم ہوتا ہے، ان کے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان سورتوں میں تخلیق آدم اور اسی طرح سے قیام ساعت وغیرہ امور ذکر کئے گئے ہیں تو حضور ان کی تذکیر وتذکر کے لئے یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(ص ۱۲۲) بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ

۸۹۱. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ.

۸۹۲. حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قال: سمعت رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَزَادَ اللَّيْثُ قَالَ يُونُسُ: كَتَبَ رُزَيْقُ بْنُ حُكَيْمٍ إِلَى ابْنِ شِهَابٍ - وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِوَادِي الْقُرَى - هَلْ تَرَى أَنْ أُجَمِّعَ وَرُزَيْقٌ عَامِلٌ عَلَى أَرْضٍ يَعْمَلُهَا وَفِيهَا جَمَاعَةٌ مِنَ السُّودَانِ وَغَيْرِهِمْ وَرُزَيْقٌ يَوْمَئِذٍ عَلَى أَيْلَةَ فَكَتَبَ ابْنُ شِهَابٍ - وَأَنَا أَسْمَعُ - يَأْمُرُهُ أَنْ يُجَمِّعَ يُخْبِرُهُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، قَالَ: وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ: وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

ترجمہ: باب، گاؤں اور شہر میں جمعہ قائم کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کے بعد جو پہلا جمعہ قائم کیا گیا وہ عبد القیس کی مسجد میں تھا جو بحرین کے علاقہ میں جواثی میں تھی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے۔

اور لیث نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا کہ یونس نے کہا کہ رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھا- اور میں اس زمانہ میں وادی القریٰ میں ان کے ساتھ تھا- کہ آپ کیا فرماتے ہیں کہ میں جمعہ قائم کروں؟ اور رزیق ایک زمین میں کاشت کراتے تھے اور وہاں سوڈان کے لوگوں کی ایک جماعت تھی اور ان کے علاوہ بھی تھے اور رزیق اس زمانہ میں ایلہ کے حاکم تھے، تو ابن شہاب نے ان کو لکھا اور میں سن رہا تھا اور وہ ان کو جمعہ قائم کرنے کا حکم دے رہے تھے۔

اور ابن شہاب نے عن سالم یہ حدیث بیان کی کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی، امام نگہبان ہے اور اس سے (قیامت میں) اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی، اور مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی اور خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی، ابن عمرؓ یا سالم نے فرمایا کہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی اور تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس کی جائے گی۔

تشریح: قُرىٰ بضم القاف وفتح الراء والالف المقصورة قریہ کی جمع ہے جس کا ترجمہ گاؤں، دیہات ہے، مُدُنٌ بضم المیم والدال مدینہ کی جمع ہے بمعنی المصر الجامع، بڑا شہر۔

نماز جمعہ دیہاتوں شہروں میں ہر جگہ جائز ہے، یہی جمہور علماء امام مالک، امام شافعی، احمد، اسحاق، داؤد وغیرہ کا مذہب ہے، یہی امام بخاری کا مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ دیہات میں جمعہ کے قائل نہیں ہیں بلکہ قریۂ جامعہ اور مصر جامع میں جمعہ کے قائل ہیں۔

احناف کے دلائل: (۱) حضرت علیؓ فرماتے ہیں لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ، امام نووی کہتے ہیں کہ اس کی سند بالاتفاق ضعیف ہے، مگر یہ غلط ہے، یہ اثر جن الفاظ سے اس وقت ہم نے ذکر کیا ہے اس کو عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ اور دوسرے حضرات نے بطریق ابی عبد الرحمن السلمی عن علیؓ نقل کیا ہے اس کی سند صحیح ہے، ہاں ابن ابی شیبہ نے یہی اثر بطریق حارث عن علی رضی اللہ عنہ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا صَلَاةَ فِطْرٍ وَلَا أَضْحَى إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ نقل کیا ہے یقیناً وہ سند ضعیف ہے، لیکن ایک سند کے ضعیف ہونے سے ہر سند کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ مدینہ کے اطراف سے جمعہ پڑھنے مدینہ میں آتے تھے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی اپنی چھوٹی بستیوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ، رواہ البخاری، بحرین میں عبد القیس کا قبیلہ آباد تھا اور عبد القیس، سن ۵ھ میں آئے اور حافظ کی رائے میں صحیح قول پر سن ۸ھ میں فتح مکہ سے قبل، اور پھر دوبارہ سن ۹ھ میں آئے، اسلام کی اتنی طویل مدت جس میں تیرہ سال مکّے کے ہیں اور آٹھ سال مدینہ کے ہیں اکیس سال میں کہیں اور جمعہ نہیں پڑھا گیا، اگر پڑھا گیا تو مسجد نبوی کے بعد مسجد جواثی میں، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہر جگہ جمعہ نہیں ہوتا ہے۔

اس پر اشکال یہ کیا گیا ہے کہ جواثی تو بحرین میں ایک دیہات تھا چنانچہ اسی روایت میں کتاب المغازی میں آئے گا يَعْنِي قَرْيَةً مِنَ الْبَحْرَيْنِ، ابوداؤد میں بھی اسی طرح تصریح ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظِ قریہ شہر اور دیہات دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، ابن مکّی نے تثقیف اللسان میں یہ تصریح کی ہے کہ لفظِ قریہ شہر پر بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد ہوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ اور مکہ کو ام القریٰ کہا گیا حالانکہ مکہ شہر تھا تو لفظ قریہ سے کوئی بات واضح ہو کر ثابت نہیں ہوتی۔

مزید برآں یہ ہے کہ ابن اعرابی کہتے ہیں جواثی مدينة الخط والمشفر جواثی نام ہے خط و مشقر کے شہر کا، ابوعبید بکری، ابوالحسن لخمی کہتے ہیں کہ جواثی مدینہ تھا، اور جوہری وزمخشری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ جواثی ایک قلعہ کا نام ہے اور قلعہ شہروں میں ہوتا ہے اور یہ قلعہ بڑا مضبوط اور طاقت ور تھا حتی کہ جب مرتدین نے زور کیا تو اس علاقہ کے مسلمانوں نے اس قلعہ میں پناہ پکڑی تھی، عبداللہ بن حذق کلابی نے کہا

أَلا أَبْلِغْ أَبَا بَكْرٍ سَلَامًا ۔۔۔ وَفِتْيَانَ الْمَدِينَةِ أَجْمَعِينَا

فَهَلْ لَكُمْ إِلَى قَوْمٍ ضِعَافٍ ۔۔۔ قُعُودٍ فِي جُوَاثَي مُحْصَرِينَا

كَأَنَّ دِمَاءَهُمْ فِي كُلِّ فَجٍّ ۔۔۔ دِمَاءُ الْبُدْنِ تَغْشَى النَّاظِرِينَا

وہاں پر کھجور کی تجارتی منڈی تھی لوگ کھجوریں خریدنے جاتے تھے حتی کہ امرؤ القیس نے بطور مثل کے

اس کا تذکرہ اپنے شعر میں کیا اور کہتا ہے۔

وَرُحنا كأنّا من جَوَاثِي عَشِيّةً نعاني النِّعاج بين عِدْلٍ و مِحْقَبِ

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ وہاں چار ہزار کی آبادی تھی اس لئے اس کو قریہ دیہات کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ شہر کے معنی کے اعتبار سے کہا گیا۔

جمہور کے دلائل: (۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کو دیکھو اللہ فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾، یہاں اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق یہ فرمادیا کہ جب جمعہ کی اذان سنو تو خرید و فروخت چھوڑ کر جمعہ میں شامل ہو جاؤ۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ اس میں تو خرید و فروخت کا ذکر ہے اور خرید و فروخت شہروں میں ہوتی ہے نہ کہ دیہاتوں میں، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چھوٹے دیہات میں چار دس گھر کی بستی میں اگر خرید و فروخت نہ ہو تو اس سے مطلقاً دیہات میں خرید و فروخت کی نفی نہیں ہوتی ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے چھوٹی چھوٹی بستیوں میں خرید و فروخت ہوتی ہے۔

(۲) ابن المنذر نے بسند صحیح ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے أنه كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمّعون فلا ينكر عليهم۔

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُمْ كَتَبُوا إِلَى عُمَرَ يَسْأَلُونَهُ عَنِ الْجُمُعَةِ فَكَتَبَ جَمِّعُوا حَيْثُمَا كُنْتُمْ، رواه ابن خزيمة ومسدد بن مسرهد في مسنده وسعيد بن منصور و أبوبكر ابن أبي شيبة، حضرت عمرؓ نے علی الاطلاق فرمادیا جَمِّعُوا حَيْثُمَا كُنْتُمْ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حَيْثُمَا كُنْتُمْ میں اتنی تعمیم تو ہے نہیں جتنی اثر کے ظاہر سے سمجھ میں آتی ہے کوئی نہ کوئی تخصیص تو کرنا ہی ہوگی، حضرت امام شافعی جیسا آدمی فرماتا ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو تو اس سے قریہ مراد ہے، تو اگر آپ اس کو قریہ پر محمول کر سکتے ہیں تو ہم مصر جامع پر محمول کر سکتے ہیں، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ بحرین کے حاکم تھے انہوں نے وہاں سے حضرت عمرؓ سے مسئلہ معلوم کیا تھا اور ولاۃ و حکام کا محکمہ شہروں میں ہوا کرتا ہے۔

جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ محکمہ یقیناً شہروں میں ہوتا ہے لیکن اس وقت خصوصاً بلاد حجاز اور تہامہ

وغیرہ کی جو آبادی تھی اس کی نوعیت وہ نہیں تھی جو آج کل کی آبادیوں کی ہے، اب بھی آج اتنے تمدن کے باوجود اگر آپ جاکر کے دیکھیں گے تو جو ان کی صحرائی آبادیاں ہیں اس کی شان کچھ اور ہے، وہاں بڑی بڑی آبادیاں بھی ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں، حضرت عمرؓ نے جَمِّعُوا حَيْثُمَا كُنْتُمْ جہاں بھی ہو تم جمعہ قائم کرسکتے ہو علی الاطلاق کہا ہے، یہ نہیں کہا ہے کہ اپنے محلہ میں بیٹھ کر کے آپ جمعہ قائم کریں۔

(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ وادی بنو سالم میں ادا کیا ہے اور یہ قباء اور مدینہ کے بیچ میں ایک گاؤں تھا، اور یہ جو بعض علماء نے کہہ دیا کہ مدینہ کا ایک محلہ تھا مشاہدہ کے خلاف ہے، مدینہ منورہ سے ایک میل سے زیادہ فاصلہ پر ہے، کیا محلہ ایک میل کے فاصلہ پر بسا کرتا ہے یہ کہیں بھی نہیں ہوتا ہے۔

(۵) صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جمعہ ہزم النبیت میں پڑھا ہے، کعب بن مالکؓ کی حدیث میں اس کی تصریح فرضیت جمعہ کے بیان میں آچکی ہے، اور ہزم النبیت ایک گاؤں تھا۔

اختلاف کی اصل بنیاد: اصل بات یہ ہے کہ یہاں پر صحابہ کے آثار میں اختلاف ہو گیا، حضرت علیؓ قریۂ جامعہ کو شرط قرار دیتے ہیں اور ابن عمرؓ وغیرہ مطلقاً بستی کو کافی سمجھتے ہیں، ایسے وقت میں سنت محمدیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کعب بن مالکؓ کی حدیث سنت تقریری ہے، اسی طرح سے امام بخاری نے ابن عباسؓ کی جو حدیث اس باب میں درج کی ہے وہ بھی سنت محمدیہ تقریریہ ہے، اور جب سنت سے مطلقاً قریٰ میں جمعہ قائم کرنے کا ثبوت ہوتا ہے تو جمعہ قریٰ میں قائم کیا جائے گا اور یہی احتیاط بھی ہے، اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اجتماعیت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کو نماز کی توفیق ہوتی ہے۔

قریہ کی تعیین: جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وہ قریۂ مجتمعہ ہو، دیکھنے سے یہ معلوم ہو کہ مکانات پاس پاس ہیں، اس کے ساتھ شافعیہ حنابلہ فرماتے ہیں کہ بستی میں کم از کم چالیس آدمی ہوں جتنے حرّۂ بنی بیاضہ کے جمعہ میں ہوتے تھے، لیکن اگر وہاں چالیس تھے تو اس سے چالیس کے عدد کا لزوم ثابت نہیں ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

یہ امام بخاری کے ترجمہ اور مقصد کی وضاحت ہے، وہ قریٰ و مدن دونوں میں جمعہ کے قائل ہیں۔

هَلْ تَرَى أَنْ أُجَمِّعَ؟ آپ کی کیا رائے ہے میں جمعہ قائم کروں؟ أَنْ أُجَمِّعَ کے مطلب میں اختلاف ہے، شراح فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا میں یہاں جہاں کاشت کراتا ہوں جمعہ پڑھا کروں اپنے

نوکروں چاکروں کے ساتھ، اس پر زہری نے لکھ دیا کہ ہاں، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ فی القریٰ جائز ہے، ہمارے حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایلہ کا حاکم ہوں کیا وہاں جمعہ میں حاضر ہونا میرے ذمہ لازم ہے؟ ابن شہاب نے لکھا کہ ہاں، اور اس کی دلیل میں یہ لکھا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِهِ آپ جہاں کے حاکم ہیں وہاں کی رعیت کے متعلق آپ سے سوال کیا جائے گا۔

(ص ۱۲۲) بَابٌ هَلْ عَلَى مَنْ لَمْ يَشْهَدِ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ

وقال ابن عمر: إنما الغسل على من يجب عليه الجمعة.

٨٩٣. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ.

٨٩٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ.

٨٩٥. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ فَهَذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ له فَغَدًا لِلْيَهُودِ وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارَى فَسَكَتَ.

٨٩٦. ثُمَّ قَالَ: حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ.

٨٩٧. رَوَاهُ أَبَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا.

٨٩٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ

ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ.

۸۹۹. حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلَاةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيلَ لَهَا: لِمَ تَخْرُجِينَ وَقَدْ تَعْلَمِينَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذَلِكَ وَيَغَارُ؟ قَالَتْ: فَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْهَانِي؟ قَالَ: يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ: لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ.

ترجمہ: باب، کیا عورتوں اور بچوں وغیرہ پر (جن کیلئے جمعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں ہے) غسل ہے؟

اور ابن عمرؓ نے فرمایا کہ غسل صرف ان پر ہے جن کے لئے جمعہ میں حاضر ہونا واجب ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جو شخص جمعہ میں حاضر ہو تو وہ غسل کرے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوم جمعہ کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم دنیا میں سب سے آخر میں آنے والے اور قیامت میں سب سے آگے رہنے والے ہیں مگر یہ کہ پچھلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی، اور ہمیں ان کے بعد دی گئی، پھر یہ کہ یہ دن (جمعہ) وہ ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ نے اس دن کے لئے ہماری رہنمائی کی، تو کل کا دن یہود کا ہے اور کل کے بعد والا نصاریٰ کا، پھر حضور ﷺ نے سکوت اختیار کیا، پھر فرمایا کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر سات دن میں ایک دن غسل کیا کرے جس میں وہ اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں جانے کی اجازت دو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک بیوی فجر اور عشاء کی نماز میں مسجد میں جماعت میں آیا کرتی تھیں، ان سے کہا گیا کہ تم کیوں باہر جاتی ہو جبکہ تم جانتی ہو کہ عمر اس کو ناپسند کرتے ہیں اور انہیں اس پر غیرت آتی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ پھر ان کو باقاعدہ منع کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ تو انہیں یہ جواب دیا گیا کہ عمر کو حضور ﷺ کا یہ قول لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ مانع ہے یعنی اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجد میں آنے سے نہ روکو۔

تشریح: جو لوگ جمعہ میں نہیں جاتے ہیں عورتیں اور بچے وغیرہ وہ بھی جمعہ کے دن غسل کے مکلف ہیں یا نہیں؟ امام بخاری نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی لیکن ابن عمرؓ کا اثر ذکر کر کے اپنا رجحان بتلا دیا۔

فرماتے ہیں وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِنَّمَا الْغُسْلُ عَلَى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ غسل اس پر ہے جس پر جمعہ واجب

ہے، اور عورتوں اور بچوں پر جمعہ واجب نہیں لہذا ان پر غسل بھی واجب نہیں، مگر اس کے باوجود ترجمہ میں لفظِ هَلْ ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف کے سامنے متعدد روایات ہیں، اگر ابو ہریرہؓ کی حدیث حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ پر نظر کی جائے تب تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص سے غسل کا مطالبہ ہے چاہے مرد ہو یا عورت اور چاہے بالغ ہو یا نابالغ، نیز ابن عمرؓ کی حدیث مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ سے جمعہ کے لئے آنے والے ہر ایک سے غسل کا مطالبہ معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اگر حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث پر نظر کی جائے غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ تو بچہ نکل جاتا ہے، اور ابن عمرؓ کی حدیث ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ پر نظر کی جائے تو عورتیں نکل جاتی ہیں کیوں کہ جمعہ دن میں ہوتا ہے نہ کہ رات میں، اس لئے امام بخاری نے ترجمہ میں لفظِ هل ذکر فرمادیا۔

مسئلہ کا حکم: اور مصنف کے نزدیک جو راجح تھا اس کو ابن عمرؓ کا اثر ذکر کر کے واضح فرمادیا کہ غسل اسی پر ہے جس پر جمعہ واجب ہوتا ہے اور یہی جمہور علماء اور ائمہ اربعہ وغیرہ کا مسلک ہے۔

لیکن ظاہر یہ اور امام ابو حنیفہ فی روایۃٍ، حسن بن زیاد اور محمد بن حسن کی رائے یہ ہے کہ جیسے مردوں پر غسل ہے ایسے ہی عورتوں اور بچوں پر بھی غسل ہے یہی قاضی ابو یوسف کی ایک رائے ہے۔

اصل میں یہ اختلاف مبنی ہے ایک اور اختلاف پر، اور وہ یہ کہ جمعہ کے دن کا غسل جمعہ کے دن کی وجہ سے مسنون ہے یا جمعہ کی نماز کی وجہ سے، جمہور علماء کہتے ہیں کہ سنّۃ الصلوۃ ہے لہذا جس سے صلوۃ جمعہ کا مطالبہ ہے وہی اس کا مکلف بھی ہے اور جس سے مطالبہ نہیں ہے وہ غسل کا مکلف نہیں، مگر حسن بن زیاد، محمد بن حسن اور امام ابو یوسف ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ یہ سنّۃ الیوم ہے اور اسی کو ابو محمد بن حزم ظاہری نے اختیار کیا ہے۔

اس پر یہ ثمرہ مرتب ہوگا کہ جن لوگوں کے نزدیک یہ سنّۃ الصلوۃ ہے ان کے نزدیک تو وہی مکلف ہیں جن پر صلوۃ جمعہ فرض ہے، بچوں اور عورتوں پر جمعہ فرض نہیں لہذا ان سے غسل کا مطالبہ نہیں، اور جو لوگ سنّۃ الیوم قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک جیسے جمعہ میں شرکت کرنے والوں سے یہ غسل مطلوب ہے ایسے ہی نہ شرکت کرنے والوں سے بھی مطلوب ہے۔

پھر ایک مسئلہ یہ ہے کہ آیا اگر کوئی زوال سے پہلے یا جمعہ کے بعد غسل کرے تو یہ سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

جمہور کے نزدیک سنۃ الصلوۃ قرار دینے کی وجہ سے سنت ادا نہیں ہوگی لیکن جو سنۃ الیوم قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ سنت ادا نہیں ہوگی یہی حسن بن زیاد اور قاضی ابویوسف وغیرہ کی رائے ہے۔

لیکن ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ جمعہ کے بعد بھی غسل کرنے سے یہ سنت ادا ہو جائے گی، اصل میں ابن حزم ظاہری کے پیش نظر وہ آثار ہیں جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ صلوۃ جمعہ اور غسل جمعہ میں اتصال ہونا چاہئے، اس اتصال کو وہ اس بات پر محمول کر رہے ہیں کہ اس سے مراد مطلق اتصال ہے چاہے پہلے غسل کیا جائے اور چاہے بعد میں، حالانکہ آثار میں جس اتصال کا مطالبہ کیا گیا ہے ان کا مقصود یہ ہے کہ آدمی غسل کر کے جمعہ کی نماز پڑھے، اب اگر بالکل سویرے غسل کر لیا اور پھر بعد میں کام میں مصروف رہا اور پسینہ وغیرہ آگیا تو جو مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا، یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی آدمی جمعہ کے بعد غسل کرلے تو بھی کافی ہو جائے گا۔

علامہ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں وَلَقَدْ أَبْعَدَ الظَّاهِرِيُّ إِبْعَادًا يَكَادُ أَنْ يَكُونَ مَجْزُومًا بِبُطْلَانِهِ، ظاہری نے ایک عجیب وغریب بات کہی قریب ہے اس کے کہ اس کے بطلان کا قطعی فیصلہ کر دیا جائے۔

اب ہو سکتا ہے کہ مصنف نے زفر بن مہاجر عامری کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہو قال كان شقيق يأمر أهله الرجال والنساء بالغسل يوم الجمعة أخرجه ابن أبي شيبة اور ان پر رد کیا ہو۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ تین غسل ہیں، ایک غسل صلوۃ جمعہ، دوسرا غسل یوم جمعہ اور تیسرا غسل الاسبوع چنانچہ روایات بھی تین طرح کی وارد ہیں، حضور ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ اس سے غسل صلوۃ کا ثبوت ہوتا ہے، دوسرا حضور ﷺ کا ارشاد ہے غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ اس سے غسل یوم کا ثبوت ہوتا ہے، اور آپ کا ایک ارشاد گرامی یہ ہے حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا اس سے غسل اسبوع کا ثبوت ہوتا ہے، اب اگر کسی آدمی نے جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے غسل کر لیا تو تینوں اغتسالات اس میں جمع ہو گئے اور اس کی تینوں سنتیں ادا ہو جائیں گی اور اگر کسی نے بیچ میں غسل کر لیا تو غسل الاسبوع ادا ہوا اور اگر کوئی جمعہ کے دن نماز کے بعد غسل کرتا ہے تو سنت یوم ادا ہو جائے گی لیکن سنۃ الصلوۃ ادا نہیں ہوگی۔

ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ: امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بطریق مجاہد عن ابن عمر یہ حدیث نقل کی ہے اور مقصد مصنف کا یہ ہے کہ عورتوں کو رات میں جانے کی اجازت دی ہے لہذا جمعہ

اس میں داخل نہیں ہو سکتا ہے، مگر امام بخاری نے اس کے بعد بطریق ابواسامہ عن عبید اللہ بن عمر عن نافع جو حدیث نقل کی ہے وہ اس کے معارض ہے اس لئے کہ اس کے الفاظ ہیں لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ، یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے جمعہ کو بھی شامل ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بظاہر امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ کا اطلاق مقید ہے ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ والی روایت سے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام بخاری اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں کیوں کہ وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ صلوات لیلیہ میں عورتیں شرکت کر سکتی ہیں نہ کہ صلوات نہاریہ میں۔

علامہ کرمانی نے اس مقام پر پہنچ کر عجیب بات فرمائی کہ جب رات میں مساجد میں جانے کی عورتوں کو اجازت ہے جو محل فتنہ ہے تو دن میں تو بدرجۂ اولیٰ اجازت ہوگی، اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ پھر یہ روایت ترجمۃ الباب کے مطابق کہاں رہی؟ علامہ کرمانی نے اس کا جواب یہ دیا کہ امام بخاری کی عادات میں سے ہے کہ جہاں ایسی روایات کو لاتے ہیں جس سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے ایسے ہی بعض وقت بعض متعلقہ اشیاء ذکر کر دیتے ہیں اگرچہ براہ راست ان کا تراجم سے تعلق نہیں ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے عجیب کر دیا کہ غسل یوم جمعہ کے ترجمہ کی شرح میں اور اس باب کی شرح کے آخر میں انہوں نے وہی بات اختیار کی ہے جو میں نے ابھی ذکر کی یعنی امام بخاری نے مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اذن خاص ہے رات کے ساتھ، لیکن جب اس مقام پر پہنچے تو علامہ کرمانی کی تقلید کر لی اور نہ اس پر کوئی رد کیا اور نہ تبصرہ فرمایا۔

بات یہ ہے کہ آدمی جب مسلکی تعصب کے رو میں آتا ہے تو پھر وہ جادۂ تحقیق سے ہٹ جایا کرتا ہے اور ایسا ہر شخص کو پیش آتا ہے، بخاری نہ حنفی ہیں نہ شافعی ہیں نہ ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور نہ شافعی کے مقلد ہیں۔

كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ: حضرت عمرؓ کی یہ بیوی عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل اخت سعید بن زید ہیں یہ حضرت عمرؓ کے نکاح میں تھیں اور وہ مسجد میں صبح و عشاء میں جماعت کے اندر شرکت کیا کرتی تھیں۔

فَقِيلَ لَهَا: دوسرے طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہنے والے خود حضرت عمرؓ تھے، انہوں نے یہ کہا کہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ مجھے یہ بات ناگوار ہے اور پھر تم مسجد میں جاتی ہو تو انہوں نے کہا کہ پھر منع کیوں نہیں

کر دیتے؟ لیکن حضرت عمرؓ حضور کے ارشاد لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ کے ادب کی وجہ سے کچھ نہیں فرماتے تھے اور جس وقت حضرت عمرؓ کو نیزہ مارا گیا اس وقت وہ مسجد ہی میں تھیں، ابن عبد البر وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد حضرت زبیرؓ نے ان سے نکاح کر لیا وہ منع کرنے لگے یہ مانتی تھیں نہیں بس ایک دن جب وہ نماز کیلئے جانے لگیں تو ان کے راستہ میں چھپ گئے اور ان کی سرین پر تھپڑ مارا اور چل دیئے، جب لوٹ کر آئیں کہنے لگیں سبحان اللہ فسد الناس لوگ خراب ہو گئے پھر جانا موقوف کر دیا۔

(ص ۱۲۳) بَابُ الرُّخْصَةِ إِنْ لَمْ يَحْضُرِ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ

٩٠٠. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ: إِذَا قُلْتَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فَلَا تَقُلْ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قُلْ: صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا، فَقَالَ: فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُونَ فِي الطِّينِ وَالدَّحْضِ.

ترجمہ: باب، بارش میں اگر جمعہ میں حاضر نہ ہو تو رخصت کا بیان۔

محمد بن سیرین کے چچازاد بھائی عبد اللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایک بارش والے دن میں اپنے مؤذن سے کہا کہ جب تم أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ پر پہنچو تو حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ نہ کہنا، صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ کہنا، پھر یہ کہ لوگوں نے اس بات کو اچھا نہ سمجھا تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ کام اس ذات نے کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھی، بے شک جمعہ واجب ہے اور میں نے تم لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنا گوارا سمجھا کہ تم مٹی اور پھسلن میں چل کر آؤ۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ مطر عذر ہے اور اس کی وجہ سے جمعہ میں حاضر نہ ہونے کی اجازت ہے۔

یہ مسئلہ اتفاقیہ ہے البتہ تھوڑا سا اس میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ (۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مطر مطلقاً عذر ہے اور اس کی وجہ سے آدمی حضور جمعہ چھوڑ سکتا ہے، (۲) حنفیہ فرماتے ہیں کہ قلیل مطر عذر نہیں کثیر مطر عذر ہے، قطرہ قطرہ پڑ رہی ہو ہلکی ہلکی بوندیں ہوں اس سے کیا ہوتا ہے، (۳) حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ وہ مطر عذر ہے جس کی وجہ سے کپڑے تر ہو جاتے ہوں اور اگر کپڑے تر نہ ہوں تو یہ عذر نہیں، (۴) امام مالک سے

ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ بارش کی وجہ سے ترک جمعہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے امام مالک کی تردید کی ہو، اور ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں پر رد کیا ہو جو قلیل مطر اور کثیر مطر میں فرق کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ قلیل مطر ہلکی ہلکی پھوار کی شکل میں ہو تو اس کے عذر ہونے میں اس لئے تأمل ہے کہ عذر تو وہ چیز کہلاتی ہے جس سے کوئی ضرر ہو اور یہاں کیا ضرر ہے؟ ہلکی ہلکی پھوار سے کیا نقصان ہوسکتا ہے؟

إِذَا قُلْتَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ فَلَا تَقُلْ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ: یہ آگیا وہ لفظ جس کا میں نے ابواب الاذان میں حوالہ دیا تھا کہ بس حی علی الصلوۃ کے بجائے صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ کہہ دینا۔

اور یہ مسئلہ میں بیان کر چکا ہوں کہ صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ اذان میں کہا جائے یا اذان سے فراغت پر، اور اگر اذان میں کہا جائے تو حی علی الصلوۃ کے بدلہ میں کہا جائے جیسا کہ اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اور ابن خزیمہ، ابن حبان اور ابن منذر نے اسے اختیار کیا ہے یا دونوں کو جمع کیا جائے جیسا کہ مصنف عبد الرزاق میں نعیم بن نحام کی روایت میں وارد ہوا ہے۔

إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ: جمعہ واجبات میں سے ہے، امام اسماعیلی فرماتے ہیں لَا أَخَالُهُ صَحِيحًا میرا گمان یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں اس واسطے کہ عام روایات میں إِنَّهَا عَزْمَةٌ ہے، امام اسماعیلی نے إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ کے غیر صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی پیش کی کہ حی علی الصلوۃ کے چھوڑ دینے سے جمعہ کے عزیمت ہونے پر کیا اثر پڑے گا، لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اصل میں مقصد یہ ہے کہ جمعہ واجبات میں ہے لہذا لوگ حی علی الصلوۃ سنیں گے تو ایک دم دوڑ پڑیں گے اس لئے اس کے بجائے صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ کہہ دو تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ آج بارش کی وجہ سے حاضری ضروری نہیں رہی، آدمی اپنے گھر ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے۔

الطِّينِ: کیچڑ۔ **الدَّحَضِ:** پھسلن۔

(ص ۱۲۳) بَابٌ مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ وَعَلَى مَنْ تَجِبُ

لقول الله تعالى ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ﴾.

وقال عطاء: إذا كنت في قرية جامعة فنودي بالصلاة من يوم الجمعة فحق عليك أن تشهدها سمعت النداء أو لم تسمعه.

وكان أنس في قصره أحيانا يجمّع وأحيانا لا يجمّع وهو بالزاوية على فرسخين.

۹۰۱. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بن صالح قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جعفرٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جعفرِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ يُصِيبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هَذَا.

ترجمہ: باب، اس چیز کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ کی وجہ سے جمعہ کے لئے کتنے فاصلے سے آیا جائے گا اور وہ کن لوگوں پر واجب ہو گا؟

اور عطاء نے فرمایا کہ اگر تم قریہ جامعہ میں ہو اور جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دے دی جائے تو تمہارے لئے جمعہ میں حاضر ہونا ضروری ہے، تم نے اذان سنی ہو یا نہ سنی ہو، اور حضرت انسؓ اپنے مکان سے کبھی جمعہ پڑھنے آتے تھے اور کبھی جمعہ پڑھنے نہیں آتے تھے اور وہ زاویہ میں رہتے تھے جو بصرہ شہر سے چھ میل ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگ جمعہ کے لئے اپنے گھروں اور عوالی سے باری باری آیا کرتے تھے وہ گرد وغبار میں آیا کرتے تھے تو گرد وغبار لگ جاتا اور پسینہ آتا تھا تو ان سے پسینے کی بو آتی تھی تو جب ان میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ میرے پاس تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کاش تم آج کے اس دن کے لئے خوب پاکی حاصل کر کے آیا کرتے۔

تشریح: کہاں سے آدمی کو جمعہ میں آنا چاہئے اور کس شخص پر جمعہ واجب ہے؟

یہ سوالیہ ترجمہ ہے، مصنف نے آیت کریمہ کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے اور یہ دلیل سوال ہے، سوال اس لئے پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ﴾ جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ کی طرف دوڑ پڑو، یہ آیت اذان کے بعد سعی کا مطالبہ کرتی ہے، اب یہ سوال ہوتا ہے کہ اس سعی کا مطالبہ کس پر ہے اور کس پر جمعہ واجب ہے اور کہاں سے لوگوں کو جمعہ میں آنا چاہئے؟

مصنف نے ترجمہ کو صرف سوال کی شکل میں رکھا اپنے الفاظ میں اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن حضرت مصنف نے عطاء بن ابی رباح اور حضرت انسؓ کے آثار ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کر دی کہ جمعہ ان لوگوں پر واجب ہے جو شہر میں رہتے ہوں، اور جو لوگ شہر سے باہر رہتے ہیں یا دور رہتے ہیں ان کیلئے گنجائش ہے چاہے جمعہ میں آئیں یا نہ آئیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ اپنے مکان زاویہ میں مقیم ہوتے تھے کبھی وہاں سے بصرہ جمعہ پڑھنے کیلئے آجاتے تھے اور کبھی نہیں، اسی وجہ سے اہل عوالی کبھی جمعہ میں آتے تھے اور کبھی نہیں۔

مسئلہ سنئے! اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جو بلد الجمعہ میں موجود ہو اس پر حاضریِ جمعہ واجب ہے چاہے جمعہ کی اذان سنے یا نہ سنے، اور اگر کوئی آدمی بستی سے باہر ہو تو اس پر جمعہ کی نماز فرض ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

(۱) امام مالک، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس شخص میں اور مسجد جامع میں ایک فرسخ یعنی تین میل کا فاصلہ ہو اس پر جمعہ کی حاضری واجب ہے، صاحب در مختار نے حنفیہ کا یہی ایک قول نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ جہاں تک جمعہ کی اذان پہنچتی ہو وہاں والوں پر جمعہ کی حاضری ضروری ہے بشرطیکہ اذان دینے والا صیّت (بلند آواز) ہو اور اصوات ہادی (یعنی شور و شغب نہ) ہو اور آدمی سمیع ہو، امام ترمذی نے یہ قول امام احمد سے نقل کیا ہے، اور امام ابو داؤد نے مسائل احمد میں امام احمد سے یہی قول نقل کیا ہے مگر فرسخ کا بھی قول انہوں نے نقل کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرسخ کا اور سماع اذان کا قول امام احمد کے یہاں ایک ہی ہے، امام محمد بن حسن شیبانی بھی یہی کہتے ہیں کہ جو شخص اذان سنے اس پر حاضری ضروری ہے، صاحب ملتقی فرماتے ہیں وبہ یفتٰی۔

(۳) حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ جو لوگ حدِ اقامت میں ہوں ان پر حاضریِ جمعہ ضروری ہے یعنی شہر کے اس حصہ میں ہوں کہ اس کے باہر نکل کر قصر کرنا جائز نہ ہو تو ایسے لوگوں پر جمعہ کی حاضری ضروری ہے، اور اگر اس حصہ سے باہر ایسی جگہ ہوں کہ جہاں قصر کی اجازت ہے تو پھر وہاں سے آنا ضروری نہیں، یہ قاضی ابو یوسف سے منقول ہے اور امام محمد کی کتاب الاصل کے دیکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور اس کا مطلب وہی نکلتا ہے جو دوسرے حضرات حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ جو مصر میں ہو اس پر واجب ہے اور جو مصر سے باہر ہو اس پر واجب نہیں ہے، اس لئے کہ جب تک آدمی حدودِ مصر میں ہو جبھی تک آدمی کو قصر کی اجازت نہیں اور جب مصر

سے باہر نکل جائے تو اس کو قصر کی اجازت ہو جاتی ہے، صاحب مواہب الرحمن نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۴) امام اوزاعی اور حسن بصری فرماتے ہیں اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلٰى أَهْلِهِ اور اسی کو صاحب بدائع نے مستحسن قرار دیا ہے، صاحب بحر کا گمان بھی اسی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ آدمی جمعہ پڑھ کر اپنے گھر شام تک واپس پہنچ سکتا ہے تو اس کے اوپر جمعہ واجب ہے۔

پہلے دونوں قول کے قائلین اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ والی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کو امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے نقل کیا ہے لیکن امام ابوداؤد نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے اس لئے کہ صرف قبیصہ سفیان سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں باقی تلامذۂ سفیان موقوفاً نقل کرتے ہیں۔

جو حضرات اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلٰى أَهْلِهِ کے قائل ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو انہی الفاظ کے ساتھ امام ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے، لیکن یہ روایت ضعیف ہے، احمد بن الحسن فرماتے ہیں کہ میں نے یہ روایت امام احمد کے سامنے نقل کی تو فرمایا اِسْتَغْفِرْ رَبَّكَ اِسْتَغْفِرْ رَبَّكَ، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر اس روایت کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو پھر آدمی کو جمعہ کی نماز کے لئے قبل الأذان اس پر سعی واجب ہوگی حالانکہ یہ آیت کریمہ کے خلاف ہے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ إِذَا كُنْتَ فِي قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ: عطاء بن ابی رباح کا یہ اثر عبدالرزاق نے المصنف میں موصولاً روایت فرمایا ہے عن ابن جریج عن عطاء، اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعض قریٰ جامعہ ہوتے ہیں جہاں جمعہ ہوتا ہے اور بعض قریٰ غیر جامعہ ہوتے ہیں جہاں جمعہ نہیں ہوتا ہے، مصنف عبدالرزاق میں اس کے آگے یہ اضافہ ہے کہ ابن جریج نے عطاء سے یہ پوچھا مَا الْقَرْيَةُ الْجَامِعَةُ؟ قَالَ ذَاتُ الْجَمَاعَةِ وَالْأَمِيرِ وَالْقَاضِي وَالدُّوْرُ الْمُجْتَمِعَةُ الْآخِذُ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ مِثْلُ جَدَّةَ، قریۂ جامعہ وہ قریہ ہے جہاں جماعت ہو اور امیر ہو اور قاضی ہو اور مکانات متصل ہوں جیسے جدّہ، علامہ انور شاہ کشمیری کہتے ہیں کہ یہی عین حنفیہ کا مسلک ہے۔

وَكَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي قَصْرِهِ: حضرت انسؓ کا یہ اثر مسدد بن مسرہد نے اپنی مسند کبیر میں اور امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں موصولاً روایت کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت انسؓ اپنے قصر زاویہ میں مقیم تھے وہاں سے بصرہ کبھی جمعہ کے لئے حاضر ہو جاتے تھے اور کبھی حاضر نہیں ہوا کرتے تھے۔

عَلَى فَرْسَخَيْنِ: أي عَلَى فَرْسَخَيْنِ مِنَ الْبَصْرَةِ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو آدمی شہر سے باہر رہتا ہو اس کو جمعہ کی حاضری ضروری نہیں لیکن عَلَى فَرْسَخَيْنِ کی قید سے ہو سکتا ہے کہ بخاری اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہو کہ دو فرسخ پر ہو تو حاضری ضروری نہیں لیکن اس سے کم تر ہو تو اس کے ذمہ حاضری ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: لوگ جمعہ میں حاضر ہوتے تھے نوبۃً فنوبۃً (باری باری) اپنے مکانات سے اور اپنے عوالی سے، عوالی عالیہ کی جمع ہے، عالیہ وہ دیہات جو مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب واقع ہیں، اقرب عوالی دو میل پر ہے اور ابعد عوالی کہا گیا ہے کہ آٹھ میل پر ہے، اس حدیث پاک کو ذکر کر کے مصنف نے مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ کو ثابت کیا ہے، یعنی جمعہ میں شرکت اتنی دور سے بھی کرنی چاہئے مگر واجب نہیں، ورنہ اگر شرکت واجب ہوتی تو پھر انتیاب اور نوبۃً نوبۃً آنا نہ ہوتا بلکہ سارے لوگ شرکت کیلئے آتے۔

قاضی عیاض اور قرطبی وغیرہ نے حنفیہ کے خلاف اس حدیث کو پیش کیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حنفیہ پر رد کرتی ہے کیوں کہ احناف یہ کہتے ہیں کہ جمعہ اسی شخص پر واجب ہے جو داخل مصر ہو، لیکن اس پر حافظ ابن حجر نے رد کیا کہ اگر یہ حدیث وجوب پر دلالت کرتی ہوتی تو یہ انتیاب کیوں ہوتا؟ حافظ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے۔

لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هَذَا: اگر تم اس دن کے لئے طہارت حاصل کر لیتے تو بہتر ہوتا، یہ آگئی وہ روایت، اسی حدیث کے بعض الفاظ میں لو اغتسلتم وارد ہوا ہے۔

(ص ۱۲۳) بَابُ وَقْتُ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

وكذلك يذكر عن عمر وعلي والنعمان بن بشير وعمرو بن حريث رضي الله عنهم.

۹۰۲. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَمْرَةَ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَتْ: قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ أَنْفُسِهِمْ وَكَانُوا إِذَا رَاحُوا إِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوا فِي هَيْئَتِهِمْ فَقِيلَ لَهُمْ: لَوِ اغْتَسَلْتُمْ.

۹۰۳. حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ

التَّيْمِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رسول الله ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ.

۹۰۴. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَس بن مالك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ: باب، جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے۔

یہی بات حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت عمرو بن حریثؓ سے منقول ہے۔

یحیٰ بن سعید بن سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرہ تابعیہ سے جمعہ کے دن غسل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ لوگ مزدور پیشہ تھے اور جب وہ جمعہ کے لئے جاتے تو اپنی اسی حالت پر جاتے، تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم غسل کر لیا کرتے تو بہتر ہوتا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے۔

تشریح: جمعہ کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ یہ مسئلہ کچھ اختلافی ہے۔

جمہور علماء کہتے ہیں کہ جمعہ کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے لیکن امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے بھی جمعہ جائز ہے اور بعض صحابہ کرام حضرت جابرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے بھی نقل کیا گیا ہے، مگر مصنف نے اس مسئلہ میں کسی کے اختلاف کی کوئی پرواہ نہیں کی اور صاف طور سے کہہ دیا کہ جمعہ کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، اس لئے کہ اس باب میں حضرت انسؓ کی روایت أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے زوال پر مداومت فرمایا کرتے تھے۔

رہ گئی حضرت انسؓ کی دوسری روایت جس میں یہ وارد ہے كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ اس سے مقصود اداء قبل الزوال نہیں ہے بلکہ تبکیر بمعنی تعجیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب جمعہ کا وقت ہو جاتا تھا تو فوراً ہی جمعہ ادا کر لیا جاتا تھا تاخیر نہیں کی جاتی تھی انتظار نہیں ہوتا تھا، بخلاف صلوۃ ظہر کے کہ اس میں لوگ انتظار کرتے تھے اور قیلولہ کے بعد ظہر کی نماز پڑھی جاتی تھی، اور اس تبکیر کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے لئے لوگ سویرے سے چلے جاتے تھے اب اگر انتظار کیا جائے گا تو حاضرین کو اذیت اور تکلیف ہو گی، اور ایک مطلب حضرت گنگوہی نے

كُنَّا نُبَكِّرُ کا بیان کیا ہے کہ صبح سویرے جمعہ کیلئے نکل جاتے تھے باقی اداء وقت ہی پر یعنی عین زوال کے وقت کرتے تھے۔

كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ أَنْفُسِهِمْ: مَهَنَةَ بفتح المیم والہاء جمع ہے ماھن کی اور ماھن کہتے ہیں خادم کو، اور مِهْنَة بکسر المیم وسکون الھاء مصدر ہے جس کے معنی خدمت کے ہیں أی كانوا أصحاب مِهْنَةِ أنفسهم وہ بذات خود اپنے خادم تھے۔

وَكَانُوا إِذَا رَاحُوا إِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوا فِي هَيْئَتِهِمْ: اس سے گویا معلوم ہوا کہ جمعہ کا وقت زوال کے بعد ہوتا ہے کیوں کہ رواح کہتے ہیں ذہاب بعد الزوال کو۔

اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ ازہری فرماتے ہیں کہ رواح کے معنی مطلقاً ذہاب کے ہیں، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اصل میں رواح کے دو معنی ہیں، ایک معنیٔ حقیقی اور دوسرے معنیٔ مجازی، معنیٔ حقیقی ہے زوال کے بعد جانا اور معنیٔ مجازی مطلقاً ذہاب کے ہیں، یہاں پر معنیٔ حقیقی مراد ہے اور اس کے لئے قرینہ دوسری روایات ہیں، نیز ساعت والی روایت میں بھی قرینہ ہے کہ مطلقاً ذہاب مراد ہے۔

فَقِيلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ: ان سے یہ کہا گیا کہ اگر تم غسل کر لیتے تو بہتر ہوتا، یہ لفظ دلیل ہے اس بات کی کہ غسل واجب نہیں کیوں کہ حکم نہیں دیا گیا صرف ترغیبی صیغہ استعمال کیا گیا۔

كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ إلخ: ہم جمعہ کیلئے سویرے جاتے تھے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے۔

یہ روایت بظاہر حنابلہ کی تائید کرتی ہے، لیکن حضرت انسؓ کی دو روایتیں ہیں ایک یہ روایت اور دوسری اس سے پہلی روایت أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ، ان دونوں روایتوں کو ایک معنی پر محمول کرنا بہتر ہے اس بات سے کہ دونوں کو الگ الگ معنی پر محمول کیا جائے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ تبکیر سے مراد تعجیل ہے، علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت انسؓ کی حدیث اول سے حضرت انسؓ کی حدیث ثانی کی تفسیر اور شرح فرمائی ہے۔

حنابلہ کا دوسرا استدلال حضرت سہل بن سعدؓ کی ایک حدیث سے ہے جو امام بخاری نے کتاب الجمعہ کے بالکل آخر میں ذکر فرمائی ہے مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ ہم قیلولہ اور دوپہر کا کھانا جمعہ کے بعد ہی کھایا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ جمعہ زوال سے پہلے ہو جاتا تھا، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کھانا زوال کے بعد ہوتا تھا

اور قیلولہ بھی زوال کے بعد، لیکن جو کھانا جمعہ کے بعد کھایا جاتا تھا اس کو غداء سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ وہ اس کی جگہ پر کھایا گیا، جیسے حضور ﷺ نے طعام بوقت سحر پر غداء کا اطلاق کیا ہے حضور سحری کھا رہے تھے ایک صحابی گزرے حضور نے فرمایا ھلم إلى الغداء المبارک کیوں کہ سحری کو بھی غداء کی جگہ کھایا جاتا ہے۔

(ص ۱۲۴) بَاب إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۹۰۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ - هُوَ خَالِدُ بْنُ دِينَارٍ - قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ.

وَقَالَ يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو خَلْدَةَ فَقَالَ: بِالصَّلَاةِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْجُمُعَةَ. وَقَالَ بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ: حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ: صَلَّى بِنَا أَمِيرُ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَالَ لِأَنَسٍ: كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ؟

ترجمہ: باب، جب گرمی جمعہ کے دن شدت اختیار کرلے (تو کیا کریں)۔

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ جب سردی شدید ہوتی تو نبی کریم ﷺ نماز کو اول وقت میں پڑھتے تھے اور جب گرمی شدید ہوتی تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھتے، راوی نے کہا کہ نماز سے مراد جمعہ ہے۔

یونس بن بکیر نے کہا کہ ہم سے ابو خلدہ نے حدیث بیان کی اور اس میں بِالصَّلَاةِ بیان کیا اور جمعہ کا ذکر نہیں کیا، اور بشر بن ثابت نے کہا کہ ہم سے ابو خلدہ نے حدیث بیان کی کہ ہمیں امیر الجمعہ نے نماز پڑھائی، پھر اس نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز کیسے وقت میں پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن گرمی ہو تو اس میں ابراد مستحب ہے۔

یہ مسئلہ مسائل مختلف فیہا میں سے ہے کہ جمعہ میں ابراد مستحب ہے یا نہیں؟

بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ ابراد مستحب ہے اور یہی بعض احناف کا مذہب ہے، علامہ اسیتجابی فرماتے ہیں الجمعة کالظهر فی الزمانین أصلاً و استحباباً اور اسی طرح سے صاحب بحر، علامہ سبکی اور علاؤ الدین حصکفی نے در مختار میں لکھا ہے لیکن یہ قول مرجوح ہے، خود زین بن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ جمعہ میں ابراد مسنون نہیں اور علامہ عینی نے بھی یہی امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے نقل کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے وھو

مذهبنا، بلکہ یہی شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے، موفق اور ان کے تلمیذ رشید شمس الدین بن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن ابراد کرنے میں لوگوں کو ضیق پیدا ہو جائے گی، نیز ابراد عام احادیث کے بھی خلاف ہے کُنَّا نَجْمَعُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، رواہ الشیخان۔

لیکن امام بخاری جمعہ میں ابراد کے اس لئے قائل ہیں کہ صلوۃ جمعہ یا تو ظہر کا بدل ہے یا عین ظہر ہے بجائے چار کے دو کر دی گئی ہر حال میں اس میں بھی وہی بات ملحوظ رکھی جائے گی جو ظہر میں ملحوظ ہوتی ہے، جب ظہر میں ابراد ملحوظ ہے تو جمعہ میں بھی ابراد ملحوظ ہوگا۔

حضرات جمہور نے اس مسئلہ میں ان روایات کو سامنے رکھا ہے جو جمعہ کے بارے میں خاص طور سے وارد ہوئی ہیں اور مصنف نے جو طرز اختیار کیا ہے وہ ایک استدلال پر مبنی ہے جس کی تقریر ہو چکی اور نص کے سامنے استدلال چھوڑ دینا چاہئے، مگر بہرحال امام بخاری نے جو اختیار کیا ہے وہ بالکل ضعیف نہیں ہے اس لئے کہ روایت میں وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

صَلَّى بِنَا أَمِيرُ الْجُمُعَةِ: یہ امیر جمعہ حکم بن ابی عقیل ثقفی ہے جیسا کہ امام بخاری نے الادب المفرد میں بیان کیا ہے، امیر جمعہ حکم بن ابی عقیل ثقفی نے حضرت انسؓ سے پوچھا تھا كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ بدل ظہر ہے لہذا جو ظہر کا حکم ہوگا وہی جمعہ کا بھی حکم ہوگا۔

(ص ۱۲۴) بَابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ

وقول الله عز وجل ﴿فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ﴾، ومن قال السعي العمل والذهاب لقوله تعالى ﴿وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا﴾.

وقال ابن عباس: يحرم البيع حينئذ. وقال عطاء: تحرم الصناعات كلها. وقال إبراهيم بن سعد عن الزهري: إذا أذن المؤذن يوم الجمعة وهو مسافر فعليه أن يشهد.

۹۰۶. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ قَالَ: أَدْرَكَنِي أَبُو عَبْسٍ وَأَنَا أَذْهَبُ إِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ

ﷺ يَقُولُ: مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ.

۹۰۷. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدٍ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ وَأْتُوهَا تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا.

۹۰۸. حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ - لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنْ أَبِيهِ - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَقُومُوا حَتّٰى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ.

ترجمہ: باب، جمعہ کی نماز کے لئے چل کر جانا۔

اور اللہ عزوجل کے قول ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ﴾ کا بیان، اور ان لوگوں (کی رائے) کا بیان جنہوں نے وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا (اور جس نے آخرت کے لئے پوری طرح کوشش کی) کی وجہ سے سعی کا مطلب عمل کرنا اور چل کر جانا لیا ہے۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ اس وقت بیع وشراء حرام ہو جاتی ہے، اور عطاء نے کہا کہ تمام پیشے حرام ہو جاتے ہیں، اور ابراہیم بن سعد نے زہری سے نقل کیا کہ جب جمعہ کے دن مؤذن اذان دے اور کوئی مسافر ہو تو اس پر جمعہ میں حاضری واجب ہے۔

عبایہ بن رفاعہ نے کہا کہ میں جمعہ کے لئے جارہا تھا کہ مجھے ابوعبسؓ ملے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں جس کے پاؤں غبار آلود ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم پر حرام کر دے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ اور چلتے ہوئے آؤ اور سکون واطمینان کو لازمی طور پر اختیار کرو، پھر جتنی نماز امام کے ساتھ مل جائے وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو۔

عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابو قتادہؓ ہی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تک نہ اٹھو جب تک مجھے نہ دیکھ لو اور سکون واطمینان کو لازمی طور پر اختیار کرو۔

تشریح: اس ترجمہ کی غرض میں دو احتمال ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جمعہ کے لئے ماشیا جانا افضل ہے راکبًا جانے سے، یہی حضرات سلف کا مسلک ہے، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ نے تصریح کی ہے کہ ماشیا جانا مستحب ہے، شافعیہ، حنابلہ مستحب کہتے ہیں اور مالکیہ مندوب کہتے ہیں، ابراہیم نخعی کہتے ہیں كَانُوا يَكْرَهُونَ الرُّكُوبَ إِلَى الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ﴾ کی تفسیر کی اور یہ بتایا ہے کہ یہاں سعی؛ جری وعدو (دوڑنے) کے معنی میں نہیں ہے بلکہ مشی اور ذہاب (چلنے) کے معنی میں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کی قرأت میں ہے فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ، امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ گو قرأت میں اختلاف ہے لیکن معنی میں سب کا اتحاد ہے کیوں کہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ اس کے معنی سعی الاقدام والعدو یعنی دوڑنا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن ابی شیبہ نے ثابت بنانی سے نقل کیا ہے کہ میں انسؓ کے ساتھ تھا جمعہ کا دن تھا جب اذان سنی تو فرمایا قُمْ نَسْعَى اٹھو دوڑیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ آیت کو اپنے ظاہر پر رکھنے کے قائل تھے غالبًا بخاری نے اسی طرف اشارہ کیا۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ اگر آیت کی تفسیر منظور تھی تو یہ باب یہاں کے بجائے کتاب التفسیر میں ہونا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے یہاں اسلئے ذکر کیا ہے کہ اس آیت کا تعلق صلوۃ جمعہ سے ہے اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جمعہ میں لوگ دوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ چل کر جائیں گے، اسلئے کہ حضور ﷺ نے صاف صاف فرمادیا ہے إِذَا أُقِيمَتُ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ وَأْتُوهَا تَمْشُونَ اس کے عموم میں ہر نماز داخل ہے۔

وَمَنْ قَالَ السَّعْيُ الْعَمَلُ وَالذَّهَابُ: یہ تفسیر عکرمہ، امام مالک، امام شافعی اور حنابلہ نے کی ہے اور حنفیہ کی کتابوں میں بھی یہ تصریح موجود ہے۔

يَحْرُمُ الْبَيْعُ حِينَئِذٍ: خطبہ کی جب اذان ہو اس وقت بیع حرام ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ بیع کی ممانعت کا تعلق اذان اول سے ہے یا اذان ثانی سے؟ حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اذان اول سے ہے لیکن جمہور علماء کی رائے ہے کہ اس کا تعلق اذان ثانی سے ہے، امام شافعی نے کتاب الام میں اس کی تصریح کی ہے اور اسی کو طحاوی وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ صرف بیع ہی حرام ہوگی یا اور دیگر کام بھی حرام ہو جائیں گے؟ حنابلہ فرماتے ہیں کہ

صرف بیع حرام ہے اور حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام کام حرام ہیں، پھر اگر بیع ہوئی تو امام ابو حنیفہ، شافعی کے یہاں بیع مع الکراہت ہو جائے گی، مالک واحمد کے یہاں صحیح نہ ہوگی۔

فَعَلَيْهِ أَنْ يَشْهَدَ: اذان کی آواز سن کر مسافر پر شہود واجب ہے، بظاہر امام زہری استحباب کے قائل ہیں کیوں کہ اس پر توسب کا اتفاق ہے کہ مسافر پر جمعہ نہیں ہے۔

(ص ۱۲۴) بَاب لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۹۰۹. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيبٍ ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلَّى مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن دو آدمیوں کے درمیان گھس کر تفریق نہ کرے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنی پاکی حاصل کرنا ممکن ہے اتنی پاکی حاصل کرے پھر تیل لگائے یا خوشبو استعمال کرے پھر مسجد جائے اور دو آدمیوں کے درمیان گھس کر تفریق نہ کرے، پھر جتنا اس کی تقدیر میں ہے اتنی نماز پڑھے، پھر جب امام آجائے تو خاموش رہے، تو اس شخص کے اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح: تفریق بین الاثنین دو معنوں کے لئے بولا جاتا ہے، ایک یہ ہے کہ آدمی دو آدمیوں کے بیچ میں آکر بیٹھ جائے، دوسرے یہ کہ گردنوں کو پھاندتا ہوا جائے، یہاں مصنف نے بظاہر یہی معنی مراد لئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ عام مراد لیا ہو مگر ظاہر یہی آخری ہے۔

تخطی رقاب کا حکم کیا ہے؟ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ تخطی رقاب مکروہ ہے، پھر حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر حاضرین کو اذیت نہ ہوتی ہو اور امام اب تک نہ نکلا ہو تو تخطی میں کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح سے اگر کوئی آیا اور اتفاق سے جگہ نہیں ہے مگر سامنے فرجہ اور جگہ ہے تو اس کے لئے تخطی رقاب کر سکتا ہے،

مالکیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر امام منبر پر آکر نہ بیٹھا ہو تو سدِّ فرجہ کے لئے تخطی جائز ہے اور اس کے علاوہ کے لئے تخطی مکروہ ہے، اور اگر امام منبر پر آکر بیٹھ گیا تو اس کے بعد تخطی مطلقاً حرام ہے اگرچہ کسی فرجہ کو پُر کرنے ہی کے لئے ہو، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ تخطی رقاب مطلقاً مکروہ ہے الا یہ کہ سامنے فرجہ ہو تو اس کے پُر کرنے کے لئے مطلقاً جانا جائز ہے۔

(ص ۱۲۴) بَاب لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقْعُدُ فِي مَكَانِهِ

۹۱۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ - هو ابن سلام - قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا قال: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ أَخَاهُ مِنْ مَقْعَدِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ، قُلْتُ لِنَافِعٍ: الْجُمُعَةَ؟ قَالَ: الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا.

ترجمہ: باب، کوئی انسان جمعہ کے دن کسی انسان کو اسکی جگہ سے نہ اٹھائے اور پھر اس کی جگہ بیٹھ جائے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھادے اور پھر وہاں بیٹھ جائے، ابن جریج نے کہا کہ میں نے نافع سے پوچھا کیا یہ حکم جمعہ کے دن کے لئے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جمعہ اور غیر جمعہ سب میں یہی حکم ہے۔

تشریح: باب گزشتہ میں تفریق کی کراہت بیان کی تھی اب یہ بتلاتے ہیں کہ یہ بھی مکروہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھ جائے، مصنف نے اس کی دلیل یہ پیش کی کہ ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کی حدیث نقل کی ہے نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ أَخَاهُ مِنْ مَقْعَدِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ اس کے عموم میں جمعہ بھی داخل ہے، چنانچہ ابن جریج نے نافع سے یہ پوچھا کہ جمعہ بھی اس میں داخل ہے؟ تو فرمایا الجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا۔

امام بخاری کے پاس اپنی شرط کے مطابق جمعہ کے سلسلہ میں کوئی صریح روایت تو نہیں لیکن مسلم شریف میں ایک صریح روایت بھی اس مضمون میں موجود ہے کہ آدمی کو جمعہ کے دن اپنے بھائی کو اٹھا کر اس جگہ نہ بیٹھنا چاہئے بلکہ یوں کہہ دینا چاہئے کہ ذرا فرجہ اور گنجائش کر دو، مگر امام بخاری کے پاس جو روایت موجود تھی وہ ان کے مدعا کے لئے کافی تھی اس لئے امام بخاری کو مسلم کی روایت کی ضرورت نہیں پڑی۔

(ص ۱۲۴) بَابُ الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۹۱۱. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ.

قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن اذان کا بیان۔

حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے زوراء پر تیسری اذان کو بڑھا دیا۔ امام بخاری نے کہا کہ زوراء مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔

تشریح: امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اذان جمعہ کب دی جائے؟

روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اذان اس وقت دی جائے جب امام منبر پر آکر بیٹھ جائے، عہد نبوی اور عہد صدیقی وفاروقی میں یہی معمول تھا، حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں اس اذان سے پہلے ایک دوسری اذان کا اضافہ فرمایا، اب اگر عہد نبوی اور شیخین کے عہد کو دیکھا جائے تب تو صرف اسی اذان کو ہونا چاہئے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد اس کے سامنے ہو، اور اگر عہد عثمانی کی اذان پر نظر کی جائے تو اس سے پہلے اذان ہونی چاہئے، اسی لئے امام بخاری نے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ مطلق الْأَذَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کا ترجمہ منعقد کر دیا۔

ابن ابی شیبہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے تھے الأذان الأول يوم الجمعة بدعة، ابن عمرؓ کے اس قول میں دو احتمال ہیں، ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس سے اذانِ اول پر نکیر کی ہو کیوں کہ عہد نبوی میں اور عہد شیخین میں موجود نہیں تھی، اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بغیر انکار کے بایں طور اس کو بدعت کہہ دیا کہ عہد نبوی میں موجود نہیں تھی باقی یہ شرعی بدعت نہیں، اس لئے کہ بعض اوقات ایک شئ اپنی خصوصیت کے اعتبار سے بدعت ہوتی ہے لیکن اصل کے اعتبار سے بدعت نہیں ہوا کرتی ہے، حضرت عمرؓ نے جماعت فی

التراویح کے متعلق فرمایا تھا نعمت البدعۃ ھذہ، ایسے ہی یہاں پر بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ جیسے اور نمازوں کے لئے اذان قبل از وقت ہوتی ہے جمعہ کے لئے بھی قبل از وقت اذان ہونی چاہئے۔

كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: عہد نبوی اور عہد صدیقی وفاروقی میں پہلی نداءِ یوم جمعہ اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جائے، لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں سن ۳۰ھ میں لوگوں کی کثرت ہوگئی تو مقام زوراء پر جمعہ کی اذان کا اضافہ کیا، عام بلاد وامصار میں اب اسی پر عمل ہے، ایک اذان پہلے ہوتی ہے اور پھر بین یدی الخطیب دوسری اذان ہوتی ہے، حرمین میں بھی یہی معمول ہے اور دوسرے امصار میں بھی، لیکن کسی زمانہ میں بلاد مغرب میں اسی طرز پر عمل تھا جو حضور ﷺ اور شیخین کے زمانہ میں چل رہا تھا یعنی صرف ایک اذان ہوا کرتی تھی۔

(ص ۱۲۴) بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۹۱۲. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ الَّذِي زَادَ التَّأْذِينَ الثَّالِثَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ حِينَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّبِيِّ ﷺ مُؤَذِّنٌ غَيْرَ وَاحِدٍ وَكَانَ التَّأْذِينُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَعْنِي عَلَى الْمِنْبَرِ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن صرف ایک مؤذن کے اذان دینے کا بیان۔

حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن تیسری اذان کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں جب مدینہ کے لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، اور حضور ﷺ کا مؤذن ایک کے علاوہ نہیں تھا اور جمعہ کی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

تشریح: اس ترجمہ کی غرض میں کئی قول ہیں، (۱) امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ بہت ممکن ہے امام بخاری نے مؤذن واحد بول کر ایک اذان مراد لی ہو اور مقصد یہ ہو کہ جمعہ کے دن ایک اذان ہو گی اور تعددِ اذان کے قول کو رد کیا ہو، گویا پہلے باب میں یہ بتلایا کہ جمعہ کے دن اذان ہو گی اور اب بتلاتے ہیں کہ اذان ایک ہو گی نہ

کہ دو اذانیں، اس صورت میں گویا امام بخاری نے عہد نبوت اور زمانہ شیخین کے معمول کو اختیار کیا ہے اور حضرت عثمانؓ کے جاری کردہ معمول پر رد کیا یا یہ کہ اس کی طرف التفات نہیں کیا اور نہ اس کو اختیار کیا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ امام بخاری نے مؤذن واحد بول کر مؤذن ہی مراد لیا ہے اور اس سے اذانِ جوق کی تردید کی ہے، اذانِ جوق یعنی کئی لوگوں کا ایک ساتھ اذان دینا، حرمین وغیرہ میں معمول یہ تھا کہ کئی مؤذن بیک وقت اذان دیا کرتے تھے، اذانِ جوق سب سے پہلے ہشام بن عبد الملک مروانی خلیفہ کے زمانے میں شروع ہوئی، تو مصنف نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ صرف ایک مؤذن اذان دے گا۔

اذانِ جوق کا حکم: اصل تو یہی ہے کہ ایک مؤذن اذان دے لیکن اگر ضرورت پیش آجائے تو متعدد مؤذن اذان دے سکتے ہیں اور یہ مسئلہ مذاہب اربعہ میں موجود ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مؤذنین ایک ساتھ اذان دیں گے یا آگے پیچھے؟ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر آوازیں نہ ٹکرائیں تو پھر ایک ساتھ سب اذان دے سکتے ہیں مثلاً جامع مسجد کے اطراف بہت بعید ہوں آوازوں کے ٹکرانے کا خطرہ نہ ہو، حنفیہ کے یہاں بھی دونوں قول ہیں، ابن قر قول مالکی کہتے ہیں کہ آگے پیچھے اذان دیں گے۔

نیز خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا اذان دینا مستحب ہے اور کئی لوگوں کا اذان دینا مشروع ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر ضرورت پیش آجائے جامع مسجد بہت وسیع ہو تو پھر بیک وقت کئی مؤذن اذان دے سکتے ہیں۔

(۳) بعض علماء فرماتے ہیں کہ اصل میں ابن حبیب مالکی نے یہ بیان کیا ہے کہ حضور پاک ﷺ کے تین مؤذن تھے اور وہ تینوں یکے بعد دیگرے اذان دیا کرتے تھے امام بخاری نے اس کی تردید کی ہے، امام شافعی کی طرف بھی یہ قول منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس کا کسی متصل سند سے ثبوت نہیں۔

(ص ۱۲۴) بَاب يُجِيبُ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ

۹۱۳. حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمِنْبَرِ أَذَّنَ

الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: وَأَنَا، قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: وَأَنَا، فَلَمَّا أَنْ قَضَى التَّأْذِينَ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى هَذَا الْمَجْلِسِ حِينَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ مَا سَمِعْتُمْ مِنِّي مَقَالَتِي.

ترجمہ: باب، امام منبر پر بیٹھ کر جب اذان سنے تو اس کا جواب دے۔

ابو امامہ سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو سنا جبکہ وہ منبر پر بیٹھے تھے، مؤذن نے اذان دی اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو حضرت معاویہؓ نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، پھر مؤذن نے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں، پھر مؤذن نے أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ تو حضرت معاویہؓ نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں، پھر جب مؤذن اذان سے فارغ ہو گیا تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اے لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی بیٹھنے کی جگہ جب مؤذن نے اذان دی تو یہ کہتے ہوئے سنا ہے جو تم نے مجھ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: جب خطیب کے سامنے اذان دی جائے تو خطیب اس کا جواب دے گا۔

ترجمہ میں جو امام کی تخصیص کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو امام بخاری کے نزدیک یہ حکم خاص ہو اور صرف خطیب ہی اذانِ خطبہ کا جواب دے گا اور یا یہ کہا جائے کہ مصنف نے روایت کے الفاظ کی رعایت کرتے ہوئے امام کے لفظ کی تصریح کر دی، باقی جوابِ اذان جیسے خطیب دیتا ہے ایسے ہی دوسرے بھی دیں گے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ خطیب کے سامنے مؤذن کے اذان کا جواب دیا جائے یا نہیں؟

ائمۂ ثلاثہ اور صاحبین کہتے ہیں کہ جواب دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ جواب نہیں دیا جائے گا إذا خرج الإمام فلا صلوٰۃ ولا کلام، لیکن صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد مطلقاً ہر بات چیت کو حرام نہیں کہا بلکہ دنیوی بات چیت کو مکروہ قرار دیا ہے اور اسی کو صاحبِ نہایہ نے راجح قرار دیا ہے اور یہی بندہ کے نزدیک راجح ہے، اور باقی جو صاحبِ بحر علامہ زین بن نجیم مصری نے مطلقاً ہر بات چیت کو مکروہ نقل کیا ہے جس کو شامی وغیرہ نے نقل کیا ہے میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَأَنَا: اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین کے جواب میں اگر مجیب وَأَنَا کہہ دے تو سنتِ جواب ادا ہو جائے گی، محدث ابو حاتم بن حبان البستی کا رجحان اسی طرف ہے۔

ملا علی قاری نے اس کو خصائص میں سے شمار کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ خصوصیت حضور کی ہوا کرتی ہے صحابی کی نہیں، اور یہاں حضرت امیر معاویہؓ نے مؤذن کی اذان کا جواب دیا تو پھر اس کو خصوصیت پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے؟ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی السعایہ میں ملا علی قاری کی تردید کی ہے من شاء التفصیل فلیرجع إلیه۔

(ص ۱۲۵) بَابُ الْجُلُوسِ عَلَى الْمِنْبَرِ عِنْدَ التَّأْذِينِ

٩١٤. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ أَنَّ التَّأْذِينَ الثَّانِيَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَرَ بِهِ عُثْمَانُ حِينَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ التَّأْذِينُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ يَجْلِسُ الإِمَامُ.

ترجمہ: باب، اذان کے وقت امام کے منبر پر بیٹھ جانے کا بیان۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ انہیں حضرت سائب بن یزیدؓ نے بتایا کہ جمعہ کے دن اذان ثانی کا حکم حضرت عثمانؓ نے اس وقت دیا تھا جب اہل مسجد کی تعداد بڑھ گئی تھی اور اذان جمعہ کے دن اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

تشریح: مسنون یہ ہے کہ جس وقت خطیب منبر پر بیٹھ جائے تب خطیب کے سامنے اذان دی جائے، یہی حضرات ائمۂ اربعہ کا مسلک ہے، امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ جلوس امام شافعی اور امام مالک کے یہاں مستحب ہے، میں کہتا ہوں کہ علامہ موفق نے مغنی میں تصریح کی ہے کہ یہی امام احمد کا مذہب ہے، بلکہ یہی جمہور کی رائے ہے، ہماری کتابوں میں بھی جلوس ہی کی تصریح ہے اور علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں اس جلوس کے مسنون ہونے کی تصریح فرمائی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حنفی کا یہ غیر مشہور قول ہے کہ جلوس الامام سے پہلے بھی اذان دی جاسکتی ہے، بہر حال جس کا بھی ہو امام بخاری نے اس کی تردید فرمائی ہے اور جلوس کی سنیّت کو ثابت فرمایا ہے۔

اس جلوس کی حکمت کیا ہے؟ آیا یہ اذان کی وجہ سے ہے یا استراحتِ خطیب کے لئے؟ دونوں ہی قول ہیں، اس اختلاف کا اثر یہ ہوگا کہ جن خطبوں میں خطیب کے سامنے اذان نہیں ہوتی ہے وہاں پر جلوس

مستحب نہیں ہوگا، مثلاً خطبۂ عید میں اذان نہیں اس لئے جلوس مستحب نہیں ہوگا، اور اگر اس کی علت استراحتِ خطیب ہے تو وہاں بھی یہ جلوس مستحب ہونا چاہئے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: اس روایت میں حضرت عثمانؓ کی اذان کو اذان ثانی قرار دیا گیا ہے اور بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں اور اس سے پہلے باب میں بھی یہی روایت گزری ہے اس میں اس کو نداء ثالث قرار دیا گیا ہے اور بعض الفاظ سے اس کا نداء اول ہونا نکلتا ہے، ان میں کوئی تعارض نہیں۔

جہاں نداء اول کہا گیا وہاں یہ ملحوظ رکھا گیا کہ وقوع کے اعتبار سے وہ سب سے اول ہے، اور جہاں اس کو نداء ثانی قرار دیا گیا وہاں یہ بات ملحوظ رکھی گئی کہ اصل اذان جو اوّلاً مشروع ہوئی ہے وہ تو اذان بین یدی الخطیب ہے اور یہ اذان اس کے بعد مشروع ہوئی ہے، اور جہاں اس کو نداء ثالث قرار دیا گیا ہے وہاں اس وجہ سے کہ عہد نبوت میں پہلی اذان بین یدی الخطیب ہوتی تھی اور دوسری اذان یعنی اقامت نماز کھڑے ہونے کے وقت ہوتی تھی اور اس کی مشروعیت سب کے بعد ہوئی ہے۔

(ص ۱۲۵) بَابُ التَّأْذِينِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ

۹۱۵. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: إِنَّ الْأَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ أَوَّلُهُ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ وَكَثُرُوا أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْأَذَانِ الثَّالِثِ فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ.

ترجمہ: باب، خطبہ کے وقت اذان دینے کا بیان۔

زہری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سائب بن یزیدؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جمعہ کے دن پہلی اذان؛ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ وحضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے تیسری اذان کا حکم دیا پھر وہ اذان مقام زوراء پر دی جاتی تھی، پھر یہ امر اسی طرح برقرار رہا۔

تشریح: خطبہ کے وقت اذان ہوگی، اور یہ اذان خطبہ کے وقت مستحب اور متفق علیہ ہے۔

حضرت شیخ فرماتے تھے کہ مقصد یہ ہے کہ حدیث میں بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ سے اذانِ خطبہ مستثنیٰ ہے، اس وقت نماز نہیں پڑھی جائے گی، مگر یہ غرض بعید معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ امام بخاری تو عین خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد کے قائل ہیں تو بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ سے تاذین خطبہ کو مستثنیٰ کیسے کر سکتے ہیں؟

ابوابِ جمعہ کی مناسبت: امام بخاری نے جمعہ کی اذان کے لئے دو تراجم منعقد کئے ہیں، پہلا ترجمہ الْأَذَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اور دوسرا ترجمہ ہے التَّأْذِينِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ، اس کے مطلب میں ایک احتمال یہ ہے کہ امام بخاری جمعہ کے دن دو اذانوں کے قائل ہوں، ایک پہلے ہو اور دوسری خطبہ کے وقت، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایک ہی اذان کے قائل ہوں اور اولاً جمعہ کے اذان کی مشروعیت بیان کی، پھر یہ بتایا کہ ایک ہی مؤذن اذان دے، آگے بتایا کہ خطیب جواب دے گا، اور پھر بتایا کہ خطیب اذان کے وقت منبر پر بیٹھا ہو گا، اور اب یہ بتایا کہ یہ اذان خطبہ کے وقت ہو گی اس سے پہلے نہ ہو گی، تراجم کی ترتیب سے کچھ یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔

إِنَّ الْأَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ أَوَّلُهُ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ: یہی عہد نبوی میں معمول تھا اور یہی شیخین کے زمانہ میں تھا۔

مؤذن کہاں پر اذان دیتا تھا؟ اس روایت کے طرق مشہورہ میں اس کی کوئی تصریح وارد نہیں ہوئی ہے، ابوداؤد شریف میں یہی حدیث وارد ہوئی ہے اس میں ہے كان يؤذن بين يدي رسولِ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على بابِ المسجِدِ، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر ہو گی، صاحبِ منہل فرماتے ہیں قد اتفقت المذاهب عليه مذاہب اس پر متفق ہیں، لیکن اس اتفاق سے مراد صرف جواز ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا خلاف ناجائز اور مکروہ ہے، اگر مؤذن خطیب کے سامنے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دے تو ایسا کرنا ناجائز اور مکروہ نہیں، مزید یہ ہے کہ على باب المسجد کی زیادتی ذکر کرنے میں محمد بن اسحاق منفرد ہیں ابن شہاب زہری کے باقی تلامذہ بھی یہی روایت نقل کرتے ہیں لیکن کوئی بھی ان میں سے على باب المسجد کا لفظ نقل نہیں کرتا ہے، چنانچہ ان سے یہ روایت ابن ابی ذئب، عبد العزیز بن ابی سلمۃ الماجشون، عقیل بن خالد، یونس بن یزید ایلی نقل کرتے ہیں کسی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے اور ان چاروں کی روایات امام بخاری نے تخریج کی ہے۔

(ص ۱۲۵) بَابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

وقال أنس: خطب النبي ﷺ على المنبر.

۹۱۶. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيُّ الْقُرَشِيُّ الإِسْكَنْدَرَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمِ بْنُ دِينَارٍ أَنَّ رِجَالاً أَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِمَّ عُودُهُ فَسَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: وَاللهِ إِنِّي لأَعْرِفُ مِمَّا هُوَ، وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ وَأَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى فُلَانَةَ - امْرَأَةٍ من الأنصار قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ - مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ، فَأَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هَاهُنَا ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى عَلَيْهَا وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرَى فَسَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هَذَا لِتَأْتَمُّوا بِي وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي.

۹۱۷. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جعفر بن أبي كثير قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَنَسٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ جِذْعٌ يَقُومُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ أَصْوَاتِ الْعِشَارِ حَتَّى نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ. وَقَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى: أَخْبَرَنِي حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ سَمِعَ جَابِرًا.

۹۱۸. حَدَّثَنَا آدم بن أبي إياس قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: مَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ.

ترجمہ: باب، منبر پر خطبہ دینے کا بیان، اور حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا۔

ابوحازم بن دینار نے بیان کیا کہ کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ لوگ حضور ﷺ کے منبر کے بارے میں شک میں مبتلا تھے یا جھگڑا کر رہے تھے کہ وہ کس لکڑی کا تھا؟ تو انہوں نے حضرت سہلؓ سے اس سلسلے میں سوال کیا حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا خدا کی قسم! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی کا تھا اور میں نے اس کو

جب وہ پہلے دن رکھا گیا اور جب پہلے دن اس پر رسول اللہ ﷺ بیٹھے دیکھا ہے، (واقعہ یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے انصار کی فلاں عورت — اس کا نام حضرت سہلؓ نے بیان کیا تھا — کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم اپنے بڑھئی کا کام کرنے والے غلام کو حکم دو کہ وہ مجھے ایسی لکڑیاں بنادے کہ میں لوگوں سے خطاب کرتے وقت ان پر بیٹھ جایا کروں، تو اس نے غلام کو حکم دیا، پھر اس نے غابہ نام کے جنگل کی جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنایا اور اس عورت کے پاس لایا، اس عورت نے منبر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا، پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور وہ یہاں (مسجد میں) رکھ دیا گیا، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی، اس پر کھڑے ہو کر تکبیر کہی پھر اس پر رہتے ہوئے رکوع میں گئے، پھر الٹے پاؤں نیچے اترے اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر منبر پر لوٹ گئے پھر جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا اے لوگو! میں نے یہ عمل صرف اس لئے کیا ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میری نماز کا طریقہ سیکھ لو۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ کھجور کا ایک تنہ تھا جس پر سہارا لے کر حضور ﷺ کھڑے ہوتے تھے پھر جب آپ کے لئے منبر رکھ دیا گیا تو ہم نے اس تنے کی گابھن اونٹنی جیسی آواز سنی یہاں تک کہ حضور ﷺ منبر سے نیچے اترے اور آپ نے اس تنے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ سلیمان نے یحیٰ سے روایت کی کہ یحیٰ نے کہا کہ مجھ سے حفص بن عبید اللہ بن انس نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت جابرؓ سے سنا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے لئے آئے تو اسے غسل کرنا چاہئے۔

تشریح: منبر پر خطبہ دینا ائمۂ اربعہ کے یہاں متفق علیہ اور مسنون ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں اتخاذ المنبر سنة مجمع عليها، علامہ ابن بطال نے یہاں ایک عجیب وغریب بات کہہ دی کہ اگر خطیب خلیفہ ہو تب تو وہ منبر پر خطبہ دے گا اور اگر غیر خلیفہ ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے منبر پر خطبہ دے اور چاہے زمین پر، لیکن علامہ زین بن منیر نے ان پر تنقید کی ہے کہ یہ بحث یہاں پر ترجمۂ بخاری سے بعید ہے اور اس سے خارج ہے، اس واسطے کہ ابن بطال نے جو صورت نقل کی ہے وہ تو ایک مُحدَث صورت ہے جو بعض خلفاء نے ایجاد کر دی تھی کہ اگر وہ خود خطبہ دیتے تو منبر پر دیتے اور اگر کوئی ان کی طرف سے نیابۃً خطبہ دیتا تو زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتا تھا، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ سنت خلفاء راشدین کے زمانہ سے چلی تب تو یہ سنت متّبعہ ہو گی اور اگر بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے تو یہ بدعت کے مشابہ ہے نہ کہ سنت کے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بَابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنبَرِ مطلقاً منعقد کر کے اسی تفصیل کے غیر

مستحب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ بہر حال منبر پر خطبہ ہوگا چاہے خطبہ دینے والا خلیفہ ہو یا غیر خلیفہ، اور یہ جو تفصیل چل پڑی ہے کہ خلیفہ منبر پر خطبہ دے اور غیر خلیفہ زمین پر یہ صحیح نہیں ہے، غیر مستحب اور غیر مسنون طریقہ ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: یہ حدیث امام بخاری نے ماقبل میں **بَابُ الصَّلَاةِ فِي السُّطُوحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ** میں ذکر کی ہے اور وہاں روایتی حیثیت سے اس پر تفصیل سے کلام کیا جاچکا ہے۔

جس غلام نے منبر بنایا ان کے نام میں کئی اقوال ہیں، (۱) میمون، (۲) باقول، (۳) باقوم، (۴) صباح، (۵) قبیصہ مخزومی، (٦) ابراہیم، (۷) بعضوں کا خیال یہ ہے کہ تمیم داری بنانے والے ہیں، اور یہ عورت جس نے منبر بنوایا تھا قریب یہ ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں ہوسکا، طبرانی کی بعض روایات سے ان کا نام عائشہ الانصاریہ معلوم ہوتا ہے لیکن حافظ ابن حجر اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، اسی طرح سے علاثہ کا لفظ وارد ہوا ہے لیکن حافظ ابو موسی المدینی فرماتے ہیں صحف فیه جعفر المستغفری، فلانہ کا علاثہ انہوں نے بنادیا۔

منبر شریف کس سن میں بنا ہے؟ اس کے متعلق میں ابتداءِ کتاب میں حضرت عمرؓ کی حدیث **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** کے تحت کلام کر چکا ہوں، ابن سعد کہتے ہیں کہ سن ۷ھ میں بنا ہے، ابن نجار کہتے ہیں کہ سن ۸ھ میں اور فیض الباری میں سن ۵ھ کا قول مذکور ہے، اور شاہ صاحب نے عرف الشذی میں سن ۲ھ کا قول اختیار کیا ہے اور اسی قول کو میں نے ابتداء کتاب مین دلائل سے مؤید کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ منبر کا وجود سن ۷ھ سے پہلے ملتا ہے، واقعۂ افک میں حضور ﷺ کا منبر پر تشریف فرما ہونا صحیحین کی روایت میں مصرح ہے اور یہ واقعہ غزوۂ بنو المصطلق کا ہے اس کے وقوع میں چار، پانچ اور چھ ہجری کے تین اقوال ہیں، اسی طرح سے اور بھی مواقع میں منبر کا تذکرہ ملتا ہے اس لئے اقرب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سن ۲ھ میں بنایا جاچکا ہے۔

كَانَ جِذْعٌ يَقُومُ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم: کھجور کا ایک تنہ تھا جس پر نبی پاک ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے، جب آپ کے لئے منبر نصب کر دیا گیا تو ہم نے اس تنے سے ایسی آواز سنی جیسے دس ماہ کی گابھن اونٹنیوں کی آواز ہوتی ہے، عِشَار عُشَرَاء کی جمع ہے اور عشراء وہ اونٹنی کہلاتی ہے جس کو دس ماہ کا حمل ہو، اس ستون کا رونا حضور اکرم ﷺ کے فراق پر تھا، روایات میں یہ تصریح ہے کہ اس کا رونا اس لئے تھا کہ پہلے تو

وہ ذکر کو سنتا تھا اب وہ اس سے محروم ہو گیا، مولانائے روم فرماتے ہیں۔

استن حنانہ در ہجرِ رسول　　نالہ می زد ہمچو اربابِ عقول

استن حنانہ کے رونے کا قصہ متعدد صحابۂ کرام سے منقول ہے، بلکہ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ قصۂ حنین جذع ان امور ظاہرہ میں سے ہے جس کو سلف اور خلف نے نقل کیا ہے اور اس میں مخصوص روایتیں نقل کرنا تکلف کی صورت ہے، بیہقی نے غالباً اس سے اس کی شہرت پر یا اس کے تواتر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حَتَّى نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ: حضور ﷺ منبر شریف سے اترے اور اپنے دست مبارک کو اس استن حنانہ پر رکھا، یہی روایت علامات نبوت میں آرہی ہے اس میں وارد ہوا ہے فسکنت اس کو سکون ہو گیا، دارمی (۱/۳۶۷) کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اس کو ایسے پکڑا جیسے گود میں لیتے ہوں اور فرمایا لو لم أحتضنه لحنّ إلى يوم القيامة اگر اس کو میں اپنی گود میں نہ پکڑتا تو قیامت تک روتا رہتا، دارمی نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت رسول پاک ﷺ تشریف لائے اور حضور ﷺ نے اس پر اپنا دستِ شریف رکھا اور یہ فرمایا کہ اے ستون! تجھے اختیار ہے اگر چاہے تو میں تجھ کو وہیں نصب کردوں جہاں تو تھا اور تو تروتازہ ہو جائے اور اگر تو چاہے میں تجھ کو جنت میں نصب کردوں اور تو جنت کی نہروں اور چشموں سے سیراب ہو اور اولیاء اللہ تیرا پھل وہاں کھائیں تو اس نے دوسری صورت کو اختیار کرلیا، یہ معجزۂ محمدیہ ہے اور اس کا پرتو اولیاء امت میں بھی پایا گیا ہے۔

ایک ہندو راجہ کا واقعہ: کوئی بزرگ تھے ایک ہندو راجہ ان کا معتقد تھا ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا، ایک مرتبہ وہ اپنے کسی بت کے لئے بہت سے چڑھاوے لیکر ایک وقت مقرر پر جانے والا تھا تو حضرت سے بھی درخواست کی کہ آپ چلئے انہوں نے معذرت کی لیکن وہ نہیں مانا، بہر حال اصرار کرنے پر چلے گئے اور دور بیٹھ گئے اس نے جاکر حلوہ وغیرہ مورتی کو پیش کیا پھر وہ آیا تو ان بزرگ نے پوچھا کہ کیا کیا؟ تو کہا کہ چڑھاوا چڑھایا، پوچھا کچھ کھایا یا نہیں؟ تو کہا کہ حضور! مورتی نہیں کھاتی ہے، فرمایا کہ پھر سے جاؤ اور میرا نام لیکر کہو کہ انہوں نے کہا ہے کہ کھالے، چنانچہ اس پتھر کی مورتی نے منھ کھول دیا اور جو کچھ حلوہ وغیرہ تھا سب کھالیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ راجہ بھی مسلمان ہو گیا اور اس کے حشم وخدم بھی مسلمان ہو گئے۔

(ص ۱۲۵) بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِمًا

وقال أنس: بينا النبي ﷺ يخطب قائما.

۹۱۹. حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بن عمر عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُومُ كَمَا تَفْعَلُونَ الْآنَ.

ترجمہ: باب، کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا بیان۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اس درمیان کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، پھر بیٹھ جاتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے جیسا کہ تم لوگ اس وقت کرتے ہو۔

تشریح: یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر ہوگا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خطبہ میں قیام مشروع اور مطلوب ہے لیکن درجۂ مطلوبیت میں اختلاف ہے، (۱) حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ شرط ہے، یہی امام مالک سے ایک روایت ہے جس کو امام مازری نے اختیار کیا ہے، (۲) حنفیہ اور حنابلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سنت ہے، یہی مالکیہ کا ایک قول ہے جس کو قاضی عیاض نے اختیار کیا ہے، (۳) بہت سے مالکیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیام واجب ہے، علامہ ابو عبد اللہ الابی کے کلام سے کچھ ایسا نکلتا ہے کہ اس سلسلہ میں امام مالک سے کوئی تصریح نہیں ہے بس مشائخ کی اپنی اپنی تخریجات ہیں، مازری نے شرطیت کو اختیار کیا ہے اور دوسرے حضرات نے وجوب کو اختیار کیا ہے۔

بہر حال امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اصل خطبہ کی طرح اس کی کیفیت کو بھی لازم سمجھا ہے۔

جو لوگ قیام کو شرط قرار دیتے ہیں وہ قادر کے لئے، معذور تو بہر حال معذور ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت قادر کے لئے قیام کے شرط ہونے کی نقل کی گئی ہے، حنفیہ اگرچہ قیام کو شرط نہیں قرار دیتے ہیں لیکن بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینے کو مکروہ کہتے ہیں، صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

(ص ۱۲۵) بَاب اسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ إِذَا خَطَبَ

واستقبل ابن عمر وأنس الإمام.

۹۲۰. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ.

ترجمہ: باب، جب امام خطبہ دے تو لوگوں کو امام کی طرف رخ کرنا چاہئے۔

اور ابن عمرؓ اور انسؓ نے امام کی طرف رخ کیا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے اور ہم لوگ آپ کے گرد بیٹھے۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام جب خطبہ دے گا تو لوگ امام کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں گے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کا یہی عمل ہے۔

ابن منذر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تقریباً اجماعی ہے، پھر جمہور علماء کے نزدیک امام کی طرف رخ کرنا مستحب ہے اور مالکیہ اور بعض شافعیہ اس کو واجب کہتے ہیں، حسن بصری سے منقول ہے کہ وہ رو بہ قبلہ بیٹھتے تھے اور امام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، سعید بن مسیب کے متعلق بھی اسی طرح کی بات نقل کی گئی ہے، صاحبِ مبسوط نے لکھا ہے کہ اصل سنت تو یہی ہے کہ امام کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے، امام ابو حنیفہ کا معمول بھی یہی تھا لیکن اس وقت رسم ہو گئی ہے کہ لوگ رو بہ قبلہ بیٹھتے ہیں کیوں کہ بعد میں تسویۃ الصفوف میں دشواری ہوا کرتی ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے استقبال امام کے قول کی تائید کی ہے اور یہ جو رسم بن گئی ہے غالب گمان یہ ہے کہ اس کی تردید فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: مصنف نے روایت یہاں پر مختصر فرمادی ہے آئندہ یہ روایت مفصل طور پر اسی سند کے ساتھ ص۱۹۷ پر آرہی ہے اور وہاں حضور ﷺ کا خطبہ بھی آرہا ہے۔

وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ: ہم آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے، اس سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ جب امام خطبہ دے گا تو لوگ امام کا استقبال کریں گے اس لئے کہ استقبال ہی میں حول الامام بیٹھنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر لوگ صف بستہ ہوں اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے ہوں تو وہاں حول الامام بیٹھنے کی کیا صورت ہو گی؟

(ص ١٢٦) بَابُ مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ أَمَّا بَعْدُ

رواه عكرمة عن ابن عباس عن النبي ﷺ.

٩٢١. وَقَالَ مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ قُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ، قَالَتْ: فَأَطَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ جِدًّا حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ وَإِلَى جَنْبِي قِرْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ فَفَتَحْتُهَا فَجَعَلْتُ أَصُبُّ مِنْهَا عَلَى رَأْسِي، فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، قَالَتْ: وَلَغَطَ نِسْوَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْكَفَأْتُ إِلَيْهِنَّ لِأُسَكِّتَهُنَّ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ: مَا قَالَ؟ قَالَتْ: قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ إِلاَّ وقَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَإِنَّهُ قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ - أَوْ قَرِيبًا مِنْ - فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ - أَوْ قَالَ الْمُوقِنُ شَكَّ هِشَامٌ - فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هُوَ مُحَمَّدٌ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَآمَنَّا وَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا وَصَدَّقْنَا، فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ إِنْ كُنْتَ لَمُؤمنا بِهِ، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ - أَوِ الْمُرْتَابُ شَكَّ هِشَامٌ - فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: لاَ أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُ.

قَالَ هِشَامٌ: فَلَقَدْ قَالَتْ لِي فَاطِمَةُ فَأَوْعَيْتُهُ غَيْرَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ مَا يُغَلِّظُ عَلَيْهِ.

٩٢٢. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِمَالٍ - أَوْ بشيء - فَقَسَمَهُ فَأَعْطَى رِجَالاً وَتَرَكَ رِجَالاً، فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِينَ تَرَكَ عَتَبُوا فَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ أَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَوَاللهِ إِنِّي أُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي وَلَكِنْ أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا أَرَى فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ فِيهِمْ عَمْرُو

بْنُ تَغْلِبَ، فَوَاللهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ.

٩٢٣. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّوْا مَعَهُ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا.

تَابَعَهُ يُونُسُ.

٩٢٤. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ فَتَشَهَّدَ وَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ. تَابَعَهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَأَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ. تَابَعَهُ الْعَدَنِيُّ عَنْ سُفْيَانَ فِي أَمَّا بَعْدُ.

٩٢٥. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَمِعْتُهُ حِينَ تَشَهَّدَ يَقُولُ: أَمَّا بَعْدُ. تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

٩٢٦. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيلِ قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ الْمِنْبَرَ وَكَانَ آخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَهُ مُتَعَطِّفًا مِلْحَفَةً عَلَى مَنْكِبَيْهِ قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ بِعِصَابَةٍ دَسِمَةٍ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِلَيَّ، فَثَابُوا إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقِلُّونَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ فَمَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ فَاسْتَطَاعَ أَنْ يَضُرَّ فِيهِ أَحَدًا أَوْ يَنْفَعَ فِيهِ أَحَدًا فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ.

ترجمہ: باب، خطبہ میں حمد وثنا کے بعد أَمَّا بَعْدُ کہنے والے کا بیان۔

یہ بات عکرمہ نے ابن عباسؓ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔

(حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ والی روایت باب من أجاب الفتیا باشارة الرأس والید میں گزر چکی ہے)۔

البتہ آگے یہ ہے: ہشام نے بیان کیا کہ فاطمہ بنت منذر نے مجھ سے جو بیان کیا تھا میں نے اس سب باتوں کو یاد رکھا مگر یہ کہ انہوں نے منافق پر کی جانے والی سختی کا بھی ذکر کیا تھا (وہ یاد نہیں)۔

حضرت عمرو بن تغلبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال یا کوئی اور چیز آئی تو آپ نے اس کو تقسیم فرما دیا، چنانچہ کچھ لوگوں کو عطا فرمایا اور کچھ لوگوں کو چھوڑ دیا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ آپ نے جن لوگوں کو چھوڑ دیا ہے وہ رنجیدہ ہیں، چنانچہ آپ نے پہلے اللہ کی حمد اور اس کی ثنا بیان کی پھر أَمَّا بَعْدُ کے بعد فرمایا کہ خدا کی قسم! بے شک میں ایک انسان کو عطا کرتا ہوں اور ایک انسان کو چھوڑ دیتا ہوں اور جس شخص کو میں چھوڑ دیتا ہوں وہ میرے نزدیک اس شخص سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے میں دیتا ہوں لیکن میں کچھ لوگوں کو اس لئے دیتا ہوں کہ میں ان کے دلوں میں بے صبری اور بے چینی کو محسوس کرتا ہوں اور کچھ لوگوں کے بارے میں اس چیز پر اعتماد کر لیتا ہوں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں بے نیازی اور خیر کو پیدا فرمایا ہے، اور انہیں لوگوں میں عمرو بن تغلب بھی ہیں، عمرو بن تغلبؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی محبوب نہیں ہیں۔

(حضرت عائشہؓ والی روایت باب إذا کان بین الإمام وبین القوم حائط أو سترة میں گزر چکی)۔

آگے ہے: یونس نے بھی عقیل کی ابن شہاب سے روایت کرنے میں متابعت کی ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات کو عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہوئے پھر تشہد پڑھا اور اللہ کی وہ ثنا بیان کی جس کا وہ سزاوار ہے پھر فرمایا أَمَّا بَعْدُ۔

زہری کے ساتھ ابو معاویہ اور ابو اسامہ نے بہ سند عن ہشام عن ابیہ عن ابی حمید یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے أَمَّا بَعْدُ فرمایا، اور محمد بن یحیٰ عدنی نے سفیان سے أَمَّا بَعْدُ کی روایت میں ابو الیمان کی متابعت کی ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے تو میں نے سنا کہ جب آپ نے تشہد پڑھا تو اس کے بعد أَمَّا بَعْدُ فرمایا، محمد بن ولید زبیدی نے زہری سے اس حدیث کی نقل میں شعیب کی متابعت کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (مرض الوفات میں) منبر پر چڑھ کر بیٹھے اور یہ آپ کا منبر پر آخری مرتبہ بیٹھنا تھا، صورت یہ تھی کہ آپ اپنے شانوں پر چادر ڈالے ہوئے تھے اور سر مبارک پر آپ نے سیاہ کپڑا باندھ رکھا تھا، پھر آپ نے اللہ کی حمد اور ثنا بیان کی پھر آپ نے فرمایا اے لوگو! میرے قریب آجاؤ، چنانچہ لوگ تیزی کے ساتھ آپ کے پاس جمع ہوگئے، پھر آپ نے فرمایا أَمَّا بَعْدُ بے شک انصار کا یہ قبیلہ تعداد میں کم ہو جائے گا اور دوسرے حضرات کی تعداد زیادہ

ہو جائے گی، تو جو شخص امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی چیز کا حاکم ہو اور وہ اس بات پر قادر ہو کہ کسی کو نقصان یا نفع پہنچا سکے تو اس کو چاہئے کہ انصار کے نیک لوگوں کی نیکیاں قبول کرے اور ان کے برے لوگوں کی برائی سے درگزر کرے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی غرض میں اختلاف ہے، کئی اقوال ہیں۔

(۱) علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے **من قال فی الخطبة بعد الثناء أما بعد فقد اتبع السنة**، اور فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مَنْ موصولہ ہو اور اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

(۲) امام نووی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ خطبہ میں **أما بعد** کہنا مستحب ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کی روایات بکثرت نقل کی گئی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان خطبوں میں **أما بعد** کہنا منقول ہے، حافظ عبد القادر رُہاوی نے **الأربعین المتابینة** میں بتیس (۳۲) صحابہ کرام کی روایتیں نقل کی ہیں، ایک روایت مسور بن مخرمہؓ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں **کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذا خطب خطبة قال أما بعد**، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے رجال ثقات ہیں اور اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں **أما بعد** کہنے پر مواظبت فرماتے تھے۔

(۳) ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہاں پر **أما بعد** کا ترجمہ منعقد کیا ہے اور ابوابِ کسوف میں بھی، اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر اس لفظ کا کہنا مکروہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ احادیث میں وارد ہوا ہے **اللهم لک الحمد حمداً دائماً مع دوامک اللهم لک الحمد حمداً خالداً مع خلودک اللهم لک الحمد حمداً لا منتهى له** اس کا تقاضہ یہ ہے کہ حمد میں انقطاع نہ ہو اور **أما بعد** سے انقطاع کا ایہام ہوتا ہے لہٰذا اسے مکروہ اور ناجائز ہونا چاہئے، مصنف نے یہ ترجمہ منعقد کر کے بتلا دیا کہ اگر حمد و ثناء کے بعد **أما بعد** کہا جائے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے اور **حمداً دائماً مع دوامک** اور **حمداً خالداً مع خلودک** کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ یہاں لفظاً انقطاع ہو رہا ہے، باقی اگر کوئی کہے **اللهم لک الحمد حمداً دائماً مع دوامک** اور اس کے بعد کہتا ہے **أما بعد** تو دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صادق آتی ہیں، کوئی اشکال نہیں ہوتا ہے حمد خالد بھی کہی جا رہی ہے اور **أما بعد** بھی کہا جا رہا ہے۔

(۴) حافظ ابن حجر اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۂ جمعہ کی تفصیل اور کوئی ایسی حدیث مصنف کو نہیں ملی جو ان کی شرط کے مطابق ہو لہٰذا انہوں نے ثناء اور اس لفظ کے ذکر پر اکتفاء کر لیا جو

فصل کے لئے کہا جاتا ہے۔

(۵) بندہ کا خیال بھی اسی کے قریب قریب ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مضمون خطبہ کی طرف اشارہ کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ حمد وثناء اور شہادتین اور فصل خطاب أما بعد پر مشتمل ہوگا اور اس کے بعد ایسا مضمون ذکر کیا جائے گا جو حاضرین کے حال کے مطابق اور ان کے لئے نفع بخش ہو اور جس کے وہ محتاج ہوں یا جس کی ان کو اس وقت ضرورت ہو یا جو چیز اس وقت ان کیلئے انفع ہو۔

نیز امام بخاری نے اس سے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خطبہ میں ایک تسبیح وتحمید کافی ہے وھذا القول مذھب أبی حنیفۃ ورواہ ابن عبد الحکم عن مالک، جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ خطبہ میں یہ شرط ہے کہ وہ پانچ اجزاء سے مرکب ہو حمد، صلوۃ، تلاوۃ، تذکیر اور دعاء۔

امام بخاری نے اس کے ثابت کرنے کے لئے چھ روایتیں ذکر کی ہیں اور تمام روایات میں أما بعد کی تصریح کے ساتھ حدیث اول میں حمد کا ذکر ہے، حدیث ثانی وثالث وسادس میں ثناء کا ذکر ہے، حدیث خامس میں شہادتین کا تذکرہ ہے، اور حدیث ثانی وثالث وسادس میں تھوڑا سا خطبہ مذکور ہے، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ خطبہ: ثناء اللہ تعالیٰ، شہادتین اور أما بعد کے ذکر پر مشتمل ہوگا اور پھر ایسا مضمون ذکر کیا جائے گا جس کی لوگوں کو احتیاج ہو، ایک دو کلمہ کہہ دینا سبحان اللہ الحمد للہ کہہ دینا خطبہ نہیں کہلاتا ہے، لیکن امام اعظم نے آیت کریمہ ﴿فَاسْعَوْا إِلَی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ کے اطلاق پر عمل فرمایا ہے۔

خطبہ نمازِ جمعہ کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ ائمۂ اربعہ فرماتے ہیں کہ شرط ہے، داؤد ظاہری، حسن بصری اور ابن حبیب مالکی کہتے ہیں کہ شرط نہیں ہے اور یہ قول امام مالک سے بھی نقل کیا جاتا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ سے کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے منقول نہیں ہے۔

پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا ایک خطبہ شرط ہے یا دو خطبے؟ صاحبین، اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری اور ابن قاسم مالکی کہتے ہیں کہ ایک خطبہ شرط ہے، ائمۂ ثلاثہ مالک، شافعی اور احمد فرماتے ہیں کہ دو خطبے شرط ہیں، امام بخاری اس مسئلہ میں ائمۂ ثلاثہ کے ہم خیال ہیں اور اسی لئے امام بخاری نے آگے چل کر کے بَابُ الْقَعْدَۃِ بَیْنَ الْخُطْبَتَیْنِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔

وَقَالَ مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: یہ روایت کتاب العلم اور کتاب الوضوء میں گزر چکی ہے، کتاب العلم میں بَابُ مَنْ أَجَابَ الْفُتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ میں اور کتاب الوضوء میں بَابُ مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ میں گزری ہے۔

وَإِنَّهُ قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ: یہ امتحان اس امت کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ امتحانِ قبر اور سوالِ قبر اس امت کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ امم سابقہ کے ساتھ تو خدائے پاک کا معمول یہ تھا کہ جب فرستادۂ خداوندی آتا ان کو ہدایت دیتا اگر وہ ایمان لاتے تو ٹھیک اور اگر ایمان نہ لاتے تو عذاب الٰہی آکر ان کا خاتمہ کر دیتا تھا، لیکن سرور عالم ﷺ کی بعثت کی وجہ سے عذاب عام موقوف کر دیا گیا اس کے بجائے قبر میں ان کا امتحان کیا جائے گا جو کامیاب نہیں ہیں وہ معذب ہونگے، لیکن علامہ ابن قیم کی رائے یہ ہے کہ سوالِ قبر بظاہر عام ہے جیسے اس امت سے اس کے نبی اور خدائے پاک کی ربوبیت کے متعلق سوال کیا جائے گا ایسے ہی دیگر امتوں سے بھی ان کے نبیوں کے متعلق سوال کیا جاتا ہو گا۔

أَوْ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ: یعنی نہایت خوفناک اور خطرناک فتنہ ہو گا۔

يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا یقین تھا یعنی اس کو کیا سمجھتے تھے؟

اس ھذا کے مشار الیہ میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) حافظ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں یہ لکھا ہے کہ یہ اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہے، علامہ طیبی سے بھی بعض حضرات نے یہ قول نقل کیا ہے۔

(۲) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے میت کے سامنے آنحضور ﷺ کی مثال پیش کی جاتی ہو۔

(۳) اور ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ کا نام نامی لیکر سوال کیا جاتا ہو، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہی اظہر ہے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ مسند احمد کی بعض روایات سے یہی متعین معلوم ہوتا ہے، حضرت اسماءؓ ہی کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو ایک فرشتہ آتا ہے اور اس کو پوچھتا ہے ما کنت تقول فی ھذا الرجل؟ قال: من؟ وہ پوچھتا ہے کون؟ قال: محمد، وہ کہتا ہے کہ محمد

کے بارے میں، اسی طرح سے یہ لفظ مسند احمد میں واقع ہوا ہے، اس کے علاوہ اور بھی احتمالات ہیں۔

(۴) مثلاً بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ پردہ ہٹا دیا جائے گا اور ہر میت وہیں سے حضور ﷺ کا مشاہدہ کریگا، عارف بن ابی جمرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۵) ایک احتمال یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی آمد سے اس میت کو مشرف فرماتے ہیں، لیکن یہ بہت ہی بعید اور دور کا احتمال معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ ہر قبر والے کے پاس تشریف لائیں، ایک وقت میں ہزاروں لوگ مرتے اور قبر میں دفن کئے جاتے ہیں، اگرچہ قدرت الٰہیہ سے یہ چیز بعید نہیں مگر آپ کے رتبۂ عالی کے پیش نظر یہ چیز بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے۔

شَكُّ هِشَام: اس روایت میں تو یہ ہے کہ مؤمن یا موقن کہنے میں اور اسی طرح سے منافق یا مرتاب کہنے میں ہشام کو شک ہوا لیکن اس روایت کے دوسرے طرق میں یہ وارد ہے کہ فاطمہ بنت منذر کو شک ہوا اور یہی اس روایت کے اکثر طرق میں وارد ہوا ہے، علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے دونوں کو شک ہوا ہو لیکن ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شک فاطمہ کو ہوا ہے اس لئے کہ یہی اکثر روایات میں وارد ہوا ہے اور ہشام کی طرف شک کی نسبت کرنی مرجوح ہے۔

فَيَقُولُ لَا أَدْرِي: منافق سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا کیا یقین تھا؟ وہ کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا سوالِ قبر اہل قبلہ کے ساتھ مختص ہے چاہے وہ مُحِق ہوں جیسے مؤمنین مخلصین یا مُبطِل ہوں جیسے منافقین، یا اہل قبلہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ ہر فرد امت سے سوال ہوگا چاہے وہ امتِ اجابت کا فرد ہو یا امتِ دعوت کا فرد ہو۔

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ سوال مختص باہل القبلہ ہے، حکیم ترمذی، ابوالعباس قرطبی، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ یہ عام ہے جیسے مؤمن و منافق سے سوال کیا جائے گا ایسے ہی کافر و مشرک سے بھی سوال کیا جائے گا۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں الکافر والمنافق واو جمع کے ساتھ وارد نہیں ہوا ہے بلکہ صیغۂ أو کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ راوی کو لفظ میں شک ہے، باقی اگر کافر کا لفظ ہے تو اس سے بھی منافق ہی مراد ہے، مگر سیوطی کی یہ بات صحیح نہیں اس لئے کہ بخاری شریف میں باب عذاب القبر میں

ایک روایت آرہی ہے اس میں کافر و منافق کو ایک ساتھ واو عاطفہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ بخاری کی حدیثوں میں اختلاف ہے اسی لئے یہ قصہ پیش آیا ہے، سیوطی انکار کرتے ہیں اور ابن قیم کہتے ہیں کہ ساتھ وارد ہوا ہے، حافظ ابن حجر کہیں تو واو کا اثبات کرتے ہیں اور کہیں اس کے خلاف کہتے ہیں۔

قَالَتْ لِي فَاطِمَةُ فَأَوْعَيْتُهُ: أوعيته أي أدخلته في وعاء قلبي اور بعض نسخوں میں ہے فوعيته أي فحفظته، اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہشام یوں کہتے ہیں کہ فاطمہ نے مجھ سے جو فرمایا وہ سارا میں نے یاد کر لیا لیکن ایک مضمون انہوں نے ذکر کیا تھا اور وہ ہے تغلیظ علی الکافر کا وہ مجھے محفوظ نہیں رہا، اور بعض نسخوں میں ہے قالت لی فاطمة ما وعيته غير أنها ذكرت ما يغلظ عليه اس صورت میں بھی مطلب وہی ہوگا یعنی فاطمہ نے مجھ سے جو کچھ بات کہی تھی اس کے الفاظ تو مجھے یاد رہے نہیں ہاں مضمون اس کا یہ ہے کہ کافر پر تغلیظ اور تشدید کی جائے گی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ: یہ سند غریب ہے، عمرو بن تغلبؓ سے صرف حسن بصری ناقل ہیں۔

کیا بخاری کی ہر حدیث عزیز ہے؟ امام حاکم وغیرہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ ان کی رائے یہ تھی کہ بخاری کی شرط یہ تھی کہ حدیث عزیز ہونی چاہئے یعنی ہر طبقہ میں اس کے دو ناقل ہوں۔

اس پر علماء نے قدیماً وحدیثاً نقد کیا ہے اور ابن جوزی وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے، اس لئے کہ بخاری کی بہت سی روایات غریب کی قسم میں داخل ہے اور ان کا ایک ہی راوی ہے، انہیں احادیث میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ عمرو بن تغلبؓ سے سوائے حسن بصری کے اور کوئی نقل نہیں کرتا ہے۔

لیکن بعض علماء جیسے ابو علی غسانی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حاکم کا یہ مقصد نہیں کہ خاص اس روایت کے ناقل درجۂ عزیز کے ہوں اور ہر طبقہ میں دو ہوں بلکہ حاکم کا مقصد تو یہ ہے کہ حدیث کا راوی درجۂ جہالت سے نکلا ہوا ہو اور اس سے کم سے کم دو شاگرد روایت کرتے ہوں۔

حافظ ابن حجر کا کلام مختلف سا ہے نکت ابن الصلاح میں تو انہوں نے ابن مواق کی اتباع میں غسانی کی اس رائے کی تردید کی ہے اور وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں لیکن فتح الباری میں اخبار الآحاد کی شرح کرتے ہوئے انہوں نے حاکم کے کلام کی یہی توجیہ کی ہے جو ابھی میں غسانی سے نقل کر آیا ہوں۔

فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِينَ تَرَكَ عَتَبُوا: حضور اکرم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو حضور اکرم ﷺ نے نہیں دیا وہ آنحضور ﷺ پر ناراض ہیں، یہ ناراضگی اگر منافقین کی ہے تب تو یہ اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اگر غیر منافقین کی ہے تو طبعی رنج اس سے مراد ہے اور طبعی رنج ایسی چیز ہے کہ اس سے بچ جانا بڑا مشکل ہے۔

إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ: حضور ﷺ نے ان رنجیدہ ہونے والوں کی تسلی فرمائی اور فرمایا کہ نہ دینے کی وجہ یہ نہ سمجھو کہ میرا ان سے زیادہ تعلق ہے، بعض وقت بعض آدمی کو دیتا ہوں اور بعض کو نہیں، جس کو نہیں دیتا ہوں وہ میرے نزدیک محبوب ہوتا ہے لیکن میں جو بعض لوگوں کو دیتا ہوں وہ اس لئے کہ ان کے قلوب میں جزع بے صبری، هلع گھبراہٹ ہوتی ہے، اگر ان کو نہ دیا جائے تو ان کو اسلام کے اوپر رسوخ نہ ہوگا اس لئے میں ان کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے دیتا ہوں تاکہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔

وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الغِنَى وَالخَيْرِ: اور بہت سے لوگوں کو ان کے اس قلبی غنیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں جو حق تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ودیعت کر رکھا ہے، پھر فرمایا **فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ** انہیں لوگوں میں حضرت عمرو بن تغلب ؓ بھی ہیں، حق تعالیٰ نے ان کے قلب میں غنٰی اور خیر ڈال دیا ہے، حضرت عمرو بن تغلب ؓ فرماتے ہیں **فَوَاللهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ** خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ آپ کے اس کلمۂ شریفہ کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ ملتے، یہ کلمۂ شریفہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے اور حمر نعم کا تعلق دنیا سے ہے **وَالآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى**۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: یہ حدیث اسی سند و متن سے کتاب الصوم میں باب فضل من قام رمضان میں آرہی ہے، لیکن وہاں اس کے ساتھ ایک اور سند ذکر کی ہے البتہ سیاق یحیٰی ہی کا ہے۔

فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ: تمہارا یہاں ہونا مجھ پر مخفی نہیں تھا لیکن میں نہیں نکلا اس خطرے سے کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔

اس پر ایک مشہور اشکال اور اس کا جواب ماقبل میں بیان کر چکا، اشکال یہ ہے کہ لیلۃ المعراج میں اللہ میاں نے پچاس کی پانچ کر کے یہ فرما دیا تھا هن خمس وهن خمسون لا يبدل القول لدی تو پھر سرکار دوعالم ﷺ کو یہ خطرہ کیسے لاحق ہوا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے، اس کے وہاں میں نے متعدد جوابات دیئے تھے۔

ایک جواب یہ دیا تھا کہ کرمانی یوں فرماتے ہیں کہ لا یبدّل کا تعلق نقص سے ہے یعنی اس سے کمی نہیں ہوگی

باقی اس پر اضافہ ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ لایبدّل کا تعلق نقص اور اضافہ دونوں ہی سے ہے پھر یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خشیت ظاہر کی اس کا منشاء کیا؟

علماء نے اس کی مختلف وجہیں بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اصل میں اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول کی سفارش کی وجہ سے پچاس کی پانچ کردی تھی اب جس امت کے لئے سفارش کی گئی اگر وہ امت ہی خود اپنے ذمہ کوئی نماز لازم کرلے تو کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو ان پر لازم کر دیا جائے وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ رہبانیت اللہ کی طرف سے ابتداءً حتمی اور فرض نہیں ہوئی تھی لیکن انہوں نے اختیار کرلیا تو لازم ہوگئی، اور ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ خاص رمضان میں فرض کردی جائے، یا مساجد میں فرض کردی جائے، یا یہ کہ اس کو فرض کفایہ بنادیا جائے۔

تَابَعَهُ يُونُسُ: متابعت کی ہے عقیل کی یونس نے، تَابَعَهُ کی ضمیر منصوب عقیل کی طرف عائد ہو رہی ہے، کس چیز میں متابعت مطلوب ہے؟ حافظ خلف واسطی اور حافظ جمال الدین مزی فرماتے ہیں کہ لفظِ أما بعد میں متابعت کا بتلانا مقصود ہے، حافظ قطب الدین حلبی اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ أما بعد ہی کی کیا تخصیص ہے جیسے عقیل نے مکمل روایت نقل کی ہے یونس نے بھی مکمل روایت نقل کی ہے اور یونس کی یہ روایت امام مسلم نے موصولاً تخریج فرمائی ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ حافظ خلف واسطی اور حافظ مزی کی بات صحیح ہے، مگر سوال یہ ہے کہ روایت میں یونس ہی کی کیا تخصیص ہے امام مالک بھی یہ روایت نقل کرتے ہیں پھر یونس کو خاص طور سے ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ ابن شہاب زہری سے یہ روایت عقیل بن خالد، یونس بن یزید ایلی اور امام مالک نقل کرتے ہیں، امام مالک جب یہ روایت نقل کرتے ہیں تو اس میں أما بعد کا لفظ نقل نہیں کرتے ہیں اور عقیل أما بعد کا لفظ نقل کرتے ہیں، اب ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی یہ سمجھے کہ أما بعد کی زیادتی عقیل کے اوہام میں سے ہے اس لئے کہ مالک کے مقابلہ میں تنہا عقیل کی حیثیت کیا ہوسکتی ہے اگرچہ عقیل بھی اپنی جگہ بڑے عالم وحافظ ہیں، تو امام بخاری نے یہ بتلادیا کہ عقیل اس حدیث زہری میں أما بعد کے نقل کرنے میں منفرد نہیں ہے بلکہ یونس ایلی نے ان کی متابعت وموافقت فرمائی ہے، اچھی طرح سے سمجھ لو کہ مرادِ بخاری کے سمجھنے میں ابن حجر

اور قطب الدین کو لغزش ہو گئی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: مصنف نے یہاں تو اس حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے أما بعد کو ثابت کرنے کے لئے، باقی مکمل حدیث اسی سند کے ساتھ کتاب الأیمان والنذور میں ص ۹۸۱ پر آرہی ہے۔

تَابَعَهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ: تَابَعَهُ کی ضمیر منصوب کس کی طرف عائد ہے؟ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ زہری کی طرف عائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جیسے یہ روایت زہری نقل کرتے ہیں عروہ سے ایسے ہی ان کے متابع ابو معاویہ اور ابو اسامہ ہیں وہ لوگ عن هشام عن عروة نقل کرتے ہیں۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم اور حضرت گنگوہی کی رائے ہے کہ ضمیر منصوب شعیب کی طرف عائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جیسے یہ روایت شعیب عن الزهری عن عروة نقل کرتے ہیں ایسے ہی ابو معاویۃ اور ابو اسامہ عن هشام عن عروة نقل کرتے ہیں، اسی کو صاحبِ تیسیر شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اختیار کیا ہے۔

تَابَعَهُ الْعَدَنِيُّ عَنْ سُفْيَانَ: تَابَعَهُ کی ضمیر منصوب ابو الیمان کی طرف عائد ہے۔

اور سفیان اور عدنی کون ہیں اس میں اختلاف ہے، اس لئے کہ دو سفیان ہیں اور دو عدنی، ایک ہیں سفیان ثوری اور ان سے نقل کرتے ہیں عبد اللہ بن الولید العدنی، اور دوسرے ہیں سفیان بن عیینہ ان سے نقل کرتے ہیں محمد بن یحیی العدنی، سفیان ثوری کی روایت امام اسماعیلی نے موصولاً تخریج کی ہے اور سفیان بن عیینہ کی روایت امام مسلم نے موصولاً تخریج کی ہے۔

علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ یہاں سفیان سے مراد ابن عیینہ ہے اور عدنی سے مراد محمد بن یحیی العدنی ہے، حافظ ابن حجر کا کلام مختلف ہے، تہذیب التہذیب میں تو ان کا رجحان اسی طرف ہے انہوں نے سفیان کی تفسیر ابن عیینہ سے اور العدنی کی تفسیر محمد بن یحیی سے کی ہے اور ثانی کو لکھ کر فرمایا وهو محتمل، لیکن فتح الباری میں اس کا عکس کیا ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ سفیان سے مراد ثوری ہیں اور العدنی سے مراد عبد اللہ بن الولید ہیں وإن شاء اللہ هو الأقرب۔

قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَسَمِعْتُهُ حِينَ تَشَهَّدَ: یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو مصنف نے اسی سند کے ساتھ مناقب میں بَابُ ذِكْرِ أَصْهَارِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم میں ذکر فرمایا ہے۔

صَعِدَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمِنْبَرَ وَكَانَ آخِرَ مَجْلِسٍ: یہ واقعہ پنج شنبہ کے دن کا ہے، امام مسلم نے حضرت جندبؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پنج شنبہ کے دن منبر پر تشریف لائے اور آپ نے خطبہ دیا، اور حضرت انسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین دن اندر ہی رہے اور نکل نہیں سکے اور پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شنبہ کے دن وفات ہوگئی، ان دونوں روایتوں کو ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ وفات سے پانچ دن پہلے کا یہ قصہ ہے۔

مُتَعَطِّفًا مِلْحَفَةً عَلَى مَنْكِبَيْهِ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر کو اپنے مونڈھوں پر لپیٹے ہوئے تھے۔

قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ: آپ نے اپنا سر ایک پٹی سے باندھ رکھا تھا۔

بِعِصَابَةٍ دَسِمَةٍ: دَسِمَة وہ پٹی سیاہ تھی۔

ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِلَيَّ: فرمایا لوگو! میری طرف آؤ۔

فَثَابُوا إِلَيْهِ: لوگ آپ کی طرف ٹوٹ پڑے۔

ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ: پھر آپ نے فرمایا أما بعد یعنی حمد وثناء کے بعد، اور پھر اگلا مضمون ارشاد فرمایا۔

یہ اس باب کی آخری حدیث ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر حدیث میں خطبہ میں أما بعد کہنا منقول ہے۔

سب سے پہلے أما بعد کس نے کہا ہے؟ اس متعلق کلام میں ما قبل میں کر چکا ہوں، (۱) مشہور یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے کہا ہے، (۲) بعض روایات میں حضرت یعقوبؑ کا نام ہے، (۳) بعض کہتے ہیں کہ یعرب بن قحطان نے کہا ہے، (۴) بعضوں نے کہا ہے سحبانِ وائل نے کہا ہے، (۵) بعض کہتے ہیں کہ قس بن ساعدہ نے کہا ہے، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور بڑا اختلاف ہے۔

وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ میں فصل خطاب کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد أما بعد ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے فصل کیا جاتا ہے حمد وثناء کے مضمون کا آنے والے مضمون سے، یا یوں کہئے کہ آنے والے مضمون کا فصل کیا جاتا ہے حمد وثناء کے مضمون سے۔

فَإِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ: انصار کم ہو جائیں گے اور لوگ بڑھتے جائیں گے، خاص طور سے اس خطبہ کی وجہ دوسری روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ انصار ایک جگہ بیٹھے رو

رہے تھے اور آنحضور ﷺ کی مجالس کا تذکرہ فرما رہے تھے، رحمت عالم ﷺ کا قلب مبارک اس سے متاثر ہوا اور باوجود مرض شدید کے آپ منبر شریف پر تشریف لائے اور بہت سی ہدایات فرمائیں اور حضرات انصار کے متعلق بھی کچھ ہدایات فرمائیں اور ارشاد ہوا فَإِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقِلُّونَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ انصار کا یہ قبیلہ تو کم ہو جائے گا اور لوگ بڑھ جائیں گے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے اور ایک معجزہ ہے اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا، یہی علامہ عینی اور قسطلانی وغیرہ نے بیان کیا ہے، علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اصل میں اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی مدد کی اور اپنے یہاں آپ کو اور آپ کے صحابہ کو مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ظاہر ہے کہ یہ صفت یعنی ایواء ونصرت ان کے ساتھ خاص تھی اور جب وہ لوگ ختم ہو گئے تو ان کے ساتھ یہ صفت بھی جاتی رہی، لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں انصار کی کیا خصوصیت ہے مہاجرین کا بھی یہی حال ہے اس لئے کہ مہاجرین وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر اپنے اوطان کو چھوڑا تھا اور جب وہ ختم ہو گئے تو ان کے ساتھ ان کی صفت بھی ختم ہو گئی اسی لئے علامہ طیبی نے مطلب اول کو راجح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے ایک تیسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ انصار صرف ایک مخصوص قبیلہ کا نام ہے اور آئندہ اسلام میں اضافہ ہو گا دائرۂ اسلام وسیع ہو گا عرب وعجم کے قبائل داخل اسلام ہوں گے جس کی وجہ سے غیر انصار بدرجہا بڑھ جائیں گے اور انصار مختصر سے رہ جائیں گے۔

فَمَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ: جو آدمی امت محمد ﷺ کی کسی بات کا والی اور ذمہ دار یعنی امیر المؤمنین ہو یا کسی جگہ کا حاکم ہو یا اور کسی طرح سے ذمہ دار ہو اور وہ کسی کو ضرر یا نفع پہنچا سکتا ہو تو فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ انصار کے محسنین کا احسان قبول کرے اور ان کی اچھی باتوں کو قبول کرے اور اگر ان میں سے کسی سے اساءت ہو جائے تو ان سے درگزر کا معاملہ کرے۔

(ص ۱۲۷) بَابُ الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۹۲۷. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ

قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن دو خطبہ دیتے تھے، ان کے درمیان بیٹھتے تھے۔

تشریح: دونوں خطبوں کے مابین بیٹھنا ائمۂ ثلاثہ کے یہاں سنت ہے، امام شافعی کے نزدیک واجب ہے اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے۔

زین بن منیر کہتے ہیں کہ امام بخاری نے حکم کی کوئی تصریح نہیں کی اس لئے کہ اس کا دارومدار فعل پر ہے اور فعل میں عموم نہیں ہوتا ہے، لیکن یہ تقریر ضعیف ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال عموم رکھتے ہیں ان کے افعال امت کے لئے اسوہ اور حجت ہوتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بظاہر امام بخاری جیسے اصل خطبہ کو واجب کہتے ہیں ایسے ہی جلوس مابین الخطبہ کو بھی واجب کہتے ہیں، شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ جلوس فصل بین الخطبتین یعنی دونوں خطبوں میں فرق کرنے کے لئے ہے، حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ استراحت کے لئے ہے یہی شافعیہ کا ایک قول ہے لیکن ان کا اظہر قول پہلا ہی ہے، مالکیہ کہتے ہیں کہ اس کا مقصد دونوں باتیں ہیں۔

(ص ۱۲۷) بَابُ الِاسْتِمَاعِ إِلَى الْخُطْبَةِ

۹۲۸. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ.

ترجمہ: باب، خطبہ کو غور سے سننے کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ یہ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے فلاں شخص آیا، پھر فلاں آیا اور سب سے پہلے آنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے اونٹ کی نذر پیش کی، پھر اس شخص کی طرح جس نے گائے کی نذر پیش کی پھر مینڈھے کی، پھر مرغی

کی، پھر انڈے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو وہ اپنے صحیفے بند کر دیتے ہیں اور خطبہ کو غور سے سنتے ہیں۔

تشریح: جس وقت خطبہ شروع ہو جائے حاضرین کو اس کو سننا چاہئے۔

یہ استماع امام شافعی کے مشہور قول پر سنت اور جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے، اور ایک قول حنفیہ اور حنابلہ کا یہ ہے کہ جو قریب ہو اس کے ذمہ واجب ہے جو بعید ہے اس کے ذمہ واجب نہیں ہے اور وہ شخص ایسی حالت میں قرآن پڑھ سکتا ہے تسبیح پڑھ سکتا ہے، علامہ ابن منذر نے امام شافعی، احمد اور اسحاق سے بھی نقل کیا ہے البتہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے نہ پڑھے اس لئے کہ حاضرین کو تشویش ہو گی، بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ جو دور بیٹھا ہو وہ حلقۂ علم قائم کر سکتا ہے لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ سامعین کو تشویش ہو گی۔

وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ: اس سے مصنف نے ترجمہ اخذ کیا ہے جب فرشتے غیر مکلف ہونے کے باوجود استماع ذکر یعنی خطبہ کا اہتمام کرتے ہیں تو جو لوگ مکلف ہیں ان کے ذمہ تو بدرجۂ اولیٰ استماع کا اہتمام ہو گا۔

(ص ۱۲۷) بَابُ إِذَا رَأَى الْإِمَامُ رَجُلًا جَاءَ وَهُوَ يَخْطُبُ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

۹۲۹. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ؟ فَقَالَ: لَا، قَالَ: قُمْ فَارْكَعْ.

ترجمہ: باب، اگر کسی شخص کو خطبہ کے دوران آتا ہوا دیکھے تو امام اس کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے فلاں! کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ تو اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

تشریح: امام نے خطبہ دیتے ہوئے کسی آدمی کو دیکھا تو آنے والے کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دے، اس ترجمہ کا تعلق تو امام سے ہے، اور اگلا باب مصنف نے ذکر کیا ہے بَابُ مَنْ جَاءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ اگر کوئی خطبہ کے وقت آئے تو ہلکی رکعتین پڑھ لے، اس کا تعلق آنے والے سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمہ میں تو یہ بتلایا ہے کہ امام کو یہ چاہئے کہ داخل ہونے والے کو تحیۃ المسجد کا حکم دے اس کو ترغیب دے اور تلقین کرے، اور اگلے آنے والے باب سے یہ بتلایا ہے کہ آنے والے کو خود پڑھنا چاہئے مگر رکعتین خفیف ہونی چاہئیں۔

خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ پڑھنا چاہئے مستحب ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک اس وقت پڑھنے سے منع کرتے ہیں، امام بخاری نے اس مسئلہ میں فریق اول کی تائید کی اور دونوں باب میں حضرت جابرؓ کی روایت ذکر کی قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ۔

جو لوگ تحیۃ المسجد کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے وقت سماع الی الخطبہ مطلوب ہے، مفسرین کے ایک قول پر آیتِ کریمہ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے، حضور اکرم ﷺ نے خطبہ کے وقت امر بالمعروف سے جو واجب ہے منع فرمادیا اور أنصِت کہنے والے کو لاغی قرار دیا، تحیۃ المسجد تو مستحب ہی ہے تو خطبہ کو چھوڑ کر اس میں مشغول ہونے کی اجازت کہاں سے ہو سکتی ہے۔

اسی طرح ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جو تخطی رقاب کر رہا تھا تو فرمایا اجلِس فقد آذیتَ اس کو آپ نے تحیۃ المسجد کا حکم نہیں فرمایا۔

رہ گئی حضرت جابرؓ کی یہ روایت تو اس کا مالکیہ اور حنفیہ کی طرف سے مختلف طریقہ سے جواب دیا گیا ہے، ایک جواب یہ کہ جس وقت یہ شخص داخل ہوا تو رسول پاک ﷺ نے ان کی رعایت میں خطبہ موقوف کر دیا اور جب یہ فارغ ہو گیا پھر اس کے بعد خطبہ شروع فرمایا رواہ الدارقطنی، لیکن اس کی سند میں وصلاً وارسالاً اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ روایت سلیمان تیمی سے نقل کی جاتی ہے اور وہ صغار تابعین میں ہیں، یا تو روایت مرسل ہے اور یا معضل ہے، ابن ابی شیبہ نے بطریق ابی معشر عن محمد بن قیس یہی مضمون نقل کیا ہے لیکن ابو معشر السندی ضعیف راوی ہے۔

مگر اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر سنت یہ ہونی چاہئے کہ خطیب تحیۃ المسجد پڑھنے والے کے لئے اپنا خطبہ موقوف کر دے اور اسکے فارغ ہونے کے بعد شروع کرے حالانکہ یہ مالکیہ اور حنفیہ کے یہاں مشروع نہیں ہے، اس کا جواب (۱) اصل میں رسول پاک ﷺ نے خطبہ موقوف کیا تھا تحیۃ المسجد کی

اہمیت بتلانے کے واسطے، یہ مطلب نہیں کہ جب خطیب خطبہ کہہ رہا ہو اور کوئی داخل ہو جائے تو خطیب اپنا خطبہ موقوف کر کے اس کو تحیۃ المسجد پڑھانے میں مشغول کر دے، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ محض تحیۃ المسجد کی اہمیت تو آنحضور ﷺ دوسرے اور انداز سے بھی بیان فرما سکتے تھے۔

(۲) دوسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے خطبہ کے وقت اس سے گفتگو شروع کر دی تو اب سماع ساقط ہو گیا لہذا اب اگر کوئی تحیۃ المسجد پڑھ لے تو کیا حرج کی بات ہوئی؟

قاضی ابن عربی کہتے ہیں کہ یہی سارے اجوبہ میں سب سے زیادہ قوی جواب ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت ضعیف جواب ہے اسلئے کہ اتنی دیر کیلئے سماع ساقط ہوا تھا جتنی دیر آپ ﷺ گفتگو میں مشغول ہوئے تھے اور جب آپ نے گفتگو ختم کر دی اور خطبہ میں مشغول ہو گئے تو سماع کی فرضیت پھر متوجہ ہو گئی حالانکہ ادھر یہ شخص تحیۃ المسجد میں مصروف ہے، معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد پڑھنے والا سماع کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

(۳) بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مفصل خطبہ شروع ہی نہیں کیا تھا، ابھی آپ منبر شریف پر جلوہ افروز ہی ہوئے تھے کہ حضرت سلیک غطفانیؓ آ گئے آپ نے ان سے فرمایا أَصَلَّيْتَ قَبْلَ أَنْ تَجِيءَ؟ آنے سے پہلے تم نے رکعتین پڑھی یا نہیں؟ انہوں نے کہا لَا، آپ نے فرمایا صلّ رکعتین تم دو رکعت پڑھ لو، اس کی تائید مسلم کی روایت سے ہوتی ہے اس میں یہ وارد ہوا ہے ورسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قاعد على المنبر حضور ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، امام نسائی نے اس روایت کو بلفظِ جالس نقل کیا ہے اور اس پر ترجمہ منعقد کیا ہے باب الصلوة قبل الخطبة، لیکن اس پر حافظ ابن حجر وغیرہ نے یہ اشکال کیا ہے کہ عام روایات میں ورسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يخطب وارد ہوا ہے، اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ مراد یہ ہو ورسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يريد أن يخطب حضور یہ چاہتے تھے کہ آپ خطبہ دیں۔

(۴) چوتھا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے اس شخص کے ذمہ کوئی قضاء نماز رہی ہو اور آنحضور ﷺ کو کشف ہوا ہو آپ نے اس کے متعلق فرمایا ہو أَصَلَّيْتَ کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ ممکن ہے کہ فجر کی نماز رہ گئی ہو اور آپ کو کشف ہوا ہو۔

(۵) بعضوں نے اسی کے قریب قریب جواب دیا کہ ممکن ہے جمعہ کی سنت قبلیہ رہ گئی ہو، اسکی تائید میں ابن ماجہ کی ایک روایت پیش کی گئی اسمیں ہے أَصَلَّيْتَ قَبْلَ أَنْ تَجِيءَ کیا تم نے آنے سے پہلے رکعتین پڑھ لی، مگر

مشکل یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں تو خطبہ شروع ہونے کے بعد سنت بھی نہیں پڑھ سکتے ہیں اور ابن ماجہ کی جو روایت پیش کی گئی ہے محدثین اس پر کلام کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ روایت ہی غلط ہے صحیح صحیحین کی روایت ہے، حافظ جمال الدین مزی فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ کی روایت مصحّف ہے صحیح أَصَلَّيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تَجلِسَ ہے، علامہ شمس الدین سخاوی کی یہی رائے ہے، اور علامہ ابن قیم نے اس کی تائید میں یہ پیش کیا ہے کہ جن حضرات نے احکام کے سلسلہ میں احادیث جمع کی ہیں اور کتابیں تالیف کی ہیں کسی نے اس روایت کو جمعہ کی سنت قبلیہ کے متعلق نقل نہیں کیا ہے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ علامہ مجد الدین ابو البرکات ابن تیمیہ جدّ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے المنتقى في أحاديث الأحكام میں یہ روایت جمعہ کی سنت قبلیہ ثابت کرنے کے لئے ذکر کی ہے، علامہ سراج الدین بن ملقن نے ایک مستقل رسالہ جمعہ کی سنت قبلیہ وبعدیہ کے ثابت کرنے کے لئے تالیف فرمایا ہے اس میں بھی یہ روایت درج کی ہے اور علامہ ابن ملقن یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت جمعہ کی سنتِ قبلیہ کی دلیل ہے۔

میرے نزدیک اس سلسلہ میں ابن تیمیہ اور حافظ مزی کی ہی بات زیادہ وزن دار ہے اور مجد الدین بن تیمیہ متاخر آدمی ہے، اور ابن قیم کا مقصد یہ ہے کہ قدماء میں سے کسی شخص نے اس کو سنت قبلیہ للجمعہ کو ثابت کرنے کے لئے ذکر نہیں فرمایا ہے اور قَبْلَ أَنْ تَجلِسَ کا قَبْلَ أَنْ تَجِيءَ بن جانا کوئی بعید بات نہیں ہے۔

(۶) مالکیہ نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اس کے خلاف ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ ابو سعید خدریؓ صحابہ میں سے اور بعد میں بعض تابعین سے اس کے مطابق عمل کرنا منقول ہے۔

بہر حال اس سلسلہ میں بہت سے جوابات نقل کئے جاتے ہیں، حافظ ابن حجر نے دس جوابات نقل کئے ہیں اور اس کے بعد ہر ایک پر اعتراض کیا ہے، اور مزید یہ کہ یہی روایت ابواب تطوع میں آرہی ہے اس میں یہ وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ أَوْ قَدْ خَرَجَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ جب کوئی آدمی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا نکل چکا ہو یعنی منبر کی طرف آرہا ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے، یہ قولی روایت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اس باب میں حضرت جابرؓ کی دو روایتیں ہیں ایک وہ جس میں سلیک غطفانیؓ

کا واقعہ نقل کیا گیا ہے اور دوسری قولی روایت، یہ قولی روایت بعض محدثین کے یہاں معلول ہے، امام دار قطنی نے صحیحین کی بہت سی روایتوں پر تنقید کی ہے کتاب الاستدراکات میں ان پر اعتراض کیا ہے لیکن عام طور سے ان کے اعتراضات اسنادی ہیں سند پر اشکال کیا ہے، مگر یہ حدیث ابواب تطوع میں آرہی ہے وہاں پر دار قطنی نے متن پر اعتراض کیا ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ اصل میں یہ ایک واقعہ تھا لیکن راوی نے اس کو اختصار کرکے حدیث قولی کی شکل میں پیش کر دیا۔

مگر ابو قتادہؓ کی روایت جو ابواب مساجد میں گزر چکی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا گیا ہے إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ، اپنے عموم کی وجہ سے جمعہ اور غیر جمعہ سب کو شامل ہے۔

(ص ۱۲۷) بَاب مَنْ جَاءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ

۹۳۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرًا قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: أَصَلَّيْتَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: باب، جو شخص امام کے خطبہ کے دوران آئے وہ ہلکی قرأت سے دو رکعت پڑھ لے۔

(روایت کا ترجمہ اوپر گزر چکا)۔

تشریح: یہ آگیا وہ دوسرا باب، باب گزشتہ میں امام بخاری نے امام کا وظیفہ بیان کیا تھا کہ اسے داخل کو تحیۃ المسجد کا امر کرنا چاہئے اور اِس باب میں آنے والے کا وظیفہ بیان کیا ہے کہ اس کو خطبہ کے وقت میں تحیۃ المسجد پڑھ لینا چاہئے لیکن خفیف پڑھے۔

امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ ترجمہ میں مصنف نے خفیفتین کی قید لگائی ہے لیکن روایۃ الباب میں تخفیف کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام مسلم نے تخریج فرمائی ہے اس میں ولیتجوز فیهما کی قید وارد ہوئی ہے۔

(ص ۱۲۷) بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ

٩٣١. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ ح وَعَنْ يُونُسَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَ الْكُرَاعُ وَهَلَكَ الشَّاءُ فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا.

ترجمہ: باب، خطبہ میں ہاتھ اٹھانے کا بیان۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ! گھوڑے ہلاک ہوگئے، بکریاں ہلاک ہوگئیں اس لئے آپ اللہ سے دعا کریں، وہ ہمیں بارش عطا کر کے سیراب فرمادے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور دعا کی۔

تشریح: امام بخاری نے بظاہر اس سے رفع یدین فی الدعاء مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر خطبہ میں دعاء کی ضرورت پیش آجائے تو دعاء کے لئے ہاتھ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت عمارہ بن رویبہؓ سے جو ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا رافعًا یدیه اور بعض الفاظ میں ہے شاھرًا یدیه، تو اس پر عمارہ بن رویبہؓ نے فرمایا قَبَّحَ اللهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ اس کا تعلق تفہیم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ خطبہ میں جب تفہیم کے لئے کبھی ہاتھ سے اشارہ فرماتے تو صرف مسبحہ سے اشارہ فرمایا کرتے تھے دونوں ہاتھ نہیں چلاتے تھے۔

لیکن عمارہ بن رویبہؓ کی روایت کے محمل میں اختلاف ہے، علامہ طیبی وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد وہی اشارہ ہے جو خطباء وواعظین تفہیم کی غرض سے کیا کرتے ہیں، مگر امام بیہقی کا رجحان یہ ہے کہ اس سے مراد اشارہ بالدعاء ہے، اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت عمارہ بن رویبہؓ کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض احوال میں سرکار دوعالم ﷺ سے خطبہ میں دعاء کے لئے دونوں ہاتھ اٹھانا منقول ہے اگرچہ عام احوال میں آپ صرف انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔

وَعَنْ يُونُسَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ: عن یونس کا عطف عن عبد العزیز پر ہے، اور مطلب یہ ہے

کہ حماد بن زید یہ روایت دو استادوں سے نقل کرتے ہیں ایک عبدالعزیز سے اور وہ نقل کرتے ہیں انسؓ سے اور دوسرے یونس سے اور وہ نقل کرتے ہیں ثابت سے اور ثابت نقل کرتے ہیں انسؓ سے، اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ عن یونس کا عن عبدالعزیز پر عطف ہے حماد پر عطف نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسدد بن مسرہد کی یونس سے کوئی روایت نہیں وہ عن حماد عن یونس نقل کرتے ہیں، چنانچہ یہی روایت امام بزار نے تخریج کی ہے اپنے استاد ابراہیم بن نصر کے واسطے سے وہ نقل کرتے ہیں عن مسدد عن حماد عن یونس إلی آخر السند۔

فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا: فَمَدَّ يَدَيْهِ أي رفع يديه كما في الحديث للباب الذي بعده عند الدعاء۔

(ص ۱۲۷) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۹۳۲۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَبَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا وَضَعَهَا حَتَّى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ ﷺ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذَلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِي يَلِيهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى، فَقَامَ ذَلِكَ الْأَعْرَابِيُّ - أَوْ قَالَ غَيْرُهُ - فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِينَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِي قَنَاةُ شَهْرًا وَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن خطبہ میں استسقاء یعنی بارش کی دعا مانگنے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایک مرتبہ قحط سالی میں مبتلا ہوئے، تو اس درمیان کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مویشی مرگئے اور اہل وعیال بھوکے ہوگئے اس لئے ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمائیے، چنانچہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہمیں

آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا تھا پھر- قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے- ابھی آپ نے اپنے ہاتھ نیچے بھی نہیں کئے تھے کہ یکایک پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے پھر یہ کہ آپ ابھی منبر سے بھی نہیں اترے تھے کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ کی ریش مبارک سے ٹپک رہا ہے چنانچہ اس دن بارش ہوتی رہی پھر اس سے اگلے دن، پھر اگلے سے دوسرے دن، پھر اس کے بعد والے دن، یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، پھر وہی اعرابی- یا راوی نے کہا کوئی دوسرا آدمی- کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! گھر منہدم ہو گئے مویشی ڈوب گئے اس لئے اللہ سے ہمارے لئے دعا فرمائیے، چنانچہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ! ہمارے ارد گرد پانی برسا، ہمارے اوپر نہ برسا، پھر یہ کہ آپ اپنے ہاتھ سے بادل کی کسی جانب اشارہ نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ بادل کھل جاتا تھا اور یہ کہ مدینہ بادلوں کے بیچ میں گول دائرے کی طرح ہو گیا اور قناۃ نام کا نالا ایک مہینہ تک بہتا رہا اور یہ کہ کوئی آدمی کسی طرف سے نہیں آتا تھا مگر بارش کے بہت زیادہ ہونے کی خبر دیتا تھا۔

تشریح: اگر جمعہ کے دن بارش کے لئے دعاء کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو خطبۂ جمعہ میں دعاءِ استسقاء کی جاسکتی ہے، یہ استسقاء کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے جو بالاجماع مشروع ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: یہ حدیث ابواب استسقاء میں آئے گی اور ان شاء اللہ حدیث کے بعض الفاظ پر کلام اُسی جگہ آئے گا۔

(ص ۱۲۷) بَابُ الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

وإذا قال لصاحبه: أنصت فقد لغا، وقال سلمان عن النبي ﷺ: ينصت إذا تكلم الإمام.

۹۳۳ . حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کی حالت میں بالکل خاموش رہنے کا بیان، اور اگر کسی نے اپنے ساتھی سے أَنْصِتْ (چپ رہو) کہا تو اس نے لغو کام کیا، اور حضرت سلمان فارسیؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا کہ امام جس وقت خطبہ دے تو بالکل خاموش رہنا چاہیئے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کی حالت میں اپنے ساتھی سے أَنْصِتْ (خاموش رہو) کہا تو تم نے لغو کام کیا۔

تشریح: امام بخاری نے پہلے استماع کا اور پھر انصات کا ترجمہ منعقد فرمایا اور بیچ میں چند ابواب ذکر کرکے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ داخل فی المسجد نے اگر تحیۃ المسجد نہ پڑھی ہو تو سماع ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح سے امام کسی شخص کو حکم کر سکتا ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ امام خطبہ میں دعاء استسقاء کر سکتا ہے، اور اگر کوئی ضرورت ہو تو حاضرین بھی اس کو امام کے سامنے پیش کر سکتے ہیں لیکن اگر ضرورت نہ ہو تو پھر انصات اختیار کرنا چاہئے، گویا مصنف نے استماع وانصات کے درمیانی ابواب سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بضرورت کلام کرنا خطیب کے لئے بھی جائز ہے اور حاضرین بھی کلام کر سکتے ہیں۔

اس مسئلہ میں ایک اختلاف تو یہی ہے کہ استماع وانصات واجب ہے یا نہیں؟ شافعیہ کے یہاں واجب نہیں اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ خطیب وقوم درمیانِ خطبہ کلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ امام کے لئے کلام کرنا حرام نہیں ہے، مگر حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ امام کو صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اجازت ہے، اور حنابلہ کہتے ہیں کہ بضرورت مطلقاً کلام کر سکتا ہے۔

اور قوم کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ ان کو مطلقاً کلام کی گنجائش نہیں، اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر امام نے کسی بات کا امر کیا ہو یا کسی بات سے منع کیا ہو اور قوم نے اس کا امتثال نہیں کیا یا منہی عنہ کا ارتکاب کر لیا اور امام اس کے متعلق استفسار کرے تو قوم جواب دے سکتی ہے، حنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ ضرورت کی بناء پر قوم بھی کلام کر سکتی ہے کوئی مسئلہ پوچھ سکتی ہے اور خطیب اس کا جواب دے گا، یہ سارا اختلاف کلام غیر واجب میں ہے اور اگر واجب کلام ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے، مثلاً ایک نابینا آدمی جا رہا ہے اگر نہیں روکا تو ہلاک ہو جائے گا تو ایسی صورت میں اس کو فوراً روکنا اور آواز دے کر بچانا واجب اور ضروری ہے، یہ تو متفق علیہ مسئلہ ہے۔

اور یہ ترجمہ جیسے امام بخاری نے بَابُ الإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کا منعقد کیا ہے امام مالک نے بھی منعقد فرمایا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس وقت سے امام نکلے اسی وقت سے انصات واجب ہوتا ہے، اس لئے کہ امام بخاری نے یوں فرمایا بَابُ الإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت انصات کا مطالبہ ہے اس سے پہلے مطالبہ

نہیں ہے، یہ مسئلہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔

ایک لطیفہ سنو! ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم یوں فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے استماع کا ترجمہ تو بہت پہلے ہی منعقد کر دیا اور اس کے بعد چند تراجم منعقد کئے اور پھر انصات کا ترجمہ منعقد کیا، اس سے امام بخاری نے بہت لطیف طریقہ سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو لوگ قریب ہوں اور ان کو خطبہ کی آواز آرہی ہو ان کے ذمہ تو سماع ہے اور جو لوگ بعید ہوں اور ان کو خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی ہے ان کے ذمہ سماع تو ہے ہی نہیں البتہ انصات لازم ہے ان کو خاموش رہنا چاہئے۔

میں نے اس کو لطیفہ اس لئے کہا ہے کہ اس پر کوئی قرینہ نہیں اسلئے کہ بخاری قریب وبعید سب کے حق میں انصات کے قائل ہیں اور بیچ میں ابواب لانے کی حکمت وعلت کی طرف میں اشارہ کر آیا ہوں، حاصل یہ ہے کہ سماع کا ترجمہ منعقد کر کے امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ سماع بعض احوال میں ساقط ہو جایا کرتا ہے۔

أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا: فقد لغا یعنی غیر مستحسن بات کہی اور بعضوں نے کہا ہے فقد بطلت جمعته۔

وَقَالَ سَلْمَانُ عَنِ النَّبِيِّ: حضرت سلمان فارسیؓ کی یہ روایت گزر چکی ہے اور اس سے مصنف نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ جس وقت خطیب خطبہ دے اسی وقت سے انصات واجب ہوتا ہے اس سے پہلے انصات کا حکم متوجہ نہیں ہوتا ہے۔

فَقَدْ لَغَوْتَ: أی فقد تکلمت بما لا یعنیه، بعض کہتے ہیں کہ لَغَوْتَ بمعنی تکلّمتَ باطلًا اور بعضوں نے کہا ہے بطلت فضیلة جمعتک، اور بعض کہتے ہیں صارت ظهرًا۔

(ص ۱۲۸) بَابُ السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

۹۳۴. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن آنے والی ساعت قبول کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جمعہ میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس کو کوئی مسلمان اس حال میں نہیں پائے گا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو یا دعا کر رہا ہو اور اللہ سے کسی چیز کا سوال کر رہا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائے گا اور حضور ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ ساعت مختصر ہے۔

تشریح: یہ باب اس ساعتِ مبارکہ کے بیان میں ہے جو جمعہ میں ہوتی ہے اور اس میں دعاء قبول ہوتی ہے، محدثین کرام کا یہ عام معمول ہے کہ ابواب جمعہ میں وہ ساعتِ جمعہ کا ترجمہ منعقد فرمایا کرتے ہیں۔

اس ساعت میں بڑا اختلاف ہے، حافظ ابن حجر نے بیالیس اور علامہ سیوطی نے پینتالیس اقوال نقل کئے ہیں اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس ساعت کے سلسلہ میں اقوال پچاس تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ساعت باقی ہے یا اٹھالی گئی؟ بعضوں کی رائے ہے کہ اٹھالی گئی لیکن سلف نے اس قول کی تردید کی ہے، پھر بقاء کی صورت میں اختلاف نقل کیا گیا ہے کہ آیا سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے یا ہر جمعہ میں ہوتی ہے؟ کعب احبار اوّلاً اس بات کے قائل تھے کہ سال میں بس ایک مرتبہ ہوتی ہے، لیکن حضرت ابوہریرہؓ نے ان پر رد کیا اور یہ فرمایا کہ ہر جمعہ میں ہوتی ہے تو کعب نے توراۃ دیکھی اور اپنے قول سے رجوع کیا اور یہ کہا کہ واقعی ہر جمعہ میں ہوتی ہے اور عبداللہ بن سلامؓ کو جب یہ قصہ پہنچا تو انہوں نے بھی کعب کے پہلے قول کی تغلیط اور دوسرے قول کی تائید کی، صحیح یہ ہے کہ ہر جمعہ میں یہ ساعت ہوتی ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس ساعت کا کوئی وقت معین ہے یا مبہم ہے؟ اور اگر معین ہے تو کون سا وقت ہے؟ اور پھر وہ مستمر یعنی ایک ہی جگہ رہتا ہے یا منتقل ہوتا رہتا ہے؟ ابن عساکر کی رائے ہے کہ منتقل ہوتا رہتا ہے، امام غزالی کہتے ہیں وھو أشبه الأقوال۔

پھر وہ کون کون سے اوقات ہیں جن میں یہ منتقل ہوتی رہتی ہے؟ اس میں طلوع فجر سے لیکر زوال تک چار اقوال ہیں اور زوال سے لیکر امام کے نماز سے فارغ ہونے تک بارہ تیرہ اقوال ہیں اور اسی طرح سے عصر کے وقت سے لیکر غروب شمس تک چھ سات اقوال ہیں، اس کی تفصیل محشی نے ذکر کر دی ہے وہاں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے، میں یہاں صرف دو قول بیان کروں گا جو اس میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ساعت خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے لیکر نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان میں رہتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ عصر کے بعد کی آخری ساعت ہے، پہلا قول ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت میں مسلم

شریف میں وارد ہوا ہے اور اسی کو امام مسلم، امام بیہقی، قاضی ابن عربی، قرطبی نے اختیار کیا ہے اور امام نووی کہتے ہیں وھو الصحیح أو الصواب، دوسرا قول مؤطا امام مالک اور ابوداؤد وغیرہ میں عبداللہ بن سلامؓ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ مضمون ابوداؤد اور حاکم نے حضرت جابرؓ سے مرفوعًا بھی نقل کیا ہے، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابن عبدالبر، طرطوشی مالکی اور شافعیہ میں سے علامہ کمال الدین بن الزملکانی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے یہ لکھا ہے ونص علیه الشافعی، حنفیہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

قول اول پر تو کوئی اشکال ہے نہیں اس لئے کہ وہ ساعتِ صلوۃ ہے لیکن قول ثانی پر اشکال ہوتا ہے کہ حدیث میں وھو قائم یصلی ہے اور عصر کے بعد کی آخری ساعت نماز کی ساعت نہیں ہے تو پھر ساعت جمعہ کا مصداق وہ ساعت کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ اشکال حضرت ابوہریرہؓ نے عبداللہ بن سلامؓ سے کیا تھا، حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ جو آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز ہی پڑھتا رہتا ہے، یہاں بھی یہی مراد ہے ساری تفصیل مؤطا امام مالک وغیرہ میں موجود ہے۔

وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا: یعنی وہ ساعت بہت مختصر سی ہوتی ہے، علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن آدمی کو دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے اور خاص طور سے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے لیکر نماز کے اختتام تک کا لحاظ کیا جائے اور عصر کے بعد کی آخری ساعت کا۔

(ص ۱۲۸) بَابٌ إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَصَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ

۹۳۵۔ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَقْبَلَتْ عِيرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا فَالْتَفَتُوا إِلَيْهَا حَتَّى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾.

ترجمہ: باب، اگر جمعہ کی نماز میں کچھ لوگ امام کو چھوڑ کر چلے جائیں تو امام اور باقی ماندہ مقتدیوں کی نماز جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ اس درمیان کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک قافلہ آگیا جو غلہ بار کئے ہوئے تھا تو لوگ اس کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور جب ان لوگوں کو سامان تجارت یا تماشہ نظر آجاتا ہے تو اس کی طرف دوڑتے ہیں اور آپ کو قیام کی حالت میں چھوڑ جاتے ہیں۔

تشریح: نماز جمعہ کے لئے جمہور کے یہاں جماعت شرط ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی بڑی جماعت ہونی چاہئے اس میں پندرہ قول ہیں۔

(۱) ظاہر یہ کہتے ہیں کہ جو عام نمازوں کا حکم ہے وہی جمعہ کی نماز کا حکم ہے **یعنی الإثنان فما فوقهما جماعة**، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے بڑھ کر مخصوص جماعت ہونی چاہئے اس لئے کہ جمعہ جامع الجماعات ہے لہذا اس کی جماعت میں اور عام جماعتوں کے درمیان کچھ فرق ہونا چاہئے، اب (۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی، (۳) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہونے چاہئیں، تین ہی اقل جماعت ہے، (۴) امام مالک فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ بارہ آدمی ہوں اس لئے کہ روایۃ الباب میں یہ وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ نماز پڑھ رہے تھے ایک دم غلہ کا قافلہ آگیا صحابہ چل دیئے صرف بارہ صحابہ رہ گئے اور آپ نے نماز ادا کی معلوم ہوا کہ بارہ آدمی ہونا کافی ہے، مگر یہ **واقعة حال لاعموم لها** کے قبیل سے ہے، (۵) امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ چالیس آدمی ہونے چاہئیں اس لئے کہ مسند احمد، ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ کی روایات میں یہ وارد ہے کہ عبد الرحمن بن کعب بن مالک کہتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالکؓ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہؓ کے لئے دعاءِ رحمت کیا کرتے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ آخر آپ جمعہ کی اذان سنتے ہی اسعد بن زرارہؓ کے لئے دعاءِ رحمت کرتے ہیں، فرمانے لگے **هو أول من جمّع بنا في هزم النبيت من حرّة بني بياضة في نقيع يقال له نقيع الخضمات، قلت كم كنتم يومئذ قال أربعون** انہوں نے جواب دیا کہ سب سے پہلے حرۂ بنی بیاضہ میں نقیع الخضمات کے ھزم النبیت میں انہوں نے ہی ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی تھی، میں نے پوچھا کہ اس وقت تم کتنے لوگ تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم چالیس آدمی تھے، لیکن اس کے متعلق بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ افتتاح کی بات تھی اس سے چالیس کا اشتراط کہاں سے نکل آتا ہے۔

امام بخاری نے جماعت کے سلسلہ میں کوئی تصریح نہیں کی البتہ ان کے ترجمہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان کے نزدیک جمعہ کی صحت کے لئے جماعت ہونی چاہئے، کتنی ہونی چاہئے اس کے بارے میں بخاری ساکت معلوم ہوتے ہیں، بہر حال ظاہر یہ کے ہم خیال ہیں، مگر یہ مسئلہ ضرور ذکر فرمایا ہے کہ اگر لوگ جمعہ میں امام کو چھوڑ کر چلے جائیں تو امام اور باقی ماندہ قوم کی نماز ہو جائے گی، اس سے امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جماعت کا ہونا از ابتداء خطبہ تا انتہاء صلوۃ ضروری ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جو جماعت صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے وہ آیا از اول تا آخر شرط ہے یا صرف شرطِ انعقاد ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ از اول تا آخر شرط ہے، جیسے شرطِ انعقاد ہے ایسے ہی شرطِ بقاء ودوام ہے یعنی اول سے لیکر آخر تک اس کا ہونا ضروری ہے، امام ابو حنیفہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ شرطِ انعقاد ہے، جمعہ کے منعقد ہونے کے بعد چاہے سارے لوگ بھاگ جائیں نماز ہو جائے گی۔

پھر انعقاد کا تحقق کب ہوگا؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رکعت ہونے کے بعد جمعہ منعقد ہو جاتا ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے انعقاد ہو جاتا ہے لہٰذا ہمارے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک اگر ساری قوم بھاگ جائے تب بھی جمعہ پڑھے اور صاحبین کے نزدیک اگر تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً بھاگ جائے تو بھی جمعہ پڑھے گا، باقی اس کے بارے میں امام بخاری نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی ہے، اسحاق بن راہویہ روایت الباب کی وجہ سے کہتے ہیں کہ کم از کم بارہ آدمی رہنے چاہئیں، ممکن ہے کہ بخاری بھی اس طرف مائل ہوں لیکن کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، بظاہر امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور علماء کے ساتھ ہیں اور حنفیہ کے خلاف ہیں۔

إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا: اس میں حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے۔

وَتَرَكُوكَ قَائِمًا: أی فی الصلوۃ، اور اسی سے امام بخاری کا استدلال درست ہوتا ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرات صحابہ سے یہ بعید ہے کہ نماز کو چھوڑ کر قافلہ کو دیکھنے چلے جائیں اس لئے بعض علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے أی قائماً فی الخطبۃ اور خطبہ کو صلوۃ سے اس لئے تعبیر کر دیا گیا کہ وہ شرطِ صحتِ صلوۃ ہے، لہٰذا بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي کا مطلب ہے ننتظر الصلوۃ ہم نماز کے انتظار میں تھے اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کا قصہ ہے جب تک صحابۂ کرام پوری طرح سے مہذب اور آراستہ نہیں ہوئے تھے۔

(ص ۱۲۸) باب الصَّلاةِ بَعْدَ الجُمُعَةِ وَ قَبْلَهَا

۹۳۶. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ لاَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے بعد اور جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنے کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ جب گھر لوٹ آتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمعہ کی سنت قبلیہ وبعدیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مگر جو حدیث پیش کی ہے اس میں صرف جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنا وارد ہے، جمعہ سے پہلے کسی سنت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جبکہ ترجمہ یہ چاہتا ہے کہ بخاری سنت قبلیہ وبعدیہ دونوں کے قائل ہوں۔

اس لئے ابن منیر اور ابن رشد وغیرہ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے علی وجہ القیاس جمعہ کی سنت قبلیہ کو ثابت کیا ہے، لیکن امام بخاری قیاس کو مانتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ وہ قیاس کو حجت نہیں مانتے اس لئے خواہ مخواہ قیاس کا ہتھیار لیکر امام بخاری کی طرف سے مدافعت کرنا بالکل بے معنی سا معلوم ہوتا ہے، اب کس طرح سنت قبلیہ ثابت ہوگی؟

ابن منیر کہتے ہیں کہ بخاری نے اس بات پر نظر کی کہ جمعہ یا تو عین ظہر ہے یا بدل ظہر ہے یا اس سے اعلی ہے، بہر حال جب ظہر میں سنت ہے تو اس کے بدل میں بھی سنت ہوگی، مگر یہ کوئی ضروری امر نہیں۔

علامہ ابن قیم کی رائے یہ ہے کہ بخاری کا مقصد یہ ہے کہ آیا جمعہ کی سنت قبلیہ وبعدیہ ہے یا نہیں ہے؟ روایت باب سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سنت بعدیہ تو ہے مگر سنت قبلیہ نہیں ہے، یہی حنابلہ کا مسلک ہے، حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت قبلیہ بھی ہے اور بعدیہ بھی، مالکیہ کہتے ہیں کہ نہ سنت قبلیہ ہے نہ بعدیہ۔

جو لوگ صرف سنت بعدیہ کا اثبات کرتے ہیں وہ ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو اس باب میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھی۔

اور جو لوگ سنت قبلیہ وبعدیہ دونوں کے قائل ہیں وہ سنت بعدیہ کو اسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں نیز مسلم میں ایک حدیث ہے إِذَا صَلَّيْتُمْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَصَلُّوا أَرْبَعًا، اور جمعہ کی سنت قبلیہ کے اثبات کے لئے دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں، ایک دلیل قیاسی دوسری دلیل عقلی، دلیل قیاسی تو ظاہر ہے یعنی جب جمعہ جمعہ کے دن پڑھا جاتا ہے اور اسی کے مقام میں باقی دن ظہر پڑھی جاتی ہے اور ظہر میں سنت قبلیہ ہیں لہٰذا جمعہ میں بھی سنت قبلیہ ہوں گی، لیکن شریعت کا تعلق نقل سے ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ظہر میں سنت قبلیہ ہیں تو جمعہ میں بھی ہوں، دیکھو ظہر تو چار رکعت پڑھی جاتی ہے اور جمعہ کل دو ہی رکعت پڑھا جاتا ہے، ظہر میں قرأۃ سری ہوتی ہے اور جمعہ میں جہری ہوتی ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

ہاں البتہ بعض علماء نے جمعہ کی سنت قبلیہ کو احادیث سے ثابت کیا ہے، عبد اللہ بن مغفلؓ کی حدیث میں ہے بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ہر دو نمازوں کے درمیان میں نماز ہے، لہٰذا جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان بھی نماز ہوگی، اور عبد اللہ بن زبیرؓ کی حدیث ہے مَا مِنْ صَلَاةٍ مَفْرُوضَةٍ إِلا وَبَيْنَ يَدَيْهَا رَكْعَتَانِ (رواه الدار قطنی وصححه ابن حبان وابن السكن)۔

علامہ مجد الدین ابو البرکات ابن تیمیہ اور بعض علماء ابن ملقن وغیرہ نے یہاں پہنچ کر سلیک غطفانی کے قصہ سے استدلال کیا، ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ نے ان سے فرمایا أصليت قبل أن تجيئ لیکن ناقدین فن اس روایت کو خطا قرار دیتے ہیں، امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ خطا ہے اور صواب لفظ وہ ہے جو صحیحین میں وارد ہوا ہے أصليت قبل أن تجلس، حافظ جمال الدین مزی فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ کا لفظ تحریف ہے اور اس کے تداول کرنے والوں نے اس کا اعتناء نہیں کیا، صحیحین کی نقل وتداول کرنے والوں نے اس کا اہتمام کیا ہے اس لئے جب صحیحین اور ابن ماجہ کے لفظ میں تعارض ہوگا تو صحیحین کے لفظ کو ترجیح ہوگی۔

حافظ ابن قیم نے اس کی تائید میں یہ بات پیش کی کہ جن لوگوں نے سنن الصلوۃ کا اہتمام کیا ہے اور اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں کسی نے بھی اس حدیث کو سنن جمعہ کے اثبات کے لئے پیش نہیں کیا اور یہ دلیل ہے کہ یہ روایت سنن صلوۃ سے تعلق ہی نہیں رکھتی۔

سنن قبلیہ کتنی ہیں؟ (۱) شافعیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ سے پہلے بھی دو سنت اور بعد میں بھی دو رکعت،

(۲) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت اور جمعہ کے بعد بھی، (۳) ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چھ رکعت ہیں، (۴) امام محمد کا قول بعدیت میں مختلف ہے کبھی وہ امام ابو حنیفہ کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی امام شافعی کی، حضور اقدس ﷺ سے قولاً یا فعلاً جمعہ کے بعد چھ رکعت کے باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے، حدیث مشار الیہا بروایت مسلم چار رکعت کے باب میں وارد ہوئی ہے لیکن چھ کا کوئی ذکر نہیں، ہاں مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ چھ رکعت پڑھتے تھے، وہی حدیث موقوف ایسی ہے جو امام ابو یوسف کی دلیل بن سکتی ہے۔

میں نے سنا حضرت اقدس شاہ فضل رحمن صاحب فرماتے تھے بس چار رکعت پڑھو یعنی چار ہی رکعت صاحب نبوت سے ثابت ہے اس لئے چار ہی رکعت پڑھو، غالب گمان ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو اثر کے ثبوت کا علم نہیں تھا لیکن اثر اپنی جگہ مروی ہے اس لئے اگر کوئی اس اثر کا اتباع کرے تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے واللہ أعلم۔

(ص ۱۲۸) بَاب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى ﴿فَإِذَا قُضِيَتُ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

۹۳۷ . حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ: كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ فِي مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ جُمُعَةٍ تَنْزِعُ أُصُولَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قُبْضَةً مِنْ شَعِيرٍ تَطْحَنُهَا فَتَكُونُ أُصُولُ السِّلْقِ عَرْقَهُ وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَرِّبُ ذٰلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا فَنَلْعَقُهُ، وَكُنَّا نَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذٰلِكَ.

۹۳۸ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ بِهٰذَا، وَقَالَ: مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ: باب، اللہ عز و جل کے اس ارشاد کا بیان کہ جب نماز (جمعہ) تمام ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ

اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ہم میں ایک عورت تھی جو اپنے کھیت کی نالیوں پر چقندر بویا کرتی تھی، اس کا معمول یہ تھا کہ جمعہ کا دن آتا تو وہ چقندر کی جڑوں کو اکھاڑ لیتی پھر ان پر ایک مٹھی جو پیس کے ڈال دیتی تو چقندر کی جڑیں پُر گوشت ہڈی کی طرح ہو جاتیں، اور ہم لوگ نماز جمعہ پڑھ کر واپس ہوتے تو اس کو سلام کرتے تو وہ یہ کھانا ہمارے سامنے پیش کرتی تو ہم اس کو چاٹ لیتے اور ہم اس کے اس کھانے کے اشتیاق میں جمعہ کا انتظار کرتے۔ ابو حازم نے بھی حضرت سہلؓ سے یہی روایت بیان کی اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہمارا دوپہر کا سونا اور دوپہر کا کھانا جمعہ کے بعد ہی ہوا کرتا تھا۔

تشریح: اسکی غرض میں چار قول ہیں۔

(۱) چونکہ قرآن عزیز میں سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع میں یہ وارد ہے ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ لہذا پہلے تو مصنف نے خطبہ اور نماز کا مسئلہ بیان فرمایا، اور اس کے بعد ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ ہے یعنی جمعہ کی اذان کی وجہ سے بیع وشراء خرید وفروخت سے جو منع کر دیا گیا تھا اب جب جمعہ کی نماز ہو چکی تو یہ ممانعت اٹھالی گئی، لہذا تم اللہ کی زمین میں پھیلو اور اللہ کا فضل تلاش کرو، جو چیز پہلے ممنوع تھی اب وہ مباح ہو گئی ہے۔

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب کو یہاں ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فانتشروا اور وابتغوا کا امر اباحت کے لئے ہے، (۳) علامہ داؤدی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے صحیح یہ ہے کہ یہ قول شاذ ہے، (۴) بعض علماء سے منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تو اس کے حق میں امر ایجابی ہے ورنہ اباحت کا امر ہے۔

كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ فِي مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا: ہم میں ایک عورت تھی وہ اپنی کھیتی کی نالی پر چقندر لگائے ہوئے تھی جب جمعہ کا دن ہوتا تو چقندر اکھاڑ لیتی اور ہانڈی میں ڈال دیتی اور اس کے اوپر ایک مٹھی جو دلا ہوا ڈال دیا کرتی تھی تو وہ گل کر کے دلیا سا ہو جاتا تھا، ہم جمعہ سے واپس آکر سلام کرتے تو ہمارے سامنے لاکر رکھ دیتی تھی اور ہم سب کھایا کرتے تھے اور ہمیں اس کھانے کی وجہ سے یوم جمعہ کی تمنا رہتی تھی جیسے بچوں کی عادت ہے، بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ بئر بضاعہ کے پاس یہ ان کا کھیت تھا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: مصنف نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے، یہ حدیث اسی سند سے کتاب

الاستیذان میں آئے گی۔

مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ: یعنی جمعہ نہایت سویرے پڑھا جاتا تھا اس لئے دوپہر کا کھانا جمعہ کے بعد کھایا جاتا تھا، اس روایت سے حنابلہ نے جمعہ کے قبل الزوال پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال ضعیف ہے اس لئے کہ روایت محتمل ہے ہوسکتا ہے اس کھانے کو جو جمعہ کے بعد کھایا گیا ہے غداء سے اس لئے تعبیر کردیا گیا ہو کہ وہ اس کی جگہ پر کھایا جاتا تھا، جیسے حضور ﷺ نے طعام بوقت سحر پر غداء کا اطلاق کیا ہے، حضور سحری کھارہے تھے ایک صحابی گزرے فرمایا ھلمّ إلی الغداء المبارک کیوں کہ سحری کو بھی غداء کی جگہ کھایا جاتا ہے۔

(ص ۱۲۸) بَابُ الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

۹۳۹. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: كُنَّا نُبَكِّرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ نَقِيلُ.

۹۴۰. حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْجُمُعَةَ ثُمَّ تَكُونُ الْقَائِلَةُ.

ترجمہ: باب، جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرنے کا بیان۔

حمید طویل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھا کرتے تھے پھر دوپہر کو قیلولہ کرتے تھے۔

حضرت سہلؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے پھر اس کے بعد قیلولہ ہوتا تھا۔

تشریح: اگر کوئی آدمی جمعہ کے دن لیٹنا چاہے تو قیلولہ کا وقت جمعہ کے بعد ہے۔

ثُمَّ تَكُونُ الْقَائِلَةُ: لفظِ قائلہ سے براعتِ اختتام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کتاب الجمعہ پورا ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ص ۱۲۸) أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

وقال الله عز وجل ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ إلى قوله ﴿عَذَابًا مُّهِينًا﴾

٩٤٢. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ سَأَلْتُهُ: هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَعْنِي صَلَاةَ الْخَوْفِ، فَقَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاؤُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

ترجمہ: باب، خوف کی نماز کے ابواب۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ نماز میں قصر کردو، اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کردیں گے، بیشک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں، اور جب آپ ان کے درمیان موجود ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھائیں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور یہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو انہیں تمہارے پاس سے ہٹ جانا چاہئے اور دوسرے گروہ کو جس نے نماز نہیں پڑھی ہے آجانا چاہئے پھر وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور یہ لوگ اپنی حفاظت کا سامان اور ہتھیار اپنے ساتھ رکھیں، کافر چاہتے ہیں کہ اگر تم لوگ اپنے ہتھیار اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یکبار گی حملہ کردیں اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ اپنے ہتھیار کھول دو اور اپنی حفاظت کا سامان ساتھ رکھ لو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے توہین آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں مجد کی طرف غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا تو ہم دشمنوں کے مدمقابل ہوئے پھر ہم نے دشمن کے سامنے صف بندی کی، پھر رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم میں سے ایک گروہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو گیا اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے رہا، پھر حضور ﷺ نے نماز میں شریک گروہ کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کئے، پھر یہ لوگ اس گروہ کی جگہ لوٹ کر چلے گئے جو نماز میں شریک نہیں تھا، پھر دوسرا گروہ آگیا تو حضور ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیر دیا، پھر دونوں گروہ کے ہر آدمی نے اپنی اپنی ایک رکعت پڑھی اور دو سجدے کئے۔

تشریح: امام بخاری نے جمعہ سے فراغت کے بعد صلوۃ الخوف کو اس لئے ذکر فرمایا کہ جمعہ میں دو رکعت پڑھی جاتی ہے اور صلوۃ الخوف بھی علی العموم سفر میں پڑھی جاتی ہے اس لئے وہ بھی دو ہی رکعت ہوتی ہے اور اگر کبھی حضر میں پڑھی جاتی ہے تو اس کی کیفیت میں تخفیف ہوتی ہے، اس لئے جب مصنف حالتِ امن کی تخفیفی نماز کے بیان سے فارغ ہو گئے تو حالتِ خوف کی تخفیفی نماز کا بیان کر رہے ہیں۔

نماز خوف کی مشروعیت کب ہوئی؟ ہجرت کے بعد ہوئی مگر سن مشروعیت میں اختلاف ہے، (۱) غزوۂ ذات الرقاع میں مشروع ہوئی، (۲) حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ غزوۂ عسفان میں، (۳) غزوۂ بنو نضیر، سن ہجری ۴ میں، راجح قول وہی ہے جس کو ابن قیم وغیرہ نے اختیار کیا ہے اس کی وجہ آئندہ آرہی ہے۔

صلوۃ خوف باقی ہے یا نہیں؟ جمہور علماء ائمۂ اربعہ وغیرہ بقاء کے قائل ہیں یہی امام ابو یوسف کا مشہور قول ہے، ان کی دوسری روایت اور مزنی، حسن بن زیاد اور ابراہیم بن علیہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ صلوۃ خوف باقی نہیں ہے، باقی نہ رہنے کی وجہ کیا ہے؟ (۱) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ صلوۃ خوف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، صحابہ کے آپ ﷺ کی اقتداء حاصل کرنے کے لئے بہت سے اعمال منافیہ للصلوۃ کے باوجود یہ نماز مشروع ہوئی اور جب آپ ﷺ اس دنیا میں نہیں رہے تو یہ نماز ختم ہو گئی۔

لیکن دعویٔ خصوصیت صحیح نہیں اس لئے کہ صحابہ نے حضور اکرم ﷺ کے بعد یہ نماز ادا کی، سعید بن منصور نے سنن میں نقل کیا ہے کہ عمرو بن عاصؓ نے یوم اسکندریہ میں صلوۃ الخوف ادا کی، امام ابوداؤد نے روایت نقل کی ہے کہ سعید بن عاصؓ نے طبرستان میں مجوس سے جنگ کرتے ہوئے صلوۃ خوف ادا کی اور ان کے ساتھ حضرات حسنین اور عبادلۂ اربعہ بھی تھے، اسی طرح سے امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن

سمرہؓ نے کابل میں صلوۃ الخوف ادا فرمائی۔

(۲) امام مزنی فرماتے ہیں کہ صلوۃ خوف عہد نبوی ہی میں مشروع ہوئی اور اس کے بعد منسوخ ہوگئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن ماجشون، واقدی، ابن سعد اور ابن جریر طبری وغیرہ کی تصریح کے مطابق صلوۃ الخوف غزوۂ ذات الرقاع میں مشروع ہوئی اور یہ غزوہ علی المشہور سنہ ۴ ہجری میں ہے، اور جب غزوۂ خندق سنہ ۵ ہجری میں ہوا تو حضور ﷺ نے صلوۃ الخوف ادا نہیں کی اسی لئے آپ کی عصر کی نماز چھوٹ گئی۔

لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ صلوۃ الخوف غزوۂ خندق کے وقت مشروع ہی نہیں ہوئی تھی، امام احمد، ابن ابی شیبہ اور نسائی وغیرہ نے ابوسعید خدریؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ غزوۂ خندق میں نبی کریم ﷺ کی نماز ظہر عصر مغرب فوت ہوگئی اور آپ نے بعد میں قضا کی، اسی روایت میں ہے وذلک قبل أن تنزل ﴿فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ اس روایت میں صاف تصریح ہے کہ یہ قصہ ﴿فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ کے نزول سے پہلے کا ہے اور یہ آیت صلوۃ الخوف سے تعلق رکھتی ہے، اسلئے سرخسی وغیرہ نے جو یہ کہہ دیا کہ صلوۃ الخوف کی مشروعیت غزوۂ خندق سے پہلے ہوئی ہے وہ ابوسعید خدریؓ کی اس روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔

غزوۂ ذات الرقاع کب ہوا؟ سوال یہ ہے کہ اہل مغازی وسیر کہتے ہیں کہ صلوۃ الخوف ذات الرقاع میں مشروع ہوئی اور ذات الرقاع مشہور قول پر سنہ ۴ ہجری میں ہے تو لامحالہ غزوۂ خندق سے پہلے صلوۃ الخوف ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع کے وقوع میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ سن ۴ھ میں ہے یا سن ۵ھ یا سن ۶ھ یا سن ۷ھ میں ہے، اتنے شدید اختلاف کے بعد غزوۂ ذات الرقاع کو سامنے رکھ کر اتنی صریح روایت کو رد کردینا بے معنی ہے، اور امام احمد اور ابوداؤد وغیرہ نے ابوعیاش زرقی سے غزوۂ عسفان کا قصہ نقل کیا اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ہم نے نماز ظہر ادا کی تو مشرکین کہنے لگے لَقَدْ أَصَبْنَا مِنْهُمْ غِرَّةً وَلَقَدْ أَصَبْنَا مِنْهُمْ غَفْلَةً ہمیں تو بڑا موقع ملا تھا ہم نے غفلت کردی، پھر کہنے لگے إِنَّ لَهُمْ صَلَاةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَأَبْنَائِهِمْ یعنی عصر کی نماز آرہی ہے بس جب یہ نماز پڑھیں تو ان پہ ٹوٹ پڑو، اسی کے بیچ میں صلوۃ الخوف آگئی اور نبی کریم ﷺ نے صلوۃ الخوف ادا فرمائی، اور غزوۂ عسفان حدیبیہ کے سال سن ۶ھ میں پیش آیا، اسی لئے ابن قیم اور پھر حافظ ابن حجر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور عسفان تو خیبر سے بالاجماع مقدم ہے۔

لیکن ذات الرقاع کے بارے میں اختلاف ہے، عام اہل مغازی وسیر کہتے ہیں کہ وہ خیبر سے پہلے ہے اور امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ خیبر کے بعد ہے، اور اسکی دلیل یہ پیش کی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں ابو موسیٰ اشعریؓ اور ابوہریرہؓ کی شرکت وارد ہے اور یہ لوگ سن ۷ھ میں فتح خیبر کے اختتام پر آئے ہیں تو لا محالہ غزوۂ ذات الرقاع میں انکی شرکت اسی وقت ہوگی جبکہ غزوۂ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہو، اسلئے اگر غزوۂ ذات الرقاع میں اس نماز کی مشروعیت مان لی جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ قصہ عسفان کے بعد پیش آیا ہے۔

بعض علماء امام بیہقی، قاضی عیاض وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ذات الرقاع نامی مہم دو مرتبہ پیش آئی ہو ایک فتح خیبر سے پہلے جیسا کہ اہل مغازی کی رائے ہے اور دوسری فتح خیبر کے بعد۔

جو بھی صورت ہو بہر حال غزوۂ ذات الرقاع میں صلوۃ الخوف کے مشروع ہونے سے یہ بات اخذ کرنا کہ یہ پہلے تھی اور پھر منسوخ ہوگئی کیوں کہ خندق کے موقع پر نہیں پڑھی گئی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ خندق کے قصہ کے وقت تو صلوۃ الخوف کا نزول بنصِّ حدیثِ ابی سعید خدریؓ ہوا ہی نہیں تھا تو لا محالہ یہ کہا جائے گا کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد ہے واللہ تعالیٰ أعلم۔

صلوۃ الخوف کتنے مواقع میں ادا کی گئی؟ ابن قصّار نے لکھا ہے کہ صلاۃ الخوف دس مواقع میں ادا کی گئی ہے اور قاضی ابن عربی کہتے ہیں کہ اس میں چوبیس (۲۴) صفات مروی ہیں جن میں سے سولہ (۱۶) ثابت ہیں، اور پھر انہوں نے آٹھ کی تفصیل بیان کی۔

صلوۃ الخوف مختلف طریقوں سے منقول ہے: امام ابوداؤد وابن منذر نے آٹھ (۸)، ابن حبان نے نو (۹)، قاضی عیاض نے تیرہ (۱۳)، اور ابن حزم نے چودہ (۱۴) صفات ذکر کی ہیں اور ایک مستقل رسالہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے، حافظ عراقی نے سترہ (۱۷) صفات ذکر فرمائی ہیں اور ان کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے لیکن حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ اختلافِ رواۃ ہے کل چھ (۶) صفات ہیں جو آپ سے منقول ہیں۔

امام احمد سے منقول ہے کہ صلوۃ خوف میں چھ یا سات حدیثیں وارد ہیں آدمی جو چاہے جیسے چاہے عمل کرلے، اسی طرح سے امام احمد کے بعد امام بیہقی، ابوالحسن قدوری اور ابونصر اقطع وغیرہ نے تمام صفات کے جواز کی تصریح کی ہے، لیکن بعض علماء نے بعض صورتوں کا استثناء کیا ہے۔

مثلاً (۱) ابن عباسؓ کی روایت میں ہے فَرَضَ اللهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً، رواہ مسلم حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ تو اس کے قائل ہیں، جمہور کہتے ہیں کہ اس کے معنیٰ ہیں رکعة مع الإمام، اسی طرح (۲) حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے وَكَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَرْبَعٌ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ، رواہ الشیخان (بخاری کتاب المغازی میں یہ روایت آرہی ہے) امام شافعی اس کے قائل ہیں، جمہور اس کی تاویل کرتے ہیں جو اپنی جگہ پر آئے گی، اسی طرح (۳) ابن عمرؓ کی وہ حدیث جو امام بخاری نے یہاں پہلے باب میں ذکر فرمائی ہے اس میں وارد ہے فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ تُصَلِّي وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ إلى آخره، امام محمد کہتے ہیں کہ امام مالک اس کو معمول بہا نہیں مانتے تھے، بعضوں نے امام شافعی سے نقل کر دیا کہ یہ صورت منسوخ ہے لیکن یہ نقل صحیح نہیں ہے اور ابن عبد البر نے تو اسی کو راجح قرار دیا۔

صلوۃ الخوف میں ائمہ کے یہاں کیا راجح ہے؟　　امام مالک فرماتے ہیں کہ امام قوم کے دو حصے کر دے اور ایک کو ایک رکعت پڑھادے، یہ اپنی دوسری رکعت پوری کرے دشمن کے مقابل چلا جائے پھر دوسرا حصہ آئے امام اس کو دوسری رکعت پڑھادے اور اپنی رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے، اور یہ دوسرا طائفہ اپنی باقی ماندہ رکعت پوری کرے گا جیسا کہ قاسم کی روایت میں وارد ہے۔

امام احمد بن حنبل اسی تفصیل کے قائل ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ امام طائفۂ ثانیہ کے سلام کا انتظار کرے گا جیسا کہ یزید بن رومان کی روایت میں ہے، امام مالک بھی اولاً اس کے قائل تھے لیکن انہوں نے اس سے قول اول کی طرف رجوع کر لیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر دشمن جانب قبلہ میں نہ ہو یا ہو جانب قبلہ میں لیکن فوج اسلام اور فوج کفار میں کوئی حاجب اور ساتر ہو مثلاً باغ ہو، بستی ہو تو اسی طرح نماز پڑھی جائے گی جیسے امام احمد نے فرمایا، اور اگر دشمن جانب قبلہ میں ہو اور کوئی ساتر و حاجب نہ ہو تو امام لشکر کے دو حصے کر دے اور دونوں کو ایک ساتھ نماز پڑھائے، سب ایک ساتھ رکوع کریں گے اس سے فراغت کے بعد امام اور صف اول سجدہ میں چلے جائیں، انکے فراغ کے بعد صف ثانی سجدہ کرے، اور پھر صف اول صف ثانی کی جگہ آجائے اور صف ثانی صف اول کی جگہ

آجائے اور دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح سے پوری کی جائے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں مسلم وغیرہ میں اور ابو عیّاش زرقی کی روایت میں ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہے۔

امام ابو یوسف بھی اسی بات کے قائل تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر دشمن قبلہ کی جانب نہ ہو تو ابن عمرؓ کی حدیث کے مطابق جو بخاری شریف میں اور ابن مسعودؓ کی حدیث کے مطابق جو ابوداؤد وغیرہ میں یا دیگر صحابہ کی احادیث کے مطابق جو دیگر کتب حدیث میں آئی ہیں عمل کیا جائے، امام طحاوی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ امام لشکر کے دو حصے کرے پہلے حصہ کو ایک رکعت پڑھادے یہ دشمن کے مقابل چلا جائے پھر دوسرا آئے اس کو دوسری رکعت پڑھادے وہ دشمن کے مقابل چلا جائے، پھر پہلا آکر اپنی رکعت پوری کرے اس کے بعد دوسرا آکر اپنی رکعت پوری کرے علی التعاقب۔

امام صاحب سے جو تفصیل نقل کی گئی ہے کسی حدیث مرفوع میں صراحۃً اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے ابن عمرؓ کی اس روایت سے جو اس باب میں ہے امام ابو حنیفہ کے لئے استدلال کیا ہے لیکن یہ محل نظر ہے کیوں کہ حدیث پورے دعوے پر دلالت نہیں کرتی، ہاں امام ابوداؤد نے عبد الرحمن بن سمرۃؓ سے جو موقوف روایت نقل کی ہے اس میں یہ تفصیل ضرور آئی ہے البتہ امام صاحب نے ظاہر قرآن سے استدلال کیا ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نماز کی حالت میں بہت زیادہ منافیٔ نماز اعمال کرنے پڑتے ہیں اسلئے وہ صورتیں ارجح ہیں جو جمہور نے اختیار کیں، دیکھو نا جمہور کہتے ہیں کہ ایک طائفہ کو ایک رکعت پڑھادو وہیں وہ اپنی دوسری رکعت پوری کر کے دشمن کے مقابل چلا جائے اور دوسرے طائفہ کو دوسری رکعت پڑھادی جائے وہیں وہ اپنی نماز پوری کر کے دشمن کے مقابل چلا جائے اور امام صاحب نے جو تفصیل اختیار کی ہے اس میں ہر طائفہ نماز کی حالت میں دشمن کے مقابل جاتا ہے اور پھر آکر اپنی نماز پوری کرتا ہے۔

بہرحال حضرت امام ابو حنیفہ کی اجتہادی نظر واقع ہوئی انہوں نے ظاہر قرآن سے وہی مطلب سمجھا جو انہوں نے اختیار کیا ہے اور عبد الرحمن بن سمرہؓ کا موقوف عمل ان کی تائید کرتا ہے لیکن احادیث مرفوعہ جمہور کے حق میں ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ: اس میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ سب نے ایک ساتھ ہی اپنی باقی ماندہ رکعت پوری کرلی ہو، لیکن یہ احتمال ضعیف ہے کیوں کہ صلوۃ خوف کی مشروعیت کا مقصد حراست اور تحفّظ ہے اور ایک ساتھ نماز پورا کرنا اس مقصد کے منافی ہے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ ہر طائفہ نے علی التعاقب اپنی نماز پوری کی، پھر اس میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ طائفۂ اولیٰ نے پہلے پوری کی ہو اور طائفۂ ثانیہ نے بعد میں، اس احتمال پر یہ روایت امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق ہوگی اور اسی لئے بعض علماء نے اس سے امام صاحب کا مذہب ثابت کیا ہے، لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ طائفۂ ثانیہ نے اپنی نماز پہلے پوری کی اور طائفۂ اولیٰ نے بعد میں، اور یہ احتمال ابن مسعودؓ کی حدیث میں تصریح کے ساتھ وارد ہوا ہے أخرجه أبو داؤد والطحاوی اس لئے یہی ارجح ہے، اس صورت میں یہ روایت امام صاحب کے مذہب کی پوری دلیل نہیں بنتی ہے اور اسی طرح ابن مسعودؓ کی حدیث بھی، اسی لئے جن حنفیہ نے ابن مسعودؓ کی حدیث سے امام صاحب کے مسلک پر استدلال کیا ہے ان کا یہ استدلال مخدوش ہے۔

(ص ۱۲۹) بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ رِجَالًا وَرُكْبَانًا، رَاجِلٌ قَائِمٌ

۹۴۳. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقُرَشِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ إِذَا اخْتَلَطُوا قِيَامًا، وَزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا وَرُكْبَانًا.

ترجمہ: باب، صلوۃ الخوف کے کھڑے اور سوار ہو کر پڑھنے کا بیان، راجل کا مطلب ہے کھڑے ہو کر۔

حضرت ابن عمرؓ سے مجاہد کے قول کے قریب منقول ہے کہ جب مسلمان؛ دشمن کی فوج سے لڑائی کے وقت مختلط ہو جائیں تو کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، اور ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات مزید نقل کی کہ اگر دشمن اس سے بھی زیادہ ہوں تو وہ کھڑے ہو کر اور سوار ہو کر نماز پڑھیں۔

تشریح: اس ترجمہ کے مقصد میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر سواری سے اترنا دشوار ہو تو نماز ساقط نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کو مؤخر کیا جائے گا بلکہ اپنے وقت پر جیسے بھی ممکن ہو پڑھی جائے گی۔

ہمارے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد اس سے آیت کریمہ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ کی تفسیر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ رِجَالًا جمع ہے اس کا مفرد راجل ہے اور راجل کے معنیٰ ہیں یہاں پر قائم کے، اور یہ بتانے کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ راجل کے دو معنیٰ آتے ہیں ماشی چلنے والا اور قائم زمین پر کھڑا رہنے والا، امام بخاری نے بتادیا کہ یہاں زمین پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مراد ہے نہ کہ چلتے ہوئے، اور اس سے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو شدت خوف کی حالت میں چلتے ہوئے بھی نماز کو جائز کہتے ہیں جیسے امام احمد، یا امام شافعی مطلوب کو چلتے ہوئے نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہاں رجال سے مراد قائمین ہیں مشاۃ نہیں اسلئے اس سے صلوۃ ماشی پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمۂ گزشتہ سے صلوۃ الخوف کی مشروعیت ثابت فرمائی اور اس باب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صلوۃ الخوف رکبانا اور رجالاً یعنی قیاما علی الاقدام ہر طرح سے جائز ہے، اور اس پر تنبیہ اس لئے کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ صلوۃ الخوف صلوۃ الامن سے الگ ہے، امن کی حالت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز نہیں، ہاں اگر زمین پر کیچڑ پانی ہو اترنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو ایسی صورت میں امام ابو حنیفہ واحمد کہتے ہیں کہ دابہ پر نماز جائز ہے شافعی منع کرتے ہیں مالک کے دونوں اقوال ہیں۔

نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ: یعنی نافع نے ابن عمرؓ سے مجاہد کے قول کے قریب قریب نقل کیا ہے۔

إِذَا اخْتَلَطُوا قِيَامًا: یعنی جب لوگ جنگ میں مشغول ہوں اور آپس میں خلط ملط ہو رہے ہوں تو جو جہاں ہو وہیں کھڑے کھڑے نماز پڑھ لے إِذَا اخْتَلَطُوا قِيَامًا أي إِذَا اخْتَلَطُوا فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں بخاری کی روایت میں تحریف ہے قِیَامًا محرّف ہے اصل فإنما ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام اسماعیلی نے یہی اثر مجاہد سے نقل کیا ہے اس کے الفاظ ہیں إذا اختلطوا فإنما هو الإشارة بالرأس اور ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے إذا اختلطوا فإنما هو الذكر وإشارة الرأس، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ کیوں کہا؟ ابن عمرؓ کی روایت میں ذکر کا اضافہ ہے اور مجاہد سے صرف اشارۃ الراس کا ذکر ہے ذکر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بات تو اسی طرح ہے لیکن امام بخاری کو یہ روایت اسی طرح پہونچی ہے جس طرح بخاری شریف میں موجود ہے یعنی إِذَا اخْتَلَطُوا قِيَامًا اور اسی پر امام بخاری کا استدلال مبنی ہے یعنی صلوۃ خوف رجالاً اور رکبانا

جائز ہے یعنی اقدام پر کھڑے کھڑے جنگی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

وَزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: یعنی مجاہد تو موقوفاً ہی کہتے ہیں ابن عمرؓ آگے حضور ﷺ سے ایک مزید بات نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ: اور اگر دشمن اس سے بھی زیادہ ہوں یعنی تقسیم کا موقع نہ ہو فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا وَرُكْبَانًا تو لوگ قیاماً اور رکباناً نماز پڑھیں، اس زیادتی نے آکر بات کو صاف کر دیا کہ امام بخاری نے اپنا دعویٰ اس روایت مرفوعہ سے ثابت کیا ہے کہ اگر دشمن بہت زیادہ ہوں اور مسلمانوں کے لشکر کو دو طائفہ پر منقسم کرنا ممکن نہ ہو تو جس کو جہاں موقع ملے وہ قائماً اور راکباً اسی طرح نماز پڑھ لے، اور مجاہد کے قول سے استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہے، إذا جاء نهر الله بطل نهر المعقل اللہ کے نبی کا کوئی اثر آجائے تو پھر کسی اور کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔

(ص ۱۲۹) بَابٌ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ

٩٤٤. حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَكَبَّرَ وَكَبَّرُوا مَعَهُ وَرَكَعَ وَرَكَعَ نَاسٌ مِنْهُمْ ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدُوا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ لِلثَّانِيَةِ فَقَامَ الَّذِينَ سَجَدُوا وَحَرَسُوا إِخْوَانَهُمْ وَأَتَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَرَكَعُوا وَسَجَدُوا مَعَهُ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فِي صَلَاةٍ وَلٰكِنْ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

ترجمہ: باب، صلوۃ الخوف میں مجاہدین کے ایک دوسرے کی حفاظت کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے پھر آپ نے تکبیر کہی تو لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی اور آپ نے رکوع کیا اور آپ کے ساتھ کچھ لوگوں نے رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا تو انہی لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو جن لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا تھا وہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اپنے بھائیوں کی نگرانی کی اور دوسری جماعت آئی اور انہوں نے ﷺ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا اور سب کے سب لوگ نماز ہی میں تھے لیکن وہ ایک دوسرے کی نگہبانی کر رہے تھے۔

تشریح: علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں تو ہر حالت میں حراست مطلوب ہے لہذا اس کی تصریح کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ امام بخاری نے حدیث میں حراست کے مذکور ہونے کی وجہ سے یہ ترجمہ منعقد کر دیا ہے ورنہ امام نے اس باب سے نہ تو کسی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور نہ کسی وہم کا دفعیہ فرمایا ہے، لیکن ہمارے شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ صلوۃ الخوف کی مشروعیت کا مقصد ہی حراست وحفاظت ہے، لہذا اگر صلوۃ الخوف ادا کی جائے تو اس میں حراست کے معنی کو ملحوظ رکھا جائے یعنی نگرانی اور دیکھ بھال رکھی جائے اور اگر اس کیلئے التفات کی ضرورت ہو اور آدمی ادھر ادھر نگاہ پھرا کر دیکھے یا بعض وقت گردن موڑ کر دیکھے تو یہ مکروہ نہیں ہے اور یہ اس التفات میں داخل نہیں ہے جس کو اختلاسِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی اس حدیث میں صلوۃ الخوف کی جو صورت ذکر کی گئی ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب دشمن جانب قبلہ میں ہو، اور میں یہ بتلا چکا ہوں کہ قاضی ابو یوسف اور امام طحاوی اسی کے قائل ہیں اور امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے بھی اس کا جواز نقل کیا ہے۔

(ص ۱۲۹) بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُونِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ

وقال الأوزاعي: إن كان تهيأ الفتح ولم يقدروا على الصلاة صلوا إيماء كل امرئ لنفسه، فإن لم يقدروا على الإيماء أخروا الصلاة حتى ينكشف القتال أو يأمنوا، فيصلوا ركعتين، فإن لم يقدروا صلوا ركعة وسجدتين، فإن لم يقدروا فلا يجزئهم التكبير، ويؤخرونها حتى يأمنوا، وبه قال مكحول. وقال أنس بن مالك: حضرت عند مناهضة حصن تستر عند إضاءة الفجر، واشتد اشتعال القتال، فلم يقدروا على الصلاة، فلم نصلّ إلا بعد ارتفاع النهار، فصليناها ونحن مع أبي موسى ففتح لنا. قال أنس بن مالك: وما يسرني بتلك الصلاة الدنيا وما فيها

۹۴۵. حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُبَارَكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: جَاءَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا

صَلَّيْتُ الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغِيبَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَأَنَا وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا بَعْدُ، قَالَ" فَنَزَلَ إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ بَعْدَهَا.

ترجمہ: باب، قلعوں پر فاتحانہ چڑھائی اور دشمن سے مقابلہ کی صورت میں نماز کا بیان.

اور امام اوزاعی نے کہا کہ اگر فتح کی تیاری ہو اور لوگ نماز کو پورے ارکان کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہ ہوں تو اشارے سے نماز پڑھ لیں، ہر شخص اپنی اپنی پڑھ لے، پھر اگر اشارے پر بھی قادر نہ ہوں تو نماز کو مؤخر کر دیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یا امن ہو جائے تو اس وقت دو رکعت پڑھ لیں، اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو ایک رکعت اور دو سجدے کر لیں، پھر اگر اس کی قدرت نہ ہو تو صرف تکبیر تحریمہ کافی نہیں ہے اور وہ نماز کو مؤخر کر دیں یہاں تک کہ مامون ہو جائیں اور یہی بات مکحول نے کہی ہے، اور حضرت انس بن مالکؓ نے کہا کہ میں صبح کی روشنی کے وقت قلعۂ شوستر پر فاتحانہ چڑھائی کے موقع پر حاضر تھا اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تو لوگ نماز کی ادائیگی پر قادر نہ ہو سکے چنانچہ ہم دن کے چڑھنے کے بعد تک نماز نہ پڑھ سکے، پھر اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی اور ہم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ تھے پھر وہ قلعہ فتح کیا گیا، حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ اس نماز کے بدلے مجھے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے کوئی مسرت نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ خندق والے دن آئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں عصر کی نماز نہ پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب کے قریب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بخدا! میں تو ابھی تک نہیں پڑھ سکا، پھر آپ وادیٔ بطحان میں اترے، وضو کیا اور غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: مناهضه بابِ مفاعله کا مصدر ہے اس کی اصل نہوض ہے جس کے معنی اٹھنا، النهوض إلى الشئ بالقيام، والنهوض إلى العدو الإسراع في المضي إليه، اور مناهضة ایک دوسرے کے مقابل میں اٹھنا، مناهضة الحصون قلعوں کے فتح کرنے کے لئے اہتمام کرنا، اس میں مشغول ہونا، مقصد یہ ہے کہ اگر قلعہ فتح ہو رہا ہو لوگ مشغول ہوں اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو رہی ہو تو اس وقت بھی نماز پڑھی جائے گی۔

یہ نماز عرف میں صلوۃ المسایفہ کہلاتی ہے یعنی ایسی نماز جو دو طرفہ تلوار چلنے کے وقت میں ہوتی ہے۔

اگر لوگ جنگ میں مصروف ہوں تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ فی الوقت نماز کو مؤخر کر دیا جائے اور باقی ائمہ کے یہاں اسی حال میں نماز پڑھی جائے گی، امام بخاری اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں اور حافظ ابن کثیر نے تصریح کی ہے کہ امام بخاری ایسے جنگی حالات میں تاخیر صلوۃ کے قائل ہیں۔

إِنْ كَانَ تَهَيَّأَ الْفَتْحُ إلخ: اگر فتح بالکل قریب ہو اور اس وقت نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو ہر شخص اپنی نماز اشارے سے پڑھ لے، اور اگر اشارہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر نماز کو موقوف کر دیا جائے۔

اس پر سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اشارہ بھی آدمی نہ کر پائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ میدان جنگ میں ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں، بعض وقت حالات ایسے بن جاتے ہیں کہ اشارہ بھی ناممکن ہوتا ہے دشمن سامنے ہے اگر ذرا بھی نظر جھکائی دشمن صاف کر دے گا۔

فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا صَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ: اگر دو رکعت ممکن نہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لیں، حسن بصری، حکم بن عتیبہ اور حماد سے ایک رکعت کافی ہونا وارد ہے، اسلئے کہ صحیح مسلم میں ابن عباسؓ کی حدیث میں وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً وارد ہے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نماز خوف میں ایک رکعت کی گنجائش نہیں اور ابن عباسؓ کی حدیث وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے رکعة مع الإمام مراد ہے۔

فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا لَا يُجْزِئُهُمُ التَّكْبِيرُ: اور اگر ایک رکعت بھی پڑھنا ممکن نہ ہو تو نماز کی جگہ صرف تکبیر کہنا کافی نہیں، مکحول بھی اسی بات کے قائل ہیں، اوزاعی نے اس سے سفیان ثوری کی تردید کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اگر کچھ نہ ممکن ہو تو ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ لے اور یہی کافی ہو جائے گا اور بہت سے سلف مجاہد، حکم سے منقول ہے کہ تکبیر کافی ہے۔

وَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ حَضَرْتُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ حِصْنِ تُسْتَرَ: انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ قلعہ تستر کے فتح کے وقت میں موجود تھا صبح صادق کے طلوع کے وقت سخت جنگ ہو رہی تھی لوگ نماز نہ پڑھ پائے دن چڑھنے کے بعد ہم نے نماز پڑھی اور ہم ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ تھے قلعہ فتح ہو گیا۔

مُنَاهَضَةِ حِصْنِ تُسْتَرَ: أي فتح حصن تستر، تستر دو مرتبہ فتح ہوا ہے، پہلی مرتبہ کب فتح ہوا؟ اس میں تین قول ہیں، سن ۱۶ھ، سن ۱۷ھ، سن ۱۹ھ، اور دوسری مرتبہ یہ فتح ہوا ہے سن ۲۰ھ میں۔

وَمَا يَسُرُّنِي بِتِلْكَ الصَّلَاةِ: انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ اس نماز کے بدلہ میں مجھ کو دنیا وما فیہا پسند نہیں ہے، بتلک الصلوۃ سے مراد صلوۃ فائتہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہماری نماز فوت ہو گئی جو ہم کو اتنی عزیز تھی کہ اس کے بدلہ میں دنیا وما فیہا مل جائے تب بھی میں خوش نہیں ہوتا، یہ انسؓ کی رائے ہے لیکن عام صحابہ کی رائے مصالح مسلمین کی تقدیم ہے جیسا موقع ہو ویسا راجح ہے، اگر واقعی نماز میں مشغول ہو جانے سے عام مسلمین

کا نقصان ہو تو اس وقت نماز کو مؤخر کر دیا جائے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ بتلک الصلوۃ سے صلوۃ مقضیہ مراد ہے یعنی ہم کو اس قضا نماز میں ایسا مزہ آیا کہ نہ پوچھو ہمیں تو اسکے مقابل میں دنیا ومافیہا ہیچ معلوم ہوتی ہے، اس سے ان حضرات کا نماز سے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيىٰ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: یہ حدیث ابوابِ مواقیت میں آچکی ہے اور اس کے ضروری مضامین بقدرِ ضرورت بیان کر چکا ہوں صرف ایک مضمون مناسبت مقام ہونے کی وجہ سے اعادہ کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے نماز مؤخر فرمانے کا سبب کیا ہے؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا سبب سہو ہے، حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ایسی مشغولیت تھی کہ وہ نماز یاد ہی نہیں رہی، امام احمد وابن سعد نے حضرت ابو جمعہؓ صحابی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نماز مغرب ادا کی پھر فرمایا کہ کیا کسی کو یاد ہے میں نے عصر پڑھی ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں پڑھی ہے لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے۔

اس پر ایک عقلی اشکال یہ بھی ہے کہ اگر آپ کو نسیان طاری ہو گیا تھا تو کیا سب ہی کو نسیان طاری ہو گیا تھا؟ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ نبی پاک صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امام تھے سب آپ کے اوپر نگاہ رکھتے تھے جو آپ کرتے تھے وہی آپ کے صحابہ کرتے تھے، جنگی مشغولی تھی صحابہ آپ کو دیکھ رہے تھے اور یہ جانتے تھے کہ آپ جو کریں گے وہی اللہ کے یہاں مرضی وپسندیدہ ہے اس لئے صحابہ بولے نہیں اصلاً تو آپ کا مسئلہ ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھول گئے تھے یا نہیں؟ ابو جمعہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نسیان ہو گیا۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عمداً نماز کو مؤخر کیا تھا، علامہ ابن حزم السیف المسلول (ننگی تلوار) میں فرماتے ہیں کہ یہ ہرگز جائز نہیں ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نماز کو عمداً مؤخر کریں، آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس کو تفریط فرمایا ہے فرماتے ہیں لیس فی النوم تفریط إنما التفریط فی الیقظة بیداری کے عالم میں نماز کو مؤخر کرنا یہ کوتاہی ہے، جس چیز کو نبی کوتاہی کہہ رہے ہیں بھلا اس کا ارتکاب کیسے کر سکتے ہیں؟ اور دیکھو فرماتے ہیں الذی تفوته صلوة العصر فکأنما وُتر أهله وماله جس کی نماز عصر فوت ہو جائے اس کا حال یہ ہے کہ گویا اس کے اہل ومال کو چھین لیا گیا، تو بھلا نبی جس حالت کو وُتِرَ سے تعبیر کریں اور اسکے مرتکب کو موتور قرار دیں آپ اس کا ارتکاب کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جب جو عمل کیا

اس وقت وہی ٹھیک ہے نیکنیختن علت از کارتو۔

ہم کون ہیں، سیدھی بات ہے اطمینان کی حالت میں تاخیر کرنا تفریط ہے اور ایسا شخص موتور ہے، اور اگر اطمینانی حالت نہیں ہے تو کوئی کوتاہی نہیں ہے اور نہ انسان موتور ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کو مؤخر کیوں کیا؟ اس میں تین رائیں ہیں، (۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اس وقت باوضو نہیں تھے، یہی قول مالکیہ سے نقل کیا جاتا ہے اور ابن حجر نے حنابلہ سے نقل کیا ہے، (۲) دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ صلوۃ الخوف اس وقت مشروع نہیں ہوئی تھی، ابن حجر نے یہ قول شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی موفق بن قدامہ حنبلی نے اختیار کیا ہے، (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا سبب جنگی مصروفیت تھی، امام بخاری کا رجحان اسی طرف ہے۔

(ص ۱۲۹) بَابُ صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ رَاكِبًا وَإِيمَاءً

وقال الوليد: ذكرت للأوزاعي صلاة شرحبيل بن السمط وأصحابه على ظهر الدابة، فقال: كذلك الأمر عندنا إذا تخوف الفوت.

واحتج الوليد بقول النبي ﷺ: لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة.

٩٤٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الأَحْزَابِ: لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ، فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُعَنِّفْ أَحَدًا مِنْهُمْ.

ترجمہ: باب، طالب اور مطلوب کے سواری پر اور اشارے سے نماز پڑھنے کا بیان۔

اور ولید بن مسلم نے کہا کہ میں نے امام اوزاعی سے شرحبیل بن السمط اور ان کے ساتھیوں کے سواری پر نماز پڑھنے کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں بھی۔ اگر فوت ہونے کا ڈر ہو۔ یہی حکم ہے، اور ولید نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا کہ تم میں سے کوئی عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا جب آپ غزوۂ خندق سے فارغ ہوگئے کہ تم میں سے

کوئی عصر کی نماز ہر گز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں پہنچ کر، پھر یہ کہ بعض لوگوں کو عصر کا وقت راستے ہی میں ہو گیا اور بعض نے کہا کہ ہم عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے یہاں تک کہ بنو قریظہ میں پہنچ جائیں اور بعض نے کہا بلکہ ہم نماز پڑھ لیں گے آپ کا مطلب یہ (نماز قضا کرنا) نہیں تھا، پھر یہ بات رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ نے ان میں سے کسی کو ملامت نہیں کی۔

تشریح: طالب جو کسی کا تعاقب کر رہا ہو کسی کے پیچھے دوڑ رہا ہو اور مطلوب جس کا کوئی تعاقب اور پیچھا کر رہا ہو، امام بخاری نے باب گزشتہ میں صلوۃ المسایفہ کا مسئلہ بیان کیا تھا اور اس باب میں صلوۃ الطالب والمطلوب کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

صلوۃ الطالب والمطلوب کا مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے۔

صلاۃ الطالب میں چار قول ہیں، (۱) ابن حبیب کہتے ہیں کہ طالب کے لئے ہر طرح نماز پڑھنا جائز ہے راکبًا وماشیًا، (۲) حنفیہ اور ابن عبد الحکم کہتے ہیں کہ مطلقًا ناجائز ہے، (۳) امام احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اگر دشمن کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اسی حال میں پڑھ سکتا ہے، (۴) امام شافعی اور امام احمد دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اگر مطلوب اور دشمن کے لوٹ کر حملہ کرنے کا اندیشہ ہو تو اسی حال میں نماز پڑھ سکتا ہے۔

اور مطلوب کی نماز راکبًا بالاتفاق جائز ہے اور ماشیًا ائمۂ ثلاثہ کے یہاں جائز ہے اور حنفیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، امام بخاری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ صلوۃ الطالب والمطلوب مطلقًا جائز ہے، طالب و مطلوب دونوں راکبًا وایماءً نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن مصنف نے صرف راکبًا کی قید لگائی ماشیًا کی نہیں، اس سے بظاہر یہ نکلتا ہے کہ امام بخاری صلوۃ طالب و مطلوب کے جواز کے اس وقت قائل ہیں جب وہ راکب ہو، اور اگر راکب نہ ہو ماشی ہو تو صلوۃ مطلوب کے مسئلہ میں امام بخاری امام ابو حنیفہ کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔

وَقَالَ الْوَلِيدُ ذَكَرْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ: ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعی کے سامنے یہ بیان کیا کہ شرحبیل بن سمط اور اس کے ساتھیوں نے سواری کی پشت پر نماز پڑھی تو اس پر امام اوزاعی نے فرمایا کہ ہمارے یہاں مسئلہ ہی یہی ہے اگر فوت کا اندیشہ ہو، فوت سے مراد آیا فوتِ وقت ہے یا فوتِ نفسِ صلاۃ یا فوتِ عدو ہے؟ تینوں احتمالات بعض شارحین نے ذکر کئے ہیں لیکن ان احتمالات میں سے احتمال اول ارجح ہے اس لئے کہ مستملی کی روایت میں واقع ہوا ہے إِذَا تَخَوَّفَ الْفَوْتَ فِي الْوَقْتِ۔

شرحبیل بن سمط طالب تھے یا مطلوب؟ بخاری کی روایت میں کوئی تصریح وارد نہیں ہوئی ہے،

صاحب الشافی کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طالب تھے اور فتح الباری کے کلام سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے، امام بخاری نے یہ اثر تاریخ کبیر میں بہت مختصر نقل کیا ہے أغرنا مع ابن السمط فنزل إبراهيم بن الأشتر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ طالب تھے اغارہ کرنے اور ڈھاوا بولنے کے لئے گئے تھے، ابواسحاق فزاری نے یہ اثر کتاب السیر میں نقل کیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ طالب تھے۔

وَاحْتَجَّ الْوَلِيدُ: ولید بن مسلم نے صلوٰۃ طالب کے راکبًا جائز ہونے پر حضور ﷺ کے ارشاد **لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ** سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ عصر کی نماز ہر شخص بنو قریظہ میں پڑھے گا، اب اگر عصر کا وقت فوت ہونے لگے اور سرکار دوعالم ﷺ کی طرف سے اترنے کی ممانعت تھی تو لامحالہ وہ لوگ نماز سواری ہی پر ادا کرتے، اس سے معلوم ہوگیا کہ صلوٰۃ طالب راکبًا جائز ہے، یہ استدلال تو میں نے اس وقت تسلیم کرلیا ویسے دیگر شارحین نے اور بھی استدلالات بیان کئے ہیں جو حدیث کے ذیل میں بیان کروں گا إن شاء اللہ تعالیٰ۔

حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ: یہ حدیث امام بخاری نے اسی سند و متن کے ساتھ کتاب المغازی ص ۵۹۱ پر تخریج فرمائی ہے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جو بخاری میں بیک سند و متن مکرر ہیں ایسی روایات حافظ کے بیان کے مطابق بیس تک پہنچتی ہیں لیکن تحقیق سے اور بھی زیادہ تعداد ہوجاتی ہے۔

نیز امام مسلم نے بھی یہ حدیث اسی سند سے تخریج فرمائی ہے۔

العصر یا الظہر؟ یہاں امام بخاری کی روایت میں واقع ہوا ہے **لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ** لیکن مسلم شریف میں اسی سند سے اسی روایت میں بجائے عصر کے ظہر کا لفظ واقع ہوا ہے، بڑی عجیب بات ہے کہ شیخین ایک ہی سند سے ایک ہی روایت نقل کرتے ہیں لیکن لفظ کا فرق ہوگیا، مزید یہ ہے کہ سیاق میں بھی فرق ہے، اب یہ دیکھنے کی بات ہے کہ کس کا سیاق اقرب ہے؟ امام مسلم نے جو سیاق اور جن الفاظ سے روایت نقل کی ہے بعینہٖ اسی سیاق اور الفاظ سے ابویعلیٰ اور دوسرے محدثین نقل کیا ہے، اسی طرح سے ابن سعد اور ابن حبان نے بطریق ابی غسان مالک بن اسماعیل عن جویریۃ بنت اسماء عن نافع یہ روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم نے جو سیاق نقل کیا ہے وہ اصل ہے اور امام بخاری نے یہ روایت بظاہر اپنے حافظہ سے نقل کی اور اس میں

کچھ لفظی تصرف ہو گیا، لیکن یہی روایت ابونعیم نے مستخرج میں ایک دوسرے طریق سے نقل کی ہے عن جویریۃ اس میں عصر کا لفظ واقع ہوا ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ جویریہ ہی کو یہ دو صورتیں پیش آئی تھیں اولاً ایک سیاق کو نقل کر دیا اور پھر دوسرے کو نقل کر دیا، یا پھر یہ کہا جائے کہ امام مسلم نے جو نقل کیا ہے وہ اصل سیاق ہے اور بخاری نے روایت بالمعنی سے کام لیا اور اپنے حافظہ سے روایت نقل کی۔

یہ گفتگو تو بحیثیت شیخین کی روایت کے ہے، باقی اس روایت سے قطع نظر دوسری روایات میں عصر کا ذکر وارد ہوا ہے، امام طبرانی نے یہ روایت بطریق عبید اللہ بن کعب عن کعب بن مالک نقل کی ہے اس میں بھی عصر کا ذکر ہے، امام بیہقی نے یہی روایت نقل کی ہے عن عائشۃ اس میں بھی عصر کا ذکر ہے، نیز ارباب مغازی بھی عصر کا ذکر کرتے ہیں، اب یہ کہنا تو بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ جویریہ یا اوپر کے کسی استاد نے دونوں کو ذکر کیا تھا بعض نے ایک کو لے لیا اور بعض نے دوسرے کو، اگر ایسا ہوا ہوتا تو کوئی ایک شاگرد اور کسی ایک طریق میں تو دونوں کا ذکر ہوتا، بہر حال عصر کا ذکر اپنی جگہ پر ثابت ہے۔

تطبیق: اب ظہر وعصر کے الفاظ میں تخالف سا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ نے صرف عصر کے متعلق ہدایت دی تھی اور لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهرَ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان کو ظہر کے متعلق ہدایت دی تھی، اس میں دو طرح سے جمع کیا گیا ہے، (۱) ایک تو یہ کہ جو لوگ پہلے چلے ان کو تو یہ فرمادیا کہ ظہر نہ پڑھیں اور جو لوگ بعد میں چلے ان کو فرمادیا کہ عصر نہ پڑھیں، (۲) دوسرے یہ کہ جو لوگ ظہر پڑھے بغیر چلے ان کو تو فرمادیا کہ ظہر نہ پڑھیں مگر بنو قریظہ میں اور جو ظہر پڑھ کر چلے ان کو فرمایا گیا کہ عصر نہ پڑھیں مگر بنو قریظہ میں، (۳) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ظہر وعصر نہ پڑھیں مگر بنو قریظہ میں، بعض نے بعض کو نقل کر دیا اور بعض نے بعض کو، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے جس کی طرف میں اشارہ کر آیا ہوں کہ اگر حضور ﷺ نے دونوں ایک ساتھ فرمایا ہوتا تو روایۃ الباب کے کسی طریق میں تو دونوں کا ذکر ہوتا۔

فَأَدْرَكَ بَعْضَهُمُ الْعَصْرُ فِي الطَّرِيقِ: یعنی بعض حضرات نے تو عصر کی نماز راستہ میں پڑھ لی اور بعض حضرات نے نہیں پڑھی، جنہوں نے نہیں پڑھی انہوں نے تو یہ ملحوظ رکھا کہ حضور ﷺ نے ہمیں

تا وصول بنو قریظہ نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے اور جنہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم تو پڑھیں گے انہوں نے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ راستہ میں دیر نہ کی جائے، اب اگر راستہ میں ہم نے نماز پڑھ لی اور جلدی نکل گئے تو اگر پہلا طائفہ بنو قریظہ دو منٹ پہلے پہونچے گا تو ہم چند منٹ بعد میں پہنچ جائیں گے، لیکن بہر حال وہ لوگ اتنی دیر نماز میں مشغول ہوں گے۔

کس کی رائے اصوب ہے؟ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے اپنی سیرت میں یہ لکھا ہے کہ اگر ہم ہوتے تو کبھی بھی نماز نہ پڑھتے چاہے کے دن گزر جاتے بنو قریظہ پہونچنے کے بعد ہی پڑھتے اور یہی اصوب ہے، اس لئے کہ جب شارع علیہ السلام نے ایک تنصیص فرمادی تو اپنی طرف سے اس میں رائے زنی کی کیا ضرورت؟ اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں! جن لوگوں نے راستہ میں نماز پڑھی ان کی رائے زیادہ ارجح ہے، اس لئے کہ انہوں نے وقت کی فضیلت کو بھی ملحوظ رکھا اور مقصود نبوی کی جو غرض تھی وہ بھی حاصل ہوگئی، اس واسطے کہ جس طائفہ نے نماز نہیں پڑھی وہ یقیناً بنو قریظہ پہنچ کر نماز میں مصروف ہوگا جتنی دیر وہ نماز میں مصروف رہیں گے اتنی دیر میں یہ لوگ پہنچ جائیں گے اور دونوں کام میں برابر ہو جائیں گے، فرق اتنا ہوگا کہ ان لوگوں نے وقت کو نہیں پایا اور یہ دوسرا طائفہ وقت کی فضیلت حاصل کر کے منزل کو پہنچے گا۔

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں جو تقریر کی ہے اس سے تو نماز پڑھنے والوں کی تصویب نکلتی ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی انہیں کی تقلید میں فتح الباری میں یہی بیان کیا ہے، لیکن مدارج السالکین میں جو تقریر کی ہے اس سے ابن حزم کی موافقت نکلتی ہے اور بندہ بھی یہی رائے رکھتا ہے کہ اگر ہم ہوتے تو راستہ میں ہرگز نماز نہ پڑھتے بلکہ بنو قریظہ ہی پہنچ کر پڑھتے۔

الغرض حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ سے طائفتین کا عمل ذکر کیا گیا تو آنحضور ﷺ نے کسی بھی طائفہ کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی اور ہر ایک کے اجتہاد پر ہر ایک کو برقرار رکھا۔

ترجمۃ الباب کا اثبات: امام بخاری نے یہ روایت صلوۃ الطالب والمطلوب کے ترجمہ کے ذیل میں ذکر کی ہے اور اس سے صلوۃ طالب راکباً کے جواز کو ثابت کیا ہے، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث میں

یہ مل جاتا کہ راستہ میں نماز پڑھنے والوں نے راکباً نماز پڑھی ہے تب، تو مدعا بالکل واضح طور پر ثابت ہو جاتا، لیکن چونکہ یہ کسی روایت میں ثابت نہیں لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنو قریظہ میں نماز پڑھنے والوں نے فریضۂ وقت کو چھوڑ دیا اور اس کے ترک کی گنجائش ہوگئی تو طالب کو فرض رکوع و سجود چھوڑ کر ایماء پر اکتفاء کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

علامہ ابن مرابط اور زین بن منیر فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ میں نماز پڑھنے والوں نے جب وقت کو فوت کر دیا اور ان پر کوئی اشکال نہیں ہوا تو جو وقت کو فوت نہ کرے اور ایماء واشارہ سے جیسے ممکن ہو نماز ادا کرلے تو اس کا فعل تاخیر صلوۃ سے بدرجۂ اولیٰ افضل ہوگا۔

(ص ۱۲۹) بَابُ التَّكْبِيرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الْإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ

۹۴۷. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ وَثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ ثُمَّ رَكِبَ فَقَالَ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ فَخَرَجُوا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ وَيَقُولُونَ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ- قَالَ: وَالْخَمِيسُ الْجَيْشُ - فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذَّرَارِيَّ فَصَارَتْ صَفِيَّةُ لِدِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ وَصَارَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ صَدَاقَهَا عِتْقَهَا.

فَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ لِثَابِتٍ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ أَنْتَ سَأَلْتَ أَنَسًا مَا أَمْهَرَهَا، فَقَالَ: أَمْهَرَهَا نَفْسَهَا، قَالَ: فَتَبَسَّمَ.

ترجمہ: باب، دشمن پر اچانک حملہ کرنے اور جنگ کے وقت نماز فجر کو تاریکی میں پڑھنے کا اور نعرۂ تکبیر کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب ما یذکر فی الفخذ میں گزر چکا)۔

تشریح: التکبیر اسی طرح سے بہت سے نسخوں میں بتقدیم الکاف علی الباء واقع ہوا ہے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے ابو داؤد کی اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ آنحضور ﷺ نے قتال میں رفع صوت سے منع فرمایا ہے اور یہ بتلا دیا کہ تکبیر

اس سے مستثنیٰ ہے اس میں رفع صوت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ امام بخاری نے کتاب الجہاد میں ایک ترجمہ منعقد کیا ہے **مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد میں بھی تکبیر میں رفع صوت مکروہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک موقع ہوا کرتا ہے، اگر میدان کارزار میں بضرورت رفع صوت کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن بار بار چیخنے سے قوت کمزور پڑ جاتی ہے، اسی طرح بعض وقت بے جگہ رفع صوت کرنے سے دشمن کو اندازہ ہو جاتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ رفع صوت نقصان دہ ثابت ہو۔

دوسرا نسخہ ہے **التبکیر بتقدیم الباء علی الکاف**، یہی ابوذر نے کشمیہنی سے نقل کیا ہے اور یہ بکور سے ماخوذ ہے جس کے معنی تعجیل کے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہی نسخہ اوجہ ہے، بندہ کے نزدیک بھی یہی نسخہ ارجح ہے اس واسطے کہ آگے ہے **الغلس بالصبح** اور امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آدمی جنگ میں ہو تو صبح کی نماز میں تعجیل کرنی چاہئے اور وقت ہوتے ہی غلس میں نماز پڑھ لینی چاہئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جنگ میں نماز کی تعجیل اس کی تاخیر سے اولیٰ ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جب جنگ ہو رہی ہو اور شدت کا مقابلہ ہو تو ایسے وقت میں نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کر دینا چاہئے، امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ تاخیر کی کوئی وجہ نہیں عجلت سے نماز پڑھ لینی چاہئے **أشار الیه الزین بن المنیر**، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آدمی کو یہ چاہئے کہ جنگ میں مشغول ہونے سے پہلے پہلے جلدی سے نماز سے فارغ ہو جائے اس کے بعد پھر جنگ میں مشغول ہو۔

وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الْإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ: اور اس بات کے بیان میں کہ نماز جنگ کے وقت اور حملہ کے وقت کب پڑھی جائے؟ روایت نے بتلا دیا کہ سویرے نماز پڑھ لی جائے۔

ابواب صلاۃ الخوف پورے ہوئے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(ص ۱۳۰) کِتَاب الْعِیدین

ابوابِ بخاری کی مناسبت: امام بخاری نے پہلے اذان پھر اقامت، اس کے بعد جماعت اور امامت، پھر صفۃ صلوۃ ذکر فرمائی تھی، اور بعض وقت فرض نمازیں مخصوص ہیئات کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں اس لئے جمعہ اور خوف کو ذکر فرمایا اور جمعہ چونکہ کثیر الوقوع ہے لہذا اس کو مقدم فرمایا۔

اب جب امام بخاری فرائض خمسہ اور اس کی جماعت کے بیان سے فارغ ہو چکے تو ان نوافل کا تذکرہ فرماتے ہیں جن میں جماعت مشروع ہے، لہذا عیدین، وتر، استسقاء اور کسوف کا تذکرہ فرمایا ہے، اور چونکہ کسوف میں رکوع زیادہ ہوتا ہے اس لئے سجودِ تلاوت کا مسئلہ کسوف کے بعد ذکر فرمایا کیوں کہ بعض وقت سجدۂ تلاوت نماز میں واقع ہو جاتا ہے اور نماز میں ایک سجدہ بڑھ جاتا ہے، اور جب مصنف زیادۃ الرکوع والسجود فی الصلوۃ کو بیان کر چکے تو تقابل کے طور پر ابواب تقصیر کو شروع فرمادیا اس لئے کہ سفر میں کمی کر دی جایا کرتی ہے اور بجائے چار کے دو رکعت پڑھی جاتی ہے، اس تقریر سے ابواب سابقہ اور آتیہ میں مناسبت معلوم ہوگئی۔

یہاں پر خاص طور سے یہ مناسبت بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاری پہلے صلوۃ الخوف کا تذکرہ کر کے صلوۃ العیدین کو بیان فرمارہے ہیں، چونکہ عیدین عید کا تثنیہ ہے اور عید کہتے ہیں سرور کو اور سرور امن کی خبر دیتا ہے تو پہلے خوف کا اس کے بعد امن کا ذکر فرمادیا، یہ مناسبت ہے لیکن یہ بس ایک نکتہ سا ہے۔

عیدین عید کا تثنیہ ہے عَود سے ماخوذ ہے، چونکہ عید ہر سال لوٹ کر آتی ہے یا اس لئے کہ اس سے عوائدِ الٰہیہ لوٹتی ہیں اللہ کی نعمتیں یا سرور لوٹتا ہے اس لئے اس کو عید کہا جاتا ہے۔

عیدین کی مشروعیت: صلوۃ عیدین کی مشروعیت ابن سعد اور ابن حبان وغیرہ نے سن ۲ھ میں ذکر کی ہے، صاحبِ درمختار نے سن ۱ھ میں لکھا ہے مگر یہ قول مرجوح ہے یا مؤول۔

مؤول کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ سنہ ہجری کی ابتداء کب سے کہلائے گی؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جس سال رسول پاک ﷺ نے ربیع الاول میں ہجرت کی اسی سال کے محرم سے ابتداء ہوگی، لیکن یعقوب بن سفیان نے اس سال کے مہینوں کو چھوڑ کر اگلے سال کے محرم سے ابتداء کی ہے اور اسی لئے انہوں نے غزوۂ بدر کو پہلی ہجری میں اور غزوۂ احد کو دوسری ہجری میں اور غزوۂ خندق چوتھی ہجری میں ذکر کیا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے، یہ کوئی بات ہوئی کہ پورے دس مہینے بالکل چھوڑ دیئے اور اس کے بعد سے سال کا افتتاح کیا، امام مالک سے منقول ہے کہ اسی سال کے ربیع الاول سے سال کی ابتداء ہونی چاہئے جس سال رسول پاک ﷺ نے ہجرت کی ہے۔

صلوٰۃ العیدین اس امت کے خصائص میں شمار کی گئی ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اس کا حکم شرعی کیا ہے؟ (۱) ابن حبیب سے منقول ہے کہ فرض عین ہے، (۲) امام احمد فرماتے ہیں کہ فرض کفایہ ہے، (۳) امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سنت ہے، (۴) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ واجب علی الاعیان ہے۔

امام بخاری کی رائے کیا ہے؟ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی ہے اور ان شاء اللہ میں دو باب کے بعد بَاب سُنَّةِ العِيدَيْنِ لِأَهْلِ الإِسْلَامِ میں مزید وضاحت کروں گا۔

(ص ۱۳۰) بَاب مَا جَاءَ فِي الْعِيدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيهِمَا

۹۴۲. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوقِ فَأَخَذَهَا فَأَتَى بِهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ابْتَعْ هَذِهِ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيدِ وَالْوُفُودِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّمَا هَذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فَلَبِثَ عُمَرُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَلْبَثَ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِجُبَّةِ دِيبَاجٍ فَأَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ فَأَتَى بِهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ قُلْتَ إِنَّمَا هَذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ وَأَرْسَلْتَ إِلَيَّ بِهَذِهِ الْجُبَّةِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: تَبِيعُهَا وَتُصِيبُ بِهَا حَاجَتَكَ.

ترجمہ: باب، عیدین کا بیان اور عیدین میں زیبائش اختیار کرنے کا حکم۔

(روایت باب یلبس أحسن ما یجد میں گزر چکی)۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ عیدین میں اچھا کپڑا پہننا مستحب ہے۔

یہ وہ باب آگیا جس کی طرف میں نے ابواب جمعہ میں اشارہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ امام بخاری نے جمعہ میں ترجمہ منعقد کیا ہے باب ما یلبس أحسن ما یجد اور عیدین میں ترجمہ منعقد کیا ہے و التجمل فیھما کا۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ترجموں کے الفاظ میں فرق کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ ترجمۂ جمعہ میں أحسن ما یجد کا لفظ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ موجود کپڑوں میں جو احسن ہو اس کو استعمال کرلے اس کا نیا ہونا ضروری نہیں، اور یہاں و التجمل فیھما کا ترجمہ منعقد کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ عید کے دن ایسا کپڑا استعمال کرنا چاہئے جس میں جمال ملحوظ ہو، نیا کپڑا استعمال کیا جائے اگر انسان کے بس میں ہو اور مصنف نے اِبْتَعْ هٰذِهٖ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ سے اس مدعا کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

مالکیہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ آدمی جمعہ کے دن سفید کپڑا پہنے اگرچہ غسیل ہو اور عید کے دن نیا کپڑا پہنے اگرچہ سیاہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کی استطاعت نہ ہو تو خواہ مخواہ اس کے لئے مصیبت اٹھائے، مطلب یہ ہے کہ بسہولت اگر میسر ہو ورنہ جو میسر ہو۔

أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً: حضرت عمرؓ نے ایک جبہ لیا، اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جبّہ تھا یا حلّہ یا قباء؟ اصل میں ابن عمرؓ سے یہ روایت ان کے تین تلامذہ نقل کرتے ہیں، نافع، عبد اللہ بن دینار اور سالم، نافع اور عبد اللہ بن دینار کی روایت میں بلا اختلاف حلہ واقع ہوا ہے لیکن سالم کی ایک روایت میں اختلاف ہے کوئی حلہ نقل کرتا ہے اور کوئی جبّہ اور کوئی قباء کا لفظ، ان الفاظ میں پہلے دونوں تلامذہ کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے حلّہ ہی کا لفظ راجح معلوم ہوتا ہے، حلّہ کہتے ہیں اس کپڑے کو جس میں ازار اور رداء ایک ہی جنس کی ہو۔

تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ: ابواب جمعہ میں اسی روایت میں گزرا ہے فلبستھا یوم الجمعۃ وللوفد جبکہ یہاں تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيْدِ ہے، مگر دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے جمعہ اور عید دونوں کو ذکر کیا ہو، بعض نے جمعہ کو ذکر کر دیا اور بعض نے عید کو۔

(ص ۱۳۰) بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيدِ

٩٤٣. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَسَدِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ دَعْهُمَا فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا.

٩٤٤. وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ فَإِمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَإِمَّا قَالَ: تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَأَقَامَنِي وَرَاءَهُ خَدِّي عَلَى خَدِّهِ وَهُوَ يَقُولُ دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: حَسْبُكِ، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَاذْهَبِي.

ترجمہ: باب، عید کے دن ڈھال اور چھوٹے نیزوں سے کھیلنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب أصحاب الحراب فی المسجد میں گزر چکا)۔

تشریح: حِرَاب حربة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نیزہ اور دَرَق درقة کی جمع ہے بمعنی ڈھال۔

امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے بظاہر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عید کے دن نیزہ اور حربہ ساتھ لے سکتے ہیں۔

علامہ ابن بطال نے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ حضور ﷺ کی عادت اور سنت نہیں تھی کہ عید میں ہتھیار ساتھ لیکر جائیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو کسی دشمن کا خطرہ تھا اس لئے ساتھ میں نیزہ لے لیا، یہ فرما کر پھر ابن بطال نے بخاری پر یہ اشکال کر دیا کہ روایت میں یہ کہیں بھی تصریح نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے ساتھ ہتھیار لے گئے ہوں گویا روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد یہ نہیں کہ عید گاہ میں ہتھیار لے جاسکتے ہیں بلکہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عید کے دن ہتھیاروں وغیرہ سے کھیلنا اور اظہار شوکتِ اسلام کرنا امور مباحہ میں سے ہے۔

ایک تعارض کا حل: امام بخاری نے ایک ترجمہ یہاں منعقد کیا ہے باب الحراب والدرق یوم العید اس ترجمہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہتھیاروں وغیرہ سے کھیلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور ایک ترجمہ ص ۱۳۲ پر بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ منعقد کیا ہے، وہ ترجمہ تصریح کرتا ہے کہ عید کے

دن ہتھیار اٹھانا مکروہ ہے، ان دونوں ترجموں میں تعارض ہو گیا۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں دونوں ترجموں کا محمل بالکل الگ ہے، امام بخاریؒ نے یہاں پر یہ اشارہ فرمایا ہے کہ عید کے دن ہتھیار وغیرہ سے کھیلنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگلے آنے والے ترجمہ سے یہ بتلایا ہے کہ عید گاہ میں ہتھیار لے جانا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ مجمع کا موقع ہوتا ہے ممکن ہے کہ کسی آدمی کو تکلیف پہنچ جائے، اور شراح نے بھی جمع کیا ہے جس کو میں اگلے باب میں بیان کروں گا۔

وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاث: حافظ کہتے ہیں کہ ان دو جاریہ میں ایک کا نام امامہ ہے، ابن ابی الدنیا میں ان کے نام کی تصریح واقع ہوئی ہے، دوسرا نام ممکن ہے زینب ہو اسلئے کہ ابن طاہر نے صفۃ الصفوۃ میں ایک حدیث ذکر کی کس میں وارد ہے کہ مدینہ میں زینب نامی ایک جاریہ گایا کرتی تھی۔

بُعاث باء کے ضمہ اور عین مہملہ کے ساتھ ہے، ابو عبیدہ اور خلیل بن احمد نے اس کو بُغاث بالغین المعجمہ ضبط کیا ہے، لیکن حافظ ابو موسی المدینی اور ابن اثیر جزری صاحب النہایۃ کہتے ہیں کہ یہ تصحیف ہے، یہ قلعہ کا نام ہے اوس وخزرج میں اس قلعہ کے پاس ایک مشہور جنگ واقع ہوئی تھی، خطابی فرماتے ہیں کہ یہ مقتلۂ عظیمہ ایک سو بیس سال تک قائم رہا، لیکن یہ غلط ہے بلکہ یہ جنگ تو ہجرت سے تین سال پیشتر واقع ہوئی ہے ہاں البتہ اوس وخزرج میں بہت سی لڑائیاں ہوئی ہیں ان لڑائیوں کی مجموعی مدت ایک سو بیس سال بن جاتی ہے۔

فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ: حضور بستر پر لیٹ گئے اور چہرۂ انور دوسری طرف پھیر لیا، بعض کہتے ہیں اس لئے کہ یہ کھیل کود اور لہو ولعب کے قبیل سے تھا اسلئے آپ نے اس سے اعراض فرمایا، اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ایسا اس لئے کیا تھا تاکہ ان بچیوں کو شرم نہ آئے، اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بنیتِ راحت اس وقت اپنا چہرہ پھیر لیا تھا، بعض روایات میں وارد ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے چادر اوڑھ کر اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔

وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِي إلخ: ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹا اس لئے کہ ان کی موجودگی میں ان کے ہوتے ہوئے ان کے گھر میں یہ گانا کیوں؟ اور فرمایا کہ شیطان کی آواز یا یہ کہ شیطان کا گانا اور حضور کے پاس؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ یہ سمجھے کہ حضور پاک ﷺ گہری نیند سو رہے ہیں آپ کو یہ پتہ ہی نہیں کہ یہاں یہ بچیاں گانا گا رہی ہیں، لیکن جب حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ کو سرزنش کی تو حضور اکرم ﷺ

نے فرمایا دَعْھُمَا چھوڑ دو، مگر جب صدیق اکبرؓ ذرا دوسری طرف مشغول ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے دونوں بچیوں کو اشارہ کر دیا کہ تم بھاگ جاؤ۔

اس حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے کہ ایسے اشعار جس میں حمد و ثناء اور نعت وغیرہ ہوتی ہے نیز اسلام کے محامد کا بیان ہو اس کا سننا جائز اور مباح ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسے اشعار ہوں یا ایسا موقع ہو کہ اشعار پڑھنے کی وجہ سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تب تو اجازت نہیں ہے، اور اگر کسی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے تو پھر اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے، حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں آکر حضرت کعبؓ نے اشعار سنائے اور آپ نے سنا، بچیاں گانا گا رہی تھیں آپ نے اس پر نکیر نہیں کی حالانکہ یہ فعل خوشی کے موقع پر تھا، تو جو اشعار اس لئے پڑھے جاتے ہیں جس سے اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت تیز اور تازہ ہوتی ہے اس میں کیا مضائقہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرات صوفیاء بعض اوقات ایسے اشعار سنتے سناتے ہیں اور اسی کو سماع کہتے ہیں البتہ حضرات فقہاء کو احتیاط کی بناء پر بندش لگانی پڑی ہے اور منع کرنا پڑا ہے۔

بہر حال سماع شریعت کے قانون میں کوئی ایسا مقصود امر نہیں ہے جس کو آدمی اختیار کرنے پر مجبور ہو، علماء تصوف نے لکھا ہے کہ یہ تو بطور معالجہ کے کیا جاتا ہے، جب کسی کے قلب میں گرمی زیادہ بڑھ جاتی ہے یا اور کوئی ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے تو کچھ اشعار سنتے ہیں جس کی وجہ سے دو چار آنسو نکلتے ہیں اور انسان کے دل کی گرمی ٹھنڈی ہوتی ہے، ویسے ہے سماع کا مسئلہ بڑا اہم، امام غزالی نے اس کے دونوں طرفہ دلائل پیش کئے ہیں اور خود یہ سارے حضرات سماع کے قائل ہیں، کیا امام غزالی اور کیا شیخ عزالدین بن عبد السلام! اور سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے قصے تو اس میں مشہور و معروف ہیں، سارے ہی سلاسل میں سماع پایا جاتا ہے، صرف مشائخ نقشبندیہ اس پر بندش لگاتے ہیں اور زمانہ کے پیش نظر انہی کا مسلک اختیار کرنے کے قابل ہے اور ہمارے سلسلہ کے حضرات مشائخ نے اسی کو معمول بہا بنایا ہے۔

وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالحِرَابِ: یہ دوسری حدیث اور دوسرا واقعہ ہے، یوم عید میں سوڈانی درق اور حراب سے کھیلا کرتے تھے، علامہ زین بن منیر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کھیلنے کا مقصود تدریب اور مشق ہے لیکن اس کو راوی نے لعب سے اس لئے تعبیر کر دیا کہ اس میں لعب کی صورت ہوتی ہے

ظاہراً تو وہ مارتا ہے لیکن حقیقتاً وہ مارتا نہیں ہے بخلاف حقیقی ضرب کے کہ وہاں مقابل کو گھایل کیا جاتا ہے۔

فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَإِمَّا قَالَ: یوں کہتی ہیں کہ میں نے ہی پوچھا یا آپ نے ہی خود فرمایا کہ اور دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا اور فرمایا دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ کھیلتے رہو اے بنو ارفدہ! بنو ارفدہ یہ حبشہ کا لقب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے جدّ اعلیٰ کا نام ارفدہ تھا۔

حَتّٰى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: جب میں اکتا گئی تو آپ نے فرمایا کہ بس ہو گیا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں!

(ص ۱۳۰) بَاب سُنَّةِ الْعِيدَيْنِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ

۹۴۵. حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي زُبَيْدٌ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا.

۹۴۶. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ- قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ - فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَبِمَزَامِيرِ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ وَذَلِكَ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا.

ترجمہ: باب، عیدین میں مسلمانوں کے طریقے کا بیان۔

(ترجمہ اوپر گزر چکا)۔

تشریح: لفظِ سنّت لغت میں مطلقاً طریقہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اصطلاح میں سنت وہ طریقہ کہلاتا ہے جو حضور پاک ﷺ سے منقول ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہاں پر سنت سے اس کے لغوی معنی مراد لئے جائیں تو اس باب کی دونوں روایتیں جو حضرت براءؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہیں ترجمہ کے مطابق ہیں، لیکن اگر سنت سے مراد الطریقة المسلوكة فی الدين ہو اور اصطلاحی معنیٰ مراد لئے جائیں تو براءؓ کی روایت تو ترجمہ کے مطابق ہو جاتی ہے

مگر حضرت عائشہؓ کی روایت مطابق نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں تو وہی غناء بعاث پڑھنے کا قصہ مذکور ہے اور بظاہر یہ سنت نہیں ہے پھر روایت ترجمہ کے مطابق کیسے ہوگی؟ اسکے کئی جوابات ہیں۔

(۱) عید کے دن لہو اور گانا مباحات میں سے ہے اور مباح امر بعض وقت نیت حسنہ کی وجہ سے استحباب کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، (۲) یا یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے دونوں روایت ذکر کر کے یہ بتایا کہ نماز وغیرہ کا نمبر پہلے ہے اور لہو ولعب کا نمبر بعد میں ہے، گویا امام نے اشارہ کیا ہے کہ تقدیم العبادۃ علی اللھو سنت اہل اسلام ہے، (۳) علامہ سندی فرماتے ہیں کہ عید کے دن بچوں کو کوئی ایسی چیز دے دینا جس سے ان کے سرور میں اضافہ ہو کھیل کود میں ان کی طبیعت مشغول ہو یہ سنت اہل اسلام ہے، گانے اور لعب کے متعلق ترجمہ نہیں۔

(۴) ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے واللہ اعلم بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے سنة العيدين لأهل الأسلام کہہ کر عیدین کی سنیت کی طرف اشارہ کیا ہو جیسا کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں، امام احمد فرض کفایہ اور امام ابو حنیفہ واجب علی العین کہتے ہیں، امام بخاری نے سنیت کا ثبوت حضرت براءؓ کی حدیث سے اس طور پر اخذ کیا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا حضور اکرم ﷺ نے صلوۃ اور نحر دونوں پر اپنی سنیت ہونے کا اطلاق فرمادیا۔

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث سے مصنف نے غالباً ترجمہ یوں اخذ کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے، اور یہ بات آنحضور ﷺ نے لڑکیوں کے کھیل کود پر ارشاد فرمائی کہ عید کے دن میں اسکی گنجائش ہے اور یہ مباحات میں سے ہے لیکن اگر اس نیت سے گائیں کہ اللہ نے اسلام کو عزت دی ہے اور ہم اسلام کی بدولت خوشی منا رہے ہیں تو یہ چیز مندوب اور سنت ہو جائے گی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ من باب الاشارہ ہے من باب صریح العبارۃ نہیں ہے اس لئے ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ امام بخاری کا یہی مقصود ہے۔

إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا: بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ دو دنوں میں خوشی منایا کرتے تھے، یوم نیروز اور یوم مہرجان، آنحضور ﷺ نے فرمایا قد أبدلكم الله بهما خيرًا يوم الفطر ويوم الأضحى اللہ نے تم کو ان دونوں دنوں سے بہتر دن عطا فرمائے ہیں یوم الفطر اور یوم الاَضحیٰ۔

(ص ۱۳۰) بَابُ الأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ

۹۴۷. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَغْدُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ. وَقَالَ مُرَجَّى بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا.

ترجمہ: باب، عید الفطر کے دن نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھانے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر میں نماز کے لئے اس وقت تک نہیں نکلتے تھے جب تک کچھ کھجوریں نہ کھالیں، اور مرجیؒ بن رجاء نے اپنی سند سے اس روایت میں یہ اضافہ کیا اور آپ ﷺ یہ کھجوریں طاق عدد میں کھاتے تھے۔

تشریح: امام بخاری نے دو ترجمے منعقد کئے ہیں، ایک الأكل يوم الفطر قبل الخروج اور دوسرا الأكل يوم النحر ان دونوں ترجموں میں امام بخاری نے اکل یوم العید کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

حضرات ائمۂ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھانا مستحب ہے اور عید النحر کے دن نمازِ عید سے فراغت کے بعد قربانی سے کھانا مستحب ہے، علامہ موفق حنبلی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی خلاف نہیں، البتہ آیا عید النحر میں اکل کو صلوۃ سے مؤخر کرنا ہر شخص کے لئے مستحب ہے یا اسی شخص کے لئے جس کی قربانی ہو یا جو قربانی کرنا چاہتا ہو؟ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس کی قربانی ہو یا جو قربانی کرنا چاہتا ہو اس کے لئے مستحب ہے اور باقی جس کی قربانی نہیں ہے وہ جب چاہے کھاسکتا ہے، حنفیہ کا اصح مذہب یہ ہے کہ وہ بھی نماز سے فراغت کے بعد ہی کھائے گا۔

امام بخاری عید الفطر میں صراحۃً جمہور کے موافق ہیں اور ترجمہ میں قبل الخروج کی قید لگائی، لیکن عید النحر کے متعلق جو ترجمہ منعقد کیا وہاں پر بعد الصلوۃ کی قید نہیں لگائی یوں فرماتے ہیں الأكل يوم النحر، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوم النحر میں کھانے میں گنجائش ہے چاہے قبل العید کھائے اور چاہے بعد العید۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ترجمہ میں کوئی تقیید اس لئے نہیں کی کہ اس میں جو روایت

ذکر فرمائی ہے اس میں کوئی قید وارد نہیں ہوئی ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت بریدہؓ وغیرہ کی ان حدیثوں کی تضعیف کی طرف اشارہ فرمایا ہو جن میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں تفریق کی گئی ہے اور یہ مضمون وارد ہے کہ آنحضور ﷺ عید الفطر میں پہلے کچھ کھاتے تھے اور پھر عید گاہ جاتے تھے اور نماز پڑھتے تھے اور عید النحر میں اس کا عکس کرتے تھے پہلے نماز پڑھتے تھے اور پھر کچھ کھایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد الأکل یوم النحر کے باب سے یہ بتلانا ہے کہ نماز کے بعد کھایا جائے گا اس لئے کہ حدیث باب میں یہ مضمون وارد ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے عید کے دن نماز سے پہلے نہیں کھایا اور آپ نے ان کی تقریر فرمائی، علامہ قسطلانی کا رجحان اسی طرف ہے اور انہوں نے الاکل یوم النحر کے ترجمہ کو بعد الصلوۃ کے ساتھ مقید کیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: یہ حدیث منتقدات میں سے ہے، امام دار قطنی وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ہشیم یہ حدیث عبید اللہ بن ابی بکر بن انس سے نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ محمد بن اسحاق سے نقل کرتے ہیں اور محمد بن اسحاق؛ حفص بن عبید اللہ بن انس سے اور وہ اپنے دادا حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کما ورد فی الترمذی وغیرہ، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ہشیم اگرچہ مدلس ہے مگر انہوں نے اس روایت میں اخبار و تحدیث کی تصریح کی ہے لہذا اس روایت پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَغْدُو يَوْمَ الفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ: عید کے دن کچھ تمرات تناول فرما کر ہی تشریف لے جاتے تھے، تمر سے عید کے دن افطار کرنا مستحب ہے اور عدد طاق ملحوظ رکھنا چاہئے، علماء نے لکھا ہے کہ روزہ سے جو ضعف پیدا ہو جاتا ہے تمر اس کے لئے مزیل ثابت ہوتا ہے۔

(ص ۱۳۰) بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ النَّحْرِ

٩٤٨. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: هَذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ،

وَذَكَرَ مِنْ جِيرَانِهِ فَكَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَدَّقَهُ، قَالَ: وَعِنْدِي جَذَعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلاَ أَدْرِي أَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لاَ؟

٩٤٩. حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الأَضْحَى بَعْدَ الصَّلاَةِ، فَقَالَ: مَنْ صَلَّى صَلاَتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلاَةِ، فَإِنَّهُ قَبْلَ الصَّلاَةِ وَلاَ نُسُكَ لَهُ فَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ خَالُ الْبَرَاءِ: يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنِّي نَسَكْتُ شَاتِي قَبْلَ الصَّلاَةِ وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَأَحْبَبْتُ أَنْ يَكُونَ شَاتِي أَوَّلَ شَاةٍ تُذْبَحُ فِي بَيْتِي فَذَبَحْتُ شَاتِي وَتَغَدَّيْتُ قَبْلَ أَنْ آتِيَ الصَّلاَةَ، قَالَ: شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّ عِنْدَنَا عَنَاقًا لَنَا جَذَعَةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْنِ أَفَتَجْزِي عَنِّي؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

ترجمہ: باب، یوم النحر میں کھانے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہے وہ دوبارہ قربانی کرے، پھر ایک شخص کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں گوشت کی بہت خواہش ہوتی ہے اور انہوں نے اپنے پڑسیوں کی حالت بھی بیان کی پھر گویا حضور ﷺ نے اس سلسلے میں ان کی بات کو سچ قرار دیا، پھر اس شخص نے یہ کہا کہ میرے پاس ایک سال سے کم عمر کی تومند بکری ہے جو مجھے گوشت کی دو بکریوں سے زیادہ پسندیدہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسی بکری کی قربانی کی اجازت دی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ اجازت ان کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی ہے یا نہیں۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا کہ جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کرے تو اس کی قربانی صحیح ہوگئی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تو وہ نماز سے پہلے کھانے کے لئے ہوگئی اور قربانی نہیں ہوئی، پھر حضرت براءؓ کے ماموں حضرت ابوبردہ بن نیارؓ نے کہا یارسول اللہ! میں نے تو اپنی بکری نماز سے پہلے ذبح کر دی اور میں نے یہ سمجھا کہ آج کھانے اور پینے کا دن ہے اور میں نے یہ چاہا کہ میری بکری میرے گھر میں ذبح ہونے والی پہلی بکری ہو اس لئے میں نے بکری ذبح کر دی اور نماز کے لئے آنے سے پہلے کھا بھی لی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری بکری گوشت کھانے کی بکری ہوگئی، پھر ابوبردہؓ نے کہا یارسول اللہ! بے شک ہمارے پاس ایک سال سے کم عمر کی تومند بکری ہے جو مجھے دو بکریوں سے زیادہ پسندیدہ ہے تو کیا وہ قربانی میں میری طرف سے

کفایت کرے گی، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور تمہارے بعد کسی اور کی طرف سے ہرگز کفایت نہیں کرے گی۔

تشریح: یہ وہ باب آگیا جس کے متعلق میں ابھی باب گزشتہ کے ذیل میں کلام کر چکا ہوں کہ آیا امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور کے موافق ہیں اور الاکل یوم النحر بعد الصلوۃ کے قائل ہیں جیسا کہ قسطلانی اور شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے ہے کہ حضور ﷺ نے ان لوگوں کی تقریر کی جنہوں نے کھایا نہیں تھا، یا امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف ہیں اور یوم النحر میں مطلقاً اکل کے جواز کے قائل ہیں چاہے قبل الصلوۃ ہو چاہے بعد الصلوۃ ہو اور جن روایات میں اکل بعد الصلوۃ وارد ہوا ہے اس سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ: اس بات پر تو امت کا اتفاق ہے کہ جہاں پر عید کی نماز ہوتی ہو وہاں نماز سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں ہے، البتہ عید کی نماز کے بعد کب ذبح کیا جا سکتا ہے؟

(۱) امام مالک فرماتے ہیں کہ امام کے ذبح کے بعد، (۲) حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ العید کے بعد، (۳) امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب اتنا وقت گزر جائے کہ اس میں عید کی نماز پڑھی جا سکے اور خطبہ پڑھا جا سکے اس کے بعد قربانی کرنی جائز ہے، علامہ خرقی نے امام احمد کا یہی مسلک نقل کیا ہے لیکن حضرت امام موفق حنبلی فرماتے ہیں کہ یہ ان دیہاتوں میں ہے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی اور جہاں عید کی نماز ہوتی ہے وہاں پر امام کی نماز اور خطبہ کے بعد قربانی کرنی جائز ہے۔

اور جہاں پر عید کی نماز نہیں ہوتی ہے وہاں (۱) شافعیہ کا مسلک تو وہی ہے یعنی اتنا وقت گزر جائے کہ عید کی نماز پڑھی جا سکے اور خطبہ دیا جا سکے تو اس کے بعد قربانی کی جا سکتی ہے، یہی حنابلہ کا مسلک ہے، (۲) مالکیہ کہتے ہیں کہ پہلی نمازِ عید کا انتظار کیا جائے گا، (۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ طلوع فجر کے بعد وہاں قربانی کرنا جائز ہے۔

المختصر یہ کہ امام مالک کے یہاں جہاں عید کی نماز ہوتی ہے وہاں امام کی قربانی کے بعد قربانی جائز ہے اس سے پہلے جائز نہیں اور جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے وہاں لوگ پہلی نمازِ عید سے فارغ ہونے اور امام کی قربانی کا انتظار کریں گے، اس کے بعد قربانی کریں گے۔

امام شافعی کے یہاں مطلقاً اہل القریٰ والامصار ہر جگہ کے لئے یہ حکم ہے کہ جب اتنا وقت گزر جائے کہ اس میں عید کی نماز ہو جائے اور خطبہ ہو جائے تو اس کے بعد قربانی جائز ہے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک اہل امصار تو نماز اور خطبہ کے بعد اور اہل قریٰ نماز اور خطبہ کے بقدر وقت

گزر جانے کے بعد قربانی کریں گے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جہاں عید کی نماز ہوتی ہے وہاں صلوۃ العید کے بعد اور جہاں نہیں ہوتی ہے وہاں مطلقاً طلوع فجر کے بعد قربانی کی جاسکتی ہے۔

هَذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ: ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے قبل از وقت قربانی کرلی تھی اور اس کی علت بیان کی کہ یا رسول اللہ! اس دن گوشت کی خواہش رہتی ہے اس لئے میں نے جلدی سے قربانی کرلی اور دوسرے یہ بات پیش نظر تھی کہ میرے پڑوسی بھی محتاج تھے تو میں نے سوچا کہ ان کی مدد بھی ہو جائے گی، نبی کریم ﷺ نے ان کے فعل کی تصدیق کی لیکن یہ نہیں گنجائش دی کہ یہ قربانی کافی ہو جائے گی، انہوں نے عرض کیا وَعِنْدِي جَذَعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ حضور میرے پاس ایک جذعہ ہے جو گوشت کی دو بکریوں سے زیادہ مجھے پسند ہے، جذعہ وہ بکری کا بچہ کہلاتا ہے جو ایک سال کا ہو گیا ہو اور بعض نے کہا کہ جو ایک سال سے کم کا ہو، حضور اکرم ﷺ نے ان کو رخصت دے دی۔

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جذعہ کی قربانی حضرت ابوبردہ بن نیارؓ کے خصائص میں سے ہے لیکن حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے ان کو فرمایا ضَحِّ بِهِ أَنْتَ تم اس کی قربانی کرلو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی خصوصیت ہے۔

اب یا تو یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے دونوں کے لئے خاص طور سے اس کی قربانی کی اجازت دی تھی یا یہ کہا جائے کہ ایک کی خصوصیت سے دوسرے کی خصوصیت کو منسوخ کر دیا، روایات کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار پانچ آدمیوں کو اس طرح کی اجازت دی گئی تھی۔

(ص ۱۳۱) بَابُ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ

۹۵۰. حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النبي ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ

عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ، فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ فِي أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ، فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمُصَلَّى إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ، فَإِذَا مَرْوَانُ يُرِيدُ أَنْ يَرْتَقِيَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهِ فَجَبَذَنِي فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقُلْتُ لَهُ: غَيَّرْتُمْ وَاللهِ، فَقَالَ: أَبَا سَعِيدٍ قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ، فَقُلْتُ: مَا أَعْلَمُ وَاللهِ خَيْرٌ مِمَّا لَا أَعْلَمُ، فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَجْلِسُونَ لَنَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: باب، عید گاہ میں منبر کے بغیر جانے کا بیان۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عید گاہ جاتے تھے تو پہلی وہ چیز جس سے آپ کام کا آغاز کرتے نماز تھی، پھر رخ بدل دیتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور لوگ صفوں میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے پھر آپ ان کو وعظ و نصیحت کرتے اور ان کو نیک کاموں کا تاکیدی حکم دیتے اور امر بالمعروف کرتے پھر اگر جہاد کے لئے کسی جماعت کو بھیجنا چاہتے تو ان کو جدا کر دیتے یا کوئی اور حکم نافذ کرنا چاہتے تو حکم فرمادیتے پھر واپس آجاتے۔

حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا کہ لوگ برابر اسی طرح عمل کرتے رہے یہاں تک کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں مروان کے زمانہ میں اس کے ساتھ نکلا - اور وہ مدینہ کا حاکم تھا - پھر جب ہم عید گاہ پہنچ گئے تو اچانک ایک منبر نظر آیا جسے کثیر بن الصلت نے بنا رکھا تھا پھر دیکھا کہ مروان نماز سے پہلے اس منبر پر چڑھنا چاہتا ہے تو میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا تو اس نے مجھ کو کھینچ لیا اور وہ منبر پر چڑھ گیا پھر اس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم نے بخدا سنت کو بدل دیا تو اس نے جواب دیا کہ ابو سعید! جو تم جانتے ہو وہ بات ختم ہو گئی، تو میں نے کہا کہ بخدا! جو بات میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا تو مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد ہمارے خطبہ میں نہیں بیٹھتے تھے تو میں نے خطبہ کو نماز سے پہلے کر دیا۔

تشریح: ترجمۃ الباب کا مقصد ظاہر ہے کہ عید گاہ جاتے ہوئے منبر ساتھ نہیں لے جایا جائے گا۔

حنفیہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے لا بأس بالإخراج اور یہی صاحب اختیار نے لکھا ہے، لیکن خلاصہ میں یہ مذکور ہے کہ منبر مسجد سے باہر نہیں لے جایا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین کہتے ہیں کہ خلاصہ کا مقصود کراہت تنزیہی کو بتلانا ہے جو مرجع ہے خلاف اولیٰ کا اور خلاف اولیٰ کلمۂ لا بأس سے بھی مستفاد ہوتا ہے لہٰذا دونوں عبارتوں کا ایک ہی حاصل ہوا، مگر امام محمد نے کتاب الاصل

میں یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام اعظم سے پوچھا کہ عید گاہ میں منبر لے جایا جائے یا نہیں فرمایا لا! نہیں، اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عید گاہ میں منبر نہ لے جانا چاہئے۔

امام بخاری نے اپنے اس ترجمہ سے حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں وارد ہے کہ مروان نے عید کے دن منبر نکالا تھا اس پر ابو سعید خدریؓ نے نکیر فرمائی اور ان سے پہلے ایک اور شخص نے نکیر کی اور یہ کہا یا مروان خالفتَ السنة! جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عید کے دن بلا منبر کے جانا چاہئے، شافعیہ اور حنابلہ یوں فرماتے ہیں کہ اگر عید گاہ میں منبر بنا ہو تب تو منبر پر خطبہ دینا مستحب ہے ورنہ سواری پر بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے۔

فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ: اگر حضور ﷺ کوئی لشکر بھیجنا چاہتے تو اس کو الگ کر لیتے، بعث بمعنی المبعوث ہے اور مراد اس سے لشکر ہے، قَطَعَهُ أي أخرجه من جماعة الناس، أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ یا لشکر کو کوئی ہدایت کرنا چاہتے تو ہدایت فرماتے۔

فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ: مروان نے نماز سے پہلے عید کا خطبہ دیا، اس پر حضرت ابو سعیدؓ نے یہ کہا غَيَّرْتُمْ تم نے سنت میں تغییر کر دی، اس نے کہا قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ وہ بات ختم ہو گئی جو تم جانتے ہو، حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا مَا أَعْلَمُ وَاللهِ خَيْرٌ مِمَّا لَا أَعْلَمُ جو میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا اس لئے کہ جو میں جانتا ہوں وہ سنت محمدیہ ہے اور جو میں نہیں جانتا ہوں وہ خلاف سنت محمدیہ ہے، سنت بدعت سے بہتر ہے اس پر مروان نے معذرت کے طور پر کہا إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَجْلِسُونَ لَنَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ لوگ ہماری بات سننے کے لئے نماز کے بعد بیٹھتے نہیں تھے اس لئے میں نے خطبہ قبل الصلوۃ کر دیا کہ مجبوراً نماز کے انتظار میں بیٹھیں گے ہی۔

اصل میں بنو امیہ اپنے خطبوں میں ایسے لوگوں پر نقد و تبصرہ کیا کرتے تھے اور ایسے انداز سے جس کے وہ مستحق نہیں تھے اس لئے جو اچھے لوگ تھے وہ اس کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے اور اٹھ کر چل دیا کرتے تھے اس لئے بنو امیہ نے خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا۔

سب سے پہلے کس نے خطبہ کو نماز پر مقدم کیا ہے؟ عبدالرزاق نے ابن شہاب زہری سے

نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے، ابن منذر نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ زیاد نے کیا ہے، اور اس روایت میں اور اسی طرح مسلم کی ایک روایت میں وارد ہے کہ مروان نے کیا ہے۔

ان روایات میں جمع کیا جاسکتا ہے کہ پہلے معاویہؓ نے کیا ہوگا اور ان کی تقلید میں مروان اور زیاد نے کیا ہوگا، بعض روایات میں یہ وارد ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تقدیم کی ہے، اول تو یہ روایت صحیحین کی روایات کے خلاف ہے اور اگر ثابت مان لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ حضرت عثمانؓ نے کسی وقت بمصلحت خطبہ کو مقدم کر دیا تھا اور وہ مصلحت یہ تھی تا کہ دور سے آنے والے عید میں شریک ہو جائیں اور نماز پڑھ لیں۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ حضرت ابو سعید خدریؓ وغیرہ یہ سمجھتے تھے کہ نبی پاک ﷺ نے جو کچھ کیا ہے وہ حکم متعین ہے وہی کرنا چاہئے اور مروان اس کو اولویت پر محمول کرتا تھا اور اس نے یہ سوچا کہ اصل مقصود تو بات پہونچانی اور سنانی ہے چاہے بعد الصلوۃ ہو یا قبل الصلوۃ۔

(ص ۱۳۱) بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدِ (وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ

۹۵۱. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الحزامي قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ.

۹۵۲. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

۹۵۳. قَالَ: وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِي أَوَّلِ مَا بُويِعَ لَهُ إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ بِالصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَإِنَّمَا الْخُطْبَةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ

۹۵٤. وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَا: لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ

وَلاَ یَوْمَ الأَضْحٰی.

۹۵۵. وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ فَبَدَأَ بِالصَّلاَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلاَلٍ وَبِلاَلٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ صَدَقَةً، قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتَرَى حَقًّا عَلَى الإِمَامِ الآنَ أَنْ يَأْتِيَ النِّسَاءَ فَيُذَكِّرَهُنَّ حِينَ يَفْرُغُ قَالَ: إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ أَنْ لاَ يَفْعَلُوا.

ترجمہ: باب، عید کی نماز کے لئے اذان واقامت کے بغیر پیدل اور سوار ہو کر جانے کا بیان۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے تھے۔

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن نکل کر گئے، پھر آپ نے خطبہ سے پہلے نماز سے عمل شروع کیا، اور عطاء نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابن زبیرؓ سے-ان کے لئے کی گئی بیعتِ خلافت کے بالکل ابتدائی ایام میں-یہ کہلا کر بھیجا کہ عید الفطر کی نماز کے لئے اذان نہیں کہی جاتی تھی اور یہ کہ خطبہ نماز کے بعد ہی ہوا کرتا تھا، اور عطاء ہی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے نقل کیا کہ ان دونوں نے فرمایا کہ یوم الفطر اور عید الاضحیٰ میں اذان نہیں دی جاتی تھی۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن کھڑے ہوئے پھر آپ نے سب سے پہلے نماز پڑھائی پھر اس کے بعد مردوں کے لئے خطبہ دیا، پھر جب اس سے فارغ ہو گئے تو نیچے اتر آئے پھر عورتوں کے پاس پہنچے اور انہیں نصیحت کی اور اس وقت آپ حضرت بلالؓ کے ہاتھ کا سہارا لئے ہوئے تھے اور حضرت بلالؓ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے جس میں عورتیں صدقہ کا مال ڈال رہی تھیں، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے کہا کہ آپ آج کے حالات میں امام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ عورتوں کے پاس جائے اور ان کو نصیحت کرے تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک یہ ان کے لئے ضروری ہے اور ایسا نہ کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اور کیا بات ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے۔

تشریح: عام نسخوں میں اس ترجمہ کے دو جزء ہیں اور بعض نسخوں میں تین جزء ہیں اور حاشیہ کا تیسرا جزء حقیقۃً دوسرے نمبر پر ہے اسی لئے میں نے اس کو پڑھ دیا تھا۔

پہلا جزء: المَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى العِيدِ یعنی عید گاہ جانے کے لئے ماشیاً وراکباً جانا جائز ہے، اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ عید گاہ ماشیاً جانا افضل ہے اور اس کی دلیل حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے حضرت

علیؓ فرماتے ہیں مِنَ السُّنَّةِ أَنْ یَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا لیکن امام بخاری نے ترجمہ میں مشی ورکوب کو علی السواء ذکر کر کے غالباً ائمۂ اربعہ کی اور ان کی دلیل کی مخالفت کی ہے اور دونوں کو مساوی قرار دیا ہے۔

مگر مصنف نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس میں نہ مشی کا ذکر ہے نہ رکوب کا تو پھر امام بخاری کا ترجمہ ثابت کیسے ہوا؟ اور یہ اشکال اصل میں علامہ ابن التین نے کیا ہے۔

علامہ زین بن منیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دونوں میں سے ایک کا بھی ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں جائز اور مباح ہیں، علامہ ابن مرابط اور اسی طرح دیگر شراح نے رکوب کی اباحت پر وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ بلالؓ کے ہاتھ پر ٹیک لگانا استراحت کی غرض سے تھا اور رکوب کا بھی یہی مقصد ہے کہ راکب رکوب سے راحت حاصل کرتا ہے۔

دوسرا جزء: جو بعض نسخوں میں ہے وَالصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ یعنی نماز پہلے ہوگی اور خطبہ بعد میں ہوگا، روایات باب سے یہ مضمون واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہا ہے، لیکن اگر اس کا عکس کر دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ آئندہ باب کے ذیل میں جو تھوڑا سا اختلاف ہے وہ بیان کروں گا۔

تیسرا جزء: بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ، عیدین میں نہ اذان ہوگی اور نہ اقامت ہوگی۔

یہ مسئلہ متفق علیہا ہے کہ عیدین میں نہ اذان ہوگی اور نہ اقامت اس لئے کہ روایات میں یہ مصرح ہے البتہ سلف میں تھوڑا سا اختلاف ملتا ہے، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنے زمانہ میں اذان واقامت دلوایا کرتے تھے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس کی تردید کی ہے۔

نماز عیدین کیلئے الصلوۃ جامعۃ وغیرہ سے اعلان؟ شافعیہ کہتے ہیں کہ اعلان کیا جاسکتا ہے اور ملا علی قاری نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے، علامہ شعرانی نے میزان میں اور شیخ سراج الدین سرہندی نے شرح ترمذی میں یہ قول ائمۂ اربعہ سے نقل کیا ہے مگر یہ نقل غلط ہے، علامہ زرقانی نے مالکیہ اور جمہور سے نقل کیا ہے کہ کوئی اعلان نہیں کیا جائے گا، شافعیہ الصلوۃ جامعۃ کے استحباب کے قائل ہیں اور حنابلہ کراہت کے قائل ہیں، بعض حنابلہ جواز کے قائل ہیں، حنفیہ کی کتابوں میں اس سلسلہ میں کوئی تصریح موجود نہیں ہے۔

امام بخاری نے ترجمہ میں بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ تحریر فرمایا ہے لیکن جو روایات اس باب کے ذیل میں ذکر

فرمائی ہیں اس میں اذان واقامت کی نفی وارد نہیں ہوئی ہے، صرف حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت اور حضرت جابرؓ کی روایت کے ایک طریق میں لا أذان کا لفظ وارد ہوا ہے اور اقامت کی نفی کا ذکر کسی روایت میں نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے روایت باب کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ کر کے اپنا مدعا ثابت کیا ہے جن میں اذان واقامت کی نفی وارد ہوئی ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: نسائی شریف میں اسی حدیث میں ہے فصلی بغیر أذان و لا اقامة۔

خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ: یہ اپنے عموم کی وجہ سے مشی ور کوب دونوں کو شامل ہے۔

وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ: حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنے دور امارت میں جب سن ۶۴ھ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی یہ کیا کہ عیدین کی نماز میں اذان واقامت کہلوانے لگے، تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ عہد نبوت میں یہ دستور نہیں تھا اور یوم فطر میں اذان نہیں ہوا کرتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا، نیز ابن عباسؓ کی اسی حدیث میں اذان واقامت کی نفی وارد ہوئی ہے۔

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے یوں کہا کہ کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ امام کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ عورتوں کے پاس آکر ان کو وعظ ونصیحت کرے؟ عطاء نے جواب میں فرمایا إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ أَنْ لَا يَفْعَلُوا یہ ان کے ذمہ واجب ہے اور کیا بات ہے کہ وہ لوگ نہیں کرتے ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام عطاء عورتوں کو وعظ ونصیحت کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں لیکن عطاء کے علاوہ کوئی بھی اس قول کا قائل نہیں ہے۔

(ص ۱۳۱) بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيدِ

۹۵۶. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

۹۵۷. حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ

عُمَرَ قَالَ: كَانَ النبي ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

۹۵۸. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلاَ بَعْدَهَا، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلاَلٌ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ تُلْقِي الْمَرْأَةُ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا.

۹۵۹. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلاَةِ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ، يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ: يَا رَسُولَ اللهِ ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ: اجْعَلْهُ مَكَانَهُ وَلَنْ تُوفِيَ أَوْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

ترجمہ: باب، نماز عید کے بعد خطبہ دینے کا بیان۔

(تمام روایات کے ترجمے ماقبل میں گزر چکے)۔

تشریح: یہ باب خطبہ بعد صلاۃ العید کے بیان میں ہے، یہ ترجمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ترجمہ گزشتہ میں و الصلوۃ قبل الخطبۃ کی زیادتی صحیح نہیں ہے چنانچہ جن لوگوں نے ترجمۂ گزشتہ میں وہ زیادتی نقل نہیں کی ہے ان کا قول ارجح ہے، بعض شارحین علامہ ابن رشید وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری نے وہاں ضمناً مسئلہ ذکر کیا ہے اور یہاں اصلاً واستقلالاً ذکر فرمایا ہے۔

عید کا خطبہ بالاتفاق بعد الصلوۃ ہوگا، صرف بنوامیہ نے اس میں اپنے اغراض کی وجہ سے تغیر کی تھی، امام بخاری نے بنوامیہ کے اس تغیر کی تردید فرمائی ہے۔

خطبۂ عید نماز پر مقدم کر دیا تو کیا حکم ہے؟ حنفیہ فرماتے ہیں کہ خلاف سنت ہوا اور کراہت کا ارتکاب لازم آیا لیکن خطبہ ہو جائے گا، مالکیہ فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد خطبہ کا اعادہ کرنا چاہئے، پھر بقولے یہ اعادہ مسنون ہے اور بقولے مندوب ہے، حنابلہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ کا کوئی اعتبار نہیں نماز کے بعد اعادہ کرنا پڑے گا، ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری اسی کی طرف مائل ہیں اسلئے کہ حضرت امام نے مطلقاً الخطبۃ بعد

الصلوۃ کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔

فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ: حضور ﷺ نے ان کو صدقہ کا حکم دیا یہ تتمۂ خطبہ ہے۔

تُلْقِي الْمَرْأَةُ خُرْصَهَا وَ سِخَابَهَا: عورت نکال کر ڈالنے لگی اپنے کان کی بالی کو، وَ سِخَابَهَا اور ہار کو، بعض کہتے ہیں کہ سخاب عنبر کا ایک ہار ہوتا ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ قرنفل یعنی لونگ کا ہار ہوا کرتا ہے، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہار ہوتا ہے جس میں منکے اور موتی نہیں ہوتے ہیں، اس کو سخاب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سخب یعنی شور کرتا ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ: اس حدیث پاک پر یہ اشکال ہے کہ یہ ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ ترجمہ ہے الخطبة بعد العيد یعنی پہلے نماز ہوگی اور اس کے بعد خطبہ ہوگا اور یہ کلام نماز سے پہلے کیا جارہا ہے چنانچہ امام نسائی نے اس پر ترجمہ منعقد کیا ہے الخطبة قبل الصلوة کا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے اور یہ کلام نماز کے بعد کیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ آٹھ باب کے بعد ص ۱۳۳ پر اسی روایت میں آرہا ہے فصلّی ركعتين ثم أقبل علينا بوجهه فقال، اور امام نسائی کے ترجمہ کے متعلق ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے اور ان پر یہ بات مخفی رہ گئی کہ بعض اوقات اہل عرب صیغۂ مستقبل کو ماضی کی جگہ استعمال کر لیتے ہیں إِنَّ أَوَّلَ مَا بَدَأْنَا کے معنی میں ہے۔

فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا: جو آدمی یہ کرے اس نے ہمارا طریقہ پالیا، یعنی پہلے نماز پڑھے پھر خطبہ دے۔

وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلَاةِ: یعنی نماز سے پہلے جس نے جانور ذبح کیا تو یہ قربانی کی طرف سے ادا نہیں ہوگا اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا، یہ مسئلہ اجماعی ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے۔

ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ: حضور! میں تو نماز سے پہلے ہی ذبح کر چکا ہوں لیکن جب آپ یہ فرمارہے ہیں فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ تو میرے پاس ایک پٹھیا ہے جو مسنہ سے بھی بہتر ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس قربانی کی جگہ اس جذعہ کو استعمال کر لو مگر یہ تمہارے غیر کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

(ص ۱۳۲) بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ

وقال الحسن: نهوا أن يحملوا السلاح يوم العيد إلا أن يخافوا عدوا

٩٦٠. حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى أَبُو السُّكَيْنِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِينَ أَصَابَهُ سِنَانُ الرُّمْحِ فِي أَخْمَصِ قَدَمِهِ فَلَزِقَتْ قَدَمُهُ بِالرِّكَابِ فَنَزَلْتُ فَنَزَعْتُهَا، وَذَلِكَ بِمِنًى، فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ فَجَاءَ يَعُودُهُ، فَقَالَ الْحَجَّاجُ: لَوْ نَعْلَمُ مَنْ أَصَابَكَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَنْتَ أَصَبْتَنِي: قَالَ وَكَيْفَ؟ قَالَ: حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِي يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيهِ وَأَدْخَلْتَ السِّلَاحَ الْحَرَمَ وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ يُدْخَلُ الْحَرَمَ.

٩٦١. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: كَيْفَ هُوَ؟ قَالَ: صَالِحٌ، فَقَالَ: مَنْ أَصَابَكَ؟ قَالَ: أَصَابَنِي مَنْ أَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِي يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيهِ حَمْلُهُ يَعْنِي الْحَجَّاجَ.

ترجمہ: باب، عید کی نماز میں اور حدود حرم میں ہتھیار لے جانے کی کراہت کا بیان۔

اور حضرت حسن بصری نے کہا کہ عید کے دن لوگوں کو ہتھیار لیجانے سے منع کیا تھا الا یہ کہ انہیں دشمن کا اندیشہ ہو۔

حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ جب حضرت ابن عمرؓ کے پیر کے تلوے میں نیزے کی انّی لگی تو میں ان کے ساتھ تھا، پھر یہ کہ ان کا پیر رکاب سے جاملا تو میں اترا اور منیٰ ہی میں میں نے انّی کو نکالا، پھر جب حجاج کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ عیادت کے لئے آیا اور اس نے کہا کاش ہم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ یہ زخم آپ کو کس نے پہنچایا ہے؟ تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تو ہی نے پہنچایا ہے، حجاج نے کہا اور وہ کیسے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تو نے ہی تو اس دن ہتھیار لے جانے کی اجازت دی جس میں ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں تھی اور تو نے ہی حرم میں ہتھیاروں کے لانے کی اجازت دی جب کہ حدودِ حرم میں ہتھیار نہیں لائے جاتے تھے۔

(دوسری روایت اوپر ہی کے مضمون سے متعلق ہے)۔

تشریح: عید گاہ اور حرم میں ہتھیار لے جانا ممنوع ہے، مصنف نے حرم کی تصریح اسلئے کی ہے کہ روایات باب میں وارد ہوا ہے وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ يُدْخَلُ الْحَرَمَ. عید گاہ میں حملِ سلاح کی تصریح اسلئے کی کہ روایت میں ہے حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِي يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيهِ، ایسے دن میں تو نے سلاح اٹھایا ہے جس دن میں

ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا تھا، اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا اور منیٰ کے ایام میں یوم النحر ہے جو یوم عید ہے۔

دو ترجموں میں تعارض: میں ماقبل میں بَابُ الحِرَابِ وَالدَّرَقِ یَوْمَ العِیدِ کے ذیل میں اُس باب اور اِس باب کا تعارض نقل کر چکا ہوں۔

شراح کرام اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ اصل میں اٹھانے والے جیسے ہوں گے ویسا ہی حکم ہو گا، اگر کوئی اٹھانے والا مشّاق ہے اور کسی کو لگنے کا اندیشہ نہیں ہے تب تو کوئی مضائقہ نہیں اور یہی بَابُ الحِرَابِ وَالدَّرَقِ یَوْمَ العِیدِ کا محمل ہے، اور اگر اٹھانے والا فخر اور تکبر کے اظہار کے لئے اٹھاتا ہے یا یہ کہ اٹھانے میں احتیاط نہیں برتتا ہے تو پھر یہ اٹھانا مکروہ ہو گا اور یہی مایکرہ من حمل الصلاۃ کا محمل ہے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ان دونوں ترجموں میں ایک اور طرح سے جمع کیا ہے جس کو میں بابِ گزشتہ میں بیان کر چکا ہوں کہ باب گزشتہ سے یہ بیان کیا کہ عید کے دن ہتھیار سے کھیلنا اور کرتب دکھانا مشق کرنا اور شوکتِ اسلام کا اظہار جائز ہے اور اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عید گاہ میں جو مجمع کا موقع ہوتا ہے ہتھیار اٹھا کر نہ لے جانا چاہئے، اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ ازدحام کیوجہ سے کسی کو چوٹ لگ جائے زخم آجائے۔

وَقَالَ الحَسَنُ نُهُوا أَنْ یَحْمِلُوا السِّلَاحَ: عید کے دن ہتھیار لے جانا ممنوع ہے الا یہ کہ دشمن کا خطرہ ہو، یہ صورت گویا استثنائی ہے کہ اگر یہ خطرہ ہو کہ دشمن حملہ آور ہو جائے گا تو پھر تحفظ کے لئے عید کے دن ہتھیار لے کر جانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

فَلَزِقَتْ قَدَمُهُ بِالرِّکَابِ: ان کا قدم پائے دان سے چپک گیا تھا یعنی بھالا مارنے والے نے اس طرح سے مارا کہ پاؤں کو پار کر گیا اور پاؤں دان تک پہنچ گیا، زبیر بن بکار نے کتاب الانساب میں نقل کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف ثقفی کو یہ فرمان لکھا تھا کہ وہ کسی مسئلہ میں ابن عمرؓ کی مخالفت نہ کرے، اس کو یہ بات ناگوار ہوئی اس نے ایک آدمی کو یہ حکم دیا کہ برچھی لیکر ان کو مارے، بعضوں نے کہا ہے کہ وہ زہر آلود برچھی تھی چنانچہ اس نے وہ برچھی ابن عمرؓ کے قدم پر ماری تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ بیمار ہو گئے اور حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد سن ۷۴ھ میں ان کی وفات ہو گئی، جس وقت یہ واقعہ پیش آیا سعید بن جبیر نے اتر کر وہ بھالا نکالا، حضرت ابن عمرؓ بیمار ہو گئے حجاج کو پتہ چلا تو وہ ظاہر داری میں عیادت کے لئے آیا کہنے لگا

لَوْ نَعْلَمُ مَنْ أَصَابَکَ؟ کاش ہمیں پتہ چل جاتا کہ کس نے تمہیں تکلیف پہونچائی ہے، ابن عمرؓ نے فرمایا أَنْتَ أَصَبْتَنِي اور اگلی روایت میں آرہا ہے فرمایا أَصَابَنِي مَنْ أَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِي يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيهِ حَمْلُهُ اس شخص نے مجھے گزند پہونچایا جس نے ایسے دن میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی جس میں ہتھیار اٹھایا ہی نہیں جاتا تھا، اور ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کوئی جواب ہی نہیں دیا حجاج ناراض ہو گیا اور چل دیا، ان روایات میں کوئی تعارض نہیں معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے حجاج بن یوسف ثقفی نے مکرر سہ کرر پوچھا ہو ایک مرتبہ پوچھا تو تعریضی کلام کیا اور فرمایا أَصَابَنِي مَنْ أَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِي يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيهِ حَمْلُهُ اور جب دوبارہ پوچھا تو فرمایا أَنْتَ أَصَبْتَنِي اور جب سہ بارہ پوچھا تو حضرت ابن عمرؓ نے ناگواری کی وجہ سے سکوت کر لیا۔

(ص ۱۳۲) بَابُ التَّبْكِيرِ لِلْعِيدِ

وقال عبد الله بن بسر: إن كنا فرغنا في هذه الساعة وذلك حين التسبيح

٩٦٢. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ، فَقَامَ خَالِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُصَلِّيَ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، فَقَالَ: اجْعَلْهَا مَكَانَهَا - أَوْ قَالَ: اذْبَحْهَا - وَلَنْ تَجْزِيَ جَذَعَةٌ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

ترجمہ: باب، عید کی نماز کے لئے سویرے جانے کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن بسرؓ نے فرمایا کہ بے شک اس وقت ہم نماز سے فارغ ہو جاتے تھے اور یہ اشراق کے وقت فرمایا۔

(روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: تبکیر بکور سے ماخوذ ہے اور مقصد یہ ہے کہ عید کی نماز سویرے پڑھنی چاہئے۔

یہاں پر بعض نسخوں میں بجائے تبکیر بتقدیم الباء الکاف کے التکبیر بتقدیم الکاف علی الباء واقع ہوا

ہے یہ سہو اور وہم ہے، تحریف ہے۔

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ: عبداللہ بن بسرؓ صحابی ہیں اور ان کی یہ حدیث امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے موصولاً تخریج کی ہے بطریق یزید بن خمیر الرحبی کے، فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن بسرؓ صاحبِ نبی کریم ﷺ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں تشریف لائے، امام کے آنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے نکیر کی اور فرمایا إِنْ كُنَّا فَرَغْنَا فِي هَذِهِ السَّاعَةِ وَذَلِكَ حِينَ التَّسْبِيحِ، وَذَلِكَ حِينَ التَّسْبِيحِ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جس وقت تسبیح یعنی نافلہ پڑھنا مباح ہو جاتا ہے یعنی ارتفاع شمس ہو جاتا ہے۔

اس اثر اور ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے بہت ممکن ہے کہ عید کی نماز کے وقت کی طرف اشارہ کیا ہو، عید کی نماز کا وقت جمہور علماء کے نزدیک ارتفاع شمس سے جب سے نفل پڑھنی حلال ہوتی ہے شروع ہوتا ہے اور زوال تک باقی رہتا ہے، علامہ ابن بطال نے اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن نقلِ اجماع صحیح نہیں اسلئے کہ شافعیہ کا مسلک جیسا کہ امام نووی نے منہاج میں لکھا ہے کہ طلوعِ شمس سے عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال تک باقی رہتا ہے۔

(ص ۱۳۲) بَاب فَضْلِ الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

وقال ابن عباس: واذكروا الله في أيام معلومات أيام العشر، والأيام المعدودات أيام التشريق. وكان ابن عمر وأبو هريرة يخرجان إلى السوق في الأيام العشر يكبّران ويكبّر الناس بتكبيرهما، وكبّر محمد بن علي خلف النافلة.

٩٦٣. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامٍ أَفْضَلَ مِنْهَا فِي هَذِهِ قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ.

ترجمہ: باب، ایام تشریق میں عمل صالح کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سورۃ الحج میں ایام معلومات میں ذکر الٰہی کے حکم سے مراد یہی ذی الحجہ کے دس دن ہیں، اور

جو سورۂ بقرہ میں معدودات آیا ہے اس سے مراد ایام تشریق ہیں، اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ان ایام عشر میں تکبیر کہتے ہوئے بازار جاتے اور لوگ انکی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتے، اور محمد بن علی (محمد باقر) نے نفل نماز کے بعد تکبیر کہی۔

حضرت ابن عباسؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی بھی ایام میں عمل کرنا ان ایام میں عمل کرنے سے افضل نہیں ہے، صحابہ نے عرض کیا کیا جہاد بھی نہیں؟ تو فرمایا کہ ہاں، جہاد بھی نہیں مگر وہ انسان جو اپنی جان اور مال کو خطرہ میں ڈال کر جہاد کے لئے نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر لوٹ نہ سکا۔

تشریح: ایام تشریق میں عمل کی فضیلت کا بیان، عمل کا لفظ عام ہے اور علامہ زین بن منیر اور کرمانی وغیرہ نے اس کو عموم ہی پر محمول کیا ہے، ابن بطال کہتے ہیں کہ اس سے تکبیر مراد ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ آئندہ باب میں تکبیر کا ذکر آرہا ہے، اگر یہاں بھی تکبیر مراد ہو تو ترجمہ مکرر ہو جائے گا، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ تکرار کیوں ہو گا؟ پہلے فضیلت بیان کی اس کے بعد مشروعیت، لیکن یہ بالکل الٹی بات ہے، میاں! پہلے مشروعیت بیان ہو گی اس کے بعد فضیلت بیان ہو گی، اور حافظ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اولاً ترجمہ مجملاً منعقد کیا اس کے بعد اس ترجمہ سے عمل کی تفسیر کر دی اور اس سے مراد تکبیر ہو، ہمارے نزدیک ترجمہ کو اپنے ظاہر پر ہی رکھا جائے ایام تشریق میں صرف تکبیرات ہی کی فضیلت نہیں ہے بلکہ دیگر اعمال کی بھی فضیلت ہے۔

تشریق کہتے ہیں دھوپ میں گوشت سکھانے کو، ایام تشریق کی تعیین میں اختلاف ہے، مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کا مصداق تین ایام یوم النحر کے بعد یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ہیں۔

وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ: یہاں پر وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ اسی طرح سے واقع ہوا ہے جبکہ قرآن کریم میں سورۂ حج میں ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ﴾ وارد ہوا ہے، بظاہر یہ کاتب کے قلم کی لغزش ہے، اور دوسری جگہ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ﴿وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ﴾۔

أیام معلومات اور أیام معدودات سے کیا مراد ہے؟ (۱) سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ أیام معلومات باللام سے ایام عشر ذی الحجہ مراد ہیں اور أیام معدودات بالدال سے ایام تشریق مراد ہیں، یہی امام ابو حنیفہ، شافعی، احمد اور جمہور علماء کا مسلک ہے، (۲) امام مالک، ابو یوسف، محمد فرماتے ہیں کہ أیام معلومات سے ایام نحر یعنی یوم النحر اور اس کے بعد کے دو دن مراد ہیں اور أیام معدودات بالدال میں مالکیہ فرماتے ہیں کہ تین دن مراد ہیں یوم النحر کے بعد، تو گویا مالکیہ کے یہاں أیام معدودات کا مصداق ایام تشریق ہوئے۔

وَ كَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ خَلْفَ النَّافِلَةِ: محمد بن علی باقر نے نفل کے بعد تکبیر پڑھی ہے، یہی مالکیہ کا ایک قول اور شافعیہ کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہ اور مالکیہ اپنے راجح قول میں کہتے ہیں کہ تکبیرات تشریق فرائض کے ساتھ خاص ہیں یہی امام احمد کا مشہور قول ہے اور شافعی کی بھی ایک روایت ہے۔

مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامٍ أَفْضَلَ مِنْهَا فِي هَذِهِ: ان ایام کے مقابل میں دیگر ایام میں عمل کرنا افضل نہیں، یعنی ان ایام میں عمل کرنا بنسبت دیگر ایام کے افضل ہے، ظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فی ھذہ سے ایام تشریق مراد ہیں یہی بخاری کے ترجمہ کا تقاضہ ہے لیکن بخاری کی روایت مجمل ہے، امام احمد، طیالسی، ترمذی، ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ھذہ سے مراد عشرۂ ذی الحجہ ہے۔

اب اگر عشرۂ ذی الحجہ مراد لیا جائے تو اشکال یہ ہے کہ حدیث و ترجمہ میں مطابقت نہیں ہے، ترجمہ میں ایام تشریق کا ذکر ہے اور حدیث میں عشرۂ ذی الحجہ کا، اس کے تین جواب ہیں۔

(۱) بعض علماء کہتے ہیں کہ مطابقت اس لحاظ سے ہے کہ ایام تشریق عشرۂ ذی الحجہ کے مجاور ہیں اور قاعدہ ہے الشرف یتشرف بشرف المجاور، (۲) دوسری تقریر بعضوں نے کی کہ اصل میں عشرۂ ذی الحجہ کو فضیلت حاصل ہوئی ہے اعمال حج سے اور یہ بات ایام تشریق میں بھی پائی جاتی ہے، (۳) تیسری توجیہ بعض علماء نے یہ کی ہے کہ اصل میں دسویں تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء اس کو ایام تشریق میں مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے ہیں، جو اس کو ایام تشریق میں مانتے ہیں ان کے قول کی بنیاد پر یہ تاریخ عشرۂ ذی الحجہ کا آخری دن اور ایام تشریق کا پہلا دن ہے تو اس دن میں عشرۂ ذی الحجہ اور ایام تشریق دونوں مشترک ہیں، اور جب اس دن کی فضیلت ھذہ کے عموم کی وجہ سے ثابت ہو گئی تو ایام تشریق کی فضیلت بھی ظاہر ہو گئی۔

(ص ۱۳۲) بَابُ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ مِنًى وَإِذَا غَدَا إِلَى عَرَفَةَ

وكان عمر رضي الله عنه يكبّر في قبته بمنى فيسمعه أهل المسجد فيكبّرون ويكبّر أهل الأسواق حتى ترتجّ منى تكبيرا، وكان ابن عمر يكبّر بمنى تلك الأيام وخلف الصلوات وعلى فراشه وفي فسطاطه ومجلسه وممشاه وتلك الأيام جميعا.

وكانت ميمونة تكبّر يوم النحر، وكان النساء يكبّرن خلف أبان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز ليالي التشريق مع الرجال في المسجد.

٩٦٤. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَنَحْنُ غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَاتٍ عَنِ التَّلْبِيَةِ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّي لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ.

٩٦٥. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ عَاصِمٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيدِ حَتَّى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا حَتَّى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ بِدُعَائِهِمْ يَرْجُونَ بَرَكَةَ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهُ.

ترجمہ: باب، منیٰ کے ایام میں اور نویں کی صبح کو عرفات جاتے ہوئے تکبیر کہنے کا بیان۔

اور حضرت عمرؓ منیٰ میں اپنے خیمے میں تکبیر کہتے تو اس کو اہل مسجد سن لیتے پھر وہ تکبیر کہتے اور بازار والے تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ تکبیر سے گونج اٹھتا، اور ابن عمرؓ ان ایام میں منیٰ میں تکبیر کہتے اور نمازوں کے بعد اور اپنے بچھونے پر اور اپنے خیمے میں اور اپنی مجلس میں اور چلتے ہوئے تکبیر کہتے اور ان تمام ایام میں کہتے، اور حضرت میمونہؓ یوم النحر میں تکبیر کہتیں، اور عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبد العزیز کے پیچھے تشریق کے ایام میں مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیر کہتیں۔

محمد بن ابی بکر الثقفی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے تلبیہ کے بارے میں پوچھا اور ہم دونوں صبح کے وقت منیٰ سے عرفات جارہے تھے کہ آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا صورت اختیار کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھتا تھا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا تھا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔

(آخری روایت باب شھود الحائض العیدین میں گزر چکی)۔

تشریح: ایام منیٰ سے مراد ایام تشریق ہیں، امام بخاری نے اس باب میں تکبیرات تشریق کا مسئلہ بیان کیا ہے، اس کی مشروعیت تو مجمع علیہا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ جمہور فرماتے ہیں کہ یہ سنت ہے اور حنفیہ کا راجح قول یہ ہے کہ تکبیرات تشریق واجب ہیں، امام مالک نے مؤطا میں ان کے وجوب کی تصریح بھی کی ہے مگر مالکیہ کہتے ہیں کہ امام مالک نے واجب بول کر مندوب متأکد مراد لیا ہے واجب مراد نہیں لیا ہے۔

تکبیرات تشریق کی ابتداء اور انتہاء کب ہوگی؟ امام شافعی، امام احمد، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ابتداء یوم عرفہ کی صبح سے ہوگی اور ایام تشریق کے آخری دن (تیرہویں تاریخ) کی عصر تک انتہاء ہوگی، اور امام ابو حنیفہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نویں تاریخ کی صبح سے ابتداء ہوگی اور یوم النحر کی عصر تک انتہاء ہو جائے گی۔

عورتیں تکبیر کہیں گی یا نہیں؟ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عورتیں سرًّا کہیں گی، امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ عورتیں نہیں کہیں گی دوسری روایت میں کہنا مستحب ہے، امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھیں گی تو تکبیر کہیں گی اور منفرداً پڑھیں گی تو اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ مطلقاً تکبیر نہیں کہیں گی۔

کیا تکبیر جماعت کی نماز کے ساتھ خاص ہے؟ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ خاص ہے، امام احمد کا مشہور قول یہی ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ منفرد بھی تکبیر کہے گا، یہی صاحبین کا مسلک ہے اور یہی ہمارے یہاں مفتی بہ ہے۔

تکبیر کے الفاظ کیا ہوں گے؟ حنفیہ وحنابلہ کہتے ہیں اللہ أکبر اللہ أکبر لا إلٰہ إلا اللہ و اللہ أکبر اللہ أکبر و للہ الحمد، اور مالک وشافعی سے منقول ہے کہ تکبیر تین مرتبہ ہوگی اللہ أکبر اللہ أکبر اللہ أکبر، امام نووی نے منہاج میں وہی صورت لکھی ہے جو حنفیہ کے یہاں مختار ہے، اور صاحب اسہل المسالک نے مالکیہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے، فرماتے ہیں

کَبِّرْ وَهَلِّلْ ثُمَّ كَبِّرْ وَاحْمَدِ   وَثَنِّ تَكْبِيرًا وَغَيْرَهُ أَفْرِدِ

لیکن دوسرے مالکیہ نے تکبیر تین مرتبہ نقل کی ہے۔

امام بخاری ان تمام مسئلوں میں تعمیم کے قائل معلوم ہوتے ہیں، ان کے نزدیک تکبیرات فرائض کے ساتھ خاص نہیں نوافل کے بعد بھی پڑھی جائیں گی نیز جماعت کے ساتھ خاص نہیں منفرد بھی کہے گا، مردوں کے ساتھ خاص نہیں عورتیں بھی تکبیر کہیں گی۔

(ص ۱۳۲) بَاب الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ

۹٦٦. حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ تُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ قُدَّامَهُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ ثُمَّ يُصَلِّي.

ترجمہ: باب، عید کے دن چھوٹے نیزے کو سترہ بنا کر نماز پڑھنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب سترة الإمام سترة لمن خلفه میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے کہ اگر عید گاہ میں سامنے کوئی سترہ نہ ہو تو امام کے سامنے حربہ نصب کر دیا جائے برچھی کھڑی کر دی جائے اور سترہ بنالیا جائے، یہ ترجمہ ابواب سترہ میں بھی گزر چکا ہے، وہاں مصنف نے بحیثیتِ سترہ کے ذکر کیا ہے اور یہاں عید کی مناسبت سے ذکر فرمایا ہے۔

(ص ۱۳۳) بَاب حَمْلِ الْعَنَزَةِ أَوْ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ

۹٦٧. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِي قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلَّى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا.

ترجمہ: باب، عید کے دن امام کے آگے آگے نیزے یا چھوٹے نیزے کو لے کر چلنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب سترة الإمام سترة لمن خلفه میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری نے پہلے تو الصلوة إلى الحربة کا ترجمہ منعقد کیا ہے اور پھر حَمْلُ الْعَنَزَةِ أَوِ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ کا ترجمہ منعقد کیا ہے، یہ بتلانے کے واسطے کہ پہلے ترجمہ کا تعلق سترہ سے ہے اور اس ترجمہ کا تعلق عید گاہ میں نیزہ لے جانے سے ہے کہ جب رسول پاک ﷺ چلتے تھے تو آپ کے سامنے نیزہ لیکر چلا جاتا اور اس کو گاڑا جاتا تھا اور آپ اس کی طرف سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے، اور اس دستور کی اصل سنت سے پیش کی ہے جو چل پڑی تھی کہ جب امام یا اس کا نائب چلتا تو اس کے سامنے خادم نیزہ یا حربہ لیکر چلا کرتا تھا، اس سے یہ بات نکل آئی کہ اگر امام کے سامنے خادم چوکیداری کرے تو اس کی گنجائش ہے اور یہ جائز ہے۔

(ص ۱۳۳) بَاب خُرُوجِ النِّسَاءِ وَالْحُيَّضِ إِلَى الْمُصَلَّى

۹۶۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ. وَعَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَفْصَةَ بِنَحْوِهِ. وَزَادَ فِي حَدِيثِ حَفْصَةَ قَالَ أَوْ قَالَتِ: الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ وَيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى.

ترجمہ: باب، عام عورتوں اور حائضہ عورتوں کے عید گاہ جانے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب شہود الحائض العیدین میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد اس باب سے یہ بیان کرنا ہے کہ عورتیں عید گاہ جائیں گی۔

عید کے دن عورتوں کا عید گاہ میں جانا سلف میں مختلف فیہ رہ چکا ہے، قاضی عیاض نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے وجوب نقل کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے اس پر اشکال کیا ہے کہ ان حضرات سے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں ان سے صراحۃً وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے، ابراہیم نخعی، یحیٰ بن سعید انصاری اور قاسم بن محمد نے نکلنے سے منع کیا ہے، امام مالک سے بھی کراہت منقول ہے، امام محمد نے لکھا ہے کہ بعض اوقات امام ابو حنیفہ نے جواز کا قول اختیار کیا ہے اور بعض اوقات منع کیا ہے، فتویٰ ممانعت پر ہے، شافعیہ کے نزدیک ذوات الهيآت المستحسنة مستثنیٰ ہیں اور باقی عورتیں عید گاہ میں جائیں گی چاہے بوڑھی ہوں یا جوان ہوں، حنابلہ کے نزدیک بھی عورتیں جائیں گی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکلنا کیسا ہے؟ امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے اور امام احمد کے متعلق قاضی ابو یعلیٰ نے نقل کیا ہے کہ ان کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مباح اور جائز ہے، حنابلہ میں سے ابن حامد استحباب کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہ کا مسلک علامہ موفق نے نقل کیا ہے کہ عجائز نکل سکتی ہیں شواب نہیں، یہ مسئلہ میں قریب ہی میں بیان کر چکا ہوں کہ عورت مسجد میں جاسکتی ہے یا نہیں؟ جو اختلاف وہاں پر تھا وہی اختلاف یہاں پر بھی چلے گا۔

امام بخاری اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں یعنی عورتیں مطلقاً عید گاہ میں جائیں گی حتی کہ حائضہ عورت بھی جائے گی کیوں کہ مقصود تکثیر جماعت اور شرکت فی دعاء المسلمین ہے، اور جو کراہت کے قائل ہیں وہ فتنہ کو پیش نظر رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اصل میں عورتوں کے نکلنے میں

بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے اسلئے ان کو نہ نکلنا چاہیے۔

اباحت کے قائلین ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے نکلنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور رہا جو عورتیں فتنہ کرتی ہیں وہ تو نکلنے کی صورت میں بھی کریں گی اور گھر رہ کر بھی کریں گی اس میں کیا استعجاب ہے کہ ادھر تو مرد عید گاہ جائیں اور ادھر یہ عورتیں اپنے اخدان اور اپنے دوستوں سے روابط قائم کریں اور گھر پر ان کو بلالیں، بہر حال دونوں قول ہیں جس نے یہ دیکھا کہ نکلنے میں بڑا فتنہ ہے اس نے منع کر دیا اور جس نے یہ دیکھا کہ نہ نکلنے کی صورت میں بھی فتنہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلنے کی اجازت دی ہے بلکہ نکلنے کو پسند کیا ہے اس نے نکلنے کی اجازت دی یا اس کو مستحب سمجھا۔

(ص ۱۳۳) بَاب خُرُوجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلَّى

۹۶۹. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: باب، بچوں کے عید گاہ جانے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب عظة الإمام النساء وتعليمهن میں گزر چکا)۔

تشریح: بچے بھی عید گاہ جاسکتے ہیں، چونکہ یہ معمول ہے کہ عید کو جاتے ہوئے بچے بھی ساتھ ہو جاتے ہیں لہذا امام بخاری نے سنت سے اس کی اصل پیش کر دی اور یہ بتلا دیا کہ عید گاہ میں بچوں کا جانا منقول اور ثابت ہے، علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ مصنف نے فرمایا خُرُوجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلَّى اور یوں نہیں فرمایا خُرُوجِ الصِّبْيَانِ إِلَى صَلَاةِ الْعِيدِ اس واسطے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ عید گاہ جانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہی جائے جو نماز پڑھ سکتا ہے بلکہ عید گاہ ہر شخص جاسکتا ہے چاہے وہ نماز پڑھ سکتا ہو یا نہ پڑھ سکتا ہو، چاہے نماز کا وہ مکلف ہو اور چاہے وہ نماز کا مکلف نہ ہو۔

(ص ۱۳۳) بَاب اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ

وقال أبو سعيد: قام النبي ﷺ مقابل الناس.

٩٧٠. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ زُبَيْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ أَضْحى إِلَى الْبَقِيعِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ: اذْبَحْهَا وَلَا تَفِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

ترجمہ: باب، عید کے خطبہ میں امام کے لوگوں کی طرف رخ کرنے کا بیان۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے۔

(روایت کا ترجمہ باب التبكير إلى العيد میں گزر چکا)۔

تشریح: امام خطبۂ عید میں لوگوں کا استقبال کرے گا یعنی ان کی طرف چہرہ کر کے کھڑا ہو گا۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ اسی قسم کا ترجمہ ابواب جمعہ میں گزر چکا ہے، امام بخاری نے یہاں اس ترجمہ کی تصریح یہ بتلانے کے لئے کی کہ عید کا حکم جمعہ سے مختلف نہیں جیسے جمعہ میں استقبال ہوتا ہے ایسے ہی عید میں بھی استقبال ہوگا اور امام لوگوں کے سامنے کھڑا ہو گا۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ ممکن ہے امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ خطبۂ استسقاء سے احتراز فرمایا ہو اس لئے کہ اس میں امام قبلہ کی طرف استقبال کرتا ہے۔

ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہاں تو ارشاد فرمایا اسْتِقْبَالُ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ اور ابواب جمعہ کے ترجمہ میں ارشاد فرمایا استقبال الناس الإمام، یہاں استقبال کی اضافت امام کی طرف کر رہے ہیں اور مستقبَل الیہ لوگ ہوں گے، اور ابواب جمعہ کے ترجمہ میں استقبال الناس الإمام ہے یعنی استقبال کی اضافت الناس کی طرف ہے اور مستقبَل الیہ امام ہوگا، تو ہو سکتا ہے کہ اس فرق سے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ خطبۂ جمعہ میں امام بس لوگوں کی طرف چہرہ کئے ہوئے خطبہ دے گا ادھر ادھر التفات نہیں کرے

گا، چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ نے لکھا ہے کہ مستحب اور محمود یہ ہے کہ امام خطبۂ جمعہ میں ادھر ادھر منھ نہ پھیرے اور یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ امام خطبۂ عید میں ادھر ادھر منھ پھیرے گا۔

لیکن اس میں ذرا سا تأمل بھی ہے، اس واسطے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ اگر استقبال الناس الإمام سے یہ بات نکلتی ہے کہ لوگ امام کی طرف متوجہ ہوں گے تو اِستِقْبَالُ الإِمَامِ النَّاسَ سے یہ بات نکال لی جائے کہ امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو گا اور سب کی طرف اپنا چہرہ پھیرے گا اس واسطے کہ امام جب منبر پر کھڑا ہو گا تو یقینی بات ہے کہ اس کا چہرہ سارے لوگوں کی طرف ہی ہو گا۔

(ص ۱۳۳) بَاب الْعَلَمِ الَّذِي بِالْمُصَلَّى

۹۷۱. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ: أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ حَتَّى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يُهْوِينَ بِأَيْدِيهِنَّ يَقْذِفْنَهُ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ.

ترجمہ: باب، اس نشان کا بیان جو عید کی جگہ مقرر کرنے کے لئے لگا دیا جائے۔

(روایت کا ترجمہ باب عظة الإمام النساء وتعلیمھن میں گزر چکا)۔

تشریح: عَلَم علامت کے معنی میں ہے، اور امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر عید گاہ میں علامت نہ ہو تو وہاں پر نشان بنایا جا سکتا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ عید گاہ کی جگہ ہے۔

مصنف نے جو روایت ذکر کی ہے اس سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے ہاں یہ بات غور طلب رہ جاتی ہے کہ وہ علامت عہد نبوی ہی میں تھی یا عہد نبوی کے بعد پیدا ہوئی ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ علامت بعد میں نصب کی گئی تھی مگر امام بخاری نے اطلاق روایت سے استدلال کیا ہے یا اس بات سے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تقریر فرمائی، گویا صحابۂ کرام کے یہاں عید گاہ کیلئے کوئی علامت مقرر کر دینا اور کوئی ایسی چیز وہاں قائم کر دینا جس سے

یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مصلیٰ اور عید گاہ ہے جائز تھا اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے بہت لطیف طریقہ سے عید گاہ بنانے کی اباحت کی طرف اشارہ کیا ہو، حاصل یہ ہے کہ جب مصلیٰ میں علامت نصب کی جاسکتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مصلیٰ اور عید گاہ ہے تو عید گاہ بنانا تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا تاکہ عید کی نماز پڑھنے میں سہولت پیدا ہو جائے، لیکن ہے یہ بہت دور کی بات اور ترجمہ سے اس کو ثابت کرنا بعید معلوم ہوتا ہے۔

قِيلَ لَهُ: ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا أَشَهِدْتَ العِيدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ؟ کیا آپ حضور ﷺ کے ساتھ عید میں شریک ہوئے ہیں؟ قَالَ نَعَمْ فرمایا کہ ہاں اور پھر فرمایا وَلَوْ لَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ اور اگر میرا صغر نہ ہوتا تو میں عید میں شریک نہ ہو سکتا۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ صغر تو شہود کی علت نہیں بلکہ عدم شہود کی علت ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں ازدحام اور مجمع ہوتا ہے وہاں چھوٹے بچوں کو نہیں لے جاتے ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ میں تقدیم و تاخیر ہوگئی اور اصل لفظ یہ ہے وَلَوْ لَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ، چنانچہ یہی روایت امام احمد بن حنبل نے تخریج کی ہے اور اس کے الفاظ ہیں وَلَوْ لَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ اسی طرح بخاری کتاب الاعتصام میں آرہی ہے اور ابوداؤد میں بھی ہے اس کے الفاظ ہیں لَوْ لَا مَنْزِلَتِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ اگر میرا مرتبہ حضور ﷺ کے یہاں نہ ہوتا یعنی میں آپ کا عزیز و قریب اور چچازاد بھائی نہ ہوتا تو صغیر السن ہونے کی وجہ سے میں وہاں پہنچ نہ پاتا، یہی مطلب راجح ہے۔

حافظ ابن حجر نے ایک عجیب نکتہ پیدا کر دیا کہ یہ مطلب بھی تو ہو سکتا ہے کہ اگر میں چھوٹا نہ ہوتا تو وہاں نہ جاسکتا جہاں عورتیں تھیں، یعنی میرے صغیر السن ہونے کی وجہ سے وہاں تک جانے کی میرے لئے گنجائش نکل آئی، مگر یہ صرف ایک احتمال سا ہے اس حدیث کے طرق اور اس کے الفاظ کے دیکھنے سے پہلا ہی مطلب راجح اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔

حَتَّى أَتَى العَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ: یہاں تک کہ حضور ﷺ اس علامت کے پاس تشریف لائے جو کثیر بن الصلت کے مکان کے پاس تھی، کثیر بن صلت تابعی ہیں انہوں نے وہاں پر مکان بنالیا تھا۔

فَصَلّٰی ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَی النِّسَاءَ، إلخ: آپ نے وہاں پر نماز ادا کی، پھر حضور ﷺ عورتوں کے پاس آئے اور ان کو نصیحت کی اور صدقہ کا حکم دیا، عورتیں صدقہ دینے میں بڑی تیز ہوتی ہیں بس فوراً صدقہ دینا شروع کر دیا، ویسے تو بڑی بخیل ہوتی ہیں لیکن عورتوں کو جب وعظ و نصیحت کر دی جائے تو رقیق القلب ہونے کی وجہ سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہیں اور پھر جلدی جلدی صدقہ دینا شروع کر دیتی ہیں۔

(ص ۱۳۳) بَاب مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ

٩٧٢. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَصْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ خَطَبَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ تُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ الصَّدَقَةَ قُلْتُ لِعَطَاءٍ زَكَاةَ يَوْمِ الْفِطْرِ؟ قَالَ: لَا وَلَكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِينَئِذٍ تُلْقِي فَتَخَهَا وَيُلْقِينَ قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتُرَى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ ذَلِكَ وَيُذَكِّرُهُنَّ قَالَ: إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُونَهُ

٩٧٣. قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَأَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ يُصَلُّونَهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يُخْطَبُ بَعْدُ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يُجْلِسُ بِيَدِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتَّى جَاءَ النِّسَاءَ مَعَهُ بِلَالٌ فَقَالَ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾... الْآيَةَ ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ مِنْهَا: آنْتُنَّ عَلَى ذَلِكَ؟ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا: نَعَمْ - لَا يَدْرِي حَسَنٌ مَنْ هِيَ - قَالَ: فَتَصَدَّقْنَ، فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ ثُمَّ قَالَ: هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَاءُ أَبِي وَأُمِّي فَيُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ.

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: الْفَتَخُ الْخَوَاتِيمُ الْعِظَامُ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ.

ترجمہ: باب، عید کے دن امام کے عورتوں کو نصیحت کرنے کا بیان۔

(روایات کا ترجمہ ما قبل میں کئی مرتبہ گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ امام جیسے مردوں کے سامنے خطبہ دے گا ایسے ہی یوم عید میں چونکہ عورتیں ایک طرف ہوتی ہیں ان کو بھی وعظ و نصیحت کا اہتمام کرے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب مردوں کے ساتھ عورتیں خطبہ نہ سن سکیں تو پھر عورتوں کو مستقل وعظ کرنا اور سمجھانا چاہئے۔

فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ: جب حضور ﷺ خطبہ سے فارغ ہوگئے تو آپ اتر گئے، مگر باب الخروج إلی المصلی میں اسی روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے زمین پر خطبہ دیا تھا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نزل متضمن ہے معنیٰ انتقال کو اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی جگہ سے منتقل ہوگئے۔

قُلْتُ لِعَطَاءٍ زَكَاةَ يَوْمِ الفِطْرِ؟ یعنی عورتیں جو صدقہ دے رہی تھیں یہ صدقات نافلہ عامہ کے قبیل سے تھا، صدقۂ فطر نہ تھا۔

إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ: اگر عطاء نے حق سے مراد حق واجب لیا ہے تو یہ ان کا انفرادی قول ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ان کے علاوہ اس کا کوئی قائل نہیں اور اگر حق سے مراد حق متاکد لیا ہے تو پھر یہ محتمل ہے۔

آنْتُنَّ عَلَى ذَلِكِ؟ یعنی تم اس عہد کو قبول کرتی ہو؟ ان میں سے ایک عورت کھڑی ہوئی اس کے علاوہ کسی نے جواب نہیں دیا کہنے لگی نعم یارسول اللہ ہم اس عہد کو قبول کرتی ہیں۔

لَا يَدْرِي حَسَنٌ مَنْ هِيَ: حسن نہیں جانتے ہیں کہ یہ عورت کون ہیں؟ حسن سے مراد حسن بن مسلم بن یناق راویِ حدیث ہیں جو طاؤس کے تلمیذ ہیں، مسلم شریف میں اس حدیث میں واقع ہوا ہے لَا يَدْرِي حِينَئِذٍ مَنْ هِيَ، حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ یہ تصحیف ہے اور امام نووی وغیرہ شراح نے اس کی کچھ توجیہ بھی کی ہے، مطلب یہ ہے کہ اُس وقت نہیں پتہ چل سکا کہ یہ کون ہیں ازدحام تھا عورتوں میں کون ہیں کیا پتہ چلتا؟

ثُمَّ قَالَ هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَاءٌ أَبِي وَأُمِّي: حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ لاؤ ڈالو! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں عورتوں نے اپنے چھلے اور انگوٹھیاں حضرت بلالؓ کے کپڑے میں ڈالنی شروع کردیں۔

الفَتَخُ الخَوَاتِيمُ العِظَامُ كَانَتْ فِي الجَاهِلِيَّةِ: فتخ کہتے ہیں بڑی بڑی انگوٹھیوں کو جو جاہلیت میں ہوتی تھیں، چھلے بغیر نگ کے جو عورتیں ہاتھ پاؤں میں پہنا کرتی ہیں۔

(ص ۱۳۳) بَاب إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيدِ

٩٧٤. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ جَوَارِيَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ يَوْمَ الْعِيدِ فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ فَأَتَيْتُهَا فَحَدَّثَتْ أَنَّ زَوْجَ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً فَكَانَتْ أُخْتُهَا مَعَهُ فِي سِتِّ غَزَوَاتٍ، قَالَتْ: فَكُنَّا نَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى وَنُدَاوِي الْكَلْمَى، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ؟ فَقَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ حَفْصَةُ: فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ أَتَيْتُهَا فَسَأَلْتُهَا، أَسَمِعْتِ فِي كَذَا وَكَذَا؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ بِأَبِي - وَقَلَّمَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ ﷺ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي - قَالَ: لِيَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُورِ - أَوْ قَالَ: الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُورِ، شَكَّ أَيُّوبُ - وَالْحُيَّضُ فَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهَا: آلْحُيَّضُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ أَلَيْسَ الْحَائِضُ تَشْهَدُ عَرَفَاتٍ وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا.

ترجمہ: باب، اگر کسی عورت کے پاس عید کے دن پردے کے لئے چادر نہ ہو۔

(روایت کا ترجمہ باب شہود الحائض العیدین میں گزر چکا)۔

تشریح: علامہ زین بن منیر اور ان کی اتباع میں علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے جواب شرط اسلئے ذکر نہیں کیا کہ اس کا جواب حدیث سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر عورت کے پاس جلباب نہ ہو تو اس کی دوسری سہیلی اپنے دوپٹہ یا چادر میں اس کو شریک کرلے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے جواب شرط اسلئے حذف فرمادیا ہے کہ روایت میں احتمال پیدا ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لِتُلْبِسهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا کا کیا مطلب ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں۔

(۱) یا تو مطلب ہو من جنس جلبابها یعنی اس کے پاس جو چادر ہے اس جنس کی اگر کوئی مزید چادر ہو تو عاریت کے طور پر اس سے لے لے۔ (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ من بعض جلبابها أی طائفة من ثوبها یعنی اپنی چادر میں اس کو شریک کرلے اور دونوں احتمال کے لئے مؤید الفاظ روایات اور حدیث میں وارد ہوئے ہیں، بعض

الفاظ میں وارد ہوا ہے فَلْتُعِزْهَا أُخْتُهَا مِنْ جَلَابِيبِهَا اس سے احتمال اول کی تائید ہوتی ہے، اور بعض الفاظ میں وارد ہوا ہے تُلْبِسُهَا صَاحِبَتُهَا طَائِفَةً مِنْ ثَوْبِهَا اس سے احتمال ثانی کی تائید ہوتی ہے، پہلا لفظ طحاوی میں ہے اور دوسرا ابوداؤد میں ہے لیکن دوسرے لفظ طَائِفَةً مِنْ ثَوْبِهَا سے من جنس الثیاب بھی مراد ہو سکتا ہے۔

فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ: ایک عورت آئی اور قصر بنو خلف میں فروکش ہوئی، قصر بنو خلف؛ بصرہ میں واقع طلحہ بن عبد اللہ بن خلف کا محل تھا یہ محل ان کے جد کی طرف منسوب ہے۔

فَكَانَتْ أُخْتُهَا مَعَهُ فِي سِتِّ غَزَوَاتٍ: ان کی بہن کے خاوند نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی اور ان کی بہن حضور ﷺ کے ساتھ چھ غزوات میں تھیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ معہ کی ضمیر زوج کی طرف عائد ہو اور مطلب یہ ہو کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ چھ غزوات میں تھیں۔

فَقَالَتْ: قالت کی ضمیر أخت کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اس عورت نے اپنی بہن سے نقل کیا جن کے خاوند حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک ہوئے اور وہ چھ غزوات میں شریک ہوئی، اُس اخت نے کیا کہا؟ فَكُنَّا نَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى وَنُدَاوِي الْكَلْمَى ہم مریضوں کی خبر گیری کرتے تھے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتے تھے۔

فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ: انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس دوپٹہ نہ ہو تو ہمارے عید گاہ نہ جانے میں کوئی حرج تو نہیں؟ فَقَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا اگر تمہارے اپنے پاس نہ ہو تو اس کی سہیلی اس کو اپنا دوپٹہ اوڑھا دے اور فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ خیر اور مؤمنین کی دعاء کے موقع پر شرکت کریں۔

قَالَتْ حَفْصَةُ: حفصہ بنت سیرین کہتی ہیں کہ جب ام عطیہؓ بصرہ آئیں تو میں ان کی خدمت میں گئی اور میں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اس سلسلہ میں حضور ﷺ کی حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس عورت کی اخت سے مراد حضرت ام عطیہؓ ہیں۔

وَقَلَّمَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ ﷺ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي: یعنی حضور ﷺ کا جب تذکرہ کرتیں تو بِأَبِي ضرور کہتی تھیں یعنی تفدیۃ الاب کرتی تھیں اپنے باپ کو حضور پر قربان کرتی تھیں، یہ روایت کتاب الحیض میں ص ۴۶ پر گزر چکی ہے اور میں وہاں بتلا چکا ہوں کہ اس میں چار روایتیں ہیں بِأَبِي، بِيَبِي، بِأَبَا اور بِيَبَا۔

لِيَخرُجِ العَوَاتِقِ ذَوَاتُ الخُدُورِ: شابہ بچیاں جو پردہ نشین ہوں وہ نکلیں، عواتق جمع ہے عاتق کی عاتق کہتے ہیں اس بچی کو جو قریب البلوغ ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ جو بالغ ہو گئی ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ بچی جو گھر میں کام وغیرہ نہ کرتی ہو۔

(ص ۱۳۴) بَابُ اعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلَّى

۹۷۵. حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: أُمِرْنَا أَنْ نَخْرُجَ فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ - قَالَ ابْنُ عَوْنٍ: أَوِ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ - فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ.

ترجمہ: باب، حیض والی عورتوں کے عید گاہ سے الگ رہنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ اوپر گزر چکا)

تشریح: حائضہ عورتیں مصلیٰ عید گاہ سے الگ رہیں گی۔

یہ الگ رہنا مندوب ہے یا ضروری؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ الگ رہنا مندوب ہے، بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ الگ رہنا ضروری اور واجب ہے اور نماز گاہ میں داخل ہونا ناجائز ہے۔

اصل میں یہ اختلاف مبنی ہے اس بات پر کہ مصلیٰ اور عید گاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ جن لوگوں کے نزدیک مسجد کے حکم میں ہے ان کے نزدیک تو حائضہ کو مصلیٰ میں جانے کی اجازت نہیں اور داخل ہونا حرام ہے اور جن لوگوں کے نزدیک مسجد کے حکم میں نہیں ہے ان لوگوں کے نزدیک داخل ہونے کی اجازت ہے، لیکن اس وقت جو اعتزال کا حکم دیا جا رہا ہے وہ اس لئے کہ خواہ مخواہ فسادِ صفوف ہو گا، نماز تو وہ پڑھیں گی نہیں، دو چار کی جگہ گھیریں گی اس سے دوسروں کو تشویش ہو گی اور ان کا حال بھی خواہ مخواہ لوگوں پر منکشف ہو گا۔

یہ ترجمہ کتاب الحیض ص ۴۶ پر ترجمۂ گزشتہ کے ساتھ ملا کر کے گزر چکا ہے، وہاں مصنف نے مسائل حیض کی رعایت سے ذکر کیا تھا اور یہاں پر مسائل عیدین کی مناسبت سے تذکرہ فرمایا ہے۔

(ص ۱۳۴) بَابُ النَّحْرِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُصَلَّى

۹۷۶. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْحَرُ أَوْ يَذْبَحُ بِالْمُصَلَّى.

ترجمہ: باب، عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ میں قربانی کے جانور کے نحر اور ذبح کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید گاہ میں نحر یا ذبح کیا کرتے تھے۔

تشریح: یوم النحر یعنی عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ ہی میں نحر و ذبح ہونا چاہئے۔

نحر کی صورت یہ ہے کہ اونٹ کے منحر پر برچھا مارا جائے اور ذبح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جانور کو لٹا کر اس کے مذبح پر چھری چلائی جائے۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں نحر و ذبح دونوں کو ذکر کیا ہے جبکہ روایت میں كَانَ يَنْحَرُ أَوْ يَذْبَحُ أو کے ساتھ ہے، تو روایت سے ایک ہی بات ثابت ہوگی پھر مصنف نے نحر و ذبح دونوں کو کیوں ذکر فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے نحر و ذبح کو واؤ جمع کے ساتھ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ روایت میں أو شک کے لئے نہیں ہے بلکہ تنویع کے واسطے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نوع کا جانور ہوتا تھا حضور ﷺ ویسا معاملہ کرتے تھے، اگر اونٹ ہوا تو نحر فرماتے اور اگر مثلاً بکری ہوئی تو ذبح فرمایا کرتے تھے، نیز یہی روایت آئندہ کتاب الاضاحی میں آئے گی وہاں پر واؤ کے ساتھ واقع ہوا ہے۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ روایت میں لفظِ أو ہے لیکن پھر بھی مصنف نے ترجمہ میں واؤ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جمع بین النسکین میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نیز یہ بتلانا مقصود ہے کہ دونوں حکم میں مساوی اور مشترک ہیں۔

عید گاہ میں ذبح کا حکم: عید گاہ میں ذبح کرنا مالکیہ کے نزدیک امام کے لئے سنت ہے تاکہ کسی کی قربانی اس سے پہلے نہ ہونے پائے، کیوں کہ ان کے نزدیک امام کی قربانی کے بعد ہی قربانی کرنے کی گنجائش ہے، جمہور علماء عید گاہ میں اور مصلّٰی کے پاس ذبح کرنے کو اس لئے مستحب کہتے ہیں تاکہ شعائر اسلام کا اظہار ہو اور تاکہ لوگ امام سے قربانی کا طریقہ سیکھیں، نیز ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہاں سے سارا گوشت لانے سے رہے کچھ تو

وہیں بٹ جائے گا اور کچھ راستہ میں بٹ جائے گا اور جو کچھ گھر پہنچے گا تھوڑا بہت اس میں بھی بہت سے لینے والے شریک ہو جائیں گے اس سے فقراء کو زیادہ نفع ہو گا اور ثواب کی فراوانی ہو گی۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم نے یہاں پہنچ کر درس میں یہ فرمایا تھا کہ بھائی اصل تو یہی تھا کہ عید گاہ میں قربانی کی جائے لیکن ہمارے اعمال کی وجہ سے اب صورت حال یہ بن گئی کہ قربانی کو گھروں پر کرنا پڑتا ہے۔

(ص ۱۳۴) بَاب كَلَامِ الْإِمَامِ وَالنَّاسِ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ وَإِذَا سُئِلَ الْإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ

٩٧٧. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَتِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ، فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ لَقَدْ نَسَكْتُ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ فَتَعَجَّلْتُ وَأَكَلْتُ وَأَطْعَمْتُ أَهْلِي وَجِيرَانِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ، قَالَ: فَإِنَّ عِنْدِي عَنَاقَ جَذَعَةٍ لَهِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَهَلْ تَجْزِي عَنِّي؟ قَالَ: نَعَمْ وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.

٩٧٨. حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ فَأَمَرَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ أَنْ يُعِيدَ ذَبْحَهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ جِيرَانٌ لِي - إِمَّا قَالَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَإِمَّا قَالَ بِهِمْ فَقْرٌ - وَإِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَعِنْدِي عَنَاقٌ لِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَرَخَّصَ لَهُ فِيهَا.

٩٧٩. حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ جُنْدَبٍ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللهِ.

ترجمہ: باب، خطبۂ عید کے درمیان امام کے اور لوگوں کے گفتگو کرنے کا بیان، اور جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرنے کا بیان۔

(روایات کا ترجمہ بار بار گزر چکا ہے)۔

تشریح: بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ترجمہ میں مصنف نے ایک ہی حکم ذکر کیا ہے یہ صحیح نہیں بلکہ دو حکم ذکر فرمائے ہیں اور حکم اول حکم ثانی سے عام ہے۔

حکم اول کا خلاصہ یہ ہے کہ خطبۂ عید میں امام اور حاضرین کو کلام کرنے کی گنجائش ہے اور حکم ثانی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام سے بحالت خطبہ سوال کر لیا جائے تو آیا وہ سائل کا جواب دے یا نہیں؟ روایت سے معلوم ہو گیا کہ کلام بھی کر سکتا ہے اور اگر خطیب سے سوال کیا جائے تو خطیب جواب بھی دے سکتا ہے، مسئلہ کی وضاحت ابوابِ جمعہ میں گزر چکی ہے اور جو خطبۂ جمعہ کا حکم ہے وہی خطبۂ عید کا حکم ہے صرح بذلک أصحابنا۔

اور یہ مسئلہ میں بیان کر چکا ہوں کہ سماع خطبہ کے مسئلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ واجب ہے اور یہ مرجوح قول ہے، دوسرے یہ کہ سماع خطبہ سنت ہے اور یہی ان کے یہاں راجح ہے، نیز خطیب کا انصات اور کلام نہ کرنا مسنون ہے البتہ وہ کلام کر سکتا ہے، باقی حضرات یہ فرماتے ہیں کہ سماع وانصات واجب ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ امام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ قوم کو کلام کی گنجائش نہیں ہے، مالکیہ فرماتے ہیں کہ جب امام نے کسی بات کا قوم کو حکم دیا ہو یا کسی بات سے منع کیا ہو اور پھر امام اس کے متعلق سوال کرے تو وہ جواب دے سکتے ہیں، حنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ امام اور قوم خطبہ میں کلام کر سکتے ہیں اور قوم کا کوئی فرد کھڑا ہو کر خطیب سے کوئی مسئلہ بھی پوچھ سکتا ہے۔

امام بخاری اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کے موافق ہیں اسی لئے امام نے صاف صاف فرمایا کَلَامِ الإِمَامِ وَالنَّاسِ فِي خُطْبَةِ العِيدِ وَإِذَا سُئِلَ الإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ۔

صَلَّى يَوْمَ النَّحرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ، إلخ: یہاں یہ اشکال ہے کہ یہ روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے اس واسطے کہ اس روایت میں نہ تو کلام الامام کا اور نہ کلام الناس کا ذکر ہے اور نہ وَإِذَا سُئِلَ الإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ کا تذکرہ ہے پھر امام بخاری نے اپنا ترجمہ کیسے ثابت کیا ہے؟

میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری کے ذہن میں یہ بات ہے کہ انس بن مالکؓ اور جندبؓ کی روایتیں دونوں ایک

ہی ہیں، اور انسؓ کی روایت میں چونکہ ایک انصاری صحابی کا سوال کرنا وارد ہوا ہے لہذا امام بخاری نے جندبؓ کی روایت کو بھی اسی واقعہ سے مربوط کرنے کے لئے اس باب میں ذکر فرمادیا اور یہ امام بخاری کی عادات میں سے ہے، حافظ ابن حجر نے مختلف جگہوں میں اس قانون کو استعمال کیا ہے۔

(ص ۱۳۴) بَاب مَنْ خَالَفَ الطَّرِيقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيدِ

۹۸۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ يَحْيَى بْنُ وَاضِحٍ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ.

تَابَعَهُ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ فُلَيْحٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَحَدِيثُ جَابِرٍ أَصَحُّ.

ترجمہ: باب، جب عید کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو راستہ تبدیل کر کے آئے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب عید کا دن ہوتا تو راستہ بدل کر واپس آتے تھے، اس حدیث میں یونس بن محمد نے یہ روایت فلیح بن سعید عن ابی ہریرۃ، ابو تمیلہ یحیٰ بن واضح کی متابعت کی ہے اور جابرؓ کی روایت اصح ہے۔

تشریح: اگر کوئی آدمی عید کے دن جس راستہ سے جائے اور لوٹتے وقت دوسرے راستہ سے لوٹے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، لیکن یہ کوئی امر لازم نہیں ہے اس لئے کہ ابوداؤد میں ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ جس راستہ سے جاتے تھے اسی راستہ سے واپس بھی آتے تھے، گویا گنجائش ہے چاہے تو راستہ بدلے یا نہ بدلے، البتہ جو روایت مصنف نے ذکر کی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام عادت مبارکہ مخالفت طریق کی تھی اس کے الفاظ ہیں كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ۔

حضور ﷺ راستہ کی تبدیلی کیوں کیا کرتے تھے؟ علماء نے اس کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں جو بیس تک پہنچ جاتی ہیں، (۱) ایک حکمت یہ ہے کہ تاکہ دونوں راستے آپ کے لئے شہادت دیں، (۲) تاکہ دونوں راستوں کے ساکنین آپ کے لئے شہادت دیں، (۳) تاکہ حضور ﷺ کے آنے اور جانے سے دونوں راستے والوں کو برکت حاصل ہو جائے، (۴) تاکہ دونوں راستے والے آپ سے مسائل پوچھ لیں، (۵) تاکہ دونوں راستے والے آپ کی زیارت سے مشرف ہو جائیں، (۶) بعضوں نے کہا کہ حضرت والا دائیں طرف سے

جاتے تھے اور لوٹتے وقت بایاں راستہ اختیار کرتے تھے لیکن یہ محتاج دلیل ہے، (۷) بعض کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ تفاؤل کرتے تھے گویا آپ حالات کے انقلاب کے لئے فال نیک لیتے تھے کہ پہلے سے اچھی حالت آگے آئے گی، (۸) بعضوں نے یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے مخالفین کے شر اور فتنہ سے بچنے کے واسطے راستہ کی تبدیلی ہوتی تھی، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ جب یہ ایک عام معمول تھا تو مخالفین سے بچنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہمیشہ کے لئے دو ہی راستے متعین ہوں کبھی کسی سال اور راستہ سے جایا کرتے اور کسی سال اور راستہ اختیار کرلیتے لیکن بعض روایات سے دونوں راستوں کی تعیین معلوم ہوتی ہے اس لئے یہ علت ضعیف معلوم ہوتی ہے، (۹) بعضوں یہ کہا ہے کہ تاکہ آنحضور ﷺ کی خوشبو سے دونوں راستے مہک جائیں اور معطر ہوجائیں، اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔

تَابَعَهُ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ: اسی طرح سے فربری کی روایت میں واقع ہوا ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ متابعت نہیں بلکہ مخالفت ہے، اس لئے کہ پہلی روایت کے صحابی حضرت جابرؓ ہیں اور اس روایت کے صحابی حضرت ابوہریرہؓ ہیں، اس کا ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہاں متابعت شہادت کے معنی میں استعمال کی گئی ہے یعنی یہ سند ثانی سند اول کے لئے شاہد ہے، لیکن یہ بالکل خلاف اصطلاح جمہور ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہاں فربری کی روایت میں سقوط واقع ہوا ہے اصل عبارت یوں ہے تَابَعَهُ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ فُلَيْحٍ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ عَنْ فُلَيْحٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، اسی طرح سے ابومسعود دمشقی نے اطراف میں نقل فرمایا ہے، حافظ ابوبکر برقانی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ بعض نسخ بخاری میں اسی طرح واقع ہوا ہے غالباً اس سے مراد حماد بن شاکر کی روایت ہے، اب اس صورت میں بات بالکل بے غبار ہوجاتی ہے اور مطلب یہ بن جاتا ہے کہ ابوتمیلہ یحیی بن واضح جیسے کہتے ہیں عن فلیح عن سعید عن جابر اسی طرح سے یونس بن محمد بغدادی بھی عن فلیح عن سعید عن جابر کہتے ہیں، لیکن محمد بن صلت جب یہ روایت فلیح سے نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں عن سعید عن أبی هریرة۔

آگے امام بخاری فرماتے ہیں وَحَدِيثُ جَابِرٍ أَصَحُّ یعنی یہ روایت مسانید جابرؓ میں سے ہے مسانید ابوہریرہؓ میں سے نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فلیح کے تین تلمیذ ہیں، ۱۔ یحیی بن واضح، ۲۔ یونس بن محمد، ۳۔ محمد بن صلت، پہلے دونوں یہ

روایت نقل کرتے ہیں اور اس کو مسانید جابرؓ میں سے قرار دیتے ہیں اور تیسرے یعنی محمد بن صلت اس کو نقل کرتے ہیں تو مسانید ابو ہریرہؓ میں سے قرار دیتے ہیں، امام بخاری نے اس حدیث کے مسانید جابرؓ میں سے ہونے کو ترجیح دی ہے، وجہ یہ ہے کہ دو راویوں کا اتفاق ایک کے تفرد پر ترجیح پائے گا، خصوصاً یونس بن محمد بغدادی حفاظِ حدیث میں سے ہیں۔

(ص ۱۳۴) بَاب إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

وكذلك النساء ومن كان في البيوت والقرى لقول النبي ﷺ: هذا عيدنا يا أهل الإسلام. وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبي عتبة بالزاوية، فجمع أهله وبنيه وصلى كصلاة أهل المصر وتكبيرهم. وقال عكرمة: أهل السواد يجتمعون في العيد يصلون ركعتين كما يصنع الإمام. وقال عطاء: إذا فاته العيد صلى ركعتين.

٩٨١. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ: دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ، وَتِلْكَ الأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى.

٩٨٢. وَقَالَتْ عَائِشَةُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتُرُنِي وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ، فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: دَعْهُمْ أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ يَعْنِي مِنَ الأَمْنِ.

ترجمہ: باب، اگر کسی کی نماز عید فوت ہو جائے تو وہ دو رکعت نماز پڑھے، اور اسی طرح عورتیں اور وہ لوگ جو گھروں اور گاؤں میں ہوں یہی عمل کریں اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے اہل اسلام! یہ ہماری عید ہے۔

اور حضرت انس بن مالکؓ نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو زاویہ نام کے موضع میں حکم دیا اور انہوں نے حضرت انسؓ کے اہل خانہ اور بیٹوں کو جمع کیا اور اہل شہر کی طرح نماز پڑھی اور تکبیرات کہیں، اور عکرمہ نے کہا کہ اہل دیہات عید کے دن جمع ہوں گے اور جس طرح امام نماز پڑھتا ہے اسی طرح دو رکعت نماز پڑھیں گے، اور عطاء نے کہا کہ اگر کسی کی عید کی نماز فوت ہو جائے تو وہ دو رکعت نماز پڑھے۔

(آخری دونوں روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: دو مسئلے ہیں، ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی ایک شخص کی عید کی نماز فوت ہو جائے یا دو چار کی نماز فوت ہو جائے تو کیا کرے؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سب کی ہی نماز عید فوت ہو جائے مثلاً چاند دیکھا گیا رؤیت نہیں ہوئی بعد میں شہادتیں آئیں مگر زوال کے بعد۔

امام بخاری نے مسئلۂ اول کو بیان کیا ہے اور امام ابوداؤد نے مسئلۂ ثانی کو، پہلے میں مسئلۂ ثانی کو بیان کر دیتا ہوں اور پھر امام بخاری نے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس کو بیان کروں گا تاکہ آگے کلام کا سلسلہ جاری رہے۔

سب کی نماز عید فوت ہو جائے تو کیا کرے؟ اگر سب کی نماز عید فوت ہو جائے اور ہلال عید کا علم زوال کے بعد ہو تو (۱) مالکیہ کہتے ہیں کہ قضاء ساقط ہوگئی، (۲) حنابلہ کہتے ہیں کہ اگلے دن قضاء کی جائے گی، (۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر میں تو اگلے دن قضاء کی جائے گی اور اگر اگلے دن بھی نہیں پڑھی گئی تو پھر قضاء نہیں ہے، اور عید الاضحیٰ میں حضرات احناف فرماتے ہیں کہ بارہویں تاریخ تک یعنی جس دن تک قربانی کی جاتی ہے قضاء کی جائے گی، (۴) حضرات شافعیہ کا اظہر قول یہ ہے کہ جب چاہے تب قضاء کر سکتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تصلّی فی الغد أداءً، اگلے دن نماز پڑھی جائے گی اور وہ اداء کہلائے گی، امام ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے کل عید کا چاند دیکھا سرکار دوعالم ﷺ نے روزہ افطار کرنے کا حکم دے دیا اور یہ فرمایا کہ کل عید گاہ عید کی نماز کے لئے پہونچیں۔

ایک دو کی نماز فوت ہو تو کیا کرے؟ اگر امام اور قوم نے صلوۃ العید پڑھی لیکن کوئی شخص پیچھے رہ گیا اس کو عید کی نماز نہیں ملی تو کیا کرے گا؟

(۱) حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کے لئے سنت یہ ہے کہ دو رکعت مع تکبیر زوائد پڑھ لے، (۲) حضرات حنابلہ فرماتے ہیں کہ قضاء تو اس پر واجب نہیں ہے باقی مستحب یہ ہے کہ صلوۃ العید کی صفت پر دو رکعت پڑھ لے، ایک روایت میں امام احمد نے فرمایا کہ چار رکعت نفل پڑھ لے اور ایک روایت میں امام احمد نے فرمایا کہ چاہے دو رکعت پڑھ لے اور چاہے چار رکعت پڑھ لے، (۳) حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ قضاء واجب نہیں ہے اگر چاہے تو چار رکعت علی سبیل الاستحباب پڑھ لے، (۴) مالکیہ کے اس میں چار قول ہیں، ا۔ مشہور یہ

ہے یندب فذًا ویکرہ جماعۃً تنہا پڑھنا تو مندوب ہے لیکن جماعت کر کے پڑھنا مکروہ ہے، ۲۔ دوسرا قول یندب فذًّا و جماعۃً تنہا بھی پڑھنا مندوب ہے اور اگر کچھ لوگ پیچھے رہ گئے ہوں تو جماعت کر لے یہ بھی مندوب ہے، ۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بعذر فوت ہوئی ہو تو جماعت سے پڑھنا مندوب ہے اور بلا عذر فذًّا پڑھنا مندوب ہے، ۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ مطلقًا پڑھنا مکروہ ہے۔

امام بخاری اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی کے ہم خیال ہیں اسی لئے فرماتے ہیں إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ اگر عید کی نماز فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لے۔

وَكَذٰلِكَ النِّسَاءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوتِ وَالْقُرَى: اسی طرح سے عید کی نماز عورتیں اور جو لوگ گھروں اور گاؤں میں ہوں پڑھ لیں، یہی شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ اور مالکیہ کا ایک ایک قول ہے۔

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم هٰذَا عِيدُنَا أَهْلَ الإِسْلَامِ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا هٰذَا عِيدُنَا أَهْلَ الإِسْلَامِ یہ ہماری عید ہے اے اہل اسلام! سارے اہل اسلام کی عید قرار دی ہے لہذا سارے اہل اسلام عورتیں، بچے، مرد سب نماز عید پڑھیں گے۔

یہ جو امام بخاری نے یہاں استدلال کیا ہے هٰذَا عِيدُنَا أَهْلَ الإِسْلَامِ اسی استدلال کو اگر سامنے رکھ کر امام بخاری کے اس ترجمہ کے ذیل میں جو ص ۱۳۰ پر گزرا ہے بَابُ سُنَّةِ الْعِيدَيْنِ لِأَهْلِ الإِسْلَامِ سے یہ استدلال کیا جائے کہ امام بخاری نے عیدین کا حکم بیان کیا ہے کہ اہل اسلام کے حق میں عیدین سنت ہے تو شاید بعید نہ ہو اور اُس باب کے تحت مذکور حضرت براءؓ کی روایت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، لیکن حضرت عائشہؓ کی روایت جو غناء بعاث کے سلسلہ میں نقل کی گئی ہے اس میں تاویل ہی کرنی پڑے گی۔

وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: یہ اثر عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں روایت فرمایا ہے۔

بِالزَّاوِيَةِ: زاویہ بصرہ کے قریب دو فرسخ پر ایک مقام ہے۔

فَجَمَعَ أَهْلَهُ وَبَنِيهِ وَصَلّٰى كَصَلَاةِ أَهْلِ الْمِصْرِ: یعنی حضرت انس بن مالکؓ جب زاویہ میں ہوتے تو اپنے مولیٰ ابن ابی عتبہ کو فرمایا کرتے تھے وہ اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو جمع کرتے تھے اس کے بعد جیسے اہل شہر عید کی نماز پڑھتے ہیں وہاں بھی وہ لوگ اسی طرح سے عید کی نماز تکبیرات زوائد کے ساتھ پڑھتے تھے، حضرت انسؓ کے اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدین کے لئے جمعہ کے شرائط مشروط نہیں ہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عیدین کے لئے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں؟ شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ عید کے لئے جمعہ کے شرائط نہیں ہیں اور حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ وہی شرائط ہیں، اب یہ روایت حنفیہ کے مسلک کے خلاف پڑ جاتی ہے لیکن ہمارے اصحاب یہ فرماتے ہیں کہ زاویہ فناء بصرہ میں سے ہے، یہ مسئلہ خود مختلف فیہا ہے کہ فناء البلد بلد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ شافعیہ اور مالکیہ تو نہیں مانتے ہیں لیکن حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں فناء البلد بلد ہی کے حکم میں ہے، علامہ موفق حنبلی نے فناء البلد کے حکم بلد میں ہونے پر ہزم النبیت کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بني بياضة في نقيع يقال له الخضمات، رواه أحمد وأبو داود وغيرهم۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: یہ حدیث اسی سند سے باب قصة الحبش میں ص ۵۰۰ پر آرہی ہے۔

وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ: حضور اکرم ﷺ اپنے چہرۂ انور کو کپڑے سے ڈھانکے ہوئے تھے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضور نے اعراضاً ایسا کر رکھا تھا لأنه من قبيل اللهو، اور بعض علماء یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ اس لئے کیا تھا تاکہ ان بچیوں کو حیاء نہ آئے قاله النووی، اور بعض فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے استراحت کی غرض سے ایسا کر رکھا تھا۔

فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ: ابو بکرؓ نے دونوں کو ڈانٹا، حضور ﷺ نے چہرۂ انور کھول دیا اور فرمایا دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ یہ تو ایام عید ہیں خوشی کے دن ہیں ان کو خوشی منا لینے دو، مطلب یہ ہے کہ ایام منیٰ ایام عید ہیں، اس سے امام بخاری نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایام منیٰ کو ایام عید قرار دیا ہے لہٰذا اگر عید میں کسی کی نماز فوت ہو جائے تو وہ پڑھ سکتا ہے۔

أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ: امن کے ساتھ کھیلتے رہو اے بنو ارفدہ! میں بنو ارفدہ کے متعلق بیان کر چکا ہوں کہ یہ حبشہ کا لقب ہے یا ان کے جد اعلیٰ کا نام ارفدہ تھا اور ان کی اولاد بنی ارفدہ کہلاتی ہے۔

يَعْنِي مِنَ الأَمْنِ: یہ امام بخاری کا مقولہ ہے مصنف نے یہ بتادیا کہ یہ أمنًا امن سے ماخوذ ہے جو خوف کی ضد ہے امان سے ماخوذ نہیں جو کفار کو دیا جاتا ہے۔

(ص ۱۳۵) بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدِ وَبَعْدَهَا

وقال أبو المعلى: سمعت سعيدا عن ابن عباس كره الصلاة قبل العيد.

۹۸۳. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَمَعَهُ بِلَالٌ.

ترجمہ: باب، عید سے پہلے اور عید کے بعد نماز پڑھنے کا حکم، اور ابو المعلیؒ نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے عید سے پہلے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف نکلے پھر وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی نہ اس سے پہلے نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد، اور آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے۔

تشریح: عید کے دن عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ کے الگ الگ مذاہب ہیں، (۱) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھنی چاہئے اور نہ اس کے بعد، (۲) امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام کوئی نماز نہیں پڑھے گا نہ عید کے پہلے جائز اور نہ عید کے بعد، ہاں قوم کو اختیار ہے وہ جب چاہے جہاں چاہے پڑھ سکتی ہے، (۳) امام مالک فرماتے ہیں کہ عید گاہ میں مطلقاً اجازت نہیں لاقبلہ ولا بعدہ اور رہ گیا مسجد میں اس میں ان کی دو روایتیں ہیں، (۴) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عید سے پہلے تو کہیں بھی پڑھنے کی گنجائش نہیں نہ گھر میں اور نہ مصلّی و عید گاہ میں لیکن عید کے بعد گھر میں نماز پڑھ سکتے ہیں، یہ بیت کی قید ہمارے فقہاء لگاتے ہیں مگر امام محمد نے کتاب الاصل میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے اس میں کوئی قید نہیں لگائی ہے۔

امام بخاری کی رائے کیا ہے؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ترجمہ میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اسلئے کہ حدیث پاک میں احتمال ہے، ممکن ہے کہ یہ حکم امام کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں یا مکان کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ تقریر صرف مالکی و شافعی مسلک کو سامنے رکھ کر کی ہے، اصل بات وہ ہے جو حافظ ابن قیم نے لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے

اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ عید کے دن نہ عید سے پہلے نماز پڑھی جائے گی اور نہ عید کے بعد اسلئے کہ امام بخاری نے الصلوۃ قبل العید و بعدھا کا ترجمہ منعقد کیا اور اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی روایت ذکر کی اس میں ہے لَمْ یُصَلِّ قَبْلَهَا وَ لَا بَعْدَهَا معلوم ہوا کہ نہ عید سے پہلے نماز پڑھنا چاہئے اور نہ بعد میں۔

لَمْ یُصَلِّ قَبْلَهَا وَ لَا بَعْدَهَا: حافظ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اس لفظ سے براعت اختتام کی طرف اشارہ کیا ہے، اور حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ خَرَجَ یَوْمَ الْفِطْرِ سے، اس لئے کہ آپ عید کے دن نماز پڑھنے کے لئے مصلّی العید تشریف لے گئے اور مصلّی سے مصلّی الجنائز کی طرف اشارہ کر دیا، واللہ تعالی اعلم۔

کتاب العیدین تمام ہوا

أَبْوَابُ الْوِتْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وِتْر واؤ کا کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہے، یہ طاق کے معنی میں ہے جو جفت کا مقابل ہے، وتر ایک مخصوص نماز کا نام بھی ہے، اس نماز کے اندر بہت سے مسائل ہیں، بعض علماء نے سترہ (۱۷) مسائل لکھے ہیں، ان میں سے جن مسائل کو امام بخاری نے یہاں پر بیان کیا ہے ان کو ہم بیان کریں گے۔

(ص ۱۳۵) بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ

۹۹۰. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النبي ﷺ عَنْ صَلاَةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى.

۹۹۱. وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتَّى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ.

۹۹۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ - وَهِيَ خَالَتُهُ -، فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا فَنَامَ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ - أَوْ قَرِيبًا مِنْهُ - فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَصَنَعْتُ مِثْلَهُ وَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي

يَفْتِلُهَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

٩٩٣. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عبد الله بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً تُوتِرُ لَكَ مَا صَلَّيْتَ، قَالَ الْقَاسِمُ: وَرَأَيْنَا أُنَاسًا مُنْذُ أَدْرَكْنَا يُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ وَإِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ وَأَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَأْس.

٩٩٤. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قال: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ - تَعْنِي بِاللَّيْلِ - فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ.

ترجمہ: باب، ان باتوں کا بیان جو وتر کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب الحلق والجلوس فی المسجد میں گزر چکا)۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب قرأۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ میں گزر چکا)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے پھر جب تم نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ کرو تو ایک رکعت اور شامل کرلو، یہ رکعت تمہاری پڑھی ہوئی پوری نماز کو طاق بنادے گی۔

قاسم بن محمد نے کہا کہ جب سے ہمیں ہوش آیا ہم نے لوگوں کو تین رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا، اور یہ کہ بے شک ہر طرح پڑھنے کی گنجائش ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ کسی بھی طرح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(آخری روایت کا ترجمہ باب من انتظر الإقامة میں گزر چکا)۔

تشریح: پہلا مسئلہ وتر کی مشروعیت کا ہے:

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کی مشروعیت فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے اس لئے کہ خارجہ بن حذافہ سہمیؓ کہتے ہیں

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس صبح کی نماز کے بعد تشریف لائے اور فرمایا لَقَدْ أَمَدَّكُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اللَّيْلَةَ بِصَلاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ الْوِتْرُ فِيمَا بَيْنَ صَلاةِ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ، رواه ابن سعد، یعنی اللہ نے آج کی رات ایک نماز کا اضافہ کیا ہے یہ حمر النعم سے بہتر ہے اور یہ صلوۃ وتر ہے عشاء اور طلوع فجر کے بیچ میں پڑھ لیا کرو، کہتے ہیں کہ خارجہ مُسلمۃ الفتح میں سے ہیں یعنی فتح مکہ میں مسلمان ہوئے، تو اب اس کا مطلب یہ نکلا کہ نماز وتر کی مشروعیت فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، لیکن ابن سعد فرماتے ہیں أسلم قديما وصحب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

دوسرا مسئلہ وتر کے حکم کا ہے: ائمۂ ثلاثہ، صاحبین، ظاہریہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وتر سنت مؤکدہ ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے، محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے اصحاب نے ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے، شیخ ابوحامد مروزی نے ابن منذر سے نقل کیا ہے لا أعلم أحدًا وافق أبا حنيفة، لیکن حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیب، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ اور ضحاک بن مزاحم سے ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن سے وجوب معلوم ہوتا ہے، اور مجاہد سے نقل کیا ہے الوتر واجب ولم يكتب عليكم، وتر واجب ہے لیکن تم پر مکتوب نہیں یعنی فرض نہیں، قاضی ابن عربی نے یہی اصبغ مالکی سے نقل کیا ہے اور سحنون نے ان کی موافقت کی، غالبًا ان حضرات نے امام مالک کے قول مَن ترک أُدِّبَ وكان جرحةً في شهادته سے اس کو لیا ہے لیکن یہ عبارت بابِ وجوب میں کافی نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن ابی شیبہ نے سعید بن مسیب، ابوعبیدہ اور ضحاک سے نقل کیا ہے کہ یہ اہل قرآن پر واجب ہے، امام خطابی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ واجب نہیں کیوں کہ واجب کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہوتا ہے، امام احمد نے عبدالرحمن بن رافع تنوخی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت معاذؓ شام آئے تو دیکھا کہ اہل شام وتر نہیں پڑھتے انہوں نے معاویہؓ سے کہا کہ اہل شام وتر کیوں نہیں پڑھتے؟ حضرت معاویہؓ نے کہا أو اجب ذلک؟ فرمایا نعم اور اس کے بعد حدیث زَادَنِي رَبِّي صَلاةً کو ذکر فرمایا جو آگے آئے گی۔

امام محمد بن نصر مروزی نے عدمِ وجوب پر چار دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) پہلی دلیل: احادیث میں یہ تصریح ہے کہ صلوات مکتوبہ پانچ ہیں اور اگر وتر کو واجب مان لیا جائے تو مکتوبات کی تعداد چھ ہو جاتی ہے، حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ وتر مکتوبات میں نہیں ہے واجبات میں ہے اور

واجب کا درجہ فرض سے گھٹا ہوا ہے، فرض وہ حکم ہے جو دلیل قطعی الثبوت والدلالۃ سے ثابت ہو اور واجب وہ حکم ہے جس کا مطالبہ دلیل قطعی الثبوت وظنی الدلالۃ سے یا دلیل ظنی الثبوت و قطعی الدلالۃ سے ثابت ہو۔

لیکن یہ احناف کی اصطلاح ہے اور کسی قدر اس اصطلاح میں حنابلہ نے موافقت فرمائی ہے ورنہ جمہور علماء کے نزدیک فرض وواجب ہم معنیٰ ہیں۔

(۲) دوسری دلیل: رکعاتِ وتر کی تعداد میں اختلاف ہے، احادیث میں بہت سی تعداد آئی ہے، اگر وتر کی نماز فرض ہوتی تو اس کی رکعات بھی معروف ہوتیں۔

احناف یہ کہتے ہیں کہ احادیث کثیرہ سے وتر کی رکعات کا عدد تین ثابت ہے، نبی اکرم ﷺ سے تقریباً ایک درجن صحابہ نے یہ نقل کیا ہے کہ آپ رکعتِ اولیٰ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلَى اور رکعتِ ثانیہ میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور ثالثہ میں قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ پڑھتے تھے اور بعض میں معوذتین کا اضافہ بھی ہے۔

(۳) تیسری دلیل: حضور ﷺ نے سواری پر وتر ادا کی ہے یہ دلیل ہے کہ وتر واجب نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہو باوجود واجب ہونے کے سواری پر پڑھنا جائز ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ اگر آپ کی خصوصیت ہوتی تو صحابہ کو علم ہوتا حالانکہ صحابہ بھی سواری پر وتر پڑھتے تھے، آئندہ روایت آرہی ہے کہ ابن عمرؓ نے تابعی کو تنبیہ فرمائی۔

(۴) چوتھی دلیل: اگر صلوٰۃ وتر فرض ہوتی تو سب کو علم ہوتا کیوں کہ عام وخاص اس پر عمل کرتے ہیں جیسے دیگر نمازوں کے متعلق سب کو علم ہے، لوگ جانتے ہیں ظہر فرض ہے عصر فرض ہے اور دیگر فرائض خمسہ بھی فرض ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ دلیل نہایت ہی طاقتور ہے، لیکن احناف اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ وتر فرائض میں نہیں ہے بلکہ واجبات میں سے ہے، مگر غور طلب یہ بات ہے کہ جب ساری دنیا اس پر عمل کرتی ہے تو اس کا حکم سب کو کیوں نہیں معلوم، زیادہ سے زیادہ تأکد معلوم ہے سارے لوگ وجوب کے قائل نہیں۔

حنفیہ نے اس کے وجوب کے کئی دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) پہلی دلیل: صلوٰۃِ وتر صلوٰۃِ مزید ہے یعنی صلوات خمسہ پر اس کا اضافہ کیا گیا ہے، عَنْ أَبِي بَصْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ زَادَكُمْ صَلَاةً وَهِيَ الْوِتْرُ فَصَلُّوْهَا فِيْمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ، رواہ

أحمد و الطبرانی و الحاکم و إسناده صحیح۔

(۲) دوسری دلیل: عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلَاةً وَهِيَ الْوِتْرُ رواه الطبرانی فی مسند الشامیین بإسناد حسن، اس مضمون کی روایات بکثرت صحابہ سے منقول ہیں، لیکن یہ دلیل کافی نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ مزید کے معنٰی یہ ہوں کہ جیسے دیگر سنن مؤکدات ہیں اسی طرح اللہ نے ایک مؤکد سنت کا اور اضافہ فرمایا ہے۔

(۳) تیسری دلیل: وتر کو حق کہا گیا ہے، عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، رواه أبو داود والحاکم، علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے، اس کا راوی ابو المنیب عتکی ہے جو مختلف فیہ ہے، اس سے بھی ابن ہمام نے اس کے حسن ہی پر اکتفا کر لیا۔

(۴) چوتھی دلیل: اس کا وقت مقرر ہے، ابو بصرہ کی روایت میں آچکا فَصَلُّوهَا فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ اور امام احمد نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت نقل کی سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ زَادَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ صَلَاةً وَهِيَ الْوِتْرُ وَقْتُهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ، لیکن اس کی سند میں عبید اللہ بن زحر راوی ہے جو صدوق ہے اور اس کو خطا ہوتی ہے، اس باب میں اور بھی کئی روایات وارد ہوئی ہیں۔

لیکن یہ کافی دلیل نہیں ہے، غور کیجئے عشاء کی سنت کا وقت کیا ہے؟ عشاء کے بعد کا وقت ہے، اگر کسی آدمی کی سنت رہ گئی تو جب تک عشاء کا وقت ہے اس وقت تک سنت پڑھ سکتا ہے، جمہور کے یہاں عشاء کا وقت تا طلوع فجر صادق رہتا ہے لہذا اگر کسی کی عشاء کی سنت چھوٹ گئی تو بعد میں پوری کر لے۔

(۵) پانچویں دلیل: وتر کو قبل الصبح ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ، رواه مسلم، اسی طرح وعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا، رواه مسلم و أصحاب السنن الأربعة۔

لیکن یہ دلیل بھی ناکافی ہے، اس سے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ وتر کا وقت طلوع صبح صادق سے پہلے پہلے ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے سنت عشاء کا وقت طلوع صبح صادق سے پہلے پہلے ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

طرح سے فرمایا کہ اگر کسی کو آخر لیل میں سو جانے کا خطرہ ہو تو اول لیل میں وتر پڑھ لے ہاں جسے خواہش ہو تو آخر لیل میں پڑھے، عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذٰلِكَ أَفْضَلُ۔

(۶) چھٹی دلیل: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قضاء کا حکم دیا، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَهُ، رواه الدار قطني بإسناد صحيح۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت ہی طاقتور دلیل ہے۔

(۷) ساتویں دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو وتر پڑھنے کے لئے جگایا۔

(۸) آٹھویں دلیل: اس کی رکعات متعین ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قرأت سے اسکو متعین کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اتنے میں تو کوئی تردد ہی نہیں کہ نمازِ وتر عام نمازوں سے ایک ممتاز اور اہم نماز ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً وفعلاً اس کا اہتمام کیا اور امام بخاری نے بھی اسی کو سامنے رکھتے ہوئے صلوۃِ وتر کے ابواب کو الگ اور مستقل ذکر فرمایا ہے، واللہ اعلم۔

تیسرا مسئلہ اعدادِ رکعات: (۱) امام ابو حنیفہ، ابو یوسف و محمد فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں جو دو تشہد اور ایک سلام سے موصولاً پڑھی جائیں گی، (۲) امام مالک کے یہاں بھی تین رکعات ہیں لیکن مفصولاً دو سلام سے پڑھی جائیں گی اور اگر کوئی ایک رکعت پر اکتفاء کرے گا تو کراہت لازم آئے گی، (۳) امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایک سے گیارہ تک وتر جائز ہے اور وصل و فصل دونوں جائز ہیں اور اولیٰ فصل ہے، (۴) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایک سے گیارہ تک جائز ہے لیکن اگر آدمی تین یا گیارہ رکعت پڑھتا ہے تو فصل اولیٰ ہے، اور اگر پانچ پڑھے تو بیک سلام و بیک تشہد پڑھے اور اگر سات اور نو پڑھتا ہے تو بدو تشہد و بیک سلام پڑھے گا۔

شافعیہ حنابلہ کی دلیل ابن عمرؓ کی روایت صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى، یہ حدیث ایک رکعت کی دلیل ہے، اور مسلم شریف میں حضرت ابن عباسؓ وابن عمرؓ کی حدیثوں میں صاف صاف آیا ہے اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ۔

تین رکعات کے دلائل: تین رکعات کے قائلین نے بہت سی روایات سے استدلال کیا ہے۔

(۱) پہلی دلیل: عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، رواه الشيخان۔

لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس میں ترویحات کا بیان ہے، بیہقی میں ہے يُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي اللَّيْلِ ثُمَّ يَتَرَوَّحُ، معلوم ہوتا ہے کہ چار ایک ساتھ پڑھی جاتی تھیں اس لئے ان کو ایک ساتھ ذکر کر دیا ورنہ وہ بدو سلام ہوتی تھیں اب یہی احتمال آجائے گا يُصَلِّي ثَلَاثًا میں، اور اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الفجرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ ثِنْتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ، رواه مسلم۔

(۲) دوسری دلیل: عن ابن عباس قال فی حديث المبيت وَأَوْتَرَ بِثَلَاثٍ، رواه مسلم۔

لیکن اس روایت کے مفصل طریق میں تصریح ہے کہ ہر دو رکعت پر نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سلام پھیرتے تھے۔

(۳) تیسری دلیل: عَنْ عَائِشَةَ فذكرت الحديث ثم قالت ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ لَا يَفْصِلُ فِيهِنَّ، رواه أحمد بإسناد معتبر۔

(۴) چوتھی دلیل: عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وفی لفظ له وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ۔

(۵) پانچویں دلیل: عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، رواه الدار قطنی والطحاوی وابن حبان والحاكم بسند صحيح۔

اس کے علاوہ تین رکعت کی بکثرت احادیث وارد ہیں، حنفیہ ان سب کو ان کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تین رکعات موصولہ ہوتی تھیں۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ بعض روایات میں حضور ﷺ سے تین رکعت کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور ارشاد ہوا لَاتُوتِرُوا بِثَلَاثٍ وَلٰكِنْ أَوْتِرُوا بِخَمْسٍ أَوْ سَبْعٍ أَوْ تِسْعٍ، رواہ الدار قطنی وابن حبان وغیرہ۔

حافظ ابن حجر وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین رکعت بیک سلام نہ پڑھو کیوں کہ اس میں مشابہت لازم آتی ہے مغرب کی بلکہ بدو سلام پڑھو، مگر یہ معنی بالکل ہی خلاف ظاہر ہے، حضور ﷺ کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تین رکعت پر اکتفاء نہ کرو بلکہ اس سے پہلے دو چار رکعت نوافل پڑھ لیا کرو۔

پانچ رکعات کے دلائل: پانچ رکعات کے قائلین حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي آخِرِهَا، رواہ مسلم، اور امام شافعی کی روایت میں ہے كَانَ يُوتِرُ بِخَمْسِ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي الْآخِرَةِ مِنْهُنَّ۔

سات اور نو کے دلائل: مسلم کی ایک روایت ہے جو سعد بن ہشامؒ کے طریق سے مروی ہے اس میں یہ وارد ہے كَانَ يُصَلِّي تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُسْمِعُنَا فَلَمَّا أَسَنَّ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ، الحديث۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز وتر ایک سے گیارہ تک منقول ہے اور فصل ووصل دونوں جائز ہیں۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس نے بھی ان رکعات میں تین سے زائد کو ذکر کیا ہے اس نے تہجد کی نماز کو بھی شامل کر دیا ورنہ وتر کی رکعت تین ہی ہوتی تھیں، اس لئے کہ جب وتر کا مستقل بیان آتا ہے تو تین ہی رکعت کا ذکر آتا ہے، یہی حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، حضرت علیؓ، ابی بن کعبؓ وغیرہ کی احادیث میں وارد ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جن روایات میں وتر کی تین رکعات کا ذکر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ وتر تین ہی رکعات ہوتی تھیں بلکہ مزید بھی ہوتی تھیں اور تہجد کی رکعات بھی وتر کی شمولیت کی وجہ سے وتر ہی ہوتی تھیں، اسلئے شافعیہ حنابلہ فرماتے ہیں کہ وتر کی رکعات ایک سے گیارہ تک ہیں، پھر حنابلہ نے روایت کے ظاہر کو سامنے رکھ کر تفسیر کر دی کہ اگر تین اور گیارہ پڑھی جائیں تو مفصول اولیٰ ہے، پانچ پڑھی جائیں تو بیک تشہد وبیک سلام اولیٰ ہے، اور سات اور نو پڑھی جائیں تو بیک سلام وبدو تشہد فی الآخر پڑھی جائیں گی۔

امام بخاری کی رائے کیا ہے؟ اس باب میں جو روایات ذکر کی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ایک سے لیکر گیارہ تک وتر جائز ہے اور فصل ووصل کی گنجائش ہے لیکن وہ فصل کے قائل ہیں، اس لئے بالکل ابتداء ہی میں ابن عمرؓ کی حدیث صَلَاۃُ اللَّیلِ مَثْنَی مَثْنَی ذکر فرمادی ہے، اور مزید یہ ہے کہ انہوں نے جزء القراءۃ خلف الامام میں صاف تصریح کی ہے قد أمرنا النبی ﷺ الوتر رکعة اور اس کے بعد اس باب کی تیسری حدیث کو درج فرمایا ہے جس میں صَلَاۃُ اللَّیلِ مَثْنَی مَثْنَی فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً تُوتِرُ لَکَ مَا صَلَّیتَ، قَالَ الْقَاسِمُ وَرَأَیْنَا أُنَاسًا مُنْذُ أَدْرَكْنَا یُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ وَإِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ أَرْجُو أَنْ لَا یَكُونَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَأْسٌ۔

صَلَاۃُ اللَّیلِ مَثْنَی مَثْنَی: نوافل میں اختلاف ہے کہ کس طرح پڑھی جائے؟ پانچ اقوال ہیں۔

(۱) مالکیہ کے یہاں دو دو رکعت واجب ہے اس پر کمی بیشی کی گنجائش نہیں، (۲) حنابلہ فرماتے ہیں کہ رات میں دو دو رکعت پڑھے اس پر اضافہ مکروہ ہے اور دن میں بھی دو رکعت پڑھے لیکن چار پڑھ سکتے ہیں، (۳) امام شافعی کہتے ہیں کہ دو رکعت افضل ہے اس پر اضافہ مطلقاً جائز ہے، (۴) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ رات و دن میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے، (۵) صاحبین کہتے ہیں کہ رات میں دو دو رکعت اور دن میں چار چار افضل ہیں۔

فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى: جب آدمی کو صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھ لے جس سے باقی نماز وتر بن جائے گی، جمہور علماء کے مسلک پر تو کوئی اشکال ہی نہیں ان کے یہاں تو وتر رکعت مفصولہ کا نام ہے، آدمی ایک رکعت پڑھ لے قصہ تمام ہوا۔

حنفیہ پر یہ اشکال پڑتا ہے کہ ان کے یہاں تو وتر کی تین رکعات موصول ہیں اور یہ ایک ہی نماز کا نام ہے، اب اگر ایک آدمی نوافل پڑھ رہا ہے اور دو دو رکعت پر سلام پھیرتا جارہا ہے اور اس کو اچانک شبہ ہوا کہ صبح طلوع ہونے والی ہے اور وہ ایک رکعت پڑھتا ہے تو یہ نماز وتر کیسے بنے گی؟ پہلے تو اس نے نوافل کی نیت کی ہے اور اب وہ واجب کی نیت کر رہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا مقصد یہ نہیں کہ آدمی اس انتظار میں رہے کہ جب بالکل فجر طلوع ہونے والی ہو اس وقت ایک رکعت پڑھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کو آخر شب میں وتر پڑھنا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ جب صبح کا خطرہ ہوتا ہے تو آدمی اگر ایک رکعت پڑھ لیتا ہے تو فوراً صبح طلوع نہیں ہو جاتی

اور اگر طلوع ہو بھی جائے تو ایسی صورت میں ابتداء میں جو ضمناً اجمالی نیت تھی کہ مجھے آخر میں وتر پڑھنا ہے وہ اس ایک رکعت کے ساتھ شامل ہو کر ان تین رکعت کو حنفی اصول پر وتر بنانے کیلئے کافی ہو جائے گی۔

رَكْعَةً وَاحِدَةً: جمہور کے یہاں یہ ایک رکعت مفصولہ ہے اور احناف کے یہاں موصولہ ہے۔

لیکن حدیث میں وصل مراد ہے یا فصل؟ اس کی تعیین کے لئے راویِ حدیث کو دیکھنا پڑے گا، ان کے متعلق ان کے تلمیذ نافع کہتے ہیں كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتَّى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ، وہ دو رکعت پر سلام پھیر دیتے اور بعض وقت اپنے کسی کام کا حکم بھی دے دیتے اور پھر ایک رکعت پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہو گیا کہ وتر کی ایک رکعت مفصول پڑھی جائے گی، اور مسلم میں صاف وارد ہوا ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا الوتر رکعة من آخر الليل، وفهم الصحابي أولى۔

یہاں پہونچ کر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ابن عمرؓ فصل کرتے تھے اور ان کے والد وصل کرتے تھے، اور عمرؓ اور ابن عمرؓ میں اختلاف ہو گا تو عمرؓ کے بیان کو ترجیح حاصل ہو گی، چنانچہ محمد بن نصر مروزی نے کتاب الوتر میں اور حاکم و بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری سے کہا گیا إن ابن عمر كان يسلم في الركعتين من الوتر تو فرمایا عمر كان أفقه منه وكان ينهض في الثانية بالتكبير۔

مگر غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں کیا عمرؓ و ابن عمرؓ کا اختلاف ملحوظ ہے؟ یہاں تو بات یہ ہے کہ ابن عمرؓ جو کر رہے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی بنیاد پر کر رہے ہیں اسی لئے ابن عمرؓ نے اپنے باپ کی طرف نظر نہیں کی بلکہ نبی اکرم ﷺ کی طرف نظر کی ہے تو بات وہیں لوٹتی ہے کہ ابن عمرؓ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے معنیٰ انہوں نے یہ سمجھے ہیں کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے گا۔

اپنی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ فصل و وصل دونوں جائز ہے، اس میں بہت زیادہ تشدد سنت سے مطابقت نہیں رکھتا ہے، ہاں ائمہ مجتہدین نے اجتہادی نظر ڈالی، اپنی اپنی معلومات اور اپنے اپنے تفقہ کے اعتبار سے انہوں نے روایات واحادیث کی بنیاد پر مسائل کا استنباط واستخراج کیا ہے اور ہر آدمی اتنے ہی کا مکلف ہے جتنی اس کی معلومات ہیں اور جہاں تک اس کا ذہن رسائی کرتا ہے، واللہ تعالیٰ أعلم۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: یہ ابن عباسؓ کی ليلة المبيت کی روایت ہے، جس دن کا یہ قصہ ہے اس دن حضرت میمونہؓ حائض تھیں جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ میں اس کی تصریح ہے۔

یہاں جو رکعات ذکر کی گئی ہیں وتر کو لیکر تیرہ رکعات ہیں، لیلۃ المبیت میں کتنی رکعات پڑھی گئی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، نو یا گیارہ یا تیرہ پڑھیں؟ ان روایات کو جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے گیارہ رکعات پڑھی ہیں، جس نے تیرہ کہا اس نے یا تو سنتِ عشاء کو شامل کر دیا اور یا سنتِ فجر کو۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: یہ سجدہ صلاتیہ تھا یا بعد الصلاۃ مستقل سجدہ ہوتا تھا؟ (یعنی نماز والا سجدہ تھا یا نماز کے بعد مستقل سجدہ کرتے تھے) دونوں نظریے ہیں، امام نسائی کی رائے یہ ہے کہ بعد الصلوۃ مستقل سجدہ ہوتا تھا، مگر علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تردید کی ہے فرماتے ہیں کہ سجدہ مفصولہ نہیں ہوتا تھا۔

(ص ۱۳۵) بَاب سَاعَاتِ الْوِتْرِ

قال أبو هريرة: أَوْصَانِي رسول الله ﷺ بالوتر قبل النوم.

۹۹۵. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: أَرَأَيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ أُطِيلُ فِيهِمَا الْقِرَاءَةَ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى وَيُوتِرُ بِرَكْعَةٍ وَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ.

قَالَ حَمَّادٌ: أَيْ بِسُرْعَةٍ.

۹۹۶. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُلَّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ.

ترجمہ: باب، نماز وتر کے اوقات کا بیان۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا۔

انس بن سیرین نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا آپ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، کیا میں اس میں قرآت طویل کروں؟ فرمایا کہ حضور ﷺ رات کو دو، دو رکعت پڑھتے تھے اور ایک رکعت وتر کی پڑھتے تھے، اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت سنت پڑھتے تھے اور گویا کہ کلمات اقامت آپ کے کانوں میں ہیں، حماد کہتے ہیں یعنی جلدی کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رات کے ہر حصہ میں حضور ﷺ نے وتر پڑھے اور آخر عمر میں آپ کے وتر صبح صادق سے پہلے ہوا کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے وتر کا وقت بیان کیا ہے اور باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں جس سے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ وتر کا وقت ساری رات ہے، اس کی ابتداء عشاء کی نماز کے بعد ہوتی ہے اور انتہاء سحر پر ہوتی ہے، امر اوّل کو انہوں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کُلَّ اللَّیْلِ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سے ثابت کیا ہے اور امر ثانی کو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث معلق أَوْصَانِي النَّبِيُّ ﷺ بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ سے اس لئے کہ عادۃً سونا عشاء کے بعد ہوتا ہے، اور امر ثالث کو حضرت عائشہؓ کی حدیث وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ اور ابن عمرؓ کی حدیث کَانَ النَّبِيُّ ﷺ یُصَلِّي مِنَ اللَّیْلِ مَثْنَی مَثْنَی سے ثابت کیا ہے۔

ابن عمرؓ کی حدیث میں گو یہ وارد نہیں ہے کہ وتر کی نماز کا آخری وقت سحر کا وقت ہے لیکن اس سے اشارۃً یہی نکلتا ہے، اس لئے کہ اس میں ہے کَانَ النَّبِيُّ ﷺ یُصَلِّي مِنَ اللَّیْلِ مَثْنَی مَثْنَی وَیُوتِرُ بِرَكْعَةٍ وَیُصَلِّي الرَّكْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اور آخر میں حضور ﷺ وتر پڑھتے تھے اس کے فراغت کے بعد نماز فجر کا وقت ہو جاتا تھا تو سنت فجر پڑھتے تھے، اور ابن عمرؓ کی ہی روایت میں باب وتر میں ابتداء میں آچکا ہے صَلَاةُ اللَّیْلِ مَثْنَی مَثْنَی فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّی رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّی۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وتر کی نماز کا وقت پوری رات ہے اور اس کی انتہاء طلوع فجر کا آغاز ہے۔

لیکن ایک خاص مسئلہ میں ذرا سا اختلاف ہے کہ وقتِ وتر؛ وقتِ عشاء ہے یا نمازِ عشاء کے بعد شروع ہوتا ہے؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس کا ابتدائی وقت بعد صلوۃ العشاء ہے، امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اس کا اور عشاء کا وقت ایک ہے لیکن دونوں میں ذاکر کے ذمہ ترتیب واجب ہے، اگر کسی آدمی کو یاد ہو تو پہلے عشاء پڑھنا ہو گا اس کے بعد وتر، اور اگر کوئی بھول جائے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی، مثلاً کسی شخص کو ذہول ہو گیا عشاء پڑھی نہیں اور خیال ہوا کہ وہ عشاء پڑھ چکا ہے اور اس نے وتر پڑھ لی اور پھر بعد میں خیال آیا کہ عشاء تو پڑھی ہی نہیں تھی تو اب اعادۂ وتر واجب نہیں ہو گا۔

امام بخاری نے جب روایت سے یہ ثابت کر دیا کہ وتر کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے تو اسی کے ضمن میں اس کے خلاف مذاہب کی تردید بھی فرمادی۔

طلوع فجر سے آیا وتر قضاء ہو جائے گی یا اس کا وقتِ اختیاری نکلتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ وتر قضاء ہو جاتی ہے یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب اور امام شافعی کا مشہور قول ہے، امام شافعی قولِ قدیم میں فرماتے ہیں کہ وتر کا وقتِ اختیاری طلوعِ فجر پر ختم ہو جاتا ہے لیکن وقت اضطراری تا قیام صلوۃ الصبح باقی رہتا ہے، مثلاً کوئی آدمی سو گیا یا اور کسی وجہ سے اس کو وتر پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو اب فجر کی نماز سے پہلے پڑھ لے یہ بھی اداء ہی کہلائے گی۔

جو لوگ وتر کا وقت طلوع صبح پر ختم ہونے کے قائل ہیں وہ وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ سے استدلال کرتے ہیں، اسی طرح حدیث میں ہے بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ، رواہ مسلم عن ابن عمر، نیز أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا، رواہ مسلم والأربعة عن أبي سعيد الخدري، اور مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَهُ، رواہ الدار قطني، اور بعض روایات میں صاف صاف وارد بھی ہوا ہے وَقْتُهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ، رواہ أحمد عن معاذ بن جبل۔

لیکن ایک روایت میں فَصَلُّوهَا فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کے وقت تک وقت رہتا ہے اس لئے محققین علماء نے تقسیم کر دی اور یہ کہہ دیا کہ طلوع فجر تک تو وقتِ اختیاری رہتا ہے اور طلوع فجر کے بعد تا قیام صلوۃ الصبح وقتِ اضطراری باقی رہتا ہے، اگر کسی کو مجبوری پیش آگئی اور نماز وتر نہیں پڑھ سکا تو وہ صلوۃ صبح سے پہلے پہلے پڑھ سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام بخاری کا رجحان یہی ہے کہ وتر کا وقت سحر پر ختم ہو جاتا ہے، سحر کا وقت ختم ہوا کہ وتر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد نماز وتر قضاء ہو جائے گی۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَوْصَانِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ: یہ متن انہی الفاظ سے اسحاق بن راہویہ نے موصولاً بسند صحیح تخریج کیا ہے اور امام احمد نے مختلف اسانید سے نقل کیا ہے، لیکن سب کی اسانید میں ضعف یا انقطاع ہے یا انقطاع کے ساتھ کوئی رجل مبہم ہے۔

وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ: اذان سے اقامت مراد ہے اور مقصود تعجیل ہے، ابن عمرؓ نے جواب دے دیا کہ سنت فجر کو طویل نہیں کیا جائے گا، اصل سنت یہی ہے کہ سنت فجر خفیف پڑھی جائے، امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ

اگر کسی کارات کا وظیفہ چھوٹ جائے تو سنتِ فجر میں پورا کر سکتا ہے، لیکن یہ انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد پر کہا ہے، ان کے یہاں فجر میں اسفار ہے اس لئے سنت پڑھنے والے کو لمبا وقت مل سکتا ہے تو وہ اپنا قرآن کا چھوٹا ہوا وظیفہ پورا کر سکتا ہے۔

كُلَّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: حضور ﷺ نے ساری رات وتر ادا کی، کبھی اول میں کبھی اوسط میں اور کبھی آخر میں لیکن آپ ﷺ کی وتر سحر پر ختم ہو جاتی تھی یعنی اس کے بعد مؤخر نہیں کرتے تھے، یہی امام بخاری کا مقصد ہے، ایک مقصد یہ ہے کہ آخر زمانہ میں حضور وتر آخری وقت میں ادا کرتے تھے، ابوداؤد وترمذی میں ہے وَانْتَهٰى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ حِيْنَ مَاتَ، اس سے اسی دوسرے معنٰی کی تائید ہوتی ہے۔

(ص ۱۳۶) بَابُ إِيْقَاظِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَهُ بِالْوِتْرِ

۹۹۷. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلَى فِرَاشِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ.

ترجمہ: باب، نبی کریم ﷺ کا اپنے اہل خانہ کو وتر کے لئے جگانے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے بستر کے عرض میں سوتی رہتی تھی پھر جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے جگا دیتے تھے تو میں اٹھ کر وتر پڑھتی تھی۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے وتر کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اتنا اہتمام فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو وتر کے لئے جگاتے تھے، بعض علماء نے اس سے وتر کے وجوب کو اخذ کیا ہے، اگر وجوب ثابت نہ ہو تو تاکد تو ثابت ہی ہے اور یہی امام بخاری کی رائے ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: یہ حدیث اسی سند سے باب الصلوۃ خلف النائم میں آچکی ہے۔

(ص ۱۳۶) بَابُ لِيَجْعَلْ آخِرَ صَلَاتِهِ وِتْرًا

۹۹۸. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اجْعَلُوا آخِرَ صَلاَتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا.

ترجمہ: باب، نمازی اپنی آخری نماز وتر کو بنائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم رات میں اپنی آخری نماز وتر کو رکھو۔

تشریح: انسان کو رات میں وتر سب سے آخر میں پڑھنا چاہیے۔

اس امر کو اسحاق بن راہویہ وغیرہ ایجابی مانتے ہیں اور جمہور استحبابی کہتے ہیں۔

اس اختلاف کا ثمرہ یہ ظاہر ہوگا کہ اگر کسی آدمی نے ابتداء لیل میں وتر پڑھی اور سو گیا بعد میں آنکھ کھلی اور یہ خیال ہوا کہ تہجد کی نماز پڑھ لے تو کیا کرے؟ جمہور علماء کہتے ہیں کہ بے تکلف پڑھ لے، لِيَجْعَلْ کا امر استحبابی ہے، لیکن جو لوگ اس کو ایجابی مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک رکعت بنیتِ نقضِ وتر پڑھے گا یعنی ایک رکعت پڑھ کر اپنی پہلی وتر کو توڑ دے کہ وہ چار ہو جائے پھر تہجد پڑھے اور اخیر میں دوبارہ وتر پڑھے۔

جمہور علماء کی طرف سے اس پر اشکال کیا گیا کہ طلق بن علی کی حدیث میں ہے لاَ وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ، رواہ أبو داود والنسائی وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

لیکن اسحاق بن راہویہ وغیرہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں دو وتر ہوتی ہی نہیں، جب انسان نے ایک رکعت بنیت نقضِ وتر پڑھ لی تو اس نیت کی وجہ سے یہ رکعت رکعتِ وتر کے ساتھ موصول ہو کر شفع بن گیا، اس کے بعد پھر اب اخیر میں یہ شخص وتر پڑھے گا، لاَ وِتْرَانِ سے اعتراض تو جب ہوتا جب آدمی نقضِ وتر کے بغیر صلوۃ وتر دوبار ادا کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ نقضِ وتر کا مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ رہ چکا ہے اس لئے اس میں بہت تشدد نہیں ہے، حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ میں خود تو کرتا نہیں لیکن اگر کوئی اس کی طرف جائے تو گنجائش ہے، حضرت عثمانؓ وغیرہ اکابر صحابہ سے نقضِ وتر کا قول نقل کیا گیا ہے۔

(ص ۱۳۶) بَابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ

۹۹۹. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ

عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ فَقَالَ سَعِيدٌ فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ ثُمَّ لَحِقْتُهُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ خَشِيتُ الصُّبْحَ فَنَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فَقُلْتُ بَلَى وَاللهِ قَالَ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ.

ترجمہ: باب، سواری پر وتر پڑھنے کا بیان۔

حضرت سعید بن یسار سے روایت ہے کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ مکہ کے راستے میں سفر کر رہا تھا، سعید کہتے ہیں کہ جب مجھے طلوع فجر کا اندیشہ ہوا تو میں سواری سے اتر گیا اور میں نے وتر ادا کئے پھر میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے جا ملا تو عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا تم کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا کہ طلوع فجر کا اندیشہ ہوا تو میں سواری سے اتر گیا اور میں نے وتر ادا کئے، حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ کیا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں قابل تقلید بہترین نمونہ نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ بخدا ہے! تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر وتر ادا فرماتے تھے۔

تشریح: مقصد ظاہر ہے یعنی سواری پر وتر پڑھنا جائز ہے، نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔

امام بخاری نے اس باب کو یہاں لا کر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ نماز وتر واجب نہیں اس لئے کہ واجب کو سواری پر ادا نہیں کیا جاتا ہے، مگر جو لوگ وتر کو واجب کہتے ہیں وہ اس کے دو جوابات دیتے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ہو سکتا ہے کہ وتر واجب ہو لیکن آپ کے لئے خاص طور سے سواری پر پڑھنے کی اجازت بھی ہو، یہ جواب تو بہت اچھا ہے مگر اشکال یہ ہے کہ صحابی جو حدیث کے راوی ہیں وہ خصوصیت کے قائل نہیں ہیں، ابن عمرؓ نے سعید بن یسار کے زمین پر اتر کر وتر پڑھنے پر نکیر کرتے ہوئے یہ کہا أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، انہوں نے جواب دیا بَلَى وَاللهِ، فرمایا فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ، تابعی نے یہ نہیں کہا کہ یہ تو حضور ﷺ کی خصوصیت تھی، معلوم ہوتا ہے کہ صحابی اور تابعی دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ خصوصیت آپ کی نہیں۔

دوسرا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے سفر میں آپ پر وتر واجب ہی نہ ہو اس لئے آپ سواری پر نماز پڑھتے ہوں، واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه أحكم۔

یہاں ایک سوال ہے کہ مصنف نے ترجمہ منعقد کیا ہے الْوِتْرُ عَلَى الدَّابَّةِ کا جبکہ روایت میں كَانَ يُوتِرُ عَلَى

البعیر وارد ہوا ہے، تو دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے، دابّہ مایدب علی الأرض یعنی زمین پر ہر چلنے والے کو کہا جاتا ہے اور اسکے بعد عرف میں اس کا اطلاق سواریوں پر ہوتا ہے جس میں بعیر، خیل وغیرہ سبھی داخل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے وتر علی البعیر سے وتر علی الدابّۃ کا مسئلہ اخذ کیا ہے، اس لئے کہ بعیر؛ دابّہ کے افراد میں سے ہے اور جب ایک فردِ دابّہ پر ثبوت ہوگیا تو اسی سے مطلقًا دواب پر وتر پڑھنے کا ثبوت ہوگیا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بخاری نے بعض روایات کی طرف اشارہ کیا ہو، آئندہ ابواب تقصیر الصلوۃ میں روایت آرہی ہے إن ابن عمر کان یصلی من اللیل علی دابتہ وھو مسافر۔

(ص ۱۳٦) بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ

۱۰۰۰. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يُومِئُ إِيمَاءً صَلَاةَ اللَّيْلِ إِلاَّ الْفَرَائِضَ وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ.

ترجمہ: باب، سفر میں وتر پڑھنے کا بیان۔

(ترجمہ اوپر گزر چکا)۔

تشریح: سفر میں بھی وتر پڑھی جائے گی، اس سے مصنف نے ان بعض لوگوں پر رد کیا ہے جو وتر فی السفر کا انکار کرتے ہیں جیسے ضحاک بن مزاحم، ان کی رائے یہ تھی کہ سفر میں وتر نہیں ہے، امام بخاری نے ان پر رد کردیا اور بتادیا کہ سفر میں بھی وتر پڑھی جائے گی۔

(ص ۱۳٦) بَابُ الْقُنُوتِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ

۱۰۰۱. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَقَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الصُّبْحِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ: أَوَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ؟ قَالَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ يَسِيرًا.

١٠٠٢. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فَقَالَ: قَدْ كَانَ الْقُنُوتُ، قُلْتُ: قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ، قَالَ: فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: كَذَبَ إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا - أُرَاهُ - كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ زُهَاءَ سَبْعِينَ رَجُلًا إِلَى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ دُونَ أُولَائِكَ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَهْدٌ فَقَنَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ.

١٠٠٣. حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ.

١٠٠٤. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: أخبرنا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

ترجمہ: باب، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا بیان۔

محمد بن سیرین نے کہا کہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی ہے؟ فرمایا ہاں پڑھی ہے! پھر ان سے پوچھا گیا کہ کیا رکوع سے پہلے پڑھی ہے؟ فرمایا کہ رکوع کے بعد تھوڑے دنوں پڑھی ہے۔

عاصم نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے دعائے قنوت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا بے شک دعائے قنوت پڑھی جاتی تھی، میں نے کہا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟ فرمایا رکوع سے پہلے، عاصم نے کہا کہ مجھے تو آپ کی جانب سے فلاں نے یہ بتایا کہ آپ نے رکوع کے بعد فرمایا ہے، انسؓ نے کہا انہوں نے غلط بیان کیا، رکوع کے بعد تو حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ دعائے قنوت پڑھی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کو جنہیں قراء کہتے تھے جو تقریباً ستر آدمی تھے مشرکین کی ایک قوم (اہل نجد) کے پاس بھیجا تھا جو ان بد دعاء کے مستحق مشرکین کے علاوہ تھے اور ان (اہل نجد) اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا، (انہوں نے بدعہدی کی) تو رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھا جس میں آپ ان کو بد دعاء دیتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ تک قبیلہ رعل وذکوان پر بد دعاء کے لئے قنوت پڑھا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ قنوت پڑھنے کا عمل مغرب اور فجر کی نماز میں ہوتا تھا۔

تشریح: قنوت قبل الرکوع بھی جائز ہے اور بعد الرکوع بھی۔

حضرت امام بخاری نے اس کو حضرت انسؓ کی حدیث سے ثابت کیا ہے سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَقَنَتَ النَّبِيُّ

ﷺ فِي الصُّبْحِ؟ قَالَ نَعَمْ فَقِيلَ لَهُ أَوَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ؟ قَالَ بَعْدَ الرُّكُوعِ يَسِيرًا، اور دوسری روایت حضرت انسؓ کی آرہی ہے اس میں یہ وارد ہے کہ عاصم نے انسؓ سے قنوت کا مسئلہ پوچھا قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ قَبْلَهُ انہوں نے کہا فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ فرمایا كَذَبَ، إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا، نبی اکرم ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینے قنوت پڑھا ہے۔

بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ نے رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھا ہے اور رکوع کے بعد بھی، اور انسؓ کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ بعد الرکوع قنوت نازلہ پڑھا جب سریۂ بئر معونہ اور سریۂ رجیع کا قصہ پیش آیا تھا ورنہ عام حالات میں آپ قبل الرکوع قنوت پڑھتے تھے۔

جب یہ بات متعین ہو چکی کہ قنوت بعد الرکوع آپ نے ایک مہینہ پڑھا ہے تو یہ بات واضح ہو گئی کہ قنوت نازلہ بعد الرکوع ہے، تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قنوتِ وتر قبل الرکوع اور قنوتِ نازلہ بعد الرکوع ہے۔

امام بخاری کا ترجمہ مجمل ہے وہ اس تفصیل پر جو حدیث میں آئی ہے خود بخود منطبق ہو جاتا ہے، اور اگر اس تفصیل کو تسلیم کر لیا جائے کہ بخاری اس کے قائل ہیں تو پھر بخاری کا مذہب وہی ہو گا جو حنفیہ کا مذہب ہے کہ قنوت نازلہ بعد الرکوع ہے اور قنوت وتر قبل الرکوع ہے، آگے اس کی وضاحت آرہی ہے۔

قنوت میں چند مسائل مختلف فیہا ہیں۔

دعاءِ قنوت کا حکم کیا ہے؟　　جمہور علماء فرماتے ہیں کہ قنوت سنت ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ واجب ہے اور سوید بن غفلہؓ کے اثر سے سہارا لیا، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، حقیقت یہ ہے کہ احناف کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے ویسے کسی دلیل سے اس کا وجوب ثابت نہیں۔

قنوت کس نماز میں پڑھا جائے گا؟　(۱) حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز میں دائمًا پڑھا جائے گا، (۲) امام مالک کے یہاں وتر کی نماز میں قطعًا قنوت نہیں، (۳) شافعیہ کے یہاں وتر میں قنوت صرف رمضان کے نصف اخیر میں ہو گا، اور صبح کی نماز میں امام مالک وشافعی کے یہاں قنوت دائمًا پڑھا جائے گا، (۴) حنفیہ وحنابلہ فرماتے ہیں کہ قنوت نازلہ حوادثِ نازلہ کے وقت پڑھا جائے گا جب تک ضرورت ہو پڑھتے رہیں جب ضرورت ختم ہو جائے تو موقوف کر دیا جائے۔

قنوت کا وقت کیا ہے؟ (۱) مالکیہ کہتے ہیں القنوت کلہ قبل الرکوع، (۲) شافعیہ وحنابلہ کہتے ہیں القنوت کلہ بعد الرکوع، (۳) حنفیہ کہتے ہیں قنوت الوتر قبل الرکوع اور قنوت النازلۃ بعد الرکوع، اور میں بتا چکا کہ مفصل روایت سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، اور بظاہر بخاری کا ترجمہ گو مجمل ہے۔ لیکن روایت مفصلہ کی بنیاد پر جسکو خود انہوں نے پیش کی ہے یہی کہا یا سمجھا جائے گا کہ امام بخاری بھی اسی تفصیل کے قائل ہیں۔

دعاء قنوت کونسی ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے، حنفیہ سورۂ حفد و خلع (اللهم إنا نستعينك إلخ) کو پسند کرتے ہیں، دوسرے حضرات حضرت حسن بن علیؓ کی حدیث کا قنوت نازلہ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ الخ کو پسند کرتے ہیں، سورۂ حفد و خلع کا ثبوت آثار سے ہے اور قنوتِ حسن کا ثبوت حدیث مرفوع سے ہے، اس لئے بعض علماء احناف بھی اسی کی ترجیح کی طرف مائل ہیں، یہاں امام بخاری نے ایک خاص بات کو ملحوظ رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابن عمرؓ قنوت کو بدعت کہتے تھے، بخاری نے ان پر رد کیا اور اس کی سنیت ثابت کی ہے۔

یہاں ایک سوال ہے کہ امام بخاری نے قنوت کا ترجمہ ابواب وتر میں منعقد کیا ہے مگر جو حدیث پیش کی ہے اسمیں وتر میں قنوت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے تو انکا دعویٰ کیسے ثابت ہوا؟ یعنی اگر ہم نفس ترجمہ پر نظر کریں تو دعویٰ ثابت ہے، احادیث باب میں قنوت کا ذکر ہے، لیکن محلِ ترجمہ پر اگر ہم غور کریں تو اشکال پیدا ہو جاتا ہے کہ ترجمہ واقع ہے ابواب وتر میں اور احادیث باب میں وتر میں قنوت پڑھنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

اس کے دو جواب ہیں، (۱) بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی روایت کے اطلاق سے انہوں نے ترجمہ اخذ کیا ہے اس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں ہے لہذا اس کے عموم میں وتر بھی داخل ہے، (۲) بعض علماء حافظ ابن حجر وغیرہ کہتے ہیں کہ روایت میں مغرب میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے اور مغرب وتر النہار ہے جیسے نمازِ وتر وتر اللیل ہے، تو جب وتر النہار میں قنوت ثابت ہو گیا تو اسی سے بخاری نے وتر اللیل میں قنوت کو اخذ کر لیا۔

اور ایک تقریر ہم نے ابھی کی ہے کہ حضرت انسؓ کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ قنوت قبل الرکوع ہے اور بعد الرکوع جو قنوت ہے وہ عارضی تھا ایک ماہ تھا اور وہ قنوت نازلہ تھا، تو جب قنوت نازلہ ہوا بعد الرکوع تو علی وجہ التقابل خود بخود یہ سمجھ میں آگیا کہ قنوت وتر ہو گا قبل الرکوع، لہذا مصنف کا دعویٰ گو تصریح کی صورت میں نہ سہی لیکن استدلالی اور توضیحی انداز میں ثابت ہو جاتا ہے، واللہ تعالیٰ أعلم۔

كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ: یہ سریۂ منذر ہے **اسی کو** سریۂ بئر معونہ کہتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے صفر سن ۴ھ میں یہ سریہ روانہ فرمایا تھا، رعل وذکوان کے قبائل نے ان کو شہید کر دیا تو آپ نے قنوت نازلہ پڑھا، اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قنوت نازلہ کی مشروعیت صفر سن ۴ھ میں ہوئی ہے

وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَهْدٌ: یعنی نبی اکرم ﷺ نے سریۂ قراء جس علاقہ میں بھیجا وہاں کے مشرکین سے آپ کا معاہدہ تھا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں ابو براء مالک بن عامر آیا تھا، آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے اسلام کو تو قبول کیا نہیں لیکن بیزاری کا اظہار بھی نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ آپ اپنے لوگوں کو وہاں بھیج دیں دعوت کے لئے وأنا لهم جار، جب یہ سریہ اس علاقہ میں پہونچا تو مالک بن عامر کے بھتیجے عامر بن طفیل نے اپنی قوم سے یہ کہا کہ تم چل کر ان کو قتل کر دو، ان لوگوں نے کہہ دیا لا نكفر ذمة أبي البراء ابو براء نے جب ان کو امن دے دیا ہے تو ہم ان سے ہرگز بدعہدی نہیں کریں گے، اس نے قبیلۂ بنو عامر کے لوگوں کو تو چھوڑ دیا اور قبائل بنو سلیم کے پاس پہونچا رعل، ذکوان اور عصیہ وغیرہ کے پاس اور ان کو دعوت دی وہ اس کے کہنے میں آگئے اور انہوں نے ان صحابہ کو آکر گھیر لیا اور ان کو شہید کر دیا، حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بچ گئے تھے انہوں نے سارا واقعہ حضور کی خدمت میں پہونچایا اور آپ کو وحی کے ذریعہ علم ہو گیا تھا تو آپ نے رنج وغم کی وجہ سے پورے ایک ماہ دعاء قنوت یعنی قنوت نازلہ پڑھی تھی۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ حضور ﷺ سے ان لوگوں نے مدد مانگی تھی، بہت ممکن ہے کہ اسی دوران ابو براء نے مدد کا مسئلہ بھی پیش کیا ہو گا آپ نے منظور کر لیا ہو، تو سریۂ قراء کے بھیجنے کے دو مقصد ہوں گے، ایک دعوت اسلام اور دوسرے ان لوگوں کی امداد جن کے ساتھ معاہدہ تھا، معاہدہ بنو عامر سے تھا اور قتل کرنے والے بنو سلیم ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: یہ روایت تتمہ سا سمجھو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ کس قبیلہ پر آپ نے قنوت میں بدعا کی تھی، وہ تھے رعل وذکوان، یہ رعل وذکوان بنو سلیم کے دو قبائل ہیں۔

ـــــــ ابواب الوتر پورے ہوئے ـــــــ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

[أَبْوَابُ الِاسْتِسْقَاءِ]

استسقاء بابِ استفعال کا مصدر ہے سقی اس کا مادہ ہے، لغت میں استسقاء کہتے ہیں طلب سقی الماء من الغير لنفسه أو لغيره، اور اصطلاح میں استسقاء کہتے ہیں طلب السقی من اللہ تعالیٰ عند جدب البلاد، جب قحط سالی ہو تب حق تعالیٰ شانہ سے بارش کی دعاء کرنا، استسقاء کی مشروعیت اور ابتداء ابن حبان اور ابن جوزی وغیرہ کے بیان کے مطابق شعبان سن ٦ھ میں ہوئی۔

بارش کی بندش کا سبب معاصی ہیں اور سب سے بڑا سبب زکاۃ کا روک دینا ہے وَمَا مَنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ، مولانا روم کہتے ہیں ۔

ابر برناید پئے منع زکات وز زنا افتد وبا اندر جہات

شافعیہ اور حنابلہ نے لکھا ہے کہ استسقاء کی تین قسمیں ہیں، (۱) سب سے اکمل صورت یہ ہے کہ میدان میں جائیں، دو رکعت نماز پڑھیں اور اسکے بعد خطبہ دیا جائے اور دعاء کی جائے، (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ میں امام دعاء استسقاء کرے، (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء کریں۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں، (۱) فرائض کے بعد دعاء کریں، (۲) عید گاہ جائیں اور دعاء کر کے بغیر نماز کے واپس آجائیں، (۳) عید گاہ جائیں، نماز پڑھیں اور دعاء کریں۔

علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ پہلی دو صورتیں تو بالاتفاق جائز ہیں وأما الثالث فلم يعرفه أبو حنيفة، اور ہم نے جو پہلی تقسیم نقل کی ہے اس پر یہ کہا جائے گا کہ آخری دو صورتیں بالاتفاق جائز ہیں وأما الأول فلم يعرفه أبو حنيفة۔

امام ابو حنیفہ صلوۃ استسقاء کے قائل نہیں ہیں، باقی یہ کہ وہ صلوۃ استسقاء کو آیا ناجائز سمجھتے ہیں یا کیا؟

یہ چیز غور طلب رہ جاتی ہے، امام محمد نے کتاب الاصل میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام اعظم سے یہ پوچھا کہ آیا صلوۃ استسقاء میں نماز ہے یا نہیں؟ تو امام اعظم نے انکار کیا اور یہ فرمایا **إنما یروی فیه حدیث شاذ لا یعتد به**، اس باب میں ایک شاذ روایت نقل کی جاتی ہے لہذا اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ یہ چیز عموم بلویٰ کی تھی تو اسمیں روایت مشہور ہونی چاہئے، یہ کیا وجہ ہے کہ ایک ہی روایت میں اسکا تذکرہ آتا ہے۔

لیکن اس شذوذ کے دعویٰ پر مجھے اشکال ہے، اگرچہ میرا علم نہیں ہے لیکن نقل سے اس کا تعلق ہے اس لئے عرض کرتا ہوں کہ اس میں سب سے پہلی دلیل عبداللہ بن زیدؓ کی روایت ہے جو صحاح ستہ میں موجود ہے اور اس میں صلوۃ استسقاء کا تذکرہ ہے، دوسری دلیل حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جو سنن اربعہ میں موجود ہے اس میں بھی صلوۃ کا ذکر ہے، تو پھر صلوۃ استسقاء میں روایتِ فرد کہاں ہوئی؟ دو روایتیں آگئیں، اور اگر کوئی تلاش کرنے والا اس انداز میں تلاش کرے تو اور بھی روایتیں مل سکتی ہیں۔

غالبًا اسی وجہ سے ابو بکر بن سعد رازی نے یہ فرمایا کہ امام ابو حنیفہ سے محمد نے اصل میں اور مؤطا میں امام ابو یوسف سے اور امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے جو نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صلوۃ استسقاء واجب یا مسنون نہیں ہے، باقی وہ اس کے عدم جواز کے قائل نہیں، اور اگر کوئی آدمی صلوۃ استسقاء پڑھے تو حضرت امام ابو حنیفہ اس کا انکار نہیں کرتے ہیں۔

اور بعضوں نے یہ کہہ دیا کہ امام ابو حنیفہ صلوۃ استسقاء کو بدعت قرار دیتے ہیں، علامہ ابن عابدین شامی نے اس کو رد کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ صلوۃ استسقاء بلا جماعت ادا کرنا مندوب ہے یعنی ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

(ص ۱۳۶) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ وَخُرُوجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الِاسْتِسْقَاءِ

۹۹۰. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ.

ترجمہ: باب، استسقاء کا بیان اور نبی کریم ﷺ کے استسقاء کے لئے آبادی سے باہر نکلنے کا بیان۔

عباد بن تمیم اپنے چچا عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے لئے آبادی سے باہر نکلے اور آپ نے اپنی چادر کو پلٹ دیا۔

تشریح: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ: حضور ﷺ استسقاء کے لئے تشریف لے گئے اور تحویل رداء فرمائی، اس روایت سے بعض احناف جیسے علامہ عینی وغیرہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ استسقاء میں نماز نہیں کیوں کہ اگر نماز ہوتی تو روایت میں تذکرہ ہوتا، لیکن علامہ عینی جیسے محقق عالم کا اس طرح کا استدلال کرنا بہت ہی تعجب خیز امر ہے، یہی روایت بخاری شریف میں دو جگہ آئی ہے، آگے ایک ورق کے بعد اسی روایت میں صلوۃ کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

البتہ احناف نے اصلاً وبالذات قرآن پاک کی آیت ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾ سے استدلال کیا ہے اور احناف نے اسی آیت شریفہ کو اپنا مستدل ٹھہرایا ہے کہ استسقاء کی اصل استغفار ہے۔

(ص ۱۳۶) بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ

۹۹۱. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَقُولُ: اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اللَّهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: غِفَارُ غَفَرَ اللَّهُ لَهَا وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللَّهُ، قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ: هَذَا كُلُّهُ فِي الصُّبْحِ.

۹۹۲. حدثنا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ح حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا قَالَ: اللَّهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْجُلُودَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ وَيَنْظُرَ أَحَدُكُمْ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى

الدُّخَانَ مِنَ الْجُوعِ، فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللهَ لَهُمْ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿ إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ يَوْمَ نَبْطِشُ ٱلْبَطْشَةَ ٱلْكُبْرَىٰٓ ﴾ فَالْبَطْشَةُ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَدْ مَضَتِ الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَآيَةُ الرُّومِ.

ترجمہ: باب، نبی کریم ﷺ کا قریش کے حق میں بددعا کرنے کا بیان کہ اے اللہ! ان پر قحط کے سال مقرر کردے جیسے حضرت یوسفؑ کے زمانے میں ہفت سالہ قحط آیا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب آخری رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے، اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے، اے اللہ! اہل ایمان میں جو کمزور ہیں ان سب کو نجات دے، اے اللہ! قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت کردے، اے اللہ! ان پر قحط کے سال مسلط کردے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں ہفت سالہ قحط مسلط کیا تھا اور یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبیلۂ غفار، اللہ اس کی مغفرت کرے اور قبیلۂ اسلم اللہ اس کو سلامتی عطا کردے، ابوالزناد نے کہا کہ یہ سب دعائیں فجر کی نماز میں تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کے کفار کی روگردانی کو دیکھ لیا تو آپ نے بددعا کی کہ اے اللہ! ان پر سات سالہ قحط مسلط فرمادے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں کیا تھا چنانچہ ان کو قحط نے پکڑ لیا جس نے ان کی ہر چیز کو تباہ کردیا یہاں تک کہ وہ کھالوں کو، مردار کو اور سڑے ہوئے مردار کو کھانے پر مجبور ہوگئے اور حال یہ ہوگیا کہ ان میں سے کوئی آسمان کو دیکھتا تو بھوک کی شدت سے اس کو دھواں نظر آتا تھا، چنانچہ مجبور ہوکر ابوسفیان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد! بے شک آپ اللہ کی فرماں برداری کا حکم دیتے ہیں اور رشتہ کی حفاظت کی بات کہتے ہیں اور یہ کہ بے شک آپ کی قوم تباہ ہوگئی اس لئے آپ ان کے لئے اللہ سے دعا کیجئے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں سورۂ دخان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ إِلَى قَوْلِهِ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ پھر آپ انتظار کیجئے اس دن کا جب آسمان میں صاف نظر آنے والا دھواں پیدا ہوجائے گا جو سب لوگوں پر چھائے گا اور وہ کہیں گے کہ یہ دردناک عذاب ہے، اے اللہ! ہم سے یہ عذاب اٹھالے ہم ضرور ایمان لائیں گے، وہ کب نصیحت قبول کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کا رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آچکا ہے، پھر انہوں نے اس سے پشت پھیرلی اور کہنے لگے کہ یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے، پھر یہ کہ ہم عذاب کو تھوڑی مدت کے لئے ختم کئے دیتے ہیں، بے شک تم اپنی پہلی حالت پر لوٹ آؤ گے جس دن ہم بڑی سخت گرفت کریں گے بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بَطْشَةٌ (گرفت والے دن) سے مراد یوم بدر ہے اور یہ دخان اور بطشہ (جن کا ذکر اسی روایت میں ہے) اور لزام

(جس کا ذکر سورۂ فرقان میں فَسَوْفَ یَكُونُ لِزَامًا میں ہے) اور آیت روم (جس میں وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ کی پیشین گوئی ہے) یہ سب واقعات ماضی میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کی کیا غرض ہے؟ اس میں شراح کرام نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں۔

(۱) جیسے مؤمن کے لئے بارش کی دعاء کی جاسکتی ہے ایسے ہی کافر کے لئے قحط سالی کی بد دعا کی جاسکتی ہے۔

(۲) اس ترجمۃ الباب سے ایک لطیف طریقہ سے صلوٰۃ استسقاء کا اثبات کرنا چاہتے ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ روایت الباب سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کیلئے نماز میں قحط سالی کی بد دعا کی جاسکتی ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ مؤمنین کے واسطے نماز میں خوشحالی اور رحمتِ باراں کی دعاء بھی کی جاسکتی ہے۔

(۳) مقصد یہ ہے کہ دعاء استسقاء میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جن کیلئے دعاء کی جارہی ہے وہ اہلیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایسا ہو تو بجائے بارش کی دعاء کے قحط سالی کی دعاء کرنی چاہئے تاکہ ان کی سرکشی کم ہو۔

اَللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ الخ: یہ حضرات مستضعفین تھے، مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے، آنحضور ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ مکہ سے نکل کر مدینہ آنے کی تیاری میں مصروف ہیں تو آپ نے ان کے لئے دعاء قنوت میں دعاء خیر فرمائی اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے مضر کے لئے بد دعا کی اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ یا اللہ تو اپنی گرفت کو مضر پر تیز کر دے، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ یا اللہ ان کے سالوں کو حضرت یوسفؑ کے جیسے قحط زدہ سال بنادے۔

دو بد دعائیں اور اسکی تفصیل: اس حدیث پاک میں دو دعائیں مذکور ہیں، ایک مستضعفین کیلئے دعاء خیر دوسرے مضر کیلئے قحط سالی کی بد دعا اور یہ کہ ان کے سالوں کو یوسف کے سات سال جیسا بنادے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ الگ الگ دو دعائیں ہیں، پہلی دعاءِ خیر ہجرت کے بعد ہوئی ہے، اور دوسری دعاء (بد دعاء) ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوئی ہے لیکن راوی نے ان دونوں کو یکجا طور پر ذکر کر دیا، اس دعاء ثانی کے مکہ میں ہونے کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت ہے جو مصنف نے اِس باب میں ذکر کی ہے إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا قَالَ اَللّٰهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوسُفَ الخ، اور اس کے بعد پھر ابوسفیان آیا اور کہنے لگا یا محمد إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللهَ لَهُمْ، بہر حال ابن مسعودؓ کی

روایت میں جو دعاء مذکور ہے وہ مکہ کی ہے، حافظ شرف الدین دمیاطی نے لکھا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے یہ بددعا اس وقت کی جب قریش نے حضور ﷺ کی پشت پر سلا جزور (اونٹ کی بچہ دانی) لاکر ڈال دی تھی۔

مگر حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے یہ دعاء مکرر ہوئی ہو، ابن مسعودؓ جس کو نقل کرتے ہوں وہ مکہ مکرمہ کا واقعہ ہو اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں جو دعاء ہے وہ مدینہ منورہ کی ہو، قریش نے چونکہ بڑی سرتابی اور سرکشی کر رکھی تھی اسلئے مکہ میں بھی ان کے حق میں بددعا ہوئی اور پھر مدینہ منورہ میں بھی ہوئی۔

حضرت شیخ کی توجیہ: ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی روایت میں جس بددعا کا ذکر ہے وہ تو مکہ مکرمہ ہی میں ہوئی ہے جب آپ کی پشت پر سلا جزور لاکر ڈال دیا گیا تھا، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ جس بددعا کا ذکر کر رہے ہیں اس کا تعلق قریش سے نہیں بلکہ اس کا تعلق مضر سے ہے، حدیث میں ہے اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلَى مُضَرَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ، اور آپ نے مضر کے حق میں بددعا اس لئے کی تھی کہ یہ لوگ مشرق کے باشندے تھے اور سرکار دو عالم ﷺ کے سخت مخالف تھے، چنانچہ ص ۱۱۰ پر ابو ہریرہؓ ہی کی حدیث میں گزرا ہے وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُونَ لَه، اِس لفظ پر میں نے وہاں تنبیہ بھی کی تھی اور یہ کہا تھا کہ یاد رکھنا میں اس سے کام لوں گا اس سے مراد یہی ہے، تو حضرت فرماتے ہیں کہ قریش کے حق میں بددعا اور ہے اور مضر کے حق میں بددعا اور ہے۔

توجیہ کا ایک جواب: لیکن ایک چیز تھوڑی سی غور طلب رہ جاتی ہے، وہ یہ کہ قریش ایک مخصوص خاندان کا نام ہے چاہے وہ نضر بن کنانہ کی اولاد ہو جیسا کہ بعض نسابین کا خیال ہے، یا فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہو جیسا کہ بعض دیگر نسابین کہتے ہیں، یا قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہو جیسا کہ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں، بہر حال سب آگے جاکر مضر ہی میں مل جاتے ہیں کیوں کہ آگے سلسلۂ نسب ہے نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، لہٰذا اگر مضر بول کر قریش ہی مراد ہو تو کیا استعجاب ہے؟ اور اس کے لئے قرینہ یہ ہے کہ آپ نے مستضعفین کیلئے دعاء کی تھی اور مستضعفین مکہ میں محبوس تھے اور ان کو روکنے والے قریش ہی تھے۔

توجیہ کا دوسرا جواب: دوسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک عام لفظ استعمال کیا

ہو جس میں قریش کو بھی داخل کیا ہو اسلئے کہ جو قریشی تھا وہ مضری ضرور ہے اور ہر مضری کیلئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے، تو چونکہ سارے مضر ہی مخالف تھے چاہے وہ قریشی ہوں یا غیر قریشی اس لئے آنحضور ﷺ نے ایک عام دعاء کی اللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلٰی مُضَرَ اے اللہ اپنی گرفت کو تو مضر پر سخت فرمادے۔

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ ابن مسعودؓ ہی کی روایت میں کتاب التفسیر میں یہ وارد ہوا ہے کہ ابوسفیان آیا اور کہنے لگا اسْتَسْقِ اللهَ لِمُضَرَ فَإِنَّهَا قَدْ هَلَكَتْ، قَالَ: لِمُضَرَ؟ إِنَّكَ لَجَرِيءٌ فَاسْتَسْقَى فَسُقُوا، اگر یہ مکہ کا قصہ ہے اور بد دعا قریش کے حق میں ہوئی تھی تو پھر اس نے مضر کا نام کیوں لیا تھا؟

اس کا جواب یہ کہ مطلب یہی ہے کہ اس قحط سالی کا اثر بڑا لمبا ہو گیا حتی کہ مکہ سے متجاوز ہو کر اطراف کے قبائل تک پہنچ گیا جو مضر کی اولاد میں ہیں اگرچہ ہم لوگ بھی مضر کی اولاد میں ہیں، لہذا آپ ان کے لئے دعاء فرمادیں آپ نے اس کے بعد دعاء فرمادی۔

بہر حال چاہے تو یہ کہہ لیا جائے کہ قریش ہی کے حق میں دو بد دعائیں ہوئی ہیں، ایک مدینہ میں جو ابوہریرہؓ کی روایت میں مذکور ہے اور ایک مکہ میں جو ابن مسعودؓ کی روایت میں مذکور ہے جیسا کہ حافظ کہتے ہیں، یا یہ کہہ لیا جائے کہ دو بد دعائیں ہیں ایک کا تعلق مکہ کے قریش سے ہے یہ تو مکہ میں ہوئی ہے اور دوسری کا تعلق مضر سے ہے یہ مدینہ منورہ میں ہوئی ہے، بہر حال دو کہنا پڑے گا۔

وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ غِفَارُ غَفَرَ اللهُ لَهَا الخ: یہ ایک دوسری حدیث ہے، چونکہ سند ایک تھی اس لئے مصنف نے ذکر فرمادیا، اور ممکن ہے کہ اس کا تعلق بھی ترجمہ سے ظاہر کیا جاسکے اور حاصل یہ ہے کہ ان مشرکین کے حق میں بد دعا کی جائے گی قحط سالی کی جو مسلمانوں کے ساتھ محارب ہوں جنگ کرتے ہوں، اور جو ان کے ساتھ صلح و مصالحت کے ساتھ رہتے ہوں ان کے حق میں نہیں کی جائے گی۔

قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ: اس تعلیق کے متعلق حافظ ابن حجر نے کوئی نشاندہی نہیں کی ہے، فتح الباری میں تو کچھ فرمایا ہی نہیں اور مقدمہ میں لکھا ہے ینظر فیہ۔

هٰذَا كُلُّهُ فِي الصُّبْحِ: یعنی صبح کی نماز میں آنحضور ﷺ یہ دعاء کرتے تھے۔

قَالَ اللهُ تَعَالٰى فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ: اس روایت میں تو نہیں لیکن کتاب التفسیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے لئے دعاءِ باراں کی اور بارش ہوگئی۔

دخان مبین سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ دخان مراد ہے جو بھوک کی وجہ سے قحط سالی کے سال میں نظر آتا تھا، اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک دھواں ہو گا جو کافروں کی ناک میں سے نکلے گا، اور ممکن ہے کہ یہ دو دھویں ہوں جیسا کہ ابو الخطاب دحیہ اور امام نووی کی رائے ہے۔

فَالْبَطْشَةُ يَوْمَ بَدْرٍ: بدر کے دن کی گرفت، اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کی گرفت مراد ہے۔

وَاللِّزَامُ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ لزام سے مراد بھی بطشہ ہے تو اس صورت میں ایک ہی معنون کو دو عنوان سے تعبیر کیا گیا، اور بعض کہتے ہیں کہ لزام سے مراد بدر کے دن کی قید وبند ہے۔

وَآيَةُ الرُّومِ: اس سے مراد آیت کریمہ ﴿الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ﴾ ہے۔

(ص ۱۳۷) بَاب سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الِاسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحَطُوا

۹۹۳. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ *** ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ.

۹۹٤. وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ وَرُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَسْقِي فَمَا يَنْزِلُ حَتَّى يَجِيشَ كُلُّ مِيزَابٍ.

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ *** ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وَهُوَ قَوْلُ أَبِي طَالِب.

۹۹۵. حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ

بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ.

ترجمہ: باب، قحط کے موقع پر لوگوں کا امام سے استسقاء کے لئے دعا کی درخواست کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن دینار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو سنا کہ وہ حضرت ابو طالب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الخ اور وہ روشن چہرے والے کہ ان کے روئے مبارک کے وسیلے سے پانی طلب کیا جاتا ہے اور وہ یتیموں کے لئے جائے پناہ اور بیوہ عورتوں کے محافظ ہیں۔

عمر بن حمزہ حضرت سالم سے اور وہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ مجھے شاعر کا یہ قول اس وقت یاد آیا جب میں حضور ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور آپ استسقاء کے لئے دعا کر رہے تھے چنانچہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ منبر سے نہیں اتر پاتے تھے اور پانی کا ہر ہر نالہ پوری طرح بہنے لگتا تھا، اور یہ شعر وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الخ حضرت ابو طالب کا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں جب قحط پڑتا تھا تو وہ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے پیغمبر ﷺ کو دعاؤں میں وسیلہ بنایا کرتے تھے اور تو بارش عطا فرماتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا کو دعا میں وسیلہ بنا رہے ہیں تو ہمیں بارش عطا فرمادے چنانچہ بارش برستی تھی۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو امام سے استسقاء کی درخواست کرنا چاہئے، بذات خود استسقاء نہ کرنا چاہئے، یہی امام احمد کا مشہور مسلک ہے، لیکن جمہور علماء مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ امام سے استیذان کی ضرورت نہیں ہے، اگر امام استسقاء نہ کرے تو قوم بطور خود استسقاء کر سکتی ہے یہی امام احمد بن حنبل کی ایک مرجوح روایت ہے۔

يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ: أي ينشد، پڑھ رہے تھے ابو طالب کا شعر۔

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

اور کیسے چھوڑ دیں ان سفید گورے چٹے انسان کو جس کے چہرۂ کریم کے واسطے سے بادل سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کے فریاد رس اور رانڈوں کے جائے پناہ ہیں۔

ثِمَالَ: بکسر الثاء، غیاث القوم، مغیث، پناہ دینے والا۔

عِصْمَةٌ: کے معنیٰ ہیں منع کرنے کے، اس سے مانع الضار مراد ہے یعنی جو ارامل کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں ضائع ہونے سے۔

یہ ابوطالب کے ایک طویل قصیدے کا ایک شعر ہے، وہ قصیدہ بہت سے ابیات پر مشتمل تھا، ابن ہشام نے ابن اسحاق کے اتباع میں اس کے اسّی سے زائد اشعار نقل کئے ہیں، علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ سو سے زائد اشعار پر مشتمل ہے، انہی میں یہ اشعار ہیں

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيهِمِ وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعُرَى وَالْوَسَائِلِ
وَقَدْ جَاهَرُونَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْأَذَى وَقَدْ طَاوَعُوا أَمْرَ الْعَدُوِّ الْمُزَايِلِ
وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا أَبَا لَكَ سَيِّدًا يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ
وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالَ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلْأَرَامِلِ
كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللهِ نُبْزَى مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهُ وَنُنَاضِلِ

أَبْيَضَ منصوب ہے اور سَيِّدًا پر عطف ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے سیرت نبویہ میں اس واقعہ پر بے اعتمادی کا اظہار کیا اور انکا خیال یہ ہے کہ یہ سارا قصیدہ موضوع ہے، مولانا شبلی کو اپنی سیرت میں اس طرح کے کئی اوہام واقع ہو گئے، اگر انکی بات مان لی جائے تو بخاری کی اس روایت کا کیا ہوگا؟ بات یہ ہے کہ اول تو مولانا شبلی کا یہ میدان نہیں، دوسری بات یہ ہے مولانا نے اپنی اخیر عمر میں سیرت لکھنے کا ارادہ فرمایا اور پھر عمر نے انکو اتنا موقع نہیں دیا کہ وہ اپنی کتاب کو منقح ومہذب کر سکیں، آدمی بعض وقت کسی رو اور کسی خیال میں ہوتا ہے اور ایک دم سے کوئی فیصلہ کر دیتا ہے اور پھر بعد میں جب غور و تامل کرتا ہے تو اسے اپنی بات سے رجوع کرنا پڑتا ہے یا اپنی بات میں قیود کا اضافہ کرنا ہوتا ہے، مولانا شبلی سے انکی سیرت میں غلطیاں تو ضرور ہوئی ہیں لیکن انکی نیت صحیح ہے اور وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سچے محب ہیں، جب سیرت لکھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے دو شعر کہے

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی مجھے چندے مقیمِ آستانِ غیر ہونا تھا
ارادہ ہے کہ لکھوں سیرتِ پیغمبرِ خاتم خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

میں مولانا شبلی کے مزار پر حاضر ہوا ہوں انکے سرلوح دونوں اشعار کندہ ہیں اور امید ہے کہ بڑی سرکار میں ضرور قبول اور انکے لئے کارآمد اور مفید ثابت ہوئے ہونگے، محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت نفع دیتی ہے ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

میں مولانا کا اتنا معتقد نہیں تھا، جب سیرت نبویہ کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ انکا سینہ محبتِ رسول سے معمور ہے اور انکا قلم واقعات نگاری میں ایسا زور دکھاتا ہے کہ آدمی ایک دم چودہ سو سال پیچھے چلا جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنی آنکھوں سے واقعات کا مشاہدہ کر رہا ہے، انکی غلطیاں اسلئے بیان کر دی جاتی ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بات غلط ہے لیکن اسلئے نہیں بیان کی جاتی کہ انکی تنقیص کی جائے، خیر۔

سوال یہ ہے کہ ابوطالب کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے چہرہ کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو جیسا ہوتا ہے اس کے اطوار اور اس کے اخلاق وآداب اس پر دلالت کرتے ہیں، آپ کے حالات سے ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ آپ ایسے ہی ہیں۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس طرح ایک واقعہ پیش آیا ہے چنانچہ سہیلی نے نقل کیا ہے کہ عبدالمطلب کے زمانے میں قحط سالی ہوئی وہ لوگوں کو لیکر کعبۃ اللہ کے پاس آئے، نبی اکرم ﷺ نو عمر بچے تھے، جب لوگ جمع ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور اللہ کریم نے بارش کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اسی طرح سے ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ ابوطالب کے زمانہ میں قحط سالی ہوئی تو وہ حضور کو لیکر آئے اور اللہ نے بارش عطا فرمائی، یہ سب باتیں جمع ہو سکتی ہیں، کسی میں کوئی تنافی نہیں، آپ کے حالات بتاتے تھے کہ آپ ایسے ہیں اور اسی طرح سے پیش بھی آیا۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب قحط ہوتا تو عباسؓ کے ذریعہ استسقاء کرتے یعنی ان کو استسقاء کے لئے آگے بڑھاتے، یہ واقعہ جس کی طرف اشارہ کیا ہے عام الرمادہ سن ۱۸ھ میں پیش آیا تھا ذکرہ الزبیر بن بکار۔

فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْکَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْکَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا:

اس سے توسل بالاحیاء کا ثبوت ہوتا ہے، اور ایک چیز توسل بالاموات ہے، شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی رائے یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے، لیکن علامہ شوکانی نے الدر النضید میں لکھا ہے کہ غیر انبیاء کے ساتھ بھی توسل جائز ہے، اسی طرح کا قصہ ترمذی میں وارد ہے اگرچہ اس کی سند میں اختلاف ہے لیکن امام طبرانی نے معجم صغیر میں ایک روایت نقل کی اور اس کی تصحیح کی ہے اس سے گنجائش نکلتی ہے، لیکن یہ چیز فتنہ کا بہت بڑا دروازہ اور بد اعتقادی کا گیٹ کھول دیتی ہے، اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسکی بڑی زبردست

مخالفت کی ہے اور اس میں احتیاط ہی اولیٰ ہے۔

ویسے اس میں تفصیل ہے، اگر کوئی مُردوں سے اپنی مراد مانگے تو یہ شرک کی صفت ہے جو حرام ہے، اور اگر کوئی مُردوں سے صرف اپنے تعلق کا اظہار کرتا ہے اور اللہ سے دعاء مانگتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اے اللہ یہ تیرے مقبول بندے ہیں ہمارا ان سے تعلق ہے تیری ان پر عنایت ہے تو اس عنایت کے طفیل میں ہمیں بھی عنایت سے نواز دے اس کی گنجائش ہے، لیکن بعض لوگ قدم آگے بڑھا دیتے ہیں اور اموات سے دعاء کی درخواست کی جاتی ہے یہ درست نہیں، یہ مسئلہ بہت ہی نازک ہے اور حیاتِ اموات پر مبنی ہے، اور گو حیاتِ اموات نصوص متواترہ سے ثابت ہے اور سماعِ اموات بھی بکثرت روایات سے ثابت ہے لیکن اس میں کوئی عموم نہیں ہے، یعنی قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہر وقت مُردے سنتے ہیں، اس لئے اس مسئلہ میں بھی احتیاط ہی ملحوظ رکھنا چاہئے، آدمی صحیح الاعتقاد ہو کر اللہ کے یہاں پہنچ جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ کسی مشکوک بات میں مبتلا ہو جائے۔

یہی حدیث مناقب میں عباسؓ کے ذکر میں آرہی ہے اسی سند و متن سے۔

ترجمہ اور روایت میں عدم مطابقت: یہاں پر سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں ابن عمرؓ اور انسؓ کی جو دونوں روایتیں ذکر فرمائی ہیں اس میں لوگوں کے امام سے سوال کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے تو مصنف نے اپنا دعویٰ کیسے ثابت فرمایا ہے؟ امام اسماعیلی نے یہ اشکال کیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ترجمہ پر دلالت نہیں کرتی ہیں اس میں سوال الناس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن رشید کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنا دعویٰ بطریق اولویت ثابت کیا ہے اس لئے کہ روایتوں میں یہ ثابت ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے ذریعہ استسقاء کرتے تھے اور اللہ بارش دے دیتے تو اگر آپ کے وسیلے سے استسقاء کرنے پر بارش مل جاتی تھی تو آپ کے براہ راست ہاتھ آگے بڑھا دینے اور آپ کے دعاء کی درخواست کرنے میں زیادہ بارش ملنے کی امید تھی۔

علامہ ابن رشید کہتے ہیں کہ اگر امام اس ترجمہ کے تحت ابن مسعودؓ کی وہ حدیث لاتے جو بابِ گزشتہ میں لاچکے تو زیادہ بہتر ہوتا اور زیادہ واضح بات ہوتی، مگر اسکا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں سائل مشرک

تھا اور بَاب سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ کا ترجمہ عام ہے لہذا ابن مسعودؓ کی حدیث اس ترجمہ کے مطابق نہیں، اسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ جب کافر سوال کر سکتا ہے تو غیر کافر یعنی مسلمان کا سوال تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہو گا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بعض دیگر طرق کی طرف اشارہ کیا ہے، امام بیہقی وغیرہ نے ابو طالب کے شعر کے قصہ میں حضرت انسؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک اعرابی آیا اور حضور ﷺ سے کہنے لگا أَتَيْنَاكَ وَمَا لَنَا بَعِيْرٌ يَئِطُّ وَلَا صَبِيٌّ يَغِطُّ اور اس کے اشعار پڑھے اور اس میں کہتا ہے

وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا إِلَيْكَ فِرَارُنَا   وَأَيْنَ فِرَارُ النَّاسِ إِلَّا إِلَى الرُّسُلِ

نبی کریم ﷺ نے چادر شریف اٹھائی اور منبر پر تشریف لائے اور دعاء کی اللهم اسقنا، اور فرمایا اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں، کوئی ہے جو ان کا شعر پڑھ دے حضرت علیؓ کہنے لگے یارسول اللہ! شاید آپ نے ان کا شعر وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ مراد لیا ہے؟ اس سے ابن عمرؓ کی حدیث کی ترجمہ سے مناسبت ظاہر ہو گئی اور حضرت انسؓ کی جو حدیث ذکر کی ہے اس کے بعض طرق میں وارد ہے كَانُوْا إِذَا قَحَطُوْا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ اسْتَسْقَوْا بِالنَّبِيِّ ﷺ فَيَسْتَسْقِي لَهُمْ فَيُسْقَوْنَ، اسماعیلی نے اس روایت کو تخریج فرما کر فرمایا ہے کہ اگر یہ روایت بخاری لاتے تو ترجمہ کے مناسب تھی، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس کی طرف اشارہ کیا ہے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔

میرا خیال یہ ہے والغیب عند اللہ کہ امام بخاری نے ابن عمرؓ کی حدیث میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَسْقِي اس سے یہ بات اشارۃً سمجھ میں آتی ہے کہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں دعاء کی درخواست کرتے تھے اور پھر آپ لوگوں کیلئے استسقاء فرماتے تھے اور یہ مضمون اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا سے بھی نکلتا ہے کیوں کہ توسل بالنبی کا مطلب یہی ہے کہ ہم حضور کی خدمت میں درخواست پیش کرتے تھے اور آپ ہمارے لئے دعاء استسقاء کرتے تھے۔

(ص ۱۳۷) بَابُ تَحْوِيلِ الرِّدَاءِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

۹۹۶. حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى فَقَلَبَ رِدَاءَهُ.

۹۹۷. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ يُحَدِّثُ أَبَاهُ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى فَاسْتَسْقَى فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُولُ: هُوَ صَاحِبُ الْأَذَانِ وَلٰكِنَّهُ وَهْمٌ لِأَنَّ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ مَازِنُ الْأَنْصَارِ.

ترجمہ: باب، استسقاء میں چادر کو پلٹ کر اوڑھنے کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ سے بارش کی دعا کی تو آپ نے اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔

حضرت عبد اللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور اللہ سے بارش طلب کی تو آپ نے قبلے کی طرف رخ کیا اور اپنی چادر کو پلٹ دیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

امام بخاری نے فرمایا کہ سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ یہ عبد اللہ بن زیدؓ وہی ہیں جو اذان کی روایت کے راوی ہیں لیکن سفیان کو اس سلسلے میں وہم ہوا اس لئے کہ یہ عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ مازنی ہیں جو انصار کے قبیلۂ مازن سے تھے۔

تشریح: استسقاء میں رداء کی تحویل کرنی چاہئے، تحویل یہ ہے کہ دائیں حصہ کو بائیں حصہ پر اور بائیں حصہ کو دائیں حصہ پر کر لیا جائے۔

روایات میں دو لفظ وارد ہوئے ہیں، تحویل اور قلب، تحویل کی صفت تو تمہیں معلوم ہو گئی اور قلب یہ ہے کہ نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا جائے۔

امام بخاری نے ترجمہ تو تحویل کا منعقد کیا ہے مگر روایت میں قلب کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے قلب کے معنی تحویل ہی سمجھے ہیں چنانچہ روایۃ الباب کے بعض طرق میں بجائے قَلَبَ کے حَوَّلَ کا لفظ واقع ہوا ہے، خود بخاری کے بعض نسخوں میں روایت نمبر دو میں قلب رداءہ کے بجائے حوّل رداءہ کا لفظ واقع ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود بعض روایات میں تنکیس کا لفظ وارد ہوا ہے یعنی اوپر کا حصہ نیچے کر لینا، اس لئے حضرت امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ صورت یہ کرنی چاہئے کہ تقلیب بھی ہو جائے اور تنکیس بھی، نیچے کے حصہ سے دائیں طرف کا حصہ بائیں ہاتھ سے اور بائیں طرف کا حصہ دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا جائے اور پھر اس کے بعد نیچے کو اوپر کر لیا جائے تو قلب اور تنکیس دونوں حاصل ہو جائیں گے۔

تحویل رداء اب مشروع ہے یا نہیں؟ ائمۂ ثلاثہ اور جمہور علماء اس کی مشروعیت واستحباب کے قائل ہیں اور امام شافعی نے تحویل کے ساتھ تنکیس کو بھی مستحب قرار دیا، امام ابو حنیفہ اور بعض مالکیہ اسکا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے قلب اور تحویل ضرور کیا لیکن یہ آپ کی خصوصیت ہے، آپ کو یہ معلوم تھا کہ حال منقلب ہو جائے گا لہذا آپ نے تحویل فرمائی، ہمیں کیا معلوم کہ بارش آئے گی یا نہیں آئے گی؟

مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے جو فعل کیا ہے تو ہم اس کو شریعت ہی پر محمول کریں گے الا یہ کہ کوئی دلیل خصوصیت پر دلالت کرنے والی پائی جائے اور یہاں کوئی خصوصی دلیل نہیں، امام ابو یوسف سے تحویل کا قول مروی ہے اور امام محمد کا یہی مسلک ہے کہ تحویل کی جائے گی۔

آیا صرف امام تحویل کرے یا قوم بھی؟ ائمۂ ثلاثہ اور جمہور فرماتے ہیں کہ امام اور قوم دونوں تحویل کریں گے، امام محمد سے منقول ہے کہ صرف امام تحویل کرے گا اسلئے کہ روایات میں حضور ﷺ کی تحویل کا تذکرہ وارد ہوا ہے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں لوگوں کی تحویل کا بھی تذکرہ ہے، چنانچہ اس باب کی روایت مسند احمد میں ہے اس میں یہ تصریح وارد ہے وحوّل الناس معه۔

تحویل کس وقت کی جائے گی؟ حنفیہ کے اس میں تین قول ہیں، (۱) جب خطبہ کا ابتدائی حصہ گزر جائے، (۲) دونوں خطبوں کے بیچ میں، (۳) دونوں خطبوں سے فارغ ہونے کے بعد، مالکیہ کے بھی تین قول ہیں، دو قول تو وہی جو حنفیہ کے آخری دو قول ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ جب خطبۂ ثانیہ سے فارغ ہونے کے قریب ہو اور یہی شافعیہ کا مسلک ہے، حضرات حنابلہ فرماتے ہیں کہ خطبہ کے بیچ میں کبھی بھی کرلے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِاللهِ كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُولُ هُوَ صَاحِبُ الْأَذَانِ: اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن زیدؓ کے متعلق سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ صاحب الاذان عبد اللہ بن زید بن عبد ربہؓ ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ کو وہم ہو گیا ہے، بلکہ اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ مازنی ہیں اور صاحب الاذان عبد اللہ بن زید بن عبد ربہؓ اور ہیں۔

مَازِنُ الْأَنْصَارِ: مصنف نے یہ اس لئے بڑھا دیا کہ ایک مازن الانصار ہے اور دوسرا مازن تمیم ہے اور اس کے علاوہ بھی اور نسبتوں کے مازن ہیں۔

(ص ۱۳۷) باب انتقام الربّ عزّ و جلّ من خلقه بالقحط إذا انتهک محارمه

ترجمہ: باب، جب اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی بے حرمتی کی جائے تو اللہ عزوجل کا اپنی مخلوق سے قحط میں مبتلا کرکے انتقام لینے کا بیان۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ اگر محرمات کا ارتکاب کیا جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اپنی مخلوق سے قحط وغیرہ کے ذریعہ سے انتقام لیتا ہے، مصنف نے ترجمہ تو منعقد کیا لیکن کوئی روایت ذکر نہیں کی۔

اس جیسے ترجمہ کے متعلق ماقبل میں کلام کرچکا کہ امام بخاری کو کوئی روایت اپنی شرط کے مطابق نہیں ملی، یا روایت لکھنے کا ارادہ تھا لیکن موقع نہیں ملا، یا امام بخاری کی کتاب کے ناقلین نے گڑبڑ کردی وغیرہ وغیرہ۔

یہاں کیا صورت ہے؟ علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ بظاہر امام بخاری حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی وہ حدیث ذکر کرنا چاہتے تھے جو ابھی بَاب دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ میں گزری ہے اور چاہتے تھے کہ کسی اور سند سے اس کو لے آئیں گے اتفاق سے کوئی موقع ہی نہیں ملا، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے تشحیذ اذہان سے کام لیا ہے اور اسی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، چونکہ روایت گزرچکی تھی اس لئے دوبارہ اس کے لانے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

(ص ۱۳۷) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ

۹۹۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ أَنَّ رَجُلاً دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ وُجَاهَ الْمِنْبَرِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِمًا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ أَنْ يُغِيثَنَا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا، قَالَ أَنَسٌ: فَلاَ وَاللهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلاَ قَزَعَةً وَلاَ شَيْئًا وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلاَ دَارٍ قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا

تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ قَالَ: وَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُمْسِكَهَا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ، قَالَ: فَانْقَطَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ.

قَالَ شَرِيكٌ: فَسَأَلْتُ أَنَسًا أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي.

ترجمہ: باب، مسجدِ جامع میں استسقاء کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کی طرف تھا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے، تو وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا پھر اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اموال ہلاک ہوگئے اور راستے بند ہوگئے، آپ اللہ سے دعا کریں کہ بارش عطا فرمائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر دعا کی اے اللہ! ہمیں بارش عطا کر، اے اللہ! ہمیں بارش عطا کر، اے اللہ! ہمیں بارش عطا کر، حضرت انسؓ نے کہا کہ بخدا! ہمیں آسمان میں نہ بادل نظر آرہا تھا نہ بادل کا ٹکڑا اور نہ کچھ اور، اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر یا کوئی مکان بھی حائل نہ تھا، حضرت انسؓ نے کہا کہ پھر سلع کے پیچھے سے ڈھال کی طرح ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا پھر جب وہ آسمان کے بیچ میں آیا تو پھیل گیا پھر برسنے لگا، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ بخدا ہمیں ایک ہفتہ تک سورج نظر نہ آیا، پھر دوسرے جمعہ کو اسی دروازے سے ایک شخص داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے چنانچہ وہ شخص بھی سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اموال ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے بند ہوگئے ہیں اس لئے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ بارش کو روک دے، حضرت انسؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ! یہ بارش ہمارے چاروں طرف برسے، ہم پر نہ برسے، اے اللہ! ٹیلوں پر، پہاڑوں پر، نالوں کے نشیبی علاقوں پر اور وادیوں میں اور درخت اگانے والے مقامات پر برسے، حضرت انسؓ نے کہا چنانچہ بارش ختم ہوگئی اور ہم دھوپ میں چلتے ہوئے نکلے، شریک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ کیا یہ دوسرے جمعہ کو آنے والا پہلا ہی شخص تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔

تشریح: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ استسقاء کے واسطے مصلیٰ اور عید گاہ کی طرف جانا اور باہر نکلنا مشروط اور ضروری نہیں ہے، اگر مسجد جامع میں دعاءِ استسقاء کر لی جائے تو جو مقصود ہے کہ سارے لوگ جمع ہو جائیں چونکہ وہ حاصل ہے اس لئے کافی ہوگا۔

بعض علماء یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ممکن ہے اس سے ایک توہّم کا خاتمہ کیا ہو اور وہ توہم یہ ہے کہ استقاء کرنا تو ایک حاجت کی طلب ہے اور مساجد طلبِ حاجات کے لئے بنائی نہیں گئیں، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسجد میں دعاءِ استقاء نہ کرنی چاہئے تو مصنف نے اس توہّم کا خاتمہ فرمادیا اور بتلادیا کہ دعاء من باب الاذکار ہے اور مساجد ذکر و تلاوت اور نماز کے لئے بنائی گئی ہیں۔

سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: حضرت انس بن مالکؓ کی اس حدیث سے بہت سے مسائل ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا حضرت امام بخاری نے مکرر، سہ کرر یہی حدیث ذکر کی ہے اور اس پر متعدد تراجم منعقد فرمائے ہیں، اگلے پورے صفحہ پر اور اس کے بعد جو اگلا صفحہ آرہا ہے اس میں بھی کچھ مکرر آرہی ہے۔

أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: ایک آدمی جمعہ کے دن داخل ہوا۔

رجل کا مصداق کون ہے؟ یہ واقعہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر پیش آیا ہے جیسا کہ عبید سلمی کی روایت میں دلائل النبوہ للبیہقی میں واقع ہوا ہے، انہوں نے حضرت انسؓ جیسی ہی حدیث ذکر کی ہے اور اس میں یہ تصریح کی ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر یہ قصہ پیش آیا اور اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ سوال کرنے والا خارجہ بن حصن تھا اس سے اس رجلِ مبہم کی تعیین ہوگئی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ سوال کرنے والا ابوسفیان بن حرب ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ وہم ہے، ابوسفیان کا سوال تو ایک اور واقعہ میں ہوا تھا جس میں حضور ﷺ نے قریش کے لئے بددعا کی تھی اللھم سبعًا کسنی یوسف، اے اللہ! قحط سالی بھیج دے، اور بھیج دی تب ابوسفیان آپ کی خدمت میں آیا اور یہ کہا فَادْعُ اللَّهَ لَهُمْ اپنی قوم کے لئے دعا کیجئے، اور بعض الفاظ میں وارد ہوا ہے اسْتَسْقِ اللَّهَ لِمُضَرَ فَإِنَّهَا قَدْ هَلَكَتْ قَالَ لِمُضَرَ إِنَّكَ لَجَرِيءٌ فَاسْتَسْقَى لَهُمْ فَسُقُوا، وسيأتى هذا اللفظ فى كتاب التفسير۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ شخص کعب بن مرہ ہے، لیکن ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ وہم ہے، اس لئے کہ کعب بن مرہ کا قصہ اگرچہ ابن ماجہ وغیرہ میں وارد ہوا ہے اور اس نے آپ سے قحط سالی کے رفع کی درخواست کی تھی مگر یہ کعب والا واقعہ سن ۲ھ کا ہے جب حضور اکرم ﷺ نے مضر کے لئے قحط کی بددعا کردی تھی اس وقت وہ بددعا ہٹانے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

يَارَسُولَ اللّٰهِ هَلَكَتْ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتْ السُّبُلُ: یہاں پر دو باتیں بیان کرنی ہیں۔

اول یہ کہ صحابۂ کرام نے کیوں سوال نہیں کیا کسی اور کے سوال کا انتظار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام کو حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہ کر توکل کا اعلیٰ مقام حاصل ہو چکا تھا لہٰذا انہوں نے سوال نہیں کیا، یا یہ کہئے کہ اصل میں حضرات صحابۂ کرام اس قسم کے امور میں خود منشأ نبوت کے مطابق چلتے تھے اپنی طرف سے کوئی پیش کش نہیں کیا کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ خطبہ کے بیچ میں ایک شخص نے کیسے سوال کیا؟ حالانکہ خطبہ کے بیچ میں بولنے کی گنجائش نہیں، اسکا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے کہ خطبہ کا سماع اور اس میں انصات واجب ہے یا سنت؟ امام شافعی علی المشہور سنت کہتے ہیں اور جو واجب کہتے ہیں ان میں سے حنابلہ کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت سوال وغیرہ کی گنجائش ہے اور یہی روایت وہ دلیل میں لاتے ہیں۔

اور جن حضرات کے یہاں اس مسئلہ میں بہت تنگی ہے جیسے مالکیہ وہ کہتے ہیں کہ امام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے اور قوم سے اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق کوئی سوال کرے تو قوم جواب دے سکتی ہے۔

حنفیہ صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں جواز دیتے ہیں ان لوگوں کے مسلک پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل میں دو ضرر ہیں ایک ضرر خاص اور دوسرا ضرر عام، ضرر خاص تو یہ ہے کہ انسان کا اپنا نقصان ہے خواہ مخواہ ایک چیز سے منع کیا گیا پھر بھی اس کو کر رہا ہے، اور ضرر عام یہ ہے کہ ساری دنیا قحط میں مبتلا ہو رہی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ضرر عام ضرر خاص پر مقدم ہوتا ہے لہٰذا اس کے اس سوال پر کوئی نکیر نہیں کی گئی، جب اس نے یہ درخواست کی اور یہ کہا وَانْقَطَعَتْ السُّبُلُ راستہ چلنے کے لئے سواری درکار، اگر آب وگیاہ نہ ہو تو سواریاں کہاں سے چل سکیں گی؟ اس لئے ظاہر ہے کہ قحط سالی میں سب کا راستہ چلنا بند ہو جائے گا۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا: آپ نے تین مرتبہ دعا کی، تکرار آدابِ دعا میں سے ہے اور یہ دل سے سوال کی علامت ہے۔

وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ: سَلْع بفتح السین وسکون اللام پہاڑ کا نام ہے، اور نہ ہمارے اور کوہ سلع کے درمیان کوئی بیت و دار تھا۔

فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ: کوہ سلع کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا بادل ڈھال جیسا نمودار ہوا اور جب بیچ میں پہونچا تو پھیل گیا اور پھر بارش ہوئی۔

مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا: ایک ہفتہ ہم کو سورج نظر نہیں آیا، حاشیہ کا نسخہ ہے مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ تصحیف ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کی بھی تصحیح کی جاسکتی ہے، جس نے سبتًا کہا اس نے پورا ہفتہ لے لیا اور اس دن کو بھی اس میں شمار کر لیا جس دن بارش کی ابتداء ہوئی اور جس دن بارش بند ہوئی، اور جس نے ستًّا کہہ دیا اس نے اختتام باراں اور ابتداء باراں کے دن کو ملا کر ذکر کر دیا۔

ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ: یہ داخل ہونے والا آدمی وہی خارجہ بن حصن ہے، اس نے اگلے جمعہ کو پھر کہا هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ اموال ہلاک ہوگئے اور راستے بند ہوگئے، اموال یعنی مویشی، اس لئے کہ بارش کی اتنی فراوانی ہو چکی ہے کہ چارا کھانے کی کوئی شکل نہیں رہی جہاں دیکھو وہاں پانی ہی پانی ہے کہاں جا کر چارہ چریں گے، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ راستے بند ہوگئے اِدھر دیکھو پانی اُدھر دیکھو پانی کدھر جائیں اور کیسے جائیں، نیز راستہ چلنے کے واسطے سواری درکار ہے اور سواریاں ہی گھاس وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے عاجز ہیں۔

فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ: دستِ کرامت اللہ کی بارگاہ کی طرف دراز کیا اور یہ دعاء کی اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اے اللہ اس بارش کو ہمارے اطراف میں نازل فرما، مسلم میں ہے حَوْلَنَا، حول اور حوال دونوں کے معنی ایک ہیں کنارہ کے، وَلَا عَلَيْنَا أي ولا تنزل علينا ہمارے اوپر نازل نہ فرما۔

اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ الخ: اے اللہ نازل فرما اس بارش کو ٹیلوں پر، پہاڑوں پر، نشیبی علاقوں پر اور وادیوں میں، آکام أکمة کی جمع ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ آکام جمع ہے إکام کی اور إکام جمع ہے أکمة کی، أکمة کہتے ہیں ٹیلہ کو، وَالْجِبَالِ پہاڑ، وَالظِّرَابِ ظَرِب یا ظَرْب کی جمع ہے جس کے معنی نشیبی جگہ کے ہیں، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ اور درختوں کے اگنے کی جگہ میں۔

قَالَ: لَا أَدْرِي: میں نے انسؓ سے پوچھا کہ یہ وہی آدمی تھا؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، لیکن ابو عوانہ کی روایت میں ہے حتى جاء ذلك الأعرابي في الجمعة الأخرى اس میں تعیین ہے کہ آنے والا وہی شخص تھا، اب یا تو یہ کہا جائے کہ حضرت انسؓ کو اولاً نسیان ہوا اور بعد میں تذکّر ہوا یا اس کا عکس ہوا۔

(ص ۱۳۸) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ

٩٩٩. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلاً دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ يُغِيثُنَا، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ أَغِثْنَا اللَّهُمَّ أَغِثْنَا اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، قَالَ أَنَسٌ: وَلَا وَاللهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةً وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ، قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ فَلَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذَلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ يُمْسِكْهَا عَنَّا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اللَّهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ، قَالَ: فَأَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ.

قَالَ شَرِيكٌ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ؟ فَقَالَ: مَا أَدْرِي.

ترجمہ: باب، جمعہ کے خطبہ میں استقبال قبلہ کئے بغیر استسقاء کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ ماقبل میں گزر چکا)۔

تشریح: اس باب سے حافظ ابن حجر کی رائے پر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر استسقاء کی ضرورت اتفاقاً جمعہ کے دن پڑ جائے تو خطبۂ استسقاء خطبۂ جمعہ میں اور صلوۃ استسقاء صلوۃ جمعہ میں مندرج ہو جائے گی، یعنی مستقل نہ صلوۃ استسقاء کی ضرورت ہے اور نہ خطبۂ استسقاء کی، اور ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے استسقاء کی بعض انواع کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

آگے مصنف نے غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ ارشاد فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ خطبۂ استسقاء میں اگر دعاء کی جائے گی تو مستقبل القبلہ ہو گی ہاں اگر خطبۂ جمعہ میں دعاء استسقاء ہو گی تو وہ غیر مستقبل القبلہ متوجہاً الی القوم ہو گی۔

كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ: دار القضاء وہ مکان کہلاتا ہے جو حضرت عمرؓ کے دین کی ادائیگی میں فروخت کیا گیا تھا، حضرت عمرؓ نے مختلف ضرورتوں میں بیت المال سے چھیاسی ہزار درہم قرض لیا تھا، وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبد اللہ بن عمرؓ کو بلا کر فرمایا تھا کہ میرے دین کی ادائیگی کا اہتمام کرنا اور میرا مکان فروخت کرکے ادا کر دینا اور اگر پورا نہ ہو تو بنو عدی سے مدد لینا، چنانچہ حضرت عمرؓ کا وہ مکان فروخت کیا گیا اس کو دار قضاء دین عمر کہا جانے لگا، اس کے بعد اختصاراً دار القضاء کہا جانے لگا۔

دار القضاء سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے دار الامارہ مراد ہے یہ غلط ہے، اور اس غلط فہمی کا منشاء ایک امر یہ ہوا کہ مروان بن ابی العاص جب امیر مدینہ بنا تو اس نے وہی مکان اپنے رہنے کے لئے منتخب کر لیا اس لئے اور بھی زیادہ اشتباہ ہو گیا۔

(ص ۱۳۸) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ

۱۰۰۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ قَحَطَ الْمَطَرُ فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَدَعَا فَمُطِرْنَا فَمَا كِدْنَا أَنْ نَصِلَ إِلَى مَنَازِلِنَا فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ قَالَ: فَقَامَ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ السَّحَابَ يَتَقَطَّعُ يَمِينًا وَشِمَالًا يُمْطَرُونَ وَلَا يُمْطَرُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ.

ترجمہ: باب، منبر پر استسقاء کرنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ گزر چکا، البتہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے)۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ پھر بے شک میں نے دیکھا کہ بادل کٹ کر دائیں اور بائیں منتشر ہونے لگا اور ان لوگوں پر بارش ہو رہی تھی اور اہل مدینہ پر بارش نہیں ہو رہی تھی۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ دعاءِ استسقاء منبر پر ہوگی یا زمین پر؟

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ منبر پر ہوگی، حنفیہ و مالکیہ کہتے ہیں کہ زمین پر کھڑے رہ کر خطبہ اور دعاء کی

جائے گی، امام بخاری نے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کر کے فریق اول کی تائید کی ہے اور دلیل یہ پیش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن منبر پر دعاءِ استسقاء کی، معلوم ہوا کہ منبر پر دعاءِ استسقاء میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مگر حنفیہ اور مالکیہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو ایک مخصوص شکل ہے کہ جمعہ کے دن یہ صورت حال پیش آگئی، لیکن اگر آدمی مصلیٰ میں جائے تو یہ کیا ضروری ہے کہ وہاں خطبہ منبر پر ہو، امام بخاری کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہاں منبر بنا ہوا ہو تو جیسے خطبۂ جمعہ منبر پر ہوتا ہے اور اس میں دعاءِ استسقاء کی جا سکتی ہے ایسے ہی خطبۂ استسقاء منبر پر کیا جا سکتا ہے اور دعاء کی جا سکتی ہے، اور اگر اتفاق سے کسی وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ میں گئے اور دعاءِ استسقاء کی گئی، وہاں آپ نے خطبۂ استسقاء منبر نہ ہونے کی وجہ سے زمین پر دے دیا تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ منبر پر خطبہ نہ دیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جواز اور عدم جواز کی بحث نہیں کرتے ہیں ہم تو اولویت کی بحث کرتے ہیں، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء کے لئے خاص طور پر نکلنے کی صورت میں زمین ہی پر خطبہ منقول ہے لہٰذا ہم اسی کو اولیٰ قرار دیتے ہیں۔

مگر امام ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِينَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء میں منبر لے جایا گیا تھا اور آپ اس پر بیٹھے، اب قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کیا صورت حال پیش آئی؟ اگر واقعۃً منبر نکالا گیا اور سرکار دوعالم نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا تو منبر پر خطبہ دینے والوں کی بات قوی معلوم ہوتی ہے اور اگر اس کا عکس ہوا ہے تو دوسرے فریق کا قول اقویٰ معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ روایت میں ہے کہ منبر مصلیٰ میں لے جایا گیا، لہٰذا انہیں لوگوں کی بات قوی ہے جو خطبہ علی المنبر کے قائل ہیں، حدیث کے پورے الفاظ ہیں عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قُحُوطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُونَ فِيهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِينَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَحَمِدَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِئْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ، الحدیث۔

(ص ۱۳۸) بَابُ مَنِ اكْتَفَى بِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

۱۰۰۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رسول الله ﷺ فَقَالَ: هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، فَدَعَا فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَقَامَ فَقَالَ: اللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کے استدلال کا بیان جو استسقاء میں نماز جمعہ کو کافی سمجھتے ہیں۔

(اس روایت کے آخری حصہ کا ترجمہ یہ ہے) پھر وہ شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ گھر منہدم ہو گئے اور راستے بند ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ! پہاڑوں کی چوٹیوں پر، ٹیلوں پر اور وادیوں کے نشیب میں اور درخت اگانے والی زمینوں پر برسے، چنانچہ بادل مدینہ سے اس طرح پھٹ گئے جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

تشریح: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر اتفاقاً دعاءِ استسقاء جمعہ کے دن کرنی پڑے توصلوۃِ استسقاء صلوۃِ جمعہ میں مندرج ہو جائے گی یعنی مستقل طور پر خطبہ وصلوۃِ استسقاء کی ضرورت نہیں۔

اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جنہوں نے روایۃ الباب سے اس بات پر استدلال کر دیا کہ استسقاء کے لئے صلوۃ نہیں اور حاصل استدلال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے استسقاء کے لئے مستقل نماز نہیں پڑھی بلکہ جمعہ کے خطبہ ہی میں آپ نے دعاءِ استسقاء کر دی، حاصل تردید یہ ہے کہ وہاں مستقل نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ خطبۂ استسقاء خطبۂ جمعہ میں مندرج ہو گیا اور صلوۃِ استسقاء صلوۃِ جمعہ میں مندرج ہو گئی۔

(ص ۱۳۸) بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا تَقَطَّعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ

۱۰۰۲. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ، فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَمُطِرُوا مِنْ جُمُعَةٍ إِلَى جُمُعَةٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

اَللّٰهُمَّ عَلَى رُؤُوسِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتْ، عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

ترجمہ: باب، بارش کی کثرت کی وجہ سے راستے بند ہو جائیں تو دعا کا بیان۔

تشریح: جیسے بارش نہ ہونے کی وجہ سے بارش کی دعاء کی جاسکتی ہے ایسے ہی کثرت باراں کی وجہ سے ضرر ہونے لگے تو بارش کے روکنے کی بھی دعاء کی جاسکتی ہے اور یہ اعراض عن رحمۃ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نہیں ہے، نیز بارش روکنے کی دعاء کرنے کے لئے باہر نکلنا اور جانا ضروری نہیں ہے بلکہ خطبۂ جمعہ میں دعاء کی جاسکتی ہے، فرض نمازوں کے بعد بھی دعاء کی جاسکتی ہے۔

(ص ۱۳۸) بَابُ مَا قِيلَ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم لَمْ يُحَوِّلْ رِدَاءَهُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۱۰۰۳. حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلاً شَكَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ هَلَاكَ الْمَالِ وَجَهْدَ الْعِيَالِ فَدَعَا اللهَ يَسْتَسْقِي وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَلَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

ترجمہ: باب، اس کا بیان کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن استسقاء میں تحویل رداء کا عمل نہیں کیا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے جانوروں کے مر جانے اور اہل وعیال کے مبتلائے تکلیف ہونے کی شکایت کی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کے لئے دعا کی اور اس روایت میں راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ نے چادر کو پلٹا اور نہ یہ ذکر کیا کہ آپ نے قبلے کی طرف رخ کیا۔

تشریح: آپ ﷺ نے جمعہ کے دن استسقاء کی دعاء کی تو تحویل رداء نہیں فرمائی تھی، هکذا قيل۔

سوال یہ ہے کہ روایت میں یہ مضمون صاف موجود ہے وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَلَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ تو مصنف نے مَا قِيلَ کیوں ارشاد فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ حَوَّلَ رِدَاءَهُ میں دو احتمال ہیں، (۱) ایک یہ کہ یہ تابعی کا مقولہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ حضرت انسؓ نے تحویل رداء کا ذکر نہیں کیا تب تو یہ حجت بن

سکتا ہے کہ حضرت انسؓ نے ساری بات ذکر کی اور تحویل رداء کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا کہ وہاں تحویل رداء نہیں ہوئی تھی، اگر ہوئی ہوتی تو جیسے پوری صورت ذکر کی یہ جزء بھی ذکر فرمادیتے، (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ نیچے کسی راوی کا مقولہ ہو تو پھر اس صورت میں عدمِ ذکر حجت نہیں ہو سکتا ہے اس لئے حضرت امام بخاری نے مَا قِيلَ کے ساتھ ترجمہ منعقد فرمایا۔

اب ترجمہ کی غرض سنو! شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس ترجمہ سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عدمِ تحویلِ رداء کی بھی اصل ہے، یعنی جو لوگ عدمِ تحویل کے قائل ہیں ان کے قول کی بھی دلیل احادیث میں موجود ہے اور وہ خطبۂ جمعہ میں بلا تحویل کے دعاءِ استسقاء کرنا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یوم الجمعۃ کی قید لگا کر اس بات پر تنبیہ کر دی ہے کہ عدمِ تحویل خطبۂ جمعہ کے ساتھ خاص ہے باقی اگر مستقل طور پر دعاءِ استسقاء کی جائے اور خطبہ دیا جائے تو وہاں پر تحویل ہوگی کیوں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے خطبۂ استسقاء میں تحویل فرمائی تھی، یہی بندہ کے نزدیک راجح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ: اس روایت پر یہ اشکال ہے کہ یہ ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے کیوں کہ اس میں خطبہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے آئندہ یہی روایت عنقریب ص ۱۴۰ پر بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتَّى يَتَحَادَرَ عَلَى لِحْيَتِهِ میں آرہی ہے اس میں یہ تصریح ہے يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ حضور منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔

(ص ۱۳۹) بَابُ إِذَا اسْتَشْفَعُوا إِلَى الْإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ

۱۰۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ، فَدَعَا اللهَ فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اللَّهُمَّ عَلَى ظُهُورِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ، فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ

الثَّوْبِ.

ترجمہ: باب، جب لوگ امام کو اس کام کے لئے شفیع بنائیں کہ وہ ان کے لئے بارش کی دعا کرے تو امام ان کی بات کو ردنہ کرے۔ (روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر قوم امام کی خدمت میں دعاءِ استسقاء کی درخواست لے کر جائیں تو امام کو منظور کرنا چاہئے، ان کی درخواست کو مسترد نہ کرنا چاہئے۔

یہاں امام بخاری نے دو ترجمے منعقد کئے ہیں، ایک ترجمہ ص ۱۳۷ پر باب سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الِاسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحِطُوا گزرا ہے، دوسرا یہ ترجمہ ہے بَاب إِذَا اسْتَشْفَعُوا إِلَى الْإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ، ان دونوں ترجموں کا مقصد الگ الگ ہے، ترجمۂ گزشتہ کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو استسقاء کی درخواست امام کے یہاں پیش کرنی چاہئے، اور اِس ترجمہ کا مقصود یہ ہے کہ اگر قوم درخواست پیش کرے تو امام کو منظور کر لینا چاہئے۔

(ص ۱۳۹) بَاب إِذَا اسْتَشْفَعَ الْمُشْرِكُونَ بِالْمُسْلِمِينَ عِنْدَ الْقَحْطِ

۱۰۰۵. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ وَالْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: أَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ: إِنَّ قُرَيْشًا أَبْطَؤُوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَتَّى هَلَكُوا فِيهَا وَأَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ، فَجَاءَهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ جِئْتَ تَأْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللَّهَ، فَقَرَأَ ﴿فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ ثُمَّ عَادُوا إِلَى كُفْرِهِمْ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ ٱلْبَطْشَةَ ٱلْكُبْرَىٰ﴾ يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ: وَزَادَ أَسْبَاطٌ عَنْ مَنْصُورٍ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسُقُوا الْغَيْثَ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا وَشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَانْحَدَرَتِ السَّحَابَةُ عَنْ رَأْسِهِ فَسُقُوا النَّاسُ حَوْلَهُمْ.

ترجمہ: باب، جب مشرکین قحط کے وقت خدا سے دعا کے لئے مسلمانوں کو شفیع بنائیں۔

(ترجمہ باب دعاء النبی ﷺ اجعلها سنین میں گزر چکا ہے، البتہ یہ اضافہ ہے)

اسباط نے منصور سے یہ اضافہ کیا کہ (ابوسفیان کی درخواست پر) حضور ﷺ نے ان کیلئے دعا کی تو انہیں بارش سے سیراب کیا گیا اور سات دن تک بارش ہوتی رہی اور لوگوں نے بارش کی زیادتی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! اب ہمارے اردگرد برسے ہم پر نہ برسے، چنانچہ اسی وقت بادل آپ کے سر سے سرک گیا اور اردگرد کے لوگوں پر برستا رہا۔

تشریح: اگر مشرکین بھی مسلمانوں کے ذریعہ سے قحط کے وقت میں شفاعت طلب کریں کہ بارش طلب کی جائے اور استسقاء کی دعاء کی جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

مصنف نے شرط ذکر فرمائی اور جواب شرط کو حذف کر دیا، ایسا کیوں کیا ہے؟ اس میں مختلف قول ہیں۔

(۱) مشہور قول یہ ہے کہ مصنف نے شرط ذکر فرما کر جواب شرط کو حدیث پر چھوڑ دیا، حدیث میں ہے کہ ہاں اگر مشرکین درخواست پیش کریں تو ان کی درخواست بھی منظور کی جا سکتی ہے، رسول پاک ﷺ کی خدمت میں ابوسفیان نے دعاءِ باراں کی درخواست پیش کی تھی تو آنحضور ﷺ نے منظور فرمالی تھی۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اصل میں مشرکین کی درخواست کرنے اور حضور کے دعاء کرنے میں کئی احتمالات پیدا ہوگئے ہیں اسلئے حضرت امام بخاری نے شرط تو ذکر کر دی اور جواب شرط کو حذف کر دیا، اور وہ احتمالات یہ ہیں، ۱۔ یہ احتمال پیدا ہو گیا کہ اگر پہلے سے امام نے بددعا کی ہے اور اس کی وجہ سے قحط سالی آئی ہے تب دعا کرے ورنہ نہیں، ۲۔ اگر امام حالات کے پیش نظر مناسب سمجھتا ہے تو دعاء کرے، ۳۔ ہاں دعاء کر دے کیا حرج کی بات ہے، ۴۔ بالکل دعاء نہ کرے، اس واسطے کہ حضور اکرم ﷺ کو تو مصلحت معلوم تھی کہ یہ دعاء کیا نتیجہ لائے گی اور دوسروں کو مصلحت معلوم نہیں، غرضکہ یہاں پر مختلف احتمالات پیدا ہوگئے ہیں اس لئے حضرت امام بخاری نے شرط ذکر کر دی اور جواب کو ذکر نہیں فرمایا۔

(۳) علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اگر امام کو توقع ہو کہ یہ دعاء ان کے حق میں مفید اور ہدایت کا ذریعہ ہوگی تو دعاء کرے ورنہ نہ کرے۔

(۴) بعضوں نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کا نفع ہو تو دعاء کرے ورنہ نہ کرے۔

(۵) علامہ زین بن منیر اس ترجمہ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو مستقلاً دعاءِ استسقاء کی اجازت نہیں دی جائے گی، اہل ذمہ کو منع کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں سے زین بن منیر نے منع کو اخذ کر لیا۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ غالباً لفظِ استشفاع سے اخذ کیا ہے، درخواست پیش کریں تو دعاء کی جائے، معلوم ہوا کہ ان کو مستقل دعاء کا حق نہیں بس امام کی خدمت میں درخواست پیش کر سکتے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ مشرکین مستقل دعاء کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حنابلہ نے اور ابن حبیب مالکی نے اور حنفیہ میں سے ابن ہمام نے تصریح کی ہے کہ مشرکین کو مستقل طور پر بغیر مسلمانوں کے دعاءِ استسقاء کی اجازت نہیں دی جائے گی اس لئے کہ اگر اتفاقاً بارش ہوگئی تو یہ گمراہی کا سبب بنے گی۔

اِستسقاء میں مشرکین کو ساتھ لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ (۱) مکحول کہتے ہیں لا بأس بإخراجهم، ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، (۲) جمہور علماء امام مالک، شافعی اور احمد فرماتے ہیں کہ ساتھ نہیں لے جانا چاہئے البتہ اگر وہ خود نکل کرکے آئیں تو ان کو منع نہیں کیا جائے گا، ہاں مسلمانوں کے ساتھ خلط ملط ہو کر دعاء نہیں کریں گے ایک طرف کو دعاء کریں گے، (۳) حنفیہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نکلنے کی بھی اجازت نہیں، نہ ان کو ساتھ لے جایا جائے گا اور اگر وہ نکلیں تو ان کو نکلنے بھی نہیں دیا جائے گا، چنانچہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ دعا ہوتی ہے استنزالِ رحمت کے لئے اور مشرکین تو مقت وعذاب کا سبب ہیں تو ان کے حضور سے رحمت کی توقع کیا کی جاسکتی ہے، (۴) اسحاق بن راہویہ اور ابن منذر کہتے ہیں لا یُمنعون ولا یُخرجون نہ ان کو منع کیا جائے گا اور نہ نکالا جائے گا، (۵) محقق ابن ہمام کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ نکلیں تو ان کو روکا نہ جائے، بہر حال وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں وہ بھی اللہ سے روزی مانگتے ہیں لہٰذا اگر وہ نکلتے ہیں تو کیوں روکا جائے گا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ وہی حدیث ہے جو ابھی قریب میں ص ۱۳۷ کے ناصیہ پر گزر چکی ہے اور روایتی حیثیت سے اس پر کلام کیا جاچکا ہے۔

وَزَادَ أَسْبَاطٌ عَنْ مَنْصُورٍ: یہ اسباط بن نصر ہیں اور ان کی یہ روایت ابو بکر جوزقی اور بیہقی نے موصولاً تخریج کی ہے۔

اس زیادتی پر علماء نے اشکال کیا ہے، علامہ داؤدی، ابو عبد الملک البونی، حافظ شرف الدین دمیاطی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ اسباط بن نصر کو غلطی ہوگئی انہوں نے اس قصہ کو جس کو حضرت

انسؓ نے نقل کیاہے اور جو غزوۂ تبوک کے بعد پیش آیا تھا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں داخل کردیا، حالانکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جو واقعہ نقل کرتے ہیں وہ مکہ مکرمہ کا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اسباط بن نصر کی روایت کو وہم قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ جو اسباط نقل کرتے ہیں وہی مضمون ابو معاویہ نے اعمش سے نقل کیاہے، چنانچہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں بطریق ابی معاویہ عن الاعمش یہی حدیث نقل کی ہے اس میں ہے کہ ابوسفیان نے آکر حضور ﷺ سے کہا استَسْقِ اللهَ لِمُضَرَ فَإِنَّهَا قَدْ هَلَكَتْ قَالَ لِمُضَرَ إِنَّكَ لَجَرِيءٌ فَاسْتَسْقَى لَهُمْ فَسُقُوا۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اسباط بن نصر کی روایت میں صرف دعاء اور اس کے بعد بارش ہو جانے ہی کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس میں آگے یہ بھی ہے فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا وَشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ قَالَ اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، الخ، اس میں اسباط بن نصر کا کوئی متابع نہیں ہے، اس لئے صحیح یہ ہے کہ اسباط بن نصر کی یہ روایت اوہام میں سے ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں خود اس روایت میں اس زیادتی کے منکر ہونے کا اعتراف کیاہے یعنی یہ زیادتی ابن مسعودؓ کی حدیث میں منکر ہے۔

(ص ۱۳۹) بَاب الدُّعَاءِ إِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا

۱۰۰۶. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ فَقَامَ النَّاسُ فَصَاحُوا فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ قَحَطَ الْمَطَرُ وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِينَا فَقَالَ: اللَّهُمَّ اسْقِنَا مَرَّتَيْنِ وَايْمُ اللهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً مِنْ سَحَابٍ فَنَشَأَتْ سَحَابَةٌ وَأَمْطَرَتْ وَنَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَصَلَّى فَلَمَّا انْصَرَفَ لَمْ تَزَلْ تُمْطِرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ صَاحُوا إِلَيْهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ يَحْبِسُهَا عَنَّا فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، فَكُشِطَتِ الْمَدِينَةُ فَجَعَلَتْ تُمْطِرُ حَوْلَهَا وَمَا تُمْطِرُ بِالْمَدِينَةِ قَطْرَةً فَنَظَرْتُ إِلَى الْمَدِينَةِ وَإِنَّهَا لَفِي مِثْلِ الْإِكْلِيلِ.

ترجمہ: باب، جب بارش زیادہ ہو جائے تو حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا (ہمارے ارد گرد برسے، ہم پر نہ برسے) کہہ کر

دعا مانگنے کا بیان۔　　　　(روایت کا ترجمہ گزر چکا ہے)۔

تشریح: اگر بارش کی کثرت ہو جائے تو یہ دعاء کی جائے اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اے اللہ ہمارے اطراف میں بارش نازل فرما ہم پر نازل نہ فرما، مطلب یہ ہے کہ بارش تو حق تعالیٰ کی رحمت ہے لہٰذا مطلقاً انقطاعِ رحمت کی دعاء نہ کرنی چاہئے بلکہ حسن ادب کے ساتھ اس طرح دعاء کرے کہ جس سے مقصود بھی حل ہو جائے اور اس رحمت سے اعراض کی شکل بھی معلوم نہ ہو اور وہ یہی ہے کہ حضور ﷺ نے جن الفاظ سے دعاء کی ہے ان الفاظ کو کہا جائے اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، أى اللّٰهم أنزل حوالينا ولا تنزل علينا۔

امام بخاری نے ایک ترجمہ یہ منعقد کیا ہے اور ایک ترجمہ ص ۱۳۸ پر منعقد کیا ہے بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا تَقَطَّعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ، بظاہر ان دونوں ترجموں میں تکرار ہے اسلئے کہ وہاں کثرت مطر کی وجہ سے راستے بند ہونے پر دعاء کو بتایا اور یہاں فرماتے ہیں کہ اگر کثرت مطر ہو تو اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا کے ساتھ دعاء کرے بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا کا اضافہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے وہاں یہ بتلایا تھا کہ کثرتِ باراں کے وقت انقطاع کی دعاء کی جاسکتی ہے اور یہاں دعاء کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں اور وہ الفاظ سکھلاتے ہیں جن سے دعاء کی جائے گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ کثرتِ باراں کے انقطاع کیلئے انہی الفاظِ ماثورہ کے ساتھ دعاء کرنی چاہئے اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالْآجَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ۔

وَإِنَّهَا لَفِي مِثْلِ الْإِكْلِيلِ: مدینہ ایسے معلوم ہوا جیسے تاج ہوتا ہے یعنی چاروں طرف سے بادل سفید حصہ گھیرے ہوئے تھے اور بیچ میں مدینہ منورہ، جیسے تاج سر کو چاروں طرف سے احاطہ کئے ہوتا ہے۔

(ص ۱۳۹) بَابُ الدُّعَاءِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ قَائِمًا

۱۰۰۷. وَقَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيُّ وَخَرَجَ مَعَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَزَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ فَاسْتَسْقَى فَقَامَ بِهِمْ عَلَى رِجْلَيْهِ عَلَى غَيْرِ مِنْبَرٍ فَاسْتَغْفَرَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ.

قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: وَرَأَى عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ النَّبِيَّ ﷺ.

۱۰۰۸. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ أَنَّ عَمَّهُ - وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ - أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي لَهُمْ فَقَامَ فَدَعَا اللهَ قَائِمًا ثُمَّ تَوَجَّهَ قِبَلَ الْقِبْلَةِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ فَأُسْقُوا.

ترجمہ: باب، استسقاء میں کھڑے ہو کر دعا کرنے کا بیان۔

ابو اسحاق سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن یزید انصاریؓ آبادی سے باہر نکلے اور ان کے ساتھ براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ بھی نکلے پھر عبد اللہؓ نے بارش کے لئے دعا کی تو وہ منبر کے بغیر دونوں پاؤں پر کھڑے ہوئے اور بارش کی دعا کی پھر انہوں نے دو رکعت نماز پڑھائی جس میں قرأت کا جہر کیا اور نہ اذان کہی اور نہ اقامت، ابو اسحاق نے کہا کہ عبد اللہ بن یزیدؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے۔

عباد بن تمیم نے بیان کیا کہ ان کے چچا (عبد اللہ بن زیدؓ) نے جو نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے تھے ان کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے لئے لوگوں کو آبادی سے باہر لے کر نکلے، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کی، پھر آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے اپنی چادر کو پلٹ دیا، پھر بارش ہوئی۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے یہ بتلایا ہے کہ دعاء استسقاء کھڑے ہو کر کی جائے گی اس لئے کہ کھڑا ہونا تضرع کی حالت ہے اور مقصود یہ بھی ہے کہ لوگ دیکھ لیں تاکہ اقتداء کریں۔

خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيُّ: عبد اللہ بن یزیدؓ صغار صحابہ میں سے ہیں، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر جب سن ۶۴ھ میں بیعت کی گئی تو یہ ان کی طرف سے کوفہ کے امیر تھے۔

فَاسْتَسْقَى ثُمَّ صَلَّى: انہوں نے دعاءِ استسقاء کی اور نماز پڑھائی، معلوم ہوا کہ پہلے خطبہ ہوا اور اس کے بعد نماز ہوئی، اس مسئلہ میں اختلاف ہے، زہیر تو اس روایت میں تقدیم الاستسقاء علی الصلوۃ ذکر کرتے ہیں لیکن شعبہ اس کا عکس نقل کرتے ہیں، اب ابن منذر تو تقدیم خطبہ کے قائل ہو گئے اور جمہور علماء اس کے عکس کے قائل ہو گئے، کیوں کہ شعبہ زہیر سے اقویٰ ہیں اور شعبہ کی روایت امام مسلم نے تخریج فرمائی ہے۔

وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ: اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ نماز استسقاء میں نہ اذان ہے نہ اقامت۔

(ص ۱۳۹) بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

۱۰۰۹. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ يَدْعُو وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ.

ترجمہ: باب، استسقاء کی نماز میں قرأت میں جہر کرنے کا بیان۔

تشریح: صلوۃ استسقاء میں قرأت جہریہ ہوگی اور یہ مسئلہ اجماعی ہے لا خلاف فیہ۔

(ص ۱۳۹) بَابُ كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ

۱۰۱۰. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي قَالَ: فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو ثُمَّ حَوَّلَ رِدَاءَهُ ثُمَّ صَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ.

ترجمہ: باب، نبی کریم ﷺ نے استسقاء میں اپنی پشت کو لوگوں کی طرف کیسے موڑا۔

تشریح: مقصد کیفیتِ تحویل بیان کرنی ہے کہ امام لوگوں کی طرف پیٹھ کیسے کرے گا؟ لیکن سوال یہ ہے کہ روایت میں صرف تحویل کا ذکر ہے کیفیتِ تحویل کا ذکر نہیں پھر مصنف کا ترجمہ کیسے ثابت ہوا؟

یا تو یہ کہا جائے کہ روایت میں فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ دعاء کرتے ہوئے تحویل کی جائے گی، یا یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے سوالیہ ترجمہ منعقد کر دیا اور اس کا جواب روایتِ ترجمہ سے معلوم کر لیا جائے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے امام بخاری نے روایت مطلقہ ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ اختیار ہے آدمی جس طرح سے چاہے تحویل کر لے، لیکن حضور ﷺ کے خارجی احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے تحویل من جانب الیمین کی تھی لأنه كان يعجبه التيمن في شأنه كله۔

(ص ۱۳۹) بَابُ صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ رَكْعَتَيْنِ

۱۰۱۱. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ.

ترجمہ: باب، نماز استسقاء میں دو رکعت ہونے کا بیان۔

تشریح: نماز استسقاء دو رکعت ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ صلوۃ استسقاء میں تکبیرات زوائد ہیں یا نہیں؟ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عیدین کی طرح اس میں بھی تکبیرات زوائد ہیں، امام مالک اور قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس میں تکبیرات زوائد نہیں ہیں، امام محمد اور امام احمد سے اس مسئلہ میں دو دو روایتیں ہیں۔

مصنف نے صلوۃ الاستسقاء رکعتین ذکر کیا ہے تکبیرات زوائد کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک تکبیرات زوائد نہیں ہیں، اصل میں صحابہ کے آثار مختلف ہیں جنہوں نے تکبیرات زوائد کا قول اختیار کیا ہے انہوں نے آثار صحابہ کو سامنے رکھا ہے۔

(ص ۱۴۰) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْمُصَلَّى

۱۰۱۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ. قَالَ سُفْيَانُ: وَأَخْبَرَنِي الْمَسْعُودِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: جَعَلَ الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ.

تشریح: مقصد یہ ہے کہ دعاءِ استسقاء مصلیٰ یعنی عید گاہ میں کی جائے گی، مگر یہ سمجھ لو کہ امام بخاری نے پہلے ہی شروع میں وَخُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الِاسْتِسْقَاءِ منعقد کیا ہے اور دوسرا ترجمہ یہ منعقد کیا ہے، ان دونوں ترجموں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، پہلا ترجمہ تو عام ہے اور یہ ترجمہ خاص ہے۔

جَعَلَ الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ: اس سے تقلیب کی تفسیر معلوم ہوگئی کہ تقلیب بمعنی التحویل ہے۔

قال سفیان: سفیان بن عیینہ کا یہ مقولہ موصول بالاسناد السابق ہے۔

(ص ۱۴۰) بَابُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

۱۰۱۳. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ الأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى يُصَلِّي وَأَنَّهُ لَمَّا دَعَا - أَوْ أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ - اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: ابْنُ زَيْدٍ هَذَا مَازِنِيٌّ وَالأَوَّلُ كُوفِيٌّ هُوَ ابْنُ يَزِيدَ.

ترجمہ: باب، استقاء کی دعا میں استقبال قبلہ کا بیان۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ دعاءِ استسقاء میں قبلہ کا استقبال کیا جائے، امام بخاری نے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے جو استسقاء کیا ہے اس وقت لوگوں کی طرف توجہ تھی اس سے یہ نہ خیال کرے کہ دعاءِ استسقاء میں استقبال قبلہ مطلوب نہیں ہے کیوں کہ وہاں اصل خطبہ تھا اور خطبہ میں خطاب مقصود ہوتا ہے جس میں حاضرین کی طرف توجہ کی جاتی ہے، اور دعاءِ استسقاء میں دعاء مطلوب ہے کسی کو خطاب مقصود نہیں ہوتا ہے اور آداب دعاء میں روبقبلہ ہونا ہے، اور نبی اکرم ﷺ سے دعاءِ استسقاء روبقبلہ ثابت ہے اس لئے جب خطبہ استسقاء ہوگا اور دعاء ہوگی تو روبقبلہ ہوگی۔

اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ قبلہ کا استقبال ہوگا لیکن کب استقبال ہوگا؟

امام شافعی، امام احمد اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اثنائے خطبہ میں استقبال کیا جائے گا، اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ فراغ کے بعد اور یہی مالکیہ کا اصح قول ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ هَذَا مَازِنِيٌّ وَالأَوَّلُ كُوفِيٌّ هُوَ ابْنُ يَزِيدَ: امام بخاری یہ بتا رہے ہیں کہ راویِ حدیث عبد اللہ بن زید مازنی؛ عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ ہیں اور اول کوفی ہیں، اول سے مراد وہ صحابی ہیں جن کا تذکرہ باب الدعاء فی الإستسقاء قائمًا میں گزرا ہے یعنی عبد اللہ بن یزید انصاریؓ۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری کو یہ تفریق وہیں بیان کرنی چاہئے تھی کیوں کہ وہیں دونوں صحابی کا تذکرہ ہے عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ کا بھی اور عبد اللہ بن یزید انصاریؓ کا بھی۔

(ص ۱۴۰) بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

۱۰۱٤. قَالَ أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ مِنْ أَهْلِ الْبَدْوِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَتِ الْمَاشِيَةُ هَلَكَ الْعِيَالُ هَلَكَ النَّاسُ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ يَدْعُو وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ مَعَهُ يَدْعُونَ، قَالَ: فَمَا خَرَجْنَا مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى مُطِرْنَا فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ حَتَّى كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْأُخْرَى فَأَتَى الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ بَشِقَ الْمُسَافِرُ وَمُنِعَ الطَّرِيقُ، بَشِقَ أَيْ مَلَّ

۱۰۱۵. وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَشَرِيكٍ قَالَا: سَمِعْنَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

ترجمہ: باب، استسقاء میں امام کے ساتھ لوگوں کے ہاتھ اٹھانے کا بیان۔

بَشِقَ کا ترجمہ ہے مَلَّ، یعنی دل تنگ اور عاجز ہونا، اور ایک دوسری سند سے حضرت انسؓ سے یہ اضافہ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھایا کہ ہم نے آپ کے دونوں بغل کی سفیدی کو دیکھا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے اور وہ یہ کہ دعاءِ استسقاء میں پہلے امام ہاتھ اٹھائے گا اور پھر قوم بھی ہاتھ اٹھائے گی، حافظ ابن حجر نے ابن بطال سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے اس سے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دعاءِ استسقاء میں صرف امام کی دعاء پر اکتفاء کیا جائے گا۔

بَشِقَ الْمُسَافِرُ: یہ لفظ قدیم زمانہ سے محل اشکال بنا ہوا ہے، خطابی کہتے ہیں کہ بَشِقَ اصل میں لَثِقَ ہے لام اور ثاء مثلثہ سے، کہا جاتا ہے لثق الطریق جب راستہ میں کیچڑ ہو جائے اور لثق الثوب جب کپڑا بارش کی وجہ سے تر ہو جائے چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ وارد بھی ہوا ہے، خطابی کہتے ہیں کہ اور ہو سکتا ہے یہ مَشِقَ ہو میم کے ساتھ، کہا جاتا ہے مَشِقَ الطریق جب راستہ میں پھسلن ہو جائے، اور ممکن ہے کہ اصل میں مشق کا لفظ ہی تھا لیکن سننے والے کو غلطی ہو گئی اور اس نے بَشِقَ سن لیا۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ بَشِقَ کے کچھ بھی معنی نہیں، لیکن مطلقاً بَشِقَ کے لفظ نہ ہونے کا فیصلہ صحیح نہیں ہے

اس لئے کہ بعض اہل لغت نے لکھا ہے بَشِقَ أي تأخر ولم يتقدم، اس صورت میں بَشِقَ الْمُسَافِرُ کے معنی یہ ہوں گے کہ مسافر کم ہمت اور کمزور ہو گیا آگے بڑھنے کی اس میں مقدرت اور استطاعت نہیں رہی۔

بخاری شریف کے بعض نسخوں میں بَشِقَ کی تفسیر مَلَّ سے کی گئی ہے چنانچہ ہمارے نسخہ میں یہ تفسیر موجود ہے یعنی اکتا گیا، صاحب قاموس نے اس کے کئی معانی نقل کئے ہیں جن میں سے دو معانی تو وہی نقل کئے ہیں جو ابھی بیان کئے گئے اور تیسرے معنی عجز عن السفر لكثرة المطر كعجز الباشق عن الطيران نقل کئے جیسے باز اڑنے سے عاجز ہو جاتا ہے ایسے ہی آدمی سفر سے عاجز ہو گیا۔

(ص ۱۴۰) بَابُ رَفْعِ الْإِمَامِ يَدَهُ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

۱۰۱۶. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الِاسْتِسْقَاءِ، وَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ.

ترجمہ: باب، استسقاء میں امام کا اپنے ہاتھ کو اٹھانے کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اپنی کسی دعا میں اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا کرتے تھے اور یہ کہ آپ استسقاء میں اتنا اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔

تشریح: مصنف نے ابھی ترجمہ منعقد کیا تھا رَفْعُ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ اور یہاں رَفْعِ الْإِمَامِ يَدَهُ فِي الِاسْتِسْقَاءِ کا ترجمہ منعقد کر دیا، بظاہر یہ تکرار ہے، اسلئے کہ ترجمۂ گزشتہ میں امام کے ساتھ لوگوں کے رفع یدین پر امام کا رفع یدین کرنا معلوم ہو گیا تو پھر اس کو دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

(۱) علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ اصل میں باب گزشتہ میں تو یہ بتلایا گیا کہ قوم تبعًا للامام رفع یدین کرے گی اور یہاں اصالۃً رفع امام کا تذکرہ کیا گیا ہے، (۲) ترجمۂ گزشتہ میں مطلقاً رفع یدین کو بیان کیا اور اِس ترجمہ کے ذریعہ رفع یدین کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ ہاتھ اچھی طرح اٹھائے جائیں گے حتی کہ بیاض ابطین نمودار ہونے لگے بغلیں ظاہر ہو جائیں، چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب ہاتھ اٹھائے تو اس طرح سے اٹھائے

کہ آپ کے بغل مبارک کی سفیدی نظر آنے لگی، (۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کو ذرا دوسرے الفاظ میں تعبیر کیا ہے کہ پہلے ترجمہ میں رفع یدین کو بیان کیا اور اِس ترجمہ میں مقدار رفع کو بیان فرمایا ہے۔

لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الِاسْتِسْقَاءِ بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف دعاء استسقاء میں رفع یدین کیا جائے گا چنانچہ امام مالک وغیرہ سے یہی نقل کیا گیا ہے۔

لیکن جمہور علماء ساری دعاؤں میں رفع یدین کے قائل ہیں اسلئے کہ روایات میں بکثرت دعاؤں میں رفع یدین کرنا وارد ہوا ہے، امام منذری نے مستقل طور پر ایک رسالہ ان احادیث کا جمع فرمایا ہے، امام نووی نے بھی شرح مہذب میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں، خود نووی شرح مسلم میں اور پھر حافظ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ امام نووی نے تیس روایتیں جمع کی ہیں لیکن یہ غلط ہے، پہلی غلطی امام نووی کو ہوئی اور پھر حافظ کو، کل سولہ روایتیں ہیں جو امام نووی نے شرح مہذب میں ذکر فرمائی ہیں اور دو اثر ذکر کئے ہیں ایک حضرت عمرؓ کا اور دوسرا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا، بہر حال اس سلسلہ میں روایتیں بہت ملتی ہیں۔

اس حدیث میں لَا يَرْفَعُ سے دعاء میں مخصوص رفع کی نفی ہے اور وہ ہے رفع بالغ یعنی مبالغہ کے ساتھ حضور ﷺ صرف دعاء استسقاء میں رفع یدین فرماتے تھے، دعاء استسقاء کے علاوہ باقی اور دعاؤں میں رفع بلیغ نہیں ہوا کرتا تھا بس ہاتھ مونڈھوں تک اٹھا کرتے تھے۔

(ص ۱۴۰) بَابُ مَا يُقَالُ إِذَا مَطَرَتْ

وقال ابن عباس: ﴿كَصَيِّبٍ﴾ المطر، وقال غيره: صاب وأصاب يصوب.

١٠١٧. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ: صَيِّبًا نَافِعًا. تَابَعَهُ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنْ نَافِعٍ.

ترجمہ: باب، جب بارش ہو تو کیا دعا کی جائے، ابن عباسؓ نے قرآن کے لفظ صَیِّب کا مطلب بتایا کہ اس سے مراد بارش ہے اور ان کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ لفظِ صَیِّب صاب یصوب اور أصاب یصیب کے مادہ سے مشتق ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ بارش کو دیکھتے تو یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! اس کو نفع پہنچانے والی بارش بنادے، قاسم بن یحیٰ نے اس حدیث کے عبید اللہ سے نقل کرنے میں محمد بن مقاتل کی متابعت کی ہے، اور اوزاعی اور عقیل نے اس کو نافع سے روایت کیا ہے۔

تشریح: جب بارش ہو تو کیا دعاء کرنی چاہیے؟ حدیث پاک سے معلوم ہو گیا کہ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا پڑھنا چاہیے اے اللہ اس بارش کو نفع بخش بنادے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَصَيِّبٍ، الْمَطَرُ: امام بخاری کی عادت ہے کہ جب حدیث میں کوئی ایسا لفظ آجائے جو قرآن کے لفظ کے مطابق ہو تو قرآن کے لفظ کی تفسیر و تشریح فرمانا شروع کر دیتے ہیں۔

یہاں بھی یہی کیا ہے اور یہی مراد ہے، حدیث میں صیّب کا لفظ آیا تھا اور قرآن پاک میں أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ وارد ہوا ہے لہذا مصنف نے تفسیر کر دی کہ صیّب سے مراد بارش ہے لیکن فرق یہ ہے کہ حدیث میں صیّب مطر خیر کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور آیت شریفہ میں صیّب احوال مکروہہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ بات نکل آئی کہ مطر نافع اور ضار کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ: صَابَ وَأَصَابَ يَصُوبُ: امام بخاری پر یہ اشکال کیا گیا کہ أَصاب کا مضارع تویصیب آتا ہے نہ کہ یصوب، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اصل میں یہ بتلایا ہے کہ مزید و مجرد ہم معنی ہیں، اور پھر مجرد کا مادہ بتانے کے واسطے فعل مضارع یصوب کو ذکر کر دیا، رہا مزید تو اس کا مضارع بتانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن ہم معنی قرار دینے میں تھوڑا سا اشکال ہے کیوں کہ صاب اور أصاب ہم معنی نہیں ہیں اس لئے بعض علماء یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہو گئی اصل میں یوں تھا صاب یصوب و أصاب۔

اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا: أی اللهم نسألک صيبا نافعا، أسئلک صيبا نافعا، اجعله صيبا نافعا، آپ نے نافع کا سوال اس لئے کیا کہ بارش کبھی نافع ہوتی ہے اور کبھی ضار، قرآن پاک سے معلوم ہو گیا کہ بارش ضار بھی ہوتی ہے لہذا حضور اکرم ﷺ نے اس کے نافع ہونے کی درخواست کی۔

تَابَعَهُ الْقَاسِمُ: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ قاسم بن یحیٰ کی روایت موصولاً مل نہیں سکی۔

وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنْ نَافِعٍ: یہاں رواہ: تابعہ کے معنی میں ہے، اوزاعی کی یہ روایت امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں ذکر کی ہے اور عقیل کی روایت دار قطنی نے، یہاں عبارت میں تفنن ہے۔

(ص ۱۴۰) بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتَّى يَتَحَادَرَ عَلَى لِحْيَتِهِ

۱۰۱۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: أَخْبَرَنَا الأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَبَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا أَنْ يَسْقِيَنَا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ وَمَا فِي السَّمَاءِ قَزَعَةٌ، قَالَ: فَثَارَ سَحَابٌ أَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ، قَالَ: فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذَلِكَ وَفِي الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِي يَلِيهِ إِلَى الْجُمُعَةِ الأُخْرَى فَقَامَ ذَلِكَ الأَعْرَابِيُّ أَوْ رَجُلٌ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا، قَالَ: فَمَا جَعَلَ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَاءِ إِلاَّ تَفَرَّجَتْ حَتَّى صَارَتِ الْمَدِينَةُ فِي مِثْلِ الْجَوْبَةِ حَتَّى سَالَ الْوَادِي - وَادِي قَنَاةَ - شَهْرًا، قَالَ: فَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلاَّ حَدَّثَ بِالْجَوْدِ.

ترجمہ: باب، جو بارش اپنے اوپر لے یہاں تک کہ پانی اس کی ڈاڑھی سے ٹپکنے لگے۔

تشریح: تَمَطَّرَ أی تعرَّضَ للمطر، اگر کوئی آدمی بارش کیلئے جسم سے اپنا کرتا اٹھادے تاکہ بارش اس کے بدن پر پڑے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگر بارش آئے تو تھوڑی سی بارش اپنے بدن پر لینا مستحب ہے حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے، مالکیہ کی کتابوں کی قلت کی وجہ سے مجھے یہ مسئلہ نہیں ملا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ان کا بھی یہی مسلک ہے، اور اس سلسلہ میں مسلم شریف میں خاص طور سے ایک روایت بھی وارد ہوئی ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں فَحَسَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَوْبَهُ حَتَّى أَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ وَقَالَ لِأَنَّهُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ تعالیٰ یہ بارش اپنے رب کے پاس سے ابھی ابھی آرہی ہے، حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ بارش میں چلتے ہوتے تو کبھی کبھی اس حدیث پر عمل کرنے کے واسطے آہستہ سے سر پر سے ٹوپی اتار لیتے کہ دیکھوں بارش کیسی ہو رہی ہے اور سمجھنے والے لوگ سمجھ جاتے کہ حدیث نبوی پر اس طرح عمل فرمارہے ہیں

اور جو نہیں سمجھتے وہ کیا جانیں۔

مگر حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ والی روایت کے بارے میں حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، غالبًا اس واسطے کہ اس سے اللہ تعالی کیلیے جہت کا ثبوت ہوتا ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ اللہ کے لئے جہت ہے یا نہیں؟ عام طور سے محدثین اس کے قائل ہیں حافظ ابن عبد البر وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور عثمان دارمی اور ابن خزیمہ وغیرہ اس کا اثبات کرتے ہیں، متکلمین قاطبۃً اس کا انکار کرتے ہیں اور یہی عام طور سے اشاعرہ کا مسلک ہے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص سے اللہ کے لئے جہت کا ثبوت ہوتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شانہ ہماری عقول سے اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے وراء الوراء ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اس نے خود فرمادیا ہے تو بس ہم کو یہ چاہئے کہ نصوص میں جتنا آیا ہے اس پر ایمان لائیں اپنی طرف سے جہت وغیرہ کی تصریح خواہ مخواہ کے لئے نہ کریں۔

سوال یہ ہے کہ اس روایت سے امام بخاری نے تَمَطَّرَ یعنی تعرّض لوقوع المطر کو کس طرح اخذ فرمایا ہے؟ حدیث پاک میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضور سرور عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے اوپر بارش پڑنے دی، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بارش کا آپ کی ڈاڑھی مبارک پر پڑنا بالقصد تھا اتفاقی نہیں تھا، اور یہ قصد اس طور پر اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بارش سے بچتے تو کیا ضرورت تھی کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک تک پانی آتا اور وہ آگے بڑھ کر ٹپکنے لگتا۔

فِي مِثْلِ الْجَوْبَةِ: حوض کی طرح سے ہوگیا، یعنی جیسے حوض متدیر ہوتا ہے اور چاروں طرف سے گھرا ہوا ہوتا ہے اس طرح کی شکل بن گئی۔

حَتَّى سَالَ الْوَادِي قَنَاةُ شَهْرًا: قناة: الْوَادِي سے بدل ہے، ایک ماہ تک وادیِ قناۃ بہتی رہی۔

فَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ: جو بھی کوئی کسی طرف سے آیا اس نے کثرتِ باراں کی خبر دی۔

(ص ۱۴۱) بَابٌ إِذَا هَبَّتِ الرِّيحُ

۱۰۱۹. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَتِ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ إِذَا هَبَّتْ عُرِفَ ذَلِكَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، جب ہوا تیز چلے تو کیا کرنا چاہیے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تھی تو اس کا اثر حضور ﷺ کے چہرے پر نمایاں ہوتا تھا۔

تشریح: قاعدہ ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو اس وقت ہوا چلا کرتی ہے لہذا امام بخاری نے ابواب استسقاء کے آخر میں ہبوب ریح کا ترجمہ منعقد کر کے یہ بتلادیا کہ اگر ہوا چلے تو آدمی کو کیا کرنا چاہیے؟ روایت سے معلوم ہو گیا کہ آدمی کو ایسے وقت میں خوش و خرم اور مطمئن نہ ہونا چاہیے ہو سکتا ہے خدا کی پناہ! کہیں وہ ہوا عذاب لیکر نہ آئی ہو، اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اصل میں ہوا دو قسم کی آتی ہے بعض بادل بارش لیکر چلتے ہیں اور بعض بغیر بارش کے، اسلئے امام بخاری نے یہ ترجمہ ابواب استسقاء میں منعقد فرمایا ہے، بہر حال ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ ایسے وقت میں آدمی کو مطمئن نہ بیٹھنا چاہیے خائف رہنا چاہیے۔

كَانَتِ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ: یہ عبدیت کاملہ تھی کہ ریح شدیدہ پر آنحضور ﷺ کے چہرۂ انور پر اثر رونما ہوتا تھا گھبراہٹ اور خوف طاری ہو جاتا تھا، معلوم ہوا کہ ہلکی ہوا سے آپ کو گھبراہٹ نہیں ہوتی تھی، اور واقعہ یہ ہے کہ تیز ہوا ضرر رساں ہوتی ہے اور یہی ہوا توڑ پھوڑ کیا کرتی ہے۔

(ص ۱۴۱) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم نُصِرْتُ بِالصَّبَا

۱۰۲۰. حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ.

ترجمہ: باب، حضور ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ پورب کی ہوا سے میری مدد کی گئی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پورب کی ہوا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو پچھم کی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر ہوا کے چلنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف نہیں ہوتا تھا اسلئے کہ نسیم سحر صبح کے وقت جو ہوا چلتی ہے اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کی گئی، گویا امام بخاری نے حدیث گزشتہ سے صبا کا استثناء کر دیا قالہ الزین بن المنیر۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت انسؓ کی حدیث كَانَتِ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ تو اپنے عموم پر محمول ہو اور نصر بالصبا کا واقعہ اسکے بعد واقع ہوا ہو، ابتداء تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب بھی تیز ہوا چلے خائف ہو جاتے تھے لیکن بعد میں اسی تیز ہوا کے ذریعہ آپ کی امداد کی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر تیز ہوا موجب خوف نہیں ہے بعض تیز ہوا مدد کا سبب بھی بنا کرتی ہے، زین بن منیر نے جو تقریر کی ہے وہ اقرب معلوم ہوتی ہے۔

(ص ۱۴۱) بَاب مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ

۱۰۲۱. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ - وَهُوَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ - حَتَّى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ.

۱۰۲۲. حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا، قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا، قَالَ: قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا، قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا، قَالَ: قَالَ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ: باب، زلزلوں اور دیگر نشانیوں اور علامات قیامت کے بارے میں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ علم دین کو نہ اٹھا لیا جائے اور زلزلے کثرت سے نہ آنے لگیں اور زمانہ قریب نہ ہو جائے اور فتنے غالب نہ آجائیں اور جب تک کہ ہرج کی کثرت نہ ہو جائے اور ہرج سے مراد قتل ہے یہاں تک کہ تمہارے درمیان مال کی کثرت ہو جائے گی اور وہ بہنے لگے گا۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں، (یعنی اس کے لئے بھی دعا فرمائیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! ہمارے شام میں اور

ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا اور ہمارے مجد میں، تو آپ نے فرمایا کہ وہاں زلزلوں کی کثرت ہوگی اور وہیں سے شیطان کا گروہ نمودار ہوگا۔

تشریح: صلوۃ استسقاء کے بیان کے بعد زلازل وآیات کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔

علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بارش کے بعد ہوائیں چلتی ہیں اور تیز ہواؤں کی وجہ سے انسان کو خوف طاری ہوتا ہے تو اب مصنف یہ بتلارہے ہیں کہ زلازل وآیات کے وقت اور زیادہ خائف ہونا چاہئے اور آدمی کو بہت احتیاط کرنی چاہئے، یا یہ کہ امام بخاری نے یہ باب اسلئے یہاں ذکر فرمایا ہے کہ بہت سی مرتبہ بارش کے بعد زلزلے بھی آیا کرتے ہیں۔

زلزلہ کے بعد نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ زلزلہ کے وقت کوئی نماز نہیں اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ زلزلہ کے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے، فریق اول کہتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے لیکن فریق ثانی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ بصرہ میں حضرت ابن عباسؓ نے زلزلہ آنے کے وقت نماز ادا فرمائی ہے وکفی بہ حجۃ، رواہ سعید بن منصور فی سننہ۔

دیگر آیات کے وقت نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ بعض صورتوں میں بعض حنابلہ قائل ہیں لیکن ان کا مشہور قول ومسلک یہ ہے کہ دیگر آیات کے نزول کے وقت نماز نہیں پڑھی جائے گی، حنفیہ فرماتے ہیں کہ جیسے زلزلہ کے وقت نماز پڑھی جائے گی دیگر آیات کے نزول کے وقت بھی نماز پڑھی جائے گی۔

امام بخاری کی رائے کیا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ میں امام شافعی ومالک کے ہم خیال ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ زلازل وآیات کے وقت نماز نہیں پڑھی جائے گی اسلئے کہ امام بخاری نے ترجمہ منعقد کیا ہے مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ کا، اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ نبی کریم ﷺ نے زلازل وآیات کا تذکرہ فرمایا مگر اس کے بعد نماز کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا کہ زلازل وآیات کے وقت نماز نہیں ہے، اگر نماز ہوتی تو آپ نے جیسے ان کا ذکر کیا تھا ویسے ہی یہ ذکر فرمادیتے کہ ان آیات کے نزول کے وقت نماز پڑھنا چاہئے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقْبَضَ الْعِلْمُ: علم کے اٹھانے کی کیا صورت ہوگی؟ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ

کی روایت میں بخاری و مسلم میں وارد ہوا ہے إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا۔

لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم کو صدور اور قلوب سے اٹھالیا جائے گا چنانچہ حضرت حذیفہؓ کی روایت ابن ماجہ میں باب ذهاب القرآن والعلم میں ذکر کی گئی ہے يَدْرُسُ الإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ اسلام ایسے مٹ جائے گا اور کہنہ ہو جائے گا جیسے کپڑے کے نقش و نگار کہنہ ہو جاتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں حَتّٰى لَا يُدْرٰى مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ یہ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ صیام وصدقہ اور صلوۃ کیا چیز ہے، وَلَيُسْرٰى عَلٰى كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقٰى فِي الأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ ایک رات کتاب اللہ پر ایسی آئے گی کہ اس کی کوئی آیت بھی باقی نہیں رہے گی۔

اسی طرح سے امام ابوالشیخ نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نزول عیسیٰؑ اور ان کی موت کے بعد مُقْعَد خلیفہ بنائے جائیں گے اور پھر جب مُقْعَد کی موت ہو جائے گی لم یأت علی الناس ثلاث سنین حتی یرفع القرآن من صدور الرجال ومصاحفهم، مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ اس دنیا میں رہیں گے اور پھر امر فرمائیں گے کہ مُقْعَد کو میرے بعد امیر بنایا جائے جب ان کی وفات ہو جائے گی تو تین سال بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ قرآن پاک صدور رجال اور مصاحف سے اٹھالیا جائے گا، مگر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت اور ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، اول امر میں تو یوں کتابوں سے نہیں اٹھالیا یا سینوں سے نکال لیا جائے گا لیکن جب آخری زمانہ آئے گا تو پھر اس وقت سینوں اور کتابوں سے بھی اٹھالیا جائے گا، اللہ کی پناہ!

وَيَتَقَارَبُ الزَّمَانُ: قرب زمان سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) زمانہ میں بے برکتی آجائے گی ذراسی دیر میں زمانہ گزر جائے گا جس کا واقع میں تجربہ ہورہا ہے،

(۲) حقیقۃً زمانہ میں قلت ہو جائے گی یعنی دن چھوٹے ہو جائیں گے، راتیں، ساعتیں اور گھڑیاں چھوٹی ہو جائیں گی، ایک روایت میں وارد ہوا ہے حَتّٰى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَكُونُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُونُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَيَكُونُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُونُ السَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ أو كما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مگر اس کا تعلق بے برکتی سے بھی ہو سکتا ہے اور حقیقۃً کم ہو جانے سے بھی ہو سکتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس

روایت کا تعلق بے برکتی ہی سے ہے، یعنی ایسی بے برکتی ہوگی کہ سال ایک ماہ جیسا ہو جائے گا اور ماہ ایک ہفتہ جیسا ہو جائے گا اور ہفتہ ایک دن جیسا ہو جائے گا اور ایک دن ایک ساعت جیسا ہو جائے گا اور ایک ساعت ایسی بن جائے گی جیسے تنکا آگ میں ڈالا اور جل کر فنا ہو گیا۔

(۳) زمان سے مراد زمان ساعت ہے یعنی قیامت قریب آجائے گی۔

(۴) تقارب زمان کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ایک ہی طرح کے ہو جائیں گے سارے کے سارے شر و فتنہ میں مبتلا ہوں گے کوئی کام کے قابل نہیں رہے گا إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً۔

(۵) مال کی فراوانی ہو جائے گی لوگ عیش و عشرت میں یکساں زندگی گزارنے لگیں گے اور اس کی وجہ سے یہ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ وقت کیسے گزر گیا، کسی نے کہا ہے ؎

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے
دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے

سبعہ معلقہ میں ہے کہ طرفہ عبدی کہتا ہے ؎

وتقصيرُ يوم الدَّجن والدَّجنُ مُعجِب ... ببهكنةٍ تحت الخباء المعَمد ❁

وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ: ہرج یعنی قتل کی تکثیر ہو جائے گی جیسے آج کل ہو رہا ہے۔

حَتَّى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ: تمہارے اندر مال کی فراوانی ہو جائے گی یہ بالکل آخری زمانہ میں ہو گا۔

هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ: وہاں تو زلازل و فتن ہوں گے، حضور ﷺ کی یہ بشارت عجیب و غریب ہے، آپ کی وفات کے بعد ارتداد کا ظہور نجد کے علاقہ میں ہوا اور بہت سے فتن کا ظہور مختلف ادوار میں ہوا نیز مدعیان نبوت ادھر ہی پیدا ہوئے، فتنۂ خوارج، فتنۂ تشیع، فتنۂ اعتزال سب ادھر ہی پیدا ہوئے، اور دجال کا فتنہ



وتقصير: قصرت الشيء: جعلته قصيراً. والدجن: إلباس الغيم آفاق السماء. والبهكنة: المرأة الحسنة الخلق، السمينة الناعمة، والمعمد: المرفوع بالعمد.

يقول: والخصلة الثالثة: أن أقصر يوم الغيم بالتمتع بامرأة ناعمة حسنة الخلق، تحت بيت مرفوع بالعمد. جعل الخصلة الثالثة استمتاعه بخبائه. وشرط تقصير اليوم؛ لأن أوقات اللهو والطرب أفضل الأوقات. ومنه قول الشاعر:

شهور يقضين وما شعرنا ... بأنصاف لهن ولا سرار

وقوله "والدجن معجب" أي يعجب الإنسان.

بھی مدینہ کے اعتبار سے مشرق کی جانب سے ہوگا۔

وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ: وہاں قرن شیطان کا ظہور ہوگا، قرن الشیطان سے مراد اس کی جماعت اور اس کے ہم نوا لوگ ہیں۔

(ص ۱۴۱) بَاب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ

قال ابن عباس: شكركم.

١٠٢٣. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.

ترجمہ: باب، اللہ عزوجل کے قول ﴿وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ (اور تم نے اپنا رزق اور اپنی غذا اسی چیز کو بنا رکھا ہے کہ تم جھٹلاتے ہو) کی تفسیر کا بیان، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رِزْقَكُمْ سے مراد شُكْرَكُمْ ہے۔

(روایت کا ترجمہ بخاری ص ۱۱۷ پر باب يستقبل الإمام الناس إذا سلّم میں گزر چکا)۔

تشریح: مصنف نے ابواب استسقاء کے آخر میں اس آیت کا ترجمہ کیوں قائم کیا؟

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ کی تفسیر استسقاء بالانواء کے ساتھ ذکر کی گئی ہے لہذا مصنف نے اس کو ابواب استسقاء میں ذکر کرکے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہ بارش عطا فرمائے تو اس بارش کو اللہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام مسلم نے بطریق ابی زمیل حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بارش ہوئی اور اس کے بعد حضرت زید بن خالدؓ کی حدیث میں جو مضمون ہے اسی

طرح کا مضمون ذکر کیا اور اس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد آیت ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾ سے ﴿تُكَذِّبُونَ﴾ تک نزول ہوا، اس سے اس ترجمہ کے یہاں ذکر کرنے اور حضرت زید بن خالدؓ کی حدیث کو اس کے تحت لانے کی مناسبت ظاہر ہوگئی۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شُكْرَكُمْ: یا تو یہ رزقکم کی تفسیر ہے، یا یہ کہا جائے کہ ابن عباسؓ کی قرأت ہی یہی ہے، چنانچہ سعید بن منصور نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام علی حذف المضاف ہو أی وتجعلون شکر رزقکم۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: یہ حدیث متفق علیہ ہے، امام بخاری نے جیسے اس کی تخریج فرمائی ہے اور پہلے ص۱۱۷ پر یہ روایت گزر چکی ہے ویسے امام مسلم نے کتاب الایمان میں اس کی تخریج کی ہے۔

عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ: أی علی إثر مطر، بارش کے بعد آنحضور ﷺ نے صبح کی نماز ادا فرمائی۔

قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ: یہ حدیث احادیث الٰہیہ میں سے ہے اور اس کو احادیث قدسیہ اور احادیث ربانیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، احادیث قدسیہ، الٰہیہ، ربانیہ وہ احادیث کہلاتی ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ روایت عن الرب کی تصریح فرماتے ہیں اگرچہ دوسری احادیث بھی بمقتضائے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ بعض لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض لوگ کفر کرتے ہیں، وہ کون ہیں؟ ان کی آگے تعیین آرہی ہے فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ جو یہ کہے کہ ہم پر اللہ کی رحمت سے بارش ہوئی وہ تو اللہ پر ایمان رکھنے والا ہے اور کوکب کے ساتھ کفر کرنے والا ہے یعنی کوکب کو اس میں دخیل نہیں مانتا ہے، وَأَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ اور جو یہ کہے کہ فلاں فلاں نوء اور نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ شانہ کا کفر کرتا ہے اور کواکب پر ایمان لاتا ہے، حضور ﷺ نے مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا کہنے کو کفر قرار دیا اور ایسا کہنے والے کو کافر باللہ قرار دیا۔

اس کفر سے مراد کفر حقیقی ہے یا کفر نعمت؟ اس میں دونوں ہی قول ہیں، مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد کفر حقیقی ہے، پھر آیا اس کے کہنے کی وجہ سے آدمی کافر ہو جائیگا؟ اس میں تفصیل ہے۔

اگر کہنے والا یہ اعتقاد کرکے کہتا ہے کہ یہ بارش انواء اور نچھتر کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور یہی اس کے اندر مؤثر ہیں تب تو یہ اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ حقیقۃً کفر کرنے والا ہے اور دین وایمان سے خارج ہوگیا کہ حق تعالیٰ کے تصرف کو غیر کی طرف منسوب کردیا، اور اگر اس کو علامت سمجھتا ہے حقیقی مؤثر اور خالق اللہ تعالیٰ شانہ کو مانتا ہے تو پھر اس صورت میں یہ شخص کافر نہیں ہوگا لیکن یہ قول چونکہ کفر کا ہے اور بعض صورتوں میں کفر تک جاتا ہے اسلئے ایسا کہنا مکروہ ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ کفر سے مراد حقیقی کفر نہ ہو بلکہ کفر نعمت ہو یعنی مطلب یہ ہے کہ یہ بڑی ناشکری ہے کہ باری تعالیٰ شانہ کے فعل کو غیر کی طرف منسوب کیا گیا گو علامت ہی کے طور پر ہو، بہر حال یہ قول کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔

نوء کی تعریف: نوء کہتے ہیں لغت میں سقوط کو، کہا جاتا ہے ناءَ النجم أی سقط، اسی طرح نَاءَ طَلَعَ کے معنٰی میں بھی آتا ہے، اٹھائیس کواکب ہیں جو منازل قمر کے ساتھ مشہور ہیں، پورے سال میں ہر تیرہ دن میں ایک غروب ہوتا ہے اور ایک طلوع ہوتا ہے، اہل جاہلیت کا عقیدہ یہ تھا کہ بارش وغیرہ کا تعلق انہیں انواء اور ستاروں کے طلوع وغروب اور انہی نچھتروں سے ہے، اسلام نے اس کا ابطال کردیا۔

یہ عقیدہ جاہلوں میں اب بھی ہے، دیہاتوں میں کہتے ہیں کہ اس نچھتر کی طرف سے آج بارش اور بادل نمودار ہورہا ہے بارش خوب ہوگی اور ادھر ہورہا ہے کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہوتی، یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں۔

(ص ۱۴۱) بَابٌ لَا يَدْرِي مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ إِلَّا اللهُ

وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ: خمس لا يعلمهن إلا الله.

١٠٢٤. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ لَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُونُ فِي غَدٍ، وَلَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْحَامِ، وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ وَمَا يَدْرِي أَحَدٌ مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ.

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی، حضرت ابوہریرہؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا، کوئی نہیں جانتا کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ خود وہ آدمی کل کیا کرے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں انتقال کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی؟

تشریح: امام بخاری نے ترجمۂ گزشتہ کے بعد یہ ترجمہ اسلئے ذکر فرمایا ہے کہ ترجمۂ گزشتہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارش حق تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کی تاثیر سے رونما ہوتی ہے کواکب کا اس میں کوئی اثر نہیں ہے، لہٰذا اب اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ ہو اسلئے مصنف نے اس ترجمہ سے یہ بتلادیا کہ کسی کو بارش آنے کا پتہ ہی نہیں لہٰذا انواء و نچھتر وغیرہ کے ذریعہ سے کچھ بھی معلوم نہیں کیا جاسکتا ہے اور یوں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ بارش کب آئے گی؟

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اصل میں چونکہ حدیث بالا کے مطلب میں اختلاف تھا بعض کہتے ہیں کہ اگر انواء کو مؤثر مانا جائے تو ناجائز اور اگر مؤثر نہیں مانا جاتا ہے علامت سمجھا جاتا ہے تو پھر مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا کہنے کی گنجائش ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ ہر حال میں ایسا کہنا جائز نہیں اس واسطے کہ لَا يَدْرِي مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ إِلَّا اللهُ، اللہ کے علاوہ بارش کا وقت کسی کو معلوم نہیں تو پھر خواہ نچھتر کو علامت بنا کر کے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے بارش ہوئی ہے اسلئے کہ اگر ان کو علامت ہی مانا جائے تو مطلب یہ نکلے گا کہ گویا فلاں وقت بارش ہو ہی جائے گی اور اس علامت کے ذریعہ بارش کا پتہ ہی چلتا ہے۔

مگر اس میں تھوڑا سا اشکال یہ ہے کہ یہ تو ہے کہ جہاں علامت ہوگی وہاں ذوالعلامۃ کا ضرور تحقق ہوگا مگر یہ ضروری نہیں کہ جہاں علامت مفقود ہو جائے وہاں ذوالعلامۃ بھی مفقود ہو جائے، اب اگر انواء کو بارش کی علامت مان لیا جائے تو یقیناً بارش کا تحقق اس کے ضمن میں معلوم ہونا متعین ہو جاتا ہے ہاں یہ ضروری نہیں کہ اگر انواء کا ظہور نہ ہو تو بارش بھی نہ آئے۔

لیکن امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کو کسی بھی علامت کے طور پر کہنے کی گنجائش نہیں اسلئے کہ اگر علامت مان لے تو مطلب یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے بارش کا وقت معلوم ہوتا ہے حالانکہ بارش کا وقت سوائے اللہ کے

کسی کو معلوم نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: مبتدعین کا یہ کہنا ہے کہ ابتداءً تو سرکار دوعالم ﷺ کو ان امور خمسہ کا پتہ نہیں تھا لیکن بعد میں آپ کو اس کا علم دے دیا گیا، مگر اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی مستند دلیل ان کے پاس موجود نہیں ہے بس ایسی روایات ان کے پاس ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ایسی ایسی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں جن کتابوں کا کچھ اتہ پتہ نہیں ہے۔

ابواب استسقاء پورے ہوئے

(ص ۱۴۱) أَبْوَابُ الْكُسُوف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کسوف اور خسوف دو الفاظ ہیں، ان دونوں کا اطلاق پوری روشنی یا کچھ روشنی کے ختم ہونے پر ہوتا ہے، لیث بن المظفر کہتے ہیں کہ کسوف کا اطلاق ذہابِ بعض ضوء پر اور خسوف کا اطلاق ذہابِ کل ضوء پر ہوتا ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ کسوف سیاہی وظلمت اور خسوف ذلت کے لئے بولا جاتا ہے، یہ دونوں کلمے مجرد سے معروف ومجہول اور باب انفعال سے شمس وقمر دونوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں، امام بخاری نے ان کے استعمال کے لئے آئندہ ایک باب هَلْ يَقُولُ كَسَفَتْ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ منعقد کیا ہے وہاں اس کے متعلق تقریر آئے گی۔

(ص ۱۴۱) بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

۱۰۴۰. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النبيِّ ﷺ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ رسول الله ﷺ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْنَا فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ حَتَّى انْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ.

۱۰۴۱. حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ قال: أخبرنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَقُومُوا فَصَلُّوا.

۱۰۴۲. حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ

عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لاَ يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا.

١٠٤٣. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلاَقَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لاَ يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوا وَادْعُوا اللهَ.

ترجمہ: باب، سورج گرہن میں نماز کی مشروعیت کا بیان۔

حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ آفتاب گرہن میں آ گیا تو رسول اللہ ﷺ اپنی چادر کو کھینچتے ہوئے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے تو ہم بھی داخل ہوئے پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی یہاں تک کہ آفتاب کی روشنی بحال ہو گئی پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن میں نہیں آتے اور جب تم ان میں گرہن کو دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعائیں کرو یہاں تک کہ جو صورت پیش آئی ہے وہ ختم ہو جائے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند انسانوں میں سے کسی کی موت کے سبب گرہن میں نہیں آتے لیکن یہ دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں پھر جب تم ان کو گرہن میں دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے تھے کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے کی وجہ سے یا کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے گرہن میں نہیں آتے لیکن یہ دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں تو جب تم ان کو گرہن میں دیکھو تو نماز پڑھو۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابراہیم کی وفات والے دن سورج گرہن میں آ گیا تو لوگوں نے کہا ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج گرہن میں آیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت کی وجہ سے یا کسی کی پیدائش کی وجہ سے گرہن میں نہیں آتے اس لئے جب تم گرہن دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعائیں کرو۔

تشریح: نماز کسوف کب پڑھی گئی اور کسوف کس وقت واقع ہوا؟

کسوف کے وقوع میں ابن حبان اور ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سن ٦ھ میں ہوا ہے اور حضور ﷺ نے اس

وقت صلوۃ کسوف ادا کی ہے، ملا علی قاری نے ابن حبان سے سن ۵ھ نقل کر دیا یہ وہم ہے، ابن حبان نے سن ۵ھ میں خسوف قمر کو ذکر کیا ہے اور صاحبِ حاشیۂ باجوریہ نے یہ لکھا ہے کہ سن ۲ھ میں کسوف واقع ہوا۔

کسوف ہجرت کے بعد کتنی بار واقع ہوا ہے؟ امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، بیہقی اور ابن عبدالبر وغیرہ حضرات کا خیال ہے کہ ہجرت کے بعد صرف ایک ہی مرتبہ کسوف ہوا ہے اور آپ ﷺ نے ایک ہی بار سن ۶ھ میں نماز کسوف ادا فرمائی ہے، قاضی سلیمان منصور پوری نے سن ۲ھ، سن ۳ھ، سن ۷ھ، سن ۱۰ھ میں ایک ایک اور سن ۵ھ، سن ۹ھ میں دو دو کسوف ذکر کئے ہیں۔

نماز کسوف کا کیا حکم ہے؟ کئی اقوال ہیں، (۱) جمہور علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے، (۲) حنفیہ کہتے ہیں کہ سنت غیر مؤکدہ ہے، (۳) ابو عوانہ محدث کہتے ہیں کہ واجب ہے، ابوزید دبوسی حنفی نے اسرار میں اسی کو اختیار کیا ہے، صاحبِ بدائع اسی کو راجح کہتے ہیں، (۴) امام مالک سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ نماز کسوف جمعہ جیسی ہے، (۵) بعض کہتے ہیں کہ فرض کفایہ ہے۔

امام بخاری نے حکم کی کوئی تصریح نہیں کی لیکن ان کے اصول پر صلوۃ کسوف واجب ہونا چاہئے اسلئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ یہ امر ہے اور بخاری نے تصریح کی ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے الا یہ کہ کوئی خاص دلیل ایسی ہو جس سے وجوب کی نفی ہوتی ہو۔

نماز کسوف کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ (۱) حنفیہ کہتے ہیں کہ دو رکعت نفل کی طرح ہے اور ہر رکعت میں ایک رکوع ہے، (۲) ائمۂ ثلاثہ اور ظاہریہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ دو رکوع کے ساتھ پڑھی جائے گی، (۳) بعض علماء فرماتے ہیں کہ تین رکوع کے ساتھ پڑھی جائے گی یہ قول قتادہ اور عطاء سے منقول ہے، (۴) طاؤس اور حبیب بن ابی ثابت سے منقول ہے کہ چار رکوع سے پڑھی جائے گی، یہی امام احمد نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔

اسی سے شمس الائمہ سرخسی کے قول کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ جن روایات میں تین تین یا چار رکوع کا تذکرہ ہے وہ روایتیں بالاجماع متروک العمل ہیں، تردید اس طرح سے ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ چار رکوع کے قائل ہیں اور حضرت علیؓ کے بعد طاؤس اور حبیب بن ابی ثابت بھی اس کے قائل ہیں، امام ابوداود نے ابی بن

کعب سے نقل کیا ہے کہ پانچ رکوع ہے اور یہی ابن جریر اور بزار نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔

محدثین کی ایک جماعت ابن جریر، ابن منذر، ابن خزیمہ اور ابو بکر صبغی کہتے ہیں کہ سب صورتیں جائز ہیں، لیکن امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام بیہقی اور ابن عبد البر وغیرہ کہتے ہیں کہ صرف دوسری صورت ثابت ہے اور اس کے علاوہ تین چار پانچ رکوع کی روایات یا تو موقوف ہیں یا رواۃ کے اوہام ہیں، گو بعض شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ایک رکوع سے نماز پڑھے گا تو نماز کسوف ادا ہی نہیں ہوگی۔

جو لوگ کسی بھی صورت کے جواز کے قائل ہیں وہ کسی نہ کسی روایت سے استدلال کرتے ہیں، یہاں سب سے زیادہ معرکۃ الآراء بات ائمۂ اربعہ کا اختلاف ہے، ائمۂ اربعہ میں حنفیہ ایک طرف ہیں جو ایک رکوع کے قائل ہیں اور باقی حضرات دو رکوع کے قائل ہیں۔

امام بخاری نے اس باب میں ابو بکرہؓ کی حدیث نقل کی ہے جس میں فَصَلَّی بِنَا رَکْعَتَیْنِ وارد ہوا ہے جس سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے اسی طرح احناف نے بہت سی روایات پیش کی ہے جس میں صلی رکعتین بالاجمال وارد ہوا ہے جیسے سمرہ بن جندبؓ، عبد الرحمن بن سمرہؓ وغیرہ بہت سے صحابہ سے منقول ہے۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ روایات مجمل ہیں اور جن روایات میں تعددِ رکوع وارد ہوا ہے وہ مفصل ہیں والمفصل قاض علی المجمل۔

حنفیہ کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری اس فن کے سب سے بڑے ماہر یا بڑے زبردست ماہرین میں شمار کئے جاتے ہیں، انہوں نے بَاب الصَّلَاةِ فِي کُسُوفِ الشَّمْسِ میں ابو بکرہؓ کی روایت ذکر کی ہے جس میں صَلَّی بِنَا رَکْعَتَیْنِ کے علاوہ کچھ بھی نہیں، اسی لئے ہمارے حضرت شیخ فرماتے تھے کہ بظاہر امام بخاری تعددِ رکوع کے قائل نہیں، لیکن حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک اصل تو تعددِ رکوع ہے اور ویسے اگر کوئی دو رکعت نفل کی ہیئت پر پڑھ لے تو یہ بھی کافی ہو جائے گا یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

باب کا مقصد: ہمارا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے صرف صلوۃ کسوف کو ثابت کیا ہے اس کی ہیئت وصفت کا اثبات مقصود نہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں چار صحابہ ابو بکرہؓ، ابو مسعودؓ، ابن عمرؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ان چاروں میں سے صرف ابو بکرہؓ کی

روایت میں صَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ آیا ہے اس کے علاوہ کسی کی روایت میں یہ لفظ نہیں ہے سب کی روایات میں بالاشتراک یہ مضمون ہے فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا وَادْعُوا جب تم کسوف دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو، اگر امام بخاری کا مقصود اس سے کیفیتِ صلوۃ کا اثبات ہوتا تو وہ ایسی روایات پیش کرتے جس میں کیفیت کا تذکرہ ہوتا، اسلئے سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس کی کیفیت آئندہ آنے والے باب درباب الصَّدَقَةُ فِي الْكُسُوفِ کا جو ترجمہ آرہا ہے اس کی حدیث سے چونکہ صدقہ کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا تھا اسلئے تنبیہ علی الفائدہ کے طور پر صدقہ کا ترجمہ منعقد کر دیا ورنہ اصلاً اس میں کیفیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

اور جن روایتوں میں کوئی تعیین نہیں ہے جیسا کہ میں نے بتایا وہ مبہم ہیں یا مجمل ہیں اور جن میں تفصیل ہے وہ مفسر ہیں، اور یہ قاعدہ ہے المفسر قاض على المبهم والمفصل قاض على المجمل جب مجمل اور مفسر یا مبہم اور مفصل کا مقابلہ ہو جائے تو ایسی صورت میں مفسر و مفصل کو معمول بہا بنایا جائے گا کیوں کہ اجمال میں احتمال ہے اور ظاہر ہے کہ جب بیان اور اجمال میں تعارض ہو تو بیان کو اجمال پر مقدم کیا جائے گا۔

احناف نے تعددِ رکوع کی احادیث کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

(۱) علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ تعدد کی روایات میں اضطراب ہے اور اضطراب قادح فی الصحۃ ہے اور وہ متروک العمل ہیں، علامہ کا یہ جواب اگر کسی اور عالم کے منھ اور قلم سے نکلتا تو کوئی تعجب خیز نہ ہوتا ان سے تعجب ہے وہ تو فنِ اصول کے ماہر ہیں ان کو یہ معلوم ہے کہ اضطراب کس وقت قادح ہوتا ہے؟ جب وجوہِ اضطراب میں مساوات ہو جتنے طرق سے باتیں نقل کی گئی ہیں سب کا درجہ ایک ہو، اور اگر بعض اقویٰ اور بعض غیر اقویٰ ہوں تو اقویٰ کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔

(۲) وحدتِ رکوع کی روایات اصول نافلہ کے مطابق ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ جن میں تعددِ رکوع ہے وہ ان نمازوں کے موافق ہیں جو خصوصی شان رکھتی ہیں جیسے نماز عید میں زائد تکبیرات ہیں اور کوئی ان کا انکار نہیں کرتا اس لئے کہ وہ ایک خصوصیت رکھتی ہے ایسے ہی صلوۃ الکسوف کا مسئلہ بھی ہونا چاہئے۔

(۳) یہاں پر فعلی روایات میں تعارض ہے کسی میں دو، کسی میں تین، کسی میں چار اور کسی میں پانچ رکوع کا ذکر ہے، ایسے وقت میں اب یہی دیکھا جائے گا کہ قانون کے مطابق کیا ہے؟ ہم وہ روایات مطابق قانون پاتے ہیں جن میں تعدد نہیں ہے کیوں کہ وہ نوافل کے قانون کے مطابق ہے اس لئے اس کو ترجیح ہوگی، لیکن یہاں

وہی بات کہی جائے گی کہ یہ تعارض مخل و مضر نہیں ہے، ابھی معلوم ہو چکا کہ محدثین کی ایک جماعت سب صورتوں کو جائز کہتی ہے پھر تعارض ہی کیا ہوا؟ یہ تو ایسے ہی ہو گیا جیسے صلوۃ اللیل ہے آدمی چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار یا چھ یا آٹھ پڑھے اس لئے کہ احادیث سے سب میں توسع ثابت ہے۔

(۴) یہاں پر دو قسم کی روایات ہیں قولی اور فعلی، فعلی تو وہ روایات ہیں جس میں نماز کسوف کی مختلف صورتیں نقل کی گئی ہیں اور قولی حدیث سے مراد وہ حدیثیں ہیں جس میں وارد ہے فَصَلُّوا كَأَحْدَثِ صَلَاةٍ صَلَّيْتُمُوهَا، فعلی روایتوں میں تعارض ہے اور قولی روایت تعارض سے خالی ہے لہذا اس کو ترجیح ہو گی اور كَأَحْدَثِ صَلَاةٍ سے صلوۃ فجر مراد ہے اور صلوۃ فجر ایک رکوع سے پڑھی جاتی ہے، امام ابن حبان نے اس کا جواب دیا کہ كَأَحْدَثِ صَلَاةٍ صَلَّيْتُمُوهَا سے یہی صلوۃ کسوف مراد ہے یعنی آئندہ جب کبھی یہ صورت پیش آجائے تو اس وقت جو سب سے قریبی نماز پڑھی گئی یعنی صلوۃ الکسوف اسی طرح کی نماز تم آئندہ پڑھنا۔

(۵) فخر الدین زیلعی نے ایک جواب دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ و عائشہؓ اپنی مرویات کے خلاف کہتے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ تعدد کی روایتیں ثابت نہیں یا متروک العمل ہیں، لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، حضرت ابن عباسؓ سے تو بدو رکوع نماز پڑھنا منقول ہے رواہ الشافعي و ابن أبي شيبة۔

(۶) نبی اکرم ﷺ نے اس لئے سر اٹھایا تھا تا کہ یہ دیکھیں کہ سورج صاف ہو گیا یا صاف نہیں ہوا، مگر یہ جواب مشکل ہے اسلئے کہ مدینہ کا قبلہ جانب جنوب میں ہے اور مغرب یمین پر ہے اور مشرق یسار پر ہے، کسوف کا قصہ زوال سے پہلے پیش آیا تھا تو سورج جانبِ مشرق میں تھا اور مشرق کی طرف حضور ﷺ کے ازواج کے حجرات تھے تو سر اٹھا کر یہ کیسے پتہ چلتا کہ آیا سورج صاف ہو گیا یا نہیں؟ ادھر تو دیوار کھڑی تھی، مزید یہ ہے کہ نبی کے فعل کو تشریع پر حمل کرنے کے بجائے غیر تشریع پر حمل کرنا بالکل بے معنیٰ سی بات ہے۔

(۷) ایک اور جواب دیا ہے کہ اصل میں صحابہ نے اکتا کر سر اٹھا لیا تھا اور خیال کیا کہ شاید حضور نے سر اٹھا لیا ہو گا، یہ عجیب و غریب جواب ہے، وہ صحابہ جو اپنی جان کی سوغات پیش کرتے تھے جو حضور کے ساتھ جنگوں میں جاتے اور اپنے کو پیش کر دیتے تھے بھلا وہ رکوع کے طول سے اکتا کر بغیر آواز نبی کے سر اٹھالیں گے؟ ایسا ہوتا تو پیچھے کی صفیں سر اٹھاتیں آگے کی صفیں رکوع میں ہوتی اور پیچھے والی صفیں بھی فوراً رکوع میں چلی جاتیں، حالانکہ روایات سے تفصیلاً معلوم ہے کہ رکوع کیا سر اٹھایا پھر ایک لمبی قرأت کی پھر رکوع کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جتنے بھی جوابات ہیں کوئی بھی قدح سے خالی نہیں سب الفاظِ حدیث سے مصادم ہیں۔

(۸) ایک جواب بعض علماء سے منقول ہے کہ یہ رکوعِ آیات تھا رکوع الصلوۃ نہیں تھا، یہ جواب صاحب بدائع نے نقل کیا ہے، رکوعِ آیات کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کسوف پڑھ رہے تھے تو آیات کا ظہور ہو رہا تھا اسکی وجہ سے حضرت نبی اکرم ﷺ کبھی کبھی رکوع میں چلے جاتے تھے، اگر یہ جواب دل کو لگتا ہے تو کوئی تسلی کر لے لیکن صحابی تو اس کو رکوع الصلوۃ کے طور پر نقل کر رہے ہیں اور آپ اس کو رکوع الآیات بتلا رہے ہیں، غور کرنے کی بات ہے کہ یہاں آپ کی بات اور تاویل کو مانا جائے یا صحابی کے بیان کو۔

حَتّٰی انْجَلَتِ الشَّمْسُ: اگر دورانِ نماز سورج صاف ہو جائے تو کیا کیا جائے؟ جمہور فرماتے ہیں کہ جو نماز کی مشروع کیفیت ہے اس طرح پڑھ لیا جائے، مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر پہلی رکعت پوری ہو گئی پھر تو علی ہیئتہا پڑھی جائے اور اگر پہلی رکعت پوری نہیں ہوئی رکوع سے پہلے سورج صاف ہو گیا تو اس میں مالکیہ کے دو قول ہیں ایک علی ہیئتھا و صفتھا المسنونہ پڑھی جائے اور دوسرے قول پر نفل کے طور پر پڑھی جائے اور اگر نماز سے فراغت ہو گئی اور سورج صاف نہیں ہوا تو نماز کا تکرار نہیں ہے بلکہ دعاء میں مصروف ہو جائیں گے۔

عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ: اس سند سے امام مسلم پر رد ہوتا ہے انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ کہیں بھی قیس بن ابی حازم کا ابو مسعودؓ سے سماع مصرح نہیں ہے۔

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ: جب سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو کسوف شمس ہوا، لوگ کہنے لگے کَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ اس پر نبی اکرم ﷺ نے ان کے عقیدے کی اصلاح کے لئے خطبہ دیا اور فرمایا کہ شمس و قمر آیات اللہ میں سے ہیں کسی کے موت و حیات کی وجہ سے ان میں کسوف نہیں آتا بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں ان کو منکسف کر دیتے ہیں اور جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَقُومُوا فَصَلُّوا، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کسوف کا کوئی مقرر وقت نہیں اس لئے کہ اس کو رؤیت پر معلق کیا گیا ہے اور وہ ہر وقت ممکن النظر ہے یہی امام شافعی کا مسلک ہے، حنفیہ، حنابلہ وقتِ کراہت کا استثناء کرتے ہیں اور مالکیہ کہتے ہیں وقتھا وقت حل النافلة إلی الزوال۔

يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ: واقدی اور ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ ان کی ولادت ذی الحجہ سن ۸ھ میں اور وفات سن ۱۰ھ میں ہوئی ہے۔

(ص ۱۴۲) بَاب الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوفِ

۱۰۴۴. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ ثمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجودَ، ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الأخرى مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الركعة الأُولَى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لاَ يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا ثُمَّ قَالَ: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا.

ترجمہ: باب، گرہن کے موقع پر صدقہ کرنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی چنانچہ نماز میں پہلے قیام فرمایا پھر رکوع کیا تو طویل رکوع کیا پھر قیام فرمایا تو قیام کو طول دیا اور یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا پھر رکوع کیا تو رکوع کو طول دیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر سجدہ کیا اور سجدے کو طول دیا پھر دوسری رکعت میں بالکل اسی طرح عمل کیا جو پہلی رکعت میں کیا تھا پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج صاف ہو چکا تھا، پھر آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں اور یہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے پر گرہن میں نہیں آتے اس لئے جب تم گرہن دیکھو تو اللہ سے دعائیں کرو اور اس کی کبریائی کا اعتراف کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ خیرات کرو پھر فرمایا کہ اے محمد کی امت! میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اللہ سے زیادہ کوئی اس سلسلے میں غیرت والا نہیں ہے کہ اس کا بندہ یا اس کی بندی زنا میں مبتلا ہو، اور اے اُمت محمد! بخدا اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ رویا کرتے۔

تشریح: امام بخاری نے پہلے صلوۃ کسوف کا تذکرہ کرکے بَاب الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوفِ کو ذکر فرمایا ہے کیوں کہ صلوۃ وزکوۃ حق بدنی اور حق مالی ہیں لہٰذا پہلے بدنی عبادت کا اور پھر مالی عبادت کا تذکرہ فرمایا۔

کسوف کے وقت میں صدقہ دینا مستحبات میں سے ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ یہ طرز مسلمانوں نے چھوڑ

دیا اور کافروں نے اس کو اپنا لیا، چنانچہ دیکھو جب کسوف شمس ہوتا ہے تو کافر اور ہندو دان دیتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، لیکن مسلمان کو اگر کہا جائے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا، میں سچ کہتا ہوں کہ بچپن میں ہم ہندوؤں کو دیتے ہوئے دیکھتے تھے تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہندوؤں کا مسلک ہے اسلئے کہ مسلمان دیتے ہی نہیں تھے لوگ جانتے ہی نہیں تھے کہ مسلمانوں کے یہاں بھی یہی بات ہے حالانکہ اصل تو مسلمانوں کی یہ چیز تھی۔

فَأَطَالَ الرُّكُوعَ: جو لوگ تعددِ رکوع کے قائل ہیں ان کے یہاں دو مسئلوں میں اختلاف ہو رہا ہے، اول یہ کہ رکوعِ اول کے بعد قیامِ ثانی میں فاتحہ اور قرأت ہوگی یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ آیا کونسا رکوع اصل ہے اور کونسا رکوع تابع ہے؟ پہلے مسئلہ میں قائلینِ تعددِ رکوعین یہ فرماتے ہیں کہ قیامِ ثانی میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی لیکن محمد بن مسلمہ مالکی فرماتے ہیں کہ قیامِ ثانی میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔

دوسرے مسئلہ میں شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ رکوعِ اول اصل ہے لہذا اگر کوئی رکوعِ ثانی میں شریک ہوا ہے تو وہ مدرکِ رکعت نہیں کہلائے گا، مالکیہ فرماتے ہیں کہ رکوعِ اول سنت ہے اور رکوعِ ثانی اصل ہے لہذا اگر کوئی آدمی ثانی میں شریک ہو گیا تو وہ مدرکِ رکعت کہلائے گا۔

(ص ۱۴۲) بَابُ النِّدَاءِ بِ"الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ" فِي الْكُسُوفِ

۱۰۴۵. حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الْحَبَشِيُّ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نُودِيَ أَنِ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ.

ترجمہ: باب، نماز کسوف کے موقع پر الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ کے اعلان کا بیان۔

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ کا اعلان کیا گیا۔

تشریح: صلاۃ کسوف کی اطلاع کیلئے الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ کے ساتھ اعلان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہی شافعی، احمد اور حنفیہ کا مسلک ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ کلام مالکیہ میں مجھے اس کے

متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔

أَنِ الصَّلَاةَ جَامِعَةً: الصلاة منصوب علی الاغراء ہے اور جامعة حال ہے، أی احضروا الصلاة حال کونها جامعة، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ أنِ الصلاةُ جامعةٌ میں صلاة؛ أنّ کا اسم ہو اور جامعة اس کی خبر ہو، لیکن یہ بعید سا معلوم ہوتا ہے، أنْ تفسیریہ ہے اور الصلاة جامعة مبتدا اور خبر بن سکتا ہے۔

(ص ۱۴۲) بَاب خُطْبَةِ الْإِمَامِ فِي الْكُسُوفِ

وقالت عائشة وأسماء: خطب النبي ﷺ.

١٠٤٦. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ (ح) وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قال حَدَّثَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ قال فَصَفَّ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَكَبَّرَ فَاقْتَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قِرَاءَةً طَوِيلَةً ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَامَ وَلَمْ يَسْجُدْ وَقَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً هِيَ أَدْنَى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُولَى ثُمَّ كَبَّرَ وَرَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا هُوَ أَدْنَى مِنَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَالَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذَلِكَ فَاسْتَكْمَلَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَانْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ ثُمَّ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ. وَكَانَ يُحَدِّثُ كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِمِثْلِ حَدِيثِ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ إِنَّ أَخَاكَ يَوْمَ خَسَفَتْ الشمس بِالْمَدِينَةِ لَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ قَالَ أَجَلْ لِأَنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ.

ترجمہ: باب، کسوف کے موقع پر امام کے خطبہ کا بیان، حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیا۔ (روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: صلوۃ کسوف میں خطبہ ہوگا یا نہیں؟

حضرت امام شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابن منذر، ابن جریر طبری اور اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ خطبہ ہوگا، امام مالک اور امام احمد وغیرہ انکار کرتے ہیں، حنفیہ کا مشہور قول تو انکار ہی ہے لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ نماز کے بعد خطبہ دیا جائے گا یہی فتاویٰ خلاصہ اور فتاویٰ قاضی خان میں بھی مذکور ہے۔

امام بخاری نے قول اول کی تائید کی ہے اور دلیل یہ ذکر کی ہے کہ حضور پاک ﷺ کے زمانہ میں جب کسوف واقع ہوا تو آپ نے صلوۃ کسوف ادا فرما کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ۔

لیکن جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خطبِ عامہ میں سے تھا جو ایک وقتی ضرورت کی وجہ سے دیا تھا، چونکہ اہل جاہلیت کے قلوب میں یہ بات رچی اور بسی ہوئی تھی کہ کسوف اور خسوف کا ظہور کسی بڑی ہونے والی بات کی خبر ہے، یا تو کسی شخص کی موت کی علامت ہے یا کسی بڑے شخص کی پیدائش کی خبر ہوتی ہے لہذا آنحضور ﷺ نے اس کا ابطال کیا، مزید براں صحیح ابن حبان وغیرہ کی روایت میں ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو لوگوں کی زبان پر یہ آگیا كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ موت ابراہیم کی وجہ سے انکساف ہوا آپ نے ان کے سوءِ عقیدہ کا ابطال فرمایا۔

اگر آج کی دنیا کا کوئی سیاسی شخص ہوتا تو اگر اس کی تردید نہ کرتا تو کم از کم خاموش ہی رہتا کہ ہاں اگر لوگ ایسا سمجھتے ہیں تو سمجھنے دیں اسلئے کہ سیاست دانوں اور اہل اقتدار کا قاعدہ ہے کہ جو چیز بھی اپنے لئے فائدہ مند ہو اور جس سے اپنا نفع ہو سکتا ہو اس کو ہونے دیں اور اگر کوئی چیز بلا ارادہ ہو جائے تو کم از کم اس کی تاویل کر لیتے ہیں، مگر حضرت نبی امی ﷺ کو چونکہ ایک ابدی قرآن اور برہان دے کر بھیجا گیا تھا اور یہ بتلانے ہی کے لئے بھیجا گیا تھا کہ خالق و مخلوق کا ضابطہ بالکل ہی الگ الگ ہے، خالق کا حق ربوبیت ہے اور بندہ کا حق عبودیت ہے، بندہ کی سطح خالق کے ساتھ ملی ہوئی نہیں ہے بندہ چاہے کتنا ہی عالیشان اور رفیع المقام ہو جائے وہ بندہ ہی رہتا ہے، نیز بندہ کے حق میں غلو کرنا حد سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے اس لئے آپ نے اپنے بیٹے کے بارے میں اس بات کو بھی گوارا نہیں کیا اور صاف فرما دیا إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ۔

لیکن مصنف محقق اور خطبہ کے قائلین یہ کہتے ہیں کہ جب سرکار نے خطبہ دیا تو ہمیں اس کی لِمَ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم آپ کی اقتداء میں اسی نوع کا خطبہ دے دیں گے اور وہی لفظ کہہ دیں گے هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خطبہ کے مثبتین کی حجت قوی ہے اور ان کا پنجہ مضبوط ہے والحق أحق أن يتبع ويقال۔

قَالَ أَجَلْ لِأَنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ: ہاں بات تو یہی ہے کہ انہوں نے دو رکعت پڑھی مگر جو دو پر اضافہ نہیں کیا یعنی صرف دو ہی رکوع کئے یہ انہوں نے سنت سے ہٹ کر نماز پڑھی تو خطاء واقع ہوگئی۔

عبد اللہ بن زبیرؓ نے جو عمل کیا وہ تو حنفیہ کے مطابق ہے مگر عروہ اس کا رد کر رہے ہیں، اشکال یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ صحابی ہیں اور عروہ تابعی ہیں تو عروہ کی تردید کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عروہ نے بذات خود اپنے اوپر اعتبار نہیں کیا بلکہ اپنی خالہ جان حضرت عائشہؓ کی روایت پر اعتماد کیا ہے اور اس میں چار رکوع کا ذکر ہے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اختلاف ہے، کسی میں دو رکوع کا ذکر ہے اور کسی میں تین رکوع کا لہذا حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا عمل اس پر مقدم ہونا چاہئے، مگر میرے نزدیک یہ تاویل کمزور معلوم ہوتی ہے، اول تو ان روایات کے طرق متساوی نہیں ہیں جن میں رکوعین کا تذکرہ ہے وہ ارجح ہیں، دو رکوع والی روایات متفق علیہ ہیں اور ثلاث رکوعات والی اس درجہ کی نہیں ہیں، بخاری نے ان میں سے ایک روایت کو بھی نہیں لیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اختلاف اس وقت مضر ہوتا ہے جہاں وجوہ اختلاف میں مساوات ہوتی ہے اور اگر احد الوجوہ ان میں مقدم اور اقویٰ ہو تو پھر اس صورت میں اختلاف مضر نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ جو اقویٰ ہوتا ہے اس کو ترجیح ہوتی ہے غیر اقویٰ پر واللہ تعالیٰ أعلم۔

اصل بات یہ ہے کہ عروہ نے اپنے علم کے اعتبار سے بات کہی ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت پر اعتماد کیا ہے اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے جو کچھ عمل کیا ہے وہ دوسرے صحابہ کی ظاہر روایات کو سامنے رکھ کر کے عمل فرمایا ہے، عبد اللہ بن زبیرؓ وفات نبوی کے وقت زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کے تھے نوعمر بچہ ہی تھے انہوں نے اس سلسلہ میں اگر کچھ مشاہدہ کیا بھی ہوگا تو بظاہر ان کو کچھ محفوظ نہ ہوگا اسلئے ظاہر یہ ہے کہ ان صحابہ ہی کی روایات پر اعتماد کیا ہوگا جو صلی رکعتین کا لفظ نقل کرتے ہیں۔

(ص ۱۴۲) بَابٌ هَلْ يَقُولُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ

وقال الله عز وجل: ﴿ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴾

۱۰۴۷. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ فَكَبَّرَ فَقَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَقَامَ كَمَا هُوَ، ثُمَّ قَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً وَهِيَ أَدْنَى مِنَ الْقِرَاءَةِ الأُولَى ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهِيَ أَدْنَى مِنَ الرَّكْعَةِ الأُولَى، ثُمَّ سَجَدَ سُجُودًا طَوِيلاً ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الآخِرَةِ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ سَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ: إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لاَ يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلاَ لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلاَةِ.

ترجمہ: باب، کیا آفتاب کیلئے لفظ کسوف استعمال کریں گے یا خسوف؟ اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ میں چاند کے لئے خسوف کا لفظ استعمال کیا۔

تشریح: امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ هَلْ ذکر کیا ہے جو تردد پر دلالت کرتا ہے، (۱) علامہ زین منیر فرماتے ہیں کہ مصنف کے نزدیک اس سلسلہ میں کوئی وجہ راجح ہو کر سامنے نہیں آئی کہ کسفت بالکاف کہا جائے یا خسفت بالخاء کہا جائے، (۲) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے مصنف نے زہری کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہو جو انہوں نے عروہ سے نقل کی ہے، عروہ نے فرمایا لاتقولوا کسفت الشمس ولکن قولوا خسفت، رواہ مسلم، امام بخاری نے کسوف کے لفظ کی روایت ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ کاف کے ساتھ شمس کیلئے استعمال کرنا روایات صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔

نیز امام بخاری نے آیت کریمہ ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ ذکر کر کے غالبًا اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ خسوف کا اطلاق قمر کے لئے کیا گیا ہے تو اس کے بالمقابل کسوف کا اطلاق شمس کے لئے ہونا چاہئے۔

فقہاء کے یہاں کاف سے شمس کے لئے اور خاء سے قمر کیلئے استعمال ہوتا ہے، جوہری کہتے ہیں کہ یہی افصح ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہی متعین ہے، لیکن بعضوں نے اس کا عکس کیا ہے، یعنی خاء کو شمس کے لئے اور کاف کو

قمر کے لئے استعمال کیا ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے امام بخاری نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

(۳) بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسوف اور خسوف دونوں کا استعمال شمس و قمر یعنی دونوں میں جائز ہے، علامہ عینی کا رجحان اسی طرف ہے اور حضرت شیخ بھی اسی طرف مائل ہیں۔

حاصل استدلال یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے تو ترجمہ منعقد فرمایا هَلْ يَقُولُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ کا اور پھر آیت ذکر کی ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ والی اور اس کے بعد روایتیں ذکر کیں جن میں کسوف و خسوف دونوں کو شمس و قمر دونوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے، تو مصنف نے یہ بتلادیا کہ آیت سے خسوف کا اطلاق قمر کیلئے اور روایت سے خسوف کا اطلاق شمس کیلئے ثابت ہے اسی طرح روایت سے کسوف کا اطلاق دونوں کیلئے ثابت ہے، معلوم ہو گیا کہ دونوں الفاظ دونوں کیلئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

قاضی ابن عربی اور منذری کہتے ہیں کہ حدیثِ کسوف کو حضور ﷺ سے انیس صحابہ روایت کرتے ہیں، ایک جماعت کاف کے ساتھ اور دوسری جماعت خاء کے ساتھ اور تیسری جماعت دونوں لفظوں کے ساتھ نقل کرتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں لفظوں کو دونوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن لغۃً دونوں کے معنی میں فرق ہے، کسوف کہتے ہیں تغییر الی السواد کو اور خسوف نقصان یا ذلت کو، ملا علی قاری نے بعض علماء سے مرقات میں نقل کیا ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ دونوں کے معنی میں لغۃً فرق ہے اور پھر وہ معنی بیان کئے ہیں جو ابھی ہم نے ذکر کئے ہیں، اس کے بعد بعضوں نے تو کسوف و خسوف میں یہ فرق کیا ہے کہ کسوف کا اطلاق ابتداءِ ظلمت پر اور خسوف کا اطلاق انتہاءِ ظلمت پر ہوتا ہے اور بعضوں نے اور بھی فرق بیان کئے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾: علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے یہ آیت ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ قمر کیلئے خسوف استعمال کیا جائے جیسا کہ قرآن میں ہے تو اب اولیٰ یہ ہے کہ شمس کے لئے کسوف کا لفظ استعمال کیا جائے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا

ہے کہ خسوف قمر کے ساتھ خاص ہے تو کسوف شمس کے ساتھ خاص ہونا چاہئے، یا یہ کہ آیت سے معلوم ہوا کہ قمر کو خسوف کے ساتھ متصف کر سکتے ہیں یعنی قمر پر جو حالت طاری ہوتی ہے اس پر خسوف کا اطلاق کیا جاتا ہے اور وہی حالت شمس پر بھی طاری ہوتی ہے لہذا شمس کی اس حالت کو بھی خسوف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

(ص ۱۴۳) بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ يُخَوِّفُ اللّٰهُ عِبَادَهُ بِالْكُسُوفِ

قاله أبو موسى عن النبي ﷺ.

١٠٤٨. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَكِنَّ اللهَ يُخَوِّفُ بِهِمَا عِبَادَهُ. لَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ الْوَارِثِ وَشُعْبَةُ وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يُونُسَ: يُخَوِّفُ اللهُ بِهَا عِبَادَهُ. وَتَابَعَهُ مُوسَى عَنْ مُبَارَكٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: يُخَوِّفُ اللهُ بِهِمَا عِبَادَهُ. وَتَابَعَهُ أَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ.

ترجمہ: باب، حضور پاک ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ اللہ تعالیٰ گرہن سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، یہ بات حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضور ﷺ سے نقل فرمائی ہے۔

حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں وہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن میں نہیں آتے لیکن اللہ تعالیٰ ان دونوں کو گرہن میں لا کر اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔

عبد الوارث، شعبہ، خالد بن عبد اللہ اور حماد بن سلمہ نے یونس سے يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهُ نقل نہیں کیا، اور موسیٰ نے مبارک سے اور انہوں نے حسن بصری سے اس روایت میں یونس کی متابعت کی ہے کہ حسن نے فرمایا مجھ سے ابو بکرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ فرمایا ہے اور اشعث نے حضرت حسن سے مبارک کی متابعت کی ہے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے کسوف کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کسوف شمس و قمر کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں، اس سے اہل ہیئت کے قول کی تردید ہوتی ہے ان کا یہ خیال ہے کہ کسوف و خسوف امور عادیہ میں سے ہے ان میں مطلقاً تقدم و تاخر نہیں ہوتا ہے، حاصل تردید یہ ہے کہ اگر یہ چیز امور عادیہ کے قبیل سے ہوتی تو اس سے تخویف حاصل نہ ہوتی اور یہ بمنزلہ مد و جزر کے ہو جاتی،

قاضی ابن عربی نے بھی اہل ہیئت کے قول کی تردید فرمائی ہے۔

حضرت شیخ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ امور عادیہ میں سے ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ تخویف کی نفی ہو جائے، ہو سکتا ہے یہ امور عادیہ میں سے ہو اور پھر بھی ان کے ساتھ تخویف ہوتی ہو اور یہ واقعہ میں کھلی ہوئی بات ہے، اس لئے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو عادی ہوتی ہیں لیکن اس سے آدمی کو کس قدر گھبراہٹ اور خوف طاری ہوتا ہے، اگر ذرا تیز بخار آجائے تو آدمی کتنا خوفناک ہو جاتا ہے، اگر کسی کو ہیضہ ہو جائے تو دیکھو کیسے خوف کھاتا ہے، زلزلہ آتا ہے تو لوگ گھبرا جاتے ہیں ڈرتے ہیں، ذرا سی تیز بارش ہو جاتی ہے تو لوگ ڈرنے لگتے ہیں پتہ نہیں کیا نتیجہ ہو جائے، اسی طرح کسوف و خسوف گو امور عادیہ میں سے ہے لیکن حق تعالیٰ شانہ اس بات پر قادر ہے کہ وہیں سلسلہ کاٹ دے اور پھر اس کی نورانیت کو ہمیشہ کے لئے سلب فرمالے لہٰذا جو عقول سلیمہ اور تعلق مع اللہ رکھنے والے لوگ ہیں وہ اس حالت کو دیکھ کر کے خائف ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھ جاتے ہیں کہ جو ذات گرامی ان میں عارضی طور پر تصرف کر رہی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ان کے نور کو سلب فرمالے۔

وَقَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم: ابو موسیٰؓ کی یہ روایت ص ۱۴۵ پر آرہی ہے۔

لَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ الْوَارِثِ وَشُعْبَةُ الخ: مصنف کا مقصد یہ ہے کہ حماد بن زید جب یہ روایت یونس سے نقل کرتے ہیں تو اس میں يُخَوِّفُ اللهُ بِهَا عِبَادَهُ کو ذکر کرتے ہیں لیکن ان کے باقی رفقاء عبد الوارث، شعبہ، خالد اور حماد بن سلمہ یہی روایت جب یونس سے نقل کرتے ہیں تو یہ زیادتی نقل نہیں کرتے ہیں، عبد الوارث اور شعبہ کی روایت ص ۱۴۵ پر آرہی ہے اور خالد بن عبد اللہ کی روایت ص ۱۴۱ پر گزری ہے اور حماد بن سلمہ کی روایت طبرانی نے موصولاً تخریج کی ہے۔

وَتَابَعَهُ مُوسَى عَنْ مُبَارَكٍ عَنِ الْحَسَنِ: تَابَعَهُ مُوسَى میں تَابَعَهُ کی ضمیرِ منصوب حماد کی طرف عائد ہو رہی ہے یعنی حماد بن زید یہ روایت نقل کرتے ہیں ایسے ہی موسیٰ یہ روایت نقل کرتے ہیں یہ متابعتِ بعیدہ ہے، حافظ ابن حجر ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اس متابعت کی اطلاع نہیں ہو سکی۔

وَتَابَعَهُ أَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ: تَابَعَهُ کی ضمیر منصوب لوٹ رہی ہے یونس کی طرف، مگر فرق یہ ہے کہ یونس کی روایت میں تو يُخَوِّفُ اللهُ بِهَا عِبَادَهُ ہے اور اشعث کی روایت میں تخویف کا ذکر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب اشعث کی روایت میں تخویف کا ذکر نہیں ہے تو ان کی متابعت موسیٰ کی متابعت سے پہلے ہونا چاہیے۔

خلاصہ مقال یہ ہے کہ حضرت حسن بصری سے یہ روایت ان کے تین شاگرد نقل کرتے ہیں یونس، مبارک بن فضالہ اور اشعث، یونس کے تلامذہ میں اختلاف ہے، حماد بن زید زیادتی نقل کرتے ہیں اور بقیہ تلامذہ نقل نہیں کرتے ہیں، حسن بصری کے دوسرے تلمیذ اشعث یہ زیادتی نقل نہیں کرتے ہیں اور تیسرے تلمیذ مبارک یہ زیادتی نقل کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوگیا کہ حضرت حسن بصری ہی کبھی تو یہ زیادتی نقل کرتے تھے اور کبھی نہیں اور پھر حسن کے تلمیذ یونس نے بھی بظاہر کبھی نقل کیا ہے اور کبھی نقل نہیں کیا ہے۔

(ص ۱۴۳) بَاب التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوفِ

١٠٤٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذَكِ اللهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي قُبُورِهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَائِذًا بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ.

١٠٥٠. ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى فَمَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلاً ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ، ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ وَانْصَرَفَ فَقَالَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

ترجمہ: باب، سورج گرہن کے موقع پر عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا بیان۔

حضور پاک ﷺ کی زوجہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان سے مانگنے کے لئے آئی اور اس نے حضرت عائشہؓ کو دعا دیتے ہوئے کہا اللہ! تجھے عذاب قبر سے پناہ میں رکھے، پھر حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا لوگوں کو قبروں میں عذاب ہوگا؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عذاب قبر سے خدا کی پناہ، پھر ایک صبح کو حضور ﷺ ایک سواری پر سوار ہو کر نکلے تو اسی دن سورج گرہن ہو گیا تو آپ چاشت کے وقت واپس آئے اور ازواج مطہرات کے حجروں کے درمیان سے گزرے۔ (آگے روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: ترجمہ کی غرض ظاہر ہے کہ کسوف کے وقت عذاب قبر سے پناہ لینی چاہئے۔

باقی یہ سوال ہوتا ہے کہ عذاب قبر سے پناہ چاہنے کو کسوف سے کیا مناسبت ہے؟ علامہ ابن منیر نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اصل میں کسوف کی ظلمت ظلمتِ قبر کیلئے مذکّر ہے تو عذاب قبر سے اس وقت پناہ چاہنی چاہئے، حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عذاب قبر کی خبر کسوف کے وقت دی گئی تھی اس لئے حضور ﷺ نے اس وقت عذاب قبر سے پناہ چاہی لہذا مصنف نے اس کی اتباع میں ترجمہ منعقد کر کے بتلا دیا کہ کسوف میں عذاب قبر سے پناہ مانگنی چاہئے۔

أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ: ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئی اور حضرت عائشہؓ سے سوال کیا تو حضرت عائشہؓ نے اس کو کچھ دے دیا تو اس نے کہا أَعَاذَكِ اللهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ اللہ تعالیٰ شانہ تم کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے، حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا عَائِذًا بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ اللہ کی پناہ اس سے، پھر اس کے بعد جب کسوف شمس کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے عذاب قبر سے تعوذ کا امر فرمایا، اس لئے کہ یا تو آپ کو اس وقت عذاب قبر کی اطلاع کی گئی یا یہ کہ آنحضور ﷺ کو کسوف شمس کو دیکھ کر عذاب قبر کا تذکّر ہوا، ظاہر احتمال اول ہی ہے، اب یہ کہ آیا حضور ﷺ کو پہلے سے عذاب قبر کا علم نہیں تھا یا علم تو تھا لیکن آپ سرًّا تعوذ کرتے تھے؟ اس میں دونوں ہی احتمال ہیں۔

بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ: اس سے مراد مسجد نبوی کے اطراف میں حضور ﷺ کی ازواج کے حجرات ہیں اس لئے اس کو بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ سے تعبیر کر دیا۔

(ص ۱۴۳) بَابُ طُولِ السُّجُودِ فِي الْكُسُوفِ

۱۰۵۱. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نُودِيَ إِنِ الصَّلَاةَ جَامِعَةً فَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَكْعَتَيْنِ فِي سَجْدَةٍ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي سَجْدَةٍ ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ جُلِّيَ عَنِ الشَّمْسِ.

قَالَ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: مَا سَجَدْتُ سُجُودًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهَا.

ترجمہ: باب، گرہن کی نماز میں سجدہ کو لمبا کرنے کا بیان۔

تشریح: صلوۃ کسوف میں سجدۂ طویلہ ہوگا یا نہیں؟ حنفیہ اور امام احمد بن حنبل سجدۂ طویلہ کے قائل ہیں یہی امام شافعی کا ایک قول ہے جو بویطی نے نقل کیا ہے اور امام مالک کا مشہور مذہب ہے، امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ سجدۂ طویلہ نہیں ہوگا اسی کو ابن حبیب مالکی نے اختیار کیا ہے لیکن محققین شافعیہ نے امام شافعی کے اس قول کو اختیار نہیں کیا ہے، امام نووی وغیرہ طول سجود کے قائل ہیں، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور تطویل سجود کے قائلین کی تائید فرمائی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو: یہ عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں، کشمیہنی کی روایت میں یہاں عبد اللہ بن عمرؓ بضم العین واقع ہوا ہے، یہ وہم ہے۔

(ص ۱۴۳) بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ جَمَاعَةً

وصلّى لهم ابن عباس في صفّة زمزم، وجمّع علي بن عبد الله بن عباس، وصلّى ابن عمر.

۱۰۵۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ

دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ ﷺ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لاَ يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَاذْكُرُوا اللهَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ؟ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ وَتَنَاوَلْتُ عُنْقُودًا وَلَوْ أَصَبْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا، وَأُرِيتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ، قَالُوا: بِمَ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ: بِكُفْرِهِنَّ، قِيلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

ترجمہ: باب، گرہن کی نماز جماعت سے پڑھنے کا بیان، اور حضرت ابن عباسؓ نے گرہن کی نماز لوگوں کو زمزم کے چبوترے پر پڑھائی، اور علی بن عبد اللہ بن عباس نے لوگوں کو صلوۃ الکسوف کے لئے جمع کیا، اور حضرت ابن عمرؓ نے نماز پڑھائی۔

(روایت کے شروع حصہ کا ترجمہ گزر چکا، آگے یہ ہے)

پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت یا حیات سے گرہن میں نہیں آتے اس لئے جب یہ گرہن دیکھو تو اللہ کو یاد کیا کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ نماز کی جگہ کھڑے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز لینا چاہتے تھے پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ بے شک میں نے جنت کو دیکھا تھا اور میں نے ایک خوشہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم اس میں سے کھایا کرتے اور مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے کبھی آج سے زیادہ گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والا منظر نہیں دیکھا اور میں نے جہنم والوں میں اکثر عورتوں کو دیکھا، صحابہ نے عرض کیا اور یہ کس بنیاد پر اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا یہ ان کے کفر کی وجہ سے ہے عرض کیا گیا کہ کیا یہ عورتیں اللہ کا کفر کرتی ہیں فرمایا کہ یہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کا اقرار نہیں کرتیں، اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زندگی بھر احسان کا معاملہ کرتے رہو پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات دیکھ لے تو وہ یہ کہے گی کہ میں نے تمہاری طرف سے کبھی خیر کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود ظاہر ہے کہ صلوۃ کسوف جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

اس میں قدر مشترک ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ صلوۃ کسوف جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی لیکن تھوڑا سا اختلاف خطابی نے عراقیین سے نقل کیا ہے کہ جماعت نہیں ہوگی، ابن حبیب کہتے ہیں کہ جماعت شرط ہے،

اگر عراقیین سے مراد حنفیہ ہیں تو علی الاطلاق نفی کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایک اور مسئلہ اختلافیہ ہے کہ آیا مطلقاً صلوۃ کسوف میں جماعت ہے یا کسی مخصوص صورت میں؟

ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً جماعت ہے چاہے امام جمعہ وعیدین موجود ہو یا نہ ہو، اگر امام جمعہ ہو تو وہ نماز پڑھائے گا اور اگر وہ نہ ہو تو ان میں سے کوئی بھی آدمی نماز پڑھادے، سفیان ثوری اور حنفیہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر امام جمعہ موجود ہو تب تو وہ نماز پڑھائے گا اور اگر وہ موجود نہیں ہے تو پھر اس صورت میں لوگ فرادیٰ نماز پڑھیں گے، حضرت امام بخاری نے اسی اختلاف کی طرف اشارہ فرما کر حنفیہ اور ثوری کے اس قول کی تردید فرمائی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ دیکھیے حضرت ابن عباسؓ نے سب سے پہلے صفۂ زمزم میں لوگوں کو صلوۃ کسوف پڑھائی، اسی طرح علی بن عبد اللہ بن عباس نے کسوف میں جماعت کرائی، اسی طرح سے حضرت ابن عمرؓ نے صلوۃ کسوف لوگوں کو پڑھائی، یہ سارے تھوڑے ہی امام جمعہ تھے؟

اصل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات حنفیہ نے یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ چونکہ یہ ایک اہم مخصوص نماز ہے لہذا اس کا ایسا امام ہونا چاہئے جس پر کسی کو کوئی اشکال اور اعتراض نہ ہو، اور اسی لئے امام جمعہ کو شرط قرار دیا باقی یہ شرط ایسی نہیں ہے کہ بغیر اس کے جماعت ناممکن ہو یا ناجائز ہو، ویسے اصل مسئلہ حنفیہ کا وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے، کتاب الاصل میں امام محمد نے وہی ذکر کیا ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ: یہ سند اسی طرح مؤطا امام مالک میں واقع ہوئی ہے اور ان تمام حضرات نے جنہوں نے امام مالک کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے اس کو مسانید ابن عباسؓ میں شمار کیا ہے، لیکن ابوداؤد شریف میں ابو علی لؤلؤی کی روایت میں اسی حدیث میں بجائے ابن عباسؓ کے ابوہریرہؓ کا نام ذکر ہوا ہے اور یہ غلط ہے۔

إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ: میں نے جنت کو دیکھا، یہ دیکھنا آیا علیٰ وجہ الحقیقۃ تھا یا علیٰ وجہ المثال، یا اس رؤیت سے مراد رؤیت علمیہ ہے؟ تینوں قول ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اس رؤیت سے مراد رؤیت علمیہ ہے یا رؤیت بصریہ؟ اگر رؤیت بصریہ ہے تو پھر علیٰ وجہ الحقیقۃ تھی اور آپ کو حقیقۃً جنت دکھلائی گئی یا علیٰ وجہ المثال دکھلائی گئی تھی؟ تینوں ہی قول ہیں، صحیح یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کو حقیقۃً جنت دکھلائی گئی تھی اور اس حدیث کے الفاظ جیسے تَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا اور تَأَخَّرْتُ مَخَافَةَ أَنْ يُصِيبَنِي مِنْ لَفْحِهَا وغیرہ اسی بات کے علامات ہیں، اور محققین علماء

نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

عارف تاج الدین فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کو حقائق کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے اور حضرات اولیاء کو ان کی امثلہ اور ان کی صورتیں دکھلائی جاتی ہیں اسی لئے انبیاء کے علوم میں غلطی واقع نہیں ہوتی ہے اور حضرات اولیاء کے علوم میں بعض وقت غلطی ہو جاتی ہے، اور چونکہ ان کو حقیقت نہیں دکھلائی جاتی ہے امثلہ دکھلائی جاتی ہیں اس لئے بعض وقت ان کے سمجھنے میں دھوکہ یا اشتباہ لگ جایا کرتا ہے۔

فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُودًا: تَنَاوَلْتُ کے معنی أردت التناول ہے اسی لئے آگے فرمایا وَلَوْ أَصَبْتُهُ اگر میں اسے لے لیتا لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا جب تک دنیا رہتی تم اس میں سے کھاتے رہتے کیوں کہ وہ جنت کا پھل ہوتا اور جب اس کا خوشہ لیا جاتا اور پھل اس میں سے توڑا جاتا تو اس کی جگہ دوسرا پیدا ہو جاتا، اور بعض نے یہ کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بس ایک مرتبہ کھا لیتے تو ساری عمر اس کی لذت باقی رہتی، یہ ایک فلسفی رائے ہے۔

(ص ۱۴۴) بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوفِ

۱۰۵۳. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ، فَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي فَقُلْتُ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا إِلَى السَّمَاءِ، وَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ: أَيْ نَعَمْ، قَالَتْ: فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي الْمَاءَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ - أَوْ قَرِيبًا مِنْ - فِتْنَةِ الدَّجَّالِ - لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ - يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ - أَوْ قَالَ الْمُوقِنُ - لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوقِنًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ - أَوِ الْمُرْتَابُ - لَا أَدْرِي أَيَّهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي

سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

ترجمہ: باب، کسوف میں عورتوں کے مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب من أجاب الفتیا بإشارة الید والرأس پر گزر چکا)۔

تشریح: صلوۃ کسوف میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک ہوں گی۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرت امام مالک، شافعی واحمد سبھی حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی نماز پڑھیں گی اور یہی صاحبین کا مسلک ہے، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ عورتیں تنہا نماز پڑھیں گی، حنفیہ کا یہ مسلک اسی طرح علامہ شامی نے نقل کیا ہے لیکن علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے یہاں عجائز شریک ہو سکتی ہیں اور اس صورت میں سارے ائمہ کا یہ مسلک ہو جاتا ہے کہ عورتیں صلوۃ کسوف میں شریک ہو سکتی ہیں، پھر امام مالک نے مدونہ میں شابّہ کا استثناء کیا ہے، امام شافعی نے بارعۃ الجمال کا استثناء کیا ہے، اور صاحبین بھی شابّہ کا استثناء کرتے ہیں، امام بخاری نے کوئی استثناء وغیرہ نہیں فرمایا ہے اور اس ترجمۃ الباب سے جمہور کی تائید کی ہے اور ثوری اور ان کے ہم خیال حضرات کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عورتیں فرادیٰ اور تنہا نماز پڑھیں گی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ: حضرت اسماءؓ کی یہ روایت گزر چکی ہے، کتاب العلم میں اور ابواب جمعہ میں بھی گزر چکی ہے۔

(ص ۱۴۴) بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

۱۰۵۴۔ حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ.

ترجمہ: باب، سورج گرہن کے موقع پر غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان۔

حضرت اسماءؓ نے کہا کہ بے شک حضور ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسوف شمس کے وقت غلام آزاد کرنا چاہے تو سنت میں

اس کی اصل موجود ہے اور حضور ﷺ سے اس کی ترغیب نقل کی گئی ہے، مصنف نے ترجمہ میں کسوف شمس کی قید روایت کی اتباع میں لگادی ہے ورنہ خسوف کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ کتاب العتق میں یہ روایت آئے گی اس میں کسوف کے بجائے خسوف کا لفظ وارد ہوا ہے مگر حاشیہ کے نسخہ میں۔

(ص ۱۴۴) بَاب صَلَاةِ الْكُسُوفِ فِي الْمَسْجِدِ

١٠٥٥. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ: أَعَاذَكِ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي قُبُورِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَائِذًا بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ.

١٠٥٦. ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا فَكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى، فَمَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلاً ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً ثُمَّ رَفَعَ وَقَامَ قِيَامًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثم سَجَدَ سُجُودًا طَوِيلاً، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الأَوَّلِ ثم رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ وَهُوَ دُونَ السُّجُودِ الأَوَّلِ ثم انْصَرَفَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

ترجمہ: باب، نماز کسوف کے مسجد میں ادا کرنے کا بیان۔

اس باب کے تحت جو دو روایتیں ہیں وہ (۱۰۴۹) اور (۱۰۵۰) پر گزر چکی ہیں ترجمہ وہاں دیکھ لیا جائے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے ایک لطیف اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ صلوۃ کسوف مسجد میں ادا کی جائے گی یا اس کے لئے مصلیٰ اور عید گاہ جانا پڑے گا؟ جمہور علماء شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں ادا کی جائے گی اور حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ صلوۃ کسوف کے لئے سب سے بہتر جگہ مصلی العید ہے اور اس کے بعد پھر مسجد جامع ہے، امام بخاریؒ نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے جمہور کی تائید کی ہے۔

پھر یہ سمجھو کہ شافعیہ کے یہاں مساجد میں مسجد جامع افضل ہے، امام نووی نے شرح مہذب اور شرح مسلم میں اسی کو اولیٰ قرار دیا ہے اس لئے کہ عام طور سے جامع مسجدیں وسیع ہوا کرتی ہیں تو اس میں لوگوں کا جمع ہو جانا آسان ہوگا اور سہولت سے سارے لوگ نماز پڑھ لیں گے بر خلاف دوسری مساجد کے۔

واقعہ یہ ہے کہ مصلی العید کا قول ہم کو نہیں معلوم کہ کس روایت سے ثابت ہے؟ کسوف تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے اگر عید گاہ جاتے جاتے کسوف کا وقت ختم ہو گیا تو اس صورت میں یہ سنت فوت ہو جائے گی اس لئے مسجد ہی کا قول ارجح معلوم ہوتا ہے۔

(ص ۱۴۴) بَاب لَا تَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ

رواه أبو بكرة والمغيرة وأبو موسى وابن عباس وابن عمر.

١٠٥٧. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا.

١٠٥٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَهِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ وَهِيَ دُونَ قِرَاءَتِهِ الْأُولَى ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ رُكُوعِهِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ يُرِيهِمَا عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ:　باب، سورج گرہن کسی کی موت یا زیست کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

اس بات کو حضرت ابو بکرہؓ، حضرت مغیرہؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے روایت کیا۔

(روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: اہل جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ کسوف و خسوف کسی بڑے حادثہ کی اطلاع دیتے ہیں جب کوئی بڑا وفات پاتا ہے یا کسی بڑے کی ولادت ہوتی ہے تب کسوف و خسوف رونما ہوتا ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جب کسوف شمس واقع ہوا تو ابن حبان کی روایت میں وارد ہے کہ بعض لوگوں نے یوں کہہ دیا کہ کسوف موتِ ابراہیم کی وجہ سے ہوا ہے، حضور پاک ﷺ نے اس غالی عقیدہ کی تردید فرمائی اور ساتھ ساتھ اعلان فرما دیا الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَ لَا لِحَيَاتِهِ کسی کی موت اور حیات سے ان کا انکساف نہیں ہوتا ہے یہ تو آیات خداوندی میں سے ہے حق تعالیٰ شانہ اپنی آیات کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔

اہل ہیئت کا خیال یہ ہے کہ کسوف مہینہ کے آخر میں ہوتا ہے لیکن حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات علی المشہور مہینہ کی دسویں تاریخ کو ہوئی ہے تو اس سے اہل فلسفہ کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے۔

ویسے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات کب ہوئی ہے؟ اس میں شراح حدیث اور مؤرخین نے تین قول نقل کئے ہیں، ایک قول سن ۱۰ھ میں، پھر مہینہ میں تین قول ہیں، ربیع الاول، رمضان، ذی الحجہ، پھر تاریخ میں تین قول ہیں، چوتھی، دسویں، چودھویں، لیکن ذی الحجہ کا مہینہ لینے کی صورت میں کوئی قول بھی صحیح نہیں ہوتا ہے، اس واسطے کہ سن ۱۰ھ میں ذی الحجہ کی ان تاریخوں میں آنحضور ﷺ مدینہ منورہ میں تھے ہی نہیں کیوں کہ آنحضور ﷺ تو جب ذی القعدہ کی پانچ تاریخ باقی رہ گئی تھیں حج کے لئے روانہ ہو گئے تھے اور چودھویں ذی الحجہ کو آنحضور ﷺ محصب اور ابطح میں تشریف فرماتے تھے اور اس کے بعد کی صبح کو آپ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے ہیں، اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اسی سال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی ہے اور ذی الحجہ ہی میں ہوئی ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں وفات ہوئی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کی وفات سن ۹ھ میں ہوئی ہے اور بعضوں کا خیال یہ ہے کہ سن ۶ھ میں ہوئی ہے: امام نووی یہی ارشاد فرماتے ہیں لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اہل سیر کا اتفاق نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ولادت ذی الحجہ سن ۸ھ میں ہوئی اور یہ مشہور ہے کہ وہ سترہ یا اٹھارہ ماہ کے تھے جب ان کی وفات ہوئی ہے تو قاعدہ کے تحت ان کی وفات سن ۱۰ھ میں رمضان میں ہونی چاہئے اس لئے کہ ذی الحجہ سے ذی الحجہ بارہ مہینے ہو گئے اور اس کے بعد محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی

الاخری، رجب اور شعبان یہ آٹھ مہینے ہو گئے اور اگلا مہینہ رمضان کا ہے۔

رَوَاهُ أَبُو بَكْرَةَ وَالْمُغِيرَةُ وَأَبُو مُوسَى الخ: ابو بکرہؓ کی روایت ص ۱۴۱ پر اور مغیرہؓ کی روایت ص ۱۴۲ پر گزر چکی ہے اور ابو موسیٰؓ کی روایت ص ۱۴۵ پر آرہی ہے، ابن عباسؓ کی روایت ص ۱۴۴ پر ابھی گزری ہے اور ابن عمرؓ کی روایت ص ۱۴۲ پر گزری ہے۔

(ص ۱۴۵) بَابُ الذِّكْرِ فِي الْكُسُوفِ

رواه ابن عباس.

۱۰۵۹. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَزِعًا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ، وَقَالَ: هَذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنْ يُخَوِّفُ اللهُ بِهَا عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ.

ترجمہ: باب، سورج گرہن کے وقت ذکر خداوندی کا بیان، اس بات کو ابن عباسؓ نے روایت کیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ سورج گرہن ہوا تو حضور ﷺ گھبرا کر کھڑے ہو گئے آپ کو ڈر تھا کہ قیامت نہ آگئی ہو، پھر آپ مسجد پہنچے اور آپ نے میرے کبھی بھی دیکھنے کے مطابق سب سے طویل قیام، سب سے طویل رکوع اور سب سے طویل سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ عز وجل بھیجتا ہے یہ نشانیاں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے وجود میں نہیں آتیں لیکن اللہ ان کے ذریعہ اپنے بندوں میں خوف وخشیت پیدا کرنا چاہتا ہے اسلئے جب تم ان نشانیوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کے ذکر اور اس سے دعا اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے میں جلدی کرو۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ کسوف کے وقت جہاں آدمی اور طاعات کرے صلوۃ ادا کرے، صدقہ دے، غلام آزاد کرے وہیں ذکر کا بھی اہتمام کرے۔

فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَزِعًا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ: حضور ﷺ کھڑے ہوئے، فَزِعًا گھبرا کر، يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ آپ کو خوف تھا کہ کہیں قیامت نہ آگئی ہو۔

اس میں اشکال یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی مختلف اور بہت سی علامات واشراط بیان فرمائی ہیں اور تب تک ان اشراط میں سے بہت سی کا تو ظہور ہوا ہی نہیں تھا نہ مغرب سے طلوع شمس کا ظہور ہوا تھا نہ دجال کا خروج ہوا تھا اور نہ دابّہ کا، تو پھر آنحضور ﷺ کو یہ خطرہ کیسے لاحق ہو گیا کہ قیامت کہیں قائم نہ ہو گئی ہو؟ اس کا (۱) جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آنحضور ﷺ کو اب تک ساعت کی علامات نہ بتلائی گئی ہوں، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ کسوف کا واقعہ بالکل اواخر زمانۂ نبوت میں پیش آیا ہے اور بقولے سن ۱۰ھ کا یہ واقعہ ہے تو کیا اس وقت تک آپ کو یہ چیزیں بتلائی بھی نہیں گئی تھیں یہ بہت بعید ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے مراد ساعت نہیں لی بلکہ مقدمۂ ساعت مرادلی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطرہ یہ ہوا کہ شاید بعض علامات میں سے اشراط خاصہ کا ظہور نہ ہوا ہو۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ یہ راوی کا اپنا گمان ہے یہ کیا ضروری ہے کہ خسوف شمس کے ذریعہ حضور ﷺ کو یہ خطرہ ہو جائے کہ قیامت قائم ہو جائے گی، لیکن راوی کی تغلیط کی بلاوجہ کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

(۴) بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اصل میں حضور اکرم ﷺ پر دہشت کا غلبہ ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار ہو گیا تھا اس لئے آنحضور ﷺ کو ذہول ہو گیا اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔

(۵) علامہ سندی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ علامات ساعت مشروط بشروطٍ ہو اور ممکن ہے کہ ان شرائط میں سے کوئی شرط متخلّف ہو جائے اور بلا شہودِ شرط قیامت قائم ہو جائے اس لئے آپ کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

(۶) ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خود مختاری پر نظر کی اور یہ ڈر ہو گیا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی شرائط وغیرہ وقوع قیامت کے لئے مقرر فرمادی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں وہ اگر چاہے تو علامات وشرائط وغیرہ کے بغیر بھی قیامت قائم فرمادے۔

ہمارے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے اس مسئلہ کو ایک دوسرے عنوان سے پیش کیا وہ فرماتے ہیں کہ اس کو توسیع قدرت کے نام سے موسوم کرنا چاہئے یعنی حق تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے وہ ایک بات کہے تو ان کے ذمہ لازم نہیں کہ اسے کریں، اس کے خلاف کر سکتے ہیں خود مختار ہیں۔

(ص ۱۴۵) بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْخُسُوفِ

قاله أبو موسى وعائشة عن النبي ﷺ.

١٠٦٠. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَادْعُوا اللهَ وَصَلُّوا حَتَّى تَنْجَلِيَ.

ترجمہ: باب، خسوف کے موقع پر دعا مانگنے کا بیان۔

اس مضمون کو حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اگرچہ روایت میں دعاء خاص ہے لیکن مصنف نے ترجمۂ عامہ منعقد کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ کسوف کے وقت آدمی کو خوب دعائیں کرنی چاہئیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ روایت عام ہے یعنی ایسے وقت میں آدمی دنیا وآخرت کی ہر خوبی اور ہر بھلائی مانگے اور ہر برائی سے پناہ چاہے۔

(ص ۱۴۵) بَابُ قَوْلِ الْإِمَامِ فِي خُطْبَةِ الْكُسُوفِ أَمَّا بَعْدُ

١٠٦١. وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ.

ترجمہ: باب، امام کے کسوف کے خطبہ میں أمّا بعدُ کہنے کا بیان۔

حضرت اسماءؓ نے فرمایا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور بے شک آفتاب روشن ہو چکا تھا پھر آپ نے خطبہ دیا تو پہلے اللہ کی وہ حمد کی جو اللہ کے لئے سزاوار ہے پھر فرمایا أمّا بعدُ۔

تشریح: کسوف میں خطبہ کے متعلق مصنف نے ماقبل میں مستقلاً ترجمہ منعقد فرمایا ہے باب خطبة الإمام فی الکسوف اب یہاں کسوف کے خطبہ کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں، خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ أمّا بعد سے پہلے جیسے حمد وثنا اور صلاۃ وسلام ہوتا ہے اور اس کے بعد مضمون بیان کیا جاتا ہے ایسے ہی خطبۂ کسوف

میں بھی ہو گا، لیکن چونکہ مصنف کے پاس کوئی صاف روایت نہیں تھی اسلئے بس اسی لفظ پر اکتفاء فرمالیا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہو کہ خطبۂ کسوف میں أمّا بعد کہا جائے گا، اور اس پر تنبیہ کرنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ روایت کے بعض طرق میں أمّا بعد کا تذکرہ واقع نہیں ہوا ہے ممکن ہے کہ کسی شخص کے سامنے یہ ٹکڑا گزرے اور وہ یہ سمجھ جائے کہ خطبۂ کسوف میں أمّا بعد نہیں کہا جائے گا تو مصنف نے اس کی سنیت پر تنبیہ فرمادی۔

وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ: مصنف نے یہ روایت یہاں تعلیقاً اور ابواب جمعہ میں موصولاً ذکر کی ہے۔

(ص ۱۴۵) بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الْقَمَرِ

١٠٦٢. حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

١٠٦٣. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى الْمَسْجِدِ وَثَابَ إِلَيْهِ النَّاسُ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ فَانْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَإِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، فَإِذَا كَانَ ذَاكَ فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ وَذَلِكَ أَنَّ ابْنًا لِلنَّبِيِّ ﷺ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ مَاتَ فَقَالَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ.

ترجمہ: باب، چاند گرہن میں نماز کا بیان۔

تشریح: امام بخاری نے ابواب کسوف کی ابتداء میں صلوۃ کسوف الشمس کو بیان کیا تھا، اب یہاں خسوف قمر میں نماز پڑھنے کو بیان فرمارہے ہیں، مصنف کا مقصد تو ظاہر ہے کہ جیسے کسوف شمس میں نماز پڑھی جاتی ہے ایسے ہی خسوف قمر میں بھی نماز پڑھی جائے گی، اس نماز کی مشروعیت پر حضرات ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے، اور یہ جو محدث ابن ابی شیبہ نے نقل کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ خسوف قمر میں نماز کا انکار کرتے ہیں علماء احناف نے اس کی تردید کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ صلوۃ خسوف قمر کا انکار نہیں فرماتے ہیں۔

صلاۃ خسوف تنہا یا جماعت سے: حضرت امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ خسوف قمر کی نماز فرادیٰ ادا کی جائے گی، امام شافعی واحمد اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ صلوۃ خسوف باجماعت ادا کرنا سنت ہے، علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں یہ لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے متعلق یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ آپ نے صلوۃِ خسوفِ قمر جماعت کے ساتھ ادا کی ہو، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن حبان نے اپنی سیرت میں یہ نقل کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کو صلوۃِ خسوفِ قمر پڑھائی تھی، اسی طرح سے علامہ مغلطای بن قلیج حنفی نے اپنی سیرت مسمّیٰ بالاشارہ میں لکھا ہے اور زرقانی نے مواہب میں بھی لکھا ہے اور حافظ عراقی نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

لیکن ہمارے پاس جو ثقات ابن حبان کا مطبوعہ نسخہ پہنچا ہے اس میں صلّی بأصحابه کی کوئی تصریح نہیں ہے، اگر ابن حبان کی کوئی اور سیرت ہو مستقل طور پر اور اس میں انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہو تو امر آخر ہے، مگر یہ تو اپنی جگہ محقق ہے کہ کسی روایت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کو خسوفِ قمر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی ہے اور ابن حبان نے اگر بالفرض اپنی سیرت میں لکھ دیا ہو تو بھی یہ چیز محتاج تحقیق بن جائے گی اسلئے کہ ہم نے محدث ابن حبان کی تاریخ جو کتاب الثقات کے نام سے چھپ رہی ہے مطالعہ کی ہے اور اس میں جگہ جگہ ہمیں ایسی باتیں ملی ہیں جن کے متعلق ہمیں شک ہے بایں معنی کہ اس کی سند معتبر ہے یا نہیں، ابن حبان نے بہت سی جگہ واقعات نگاری میں اپنے سے پہلے سیرت نگاروں اور تاریخ نگاروں جیسے طبری اور واقدی وغیرہ کا اتباع کیا ہے اور جیسے مؤرخین روایات ذکر کرنے کے اندر بہت زیادہ جانچ پڑتال نہیں کرتے ہیں اسی انداز کا طرز ابن حبان نے بھی اختیار کیا ہے، گو بہت سے مواقع میں بڑا محتاط رویہ اختیار کیا ہے مگر یہ چیز ایسی ہے کہ محض سیرت کے بیان پر اعتماد کرنا مشکل ہے اس کا تعلق تو احکام سے ہے لہذا اگر کسی روایت میں تصریح مل جائے تو یہ چیز قابل اعتماد واستناد بن سکتی ہے اور نماز باجماعت تو درکنار خود خسوف قمر میں نماز پڑھنے ہی کا بعض لوگوں سے انکار منقول ہے۔

علامہ ابن رشید فرماتے ہیں إن النبی ﷺ لم یصلّ فی خسوف القمر حضور ﷺ نے خسوف قمر میں نماز پڑھی ہی نہیں ہے، مزید براں امام مالک سے مدونہ میں منقول ہے ولم یبلغنا أن رسول الله ﷺ صلّی إلا

فی کسوف الشمس، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ روایات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خسوف قمر میں نماز پڑھنا مذکور ہے، محدث دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایتیں نقل کی ہیں اور اس میں خسوف قمر میں نماز پڑھنے کی تصریح وارد ہوئی ہے، ابن عباسؓ کی روایت کو عبد الحق نے اپنی کتاب الاحکام میں نقل کیا ہے اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، اسی طرح سے ابو الحسن بن القطان الفاسی نے کتاب الوہم والایہام میں اس پر کوئی تنبیہ نہیں کی ہے، لیکن ابن الملقن اور اسی طرح بعد میں حافظ ابن حجر وغیرہ نے تھوڑا سا اشکال کیا ہے کہ یہ روایت مسلم میں موجود ہے اور اس میں خسوف قمر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اسی طرح حضرت عائشہؓ کی جو روایت ہے اس کی سند میں کلام ہے اور قمر کے ذکر کو حافظ ابن حجر نے تلخیص الجبیر میں مستغرب قرار دیا ہے مگر حافظ صاحب نے فتح الباری میں خسوف قمر میں نماز پڑھنے کا تذکرہ کیا ہے اور بحوالہ دار قطنی وابن حبان روایتیں ذکر کی ہیں مگر صحابی کے نام کی کوئی تعیین نہیں کی ہے البتہ طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکرہؓ صحابی ہیں اور قرینہ یہ ہے کہ حافظ نے ابو بکرہؓ کی روایت کی شرح کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے، مگر دار قطنی میں یہ روایت ابو بکرہؓ سے منقول نہیں اور صحیح ابن حبان کا مکمل نسخہ سامنے نہیں ہے کہ جس کے پیش نظر کوئی فیصلہ کیا جا سکے، بہر حال حضرت امام بخاری صلوۃ خسوف قمر کے قائل ہیں اور وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَإِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَإِذَا كَانَ ذَاكَ فَصَلُّوا، ذاک کا اشارہ خسوف شمس وقمر دونوں کی طرف عائد ہو رہا ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ حضرت امام بخاری نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں اور دونوں ابو بکرہؓ سے منقول ہیں پہلی مختصر ہے اور دوسری مطول، دوسری روایت کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت بیان ہو چکی لیکن پہلی روایت ترجمہ کے مطابق نہیں اس کے الفاظ ہیں انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ اس میں کہیں بھی خسوف قمر کا کوئی بھی ذکر نہیں ہے، بعض نسخ میں بجائے انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ کے انْكَسَفَ الْقَمَرُ واقع ہوا ہے ابو محمد اصیلی کی روایت میں اسی طرح سے واقع ہوا ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں هذا تغيير لا معنى له یعنی ابو محمد اصیلی نے بخاری کے ترجمہ کے خاطر روایت میں شمس کی جگہ قمر لکھ دیا اور یہ سمجھ گئے کہ یہ کسی کاتب کی غلطی ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ اصل میں ابو بکرہؓ کی روایتِ مختصرہ ایک ٹکڑا ہے دوسری روایتِ مطولہ کا اور روایتِ مطولہ سے ترجمہ ثابت ہو رہا ہے لہذا روایتِ مختصرہ سے مستقلاً اثباتِ ترجمہ

کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک تنبیہ سنو! سب سے پہلے خسوف قمر عہد نبوت میں محدث ابن حبان البستی کے بیان کے مطابق سن ۵ھ میں ہوا ہے اور صاحب جمع العدہ نے لکھا ہے کہ سن ۴ھ میں ہوا ہے۔

أَنَّ ابْنًا لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاتَ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ: حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں اور باقی آپ کی تمام صاحب زادیاں اور صاحب زادے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں، جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو آنحضور ﷺ کو بعض حالات کی بناء پر شک تھا، حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمایا السلام علیک یا أبا إبراھیم آنحضور ﷺ کا شک وگمان جاتا رہا۔

(ص ۱۴۵) باب صبّ المرأة علی رأسها الماء إذا أطال الإمام القيام فی الركعة الأولى

ترجمہ: باب، جب امام پہلی رکعت میں قیام کو طول کردے تو عورت کے اپنے سر پر پانی ڈالنے کا بیان۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ اگر امام رکعت اولیٰ میں طویل قیام کرے اور طول قیام کی وجہ سے اگر کسی عورت کو ضعف لاحق ہوجائے اور غشی جیسی کیفیت ہو تو ضعف اور غشی کو دور کرنے کے واسطے اپنے سر پر پانی ڈال سکتی ہے مگر نماز نہ توڑنی چاہئے جیسے حضرت اسماءؓ نے کیا تھا، مصنف نے ترجمہ میں المرأة کی تصریح غالبًا نظرًا الی لفظ الروایۃ کردی ہے ورنہ جس علت کی وجہ سے پانی ڈالنے کی گنجائش دی گئی ہے اگر وہ علت کسی مرد میں پائی جائے تو اس کے لئے بھی صبّ الماء جائز ہوگا۔

امام بخاری نے اس باب میں کوئی روایت ذکر نہیں کی ہے، ابن رشید وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس کے ذیل میں حضرت اسماءؓ کی روایت دوسرے طریق سے لانا چاہتے تھے لیکن موقع نہیں مل سکا، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت اسماءؓ کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابھی قریبًا باب صلوۃ النساء مع الرجال فی الکسوف کے ذیل میں گزرچکی ہے اس لئے دوبارہ لانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

(ص ۱۴۵) بَاب الرَّكْعَةُ الْأُولَى فِي الْكُسُوفِ أَطْوَلُ

١٠٦٤. حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي سَجْدَتَيْنِ، الْأَوَّلُ أَطْوَلُ.

ترجمہ: باب، نماز کسوف میں پہلی رکعت کے زیادہ لمبا ہونے کا بیان۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے کہ صلوۃ کسوف کی رکعتِ اولیٰ بہ نسبت رکعتِ ثانیہ کے طویل ہوگی، یہ مسئلہ متفق علیہا ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک ایک رکعت میں دو رکوع ہوتے ہیں اس میں آیا دونوں قیام مساوی ہوں گے یا پہلا اطول ہوگا دوسرے سے؟ دونوں ہی قول ہیں۔

(ص ۱۴۵) بَاب الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوفِ

١٠٦٥. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حدثنا ابْنُ نَمِرٍ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَهَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَتِهِ كَبَّرَ فَرَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُعَاوِدُ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ.

١٠٦٦. وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَغَيْرُهُ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَبَعَثَ مُنَادِيًا الصَّلَاةُ جَامِعَةً فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ. قال: وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ نَمِرٍ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ مِثْلَهُ.

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَقُلْتُ: مَا صَنَعَ أَخُوكَ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، مَا صَلَّى إِلَّا رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ إِذَا صَلَّى بِالْمَدِينَةِ، وَقَالَ: أَجَلْ إِنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ.

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَسُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي الْجَهْرِ.

ترجمہ: باب، نماز کسوف میں قراءت کے جہر کا بیان۔

(حدیث کا ترجمہ گزر چکا، آگے یہ ہے) اور امام اوزاعی وغیرہ نے کہا کہ میں نے زہری سے سنا اور انہوں نے عروہ عن عائشہؓ

سے کہ سورج رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گرہن میں آیا تو آپ نے ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا کہ الصَّلاۃُ جَامِعَۃ کا اعلان کردے پھر آپ آگے بڑھے اور آپ نے دو رکعتیں چار رکوع اور چار سجدوں سے پڑھائیں۔

ولید بن مسلم نے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمن بن نمر نے بیان کیا کہ انہوں نے ابن شہاب سے بالکل پہلی روایت کے مثل الفاظ سنے، زہری نے کہا کہ میں نے عروہ سے کہا کہ تمہارے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ نے یہ عمل کیا کہ انہوں نے مدینہ میں جب نماز پڑھائی تو فجر کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھائیں تو عروہ نے کہا جی ہاں، ان سے سنت پر عمل کرنے میں غلطی ہوگئی۔

زہری سے جہر کی روایت کرنے میں سلیمان بن کثیر اور سفیان بن حسین نے عبدالرحمن بن نمر کی متابعت کی ہے۔

تشریح: صلوۃ کسوف میں قرأت جہری ہوگی یا سری؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابن خزیمہ، ابن منذر اور مالکیہ میں سے قاضی ابن عربی فرماتے ہیں کہ جہری قرأت ہوگی، (۲) ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اختیار ہے چاہے جہری قرأت کرے چاہے سری قرأت کرے، (۳) حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قرأت بالسر ہوگی، امام بخاری نے ان میں سے قول اول کو اختیار کیا ہے اسلئے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ مضمون مصرح طور پر واقع ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے جہری قرأت فرمائی، فرماتی ہیں جَهَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ۔

اور جو حضرات سر کے قائل ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں فقرأ نحوًا من البقرۃ اگر قرأت جہریہ ہوتی تو نحوًا من البقرۃ کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ابن عباسؓ صغر سنی کی وجہ سے پیچھے کھڑے ہوں اور آواز نہ آئی ہو اس لئے اندازہ لگایا ہو، لیکن بعض روایات میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ حضور ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے، اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو پھر ائمۂ ثلاثہ کا قول بھی مؤید ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ یہ مسئلہ ہے صلوۃ النہار کا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس روایت ثابتہ صحیحہ کے مقابل میں ائمۂ ثلاثہ کی طرف سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ کچھ بڑے وزن دار معلوم نہیں ہوتے ہیں اگرچہ اصول کا تقاضہ وہی ہے، لیکن کہا جا سکتا ہے کہ جب صلوۃ العیدین صلوۃ النہار ہے اور اس میں جہری قرأت ہوتی ہے تو پھر صلوۃ الکسوف میں کیا اشکال ہے؟ ❁❁❁

ابواب الکسوف پورے ہوئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَبْوَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ

(ص ١٤٦) بَابُ مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِهَا

١٠٦٧ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الأَسْوَدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيهَا وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ وَقَالَ: يَكْفِينِي هَذَا، فَرَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا.

ترجمہ: باب، ان احادیث کا بیان جو سجدہائے تلاوت کے سلسلے میں وارد ہوئیں اور اس کے طریقہ کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سورۂ نجم کی تلاوت کی پھر اس میں سجدہ کیا اور ان سب لوگوں نے سجدہ کیا جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے علاوہ ایک بوڑھے کے کہ اس نے سنگریزوں کو یا مٹی کو ہتھیلی میں لیا اور ہتھیلی کو اٹھا کر پیشانی سے لگا دیا اور یہ کہا کہ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے، عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

تشریح: صلوۃ کسوف سے فراغت کے بعد سجود قرآن کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ صلوۃ کسوف میں رکوع زیادہ ہوتا ہے، اور اگر سجدۂ تلاوت نماز کے بیچ میں واقع ہو جائے تو ایک سجود بڑھ جاتا ہے، اسی لئے کسوف کے بعد سجود القرآن کے ابواب قائم کئے، اور جب زیادۃ الرکوع والسجود فی الصلوۃ کے بیان سے فارغ ہونگے تو تقابل کے طور پر نماز میں قصر کا تذکرہ کیا جو نماز میں ایک قسم کی کمی ہے اور عارضی طور پر پیش آتی ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے سجود قرآن کی مشروعیت اور اس کی سنیت کو ثابت فرمایا ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سجود تلاوت کا حکم کیا ہے؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ واجب ہے، جمہور کہتے ہیں کہ سنت ہے، مالکیہ کا ایک قول یہی ہے اور ان کا اس سے زیادہ معروف قول یہ ہے کہ فضیلت ہے یعنی درجۂ مندوب میں ہے۔

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں سجود کی آیات تین طرح کی ہیں، بعض میں اللہ نے سجدہ کا حکم دیا ہے جیسے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اور بعض میں سجدہ نہ کرنے پر نکیر فرمائی ہے جیسے وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ اور بعض میں یہ بتایا کہ یہ انبیاء کی سیرت ہے اور فرمایا فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ، اللہ کے امر کا امتثال اور اس کی نکیر سے اجتناب اور انبیاء کی سیرت کا اتباع واجب ہے لہذا سجدۂ تلاوت واجب ہو گا۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ ان سب کے باوجود روایات موجود ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا یہ دلیل ہے کہ واجب نہیں، حنفیہ نے اس کا جواب دیا کہ فی الوقت سجدہ نہ کرنے سے علی الاطلاق سجدہ کی نفی لازم نہیں آتی اور ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو وضو نہ ہو یا وقتِ کراہت ہو یا یہ بتانے کے لئے تاخیر فرمادی ہو کہ فی الفور سجدہ واجب نہیں۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ ساری تاویلات خلاف ظاہر ہیں اگر سجدہ واجب ہوتا تو شارع علیہ السلام یہ بیان فرمادیتے کہ اس وقت میں سجدہ نہیں کر رہا ہوں لیکن تم لوگ سجدہ کر لینا، مقام بیان میں سکوت بیان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر ائمۂ مجتہدین کی اجتہادی نظر پڑی ہے جن کی سمجھ میں یہ آیا کہ امر اور نکیر علی ترک السجود موجود ہے جو وجوب کو چاہتا ہے اس نے وجوب کو اختیار کیا اور اس کے خلاف نصوص کی تاویل کی، اور جن کی سمجھ میں یہ آیا کہ جس پر قرآن اترا جس ذات گرامی نے اللہ سے قرآن لیا اس نے سجدہ نہیں کیا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سجود کا امر ایجاب کے لئے نہیں ہے، اور سجدہ نہ کرنے کی روایات مطلق ہیں اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے اگر سجدہ مطلوب ہوتا تو شارع علیہ الصلوۃ والسلام بالضرور اس کے وجوب کو بیان فرماتے حالانکہ مقام بیان میں کہیں بھی روایت میں کوئی تصریح وجوب کی نہیں ہے، بلکہ بعض میں صحابہ کے معمول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جن میں سے حضرت عمرؓ کا ایک عمل آگے آرہا ہے۔

یہاں پہونچ کر ہمارے حضرت شیخ نے یہ اشکال کیا ہے کہ امام بخاری کے اس ترجمہ کو اگر بیان حکم پر محمول کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ بخاری نے وَسُنَّتِهَا کہہ کر سجود تلاوت کا حکم بیان کیا ہے تو اس پر یہ اشکال وارد ہو گا کہ امام بخاری نے بیان حکم کے لئے تو ایک مستقل ترجمہ اسی صفحہ کے آخر میں ترجمہ منعقد کیا ہے بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُوجِبِ السُّجُودَ، اب اگر اس باب کو بھی بیان حکم پر محمول کیا جائے تو تکرار ہو جائے گا، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہاں امام بخاری نے وَسُنَّتِهَا کے لفظ سے اس کی مشروعیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور

ابن مسعودؓ کی حدیث سورۂ نجم میں سجدہ کرنے کے سلسلہ میں لاکر یہ بتایا ہے کہ سجود تلاوت کی مشروعیت سورۂ نجم کے سجود سے ہوئی ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سورۂ اقرأ سب سے پہلے نازل ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیات سب سے پہلے اتری ہیں اور بقیہ آیات بعد میں اتری ہیں۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں یا امام بخاری نے سجدۂ تلاوت کے طریقہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ سجدۂ تلاوت کا ایک خاص طریقہ ہے مگر اس کی کوئی یہاں وضاحت نہیں کی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف سجدہ کر لینا کافی ہے، اس میں اختلاف ہے، (۱) حنفیہ فرماتے ہیں **سجود التلاوۃ سجدۃ بین التکبیرتین** سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہی جائے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہی جائے، (۲) مالکیہ کے تین اقوال ہیں ایک حنفیہ کے قول کے مطابق اور دوسرا قول یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہی جائے گی سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے نہیں کہی جائے گی، اور تیسرا قول یہ ہے کہ تکبیر ہی نہیں کہی جائے گی **لافی الھبوط ولافی الارتفاع**، (۳) حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں ہو تو دو تکبیروں کے درمیان سجدہ کیا جائے گا اور جھکتے ہوئے ہاتھ اٹھائے جائیں گے اور اگر نماز کی حالت نہیں ہے تو ایسی صورت میں حنابلہ کہتے ہیں کہ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھایا جائے گا اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد سلام پھیرا جائے گا، (۴) شافعیہ فرماتے ہیں کہ تکبیر افتتاح پر رفع یدین کیا جائے پھر دوسری تکبیر سجدہ میں جانے کے لئے کہی جائے پھر تیسری تکبیر سجدہ سے سر اٹھانے کے لئے کہی جائے اور اس کے بعد سلام پھیرا جائے گا، یہ تو غیر صلوٰۃ میں سجدہ کرنے کا حکم ہوا، اور اگر نماز میں ہو تو شافعیہ کہتے ہیں کہ بس دو تکبیروں کے بیچ سجدہ واقع ہو جائے گا۔

ہمارے خیال میں بیانِ حکم کا مناسب محل ابتداء ہے اس لئے وَسُنَّتِهَا سے بخاری نے حکم ہی بیان کیا ہے اور آئندہ جو باب آرہا ہے وہ ایک وہم کے ازالہ کے لئے منعقد کیا گیا ہے جہاں وہ باب آئے گا وہاں اس کی وجہ بیان کی جائے گی اگر توفیق الٰہی رہی۔

وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى: شیخ سے مراد امیہ بن خلف ہے، بخاری شریف کتاب التفسیر میں اس کے نام کی تصریح آرہی ہے ویسے دیگر روایات میں ولید بن عقبہ، سعید بن عاص، عقبہ بن ربیعہ، ابولہب، مطلب ابی وداعہ کے اسماء بھی آئے ہیں لیکن بخاری کی روایت اصح ہے اس لئے اس میں جو آرہا ہے وہ راجح ہے۔

فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِکَ قُتِلَ كَافِرًا: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے کفر پر قتل کر دیا گیا اس سے اشارۃً یہ نکلتا ہے کہ باقی لوگ جو اس وقت سجدہ میں مشغول ہو گئے وہ دولتِ ایمان سے مشرف ہو گئے اور دولتِ ایمان سے وہی مشرف ہوتا ہے جس کا سجدہ اللہ تعالیٰ ہو۔

(ص ۱۴۶) بَابُ سَجْدَةِ تَنْزِيلِ السَّجْدَةِ

۱۰۶۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿الٓمٓ تَنْزِيلُ﴾ السَّجْدَةَ وَ ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ﴾.

ترجمہ: باب، الٓمٓ تَنْزِيلُ السَّجْدَة کے سجدہ کا بیان۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الٓمٓ تَنْزِيلُ السَّجْدَة اور هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ میں سجدہ ہے اور یہ سجدہ مجمع علیہا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: امام بخاری نے اس باب میں جو روایت ذکر فرمائی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ میں سجدہ ہے پھر مصنف نے سورۂ الٓمٓ سجدہ میں اس روایت سے کیسے سجدہ ثابت فرمایا ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے سورۃ کے نام سے سجدہ ثابت کیا ہے، تنزیل السجدہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں سجدہ ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ممکن ہے بعض دوسرے طرق کی طرف اشارہ کیا ہو چنانچہ ابن ابی داؤد نے کتاب الشریعہ میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے تنزیل السجدہ میں سجدہ کیا، اسی طرح سے امام طبرانی نے معجم صغیر میں بسند ضعیف حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی ہے أن النبي ﷺ سجد فی صلوة الصبح في تنزيل السجدة۔

(ص ۱۴۶) بَابُ سَجْدَةِ صٓ

۱۰۶۹. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بن زيد عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ﴿ صٓ ﴾ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا.

ترجمہ: باب، سورۂ صٓ کے سجدہ کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سورۂ صٓ کا سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے اور بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ صورۂ صٓ میں سجدہ کرتے تھے۔

تشریح: سجدۂ صٓ کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک اس کے قائل ہیں، امام شافعی انکار کرتے ہیں اور امام احمد کی دونوں روایتیں ہیں، مشہور روایت یہ ہے کہ صٓ میں سجدہ نہیں ہے، امام بخاری کا باب سجدة ص منعقد کرنا اس بات پر تنبیہ ہے کہ صٓ میں سجدہ ہے لیکن جو روایت مصنف نے ذکر فرمائی ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ امام بخاری کے نزدیک یہ سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے، یہی حضرات شافعیہ کا مسلک ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ خارج صلوۃ یہ سجدہ کیا جائے گا البتہ داخل صلوۃ یہ سجدہ کرنا حرام ہے، اور حضرات حنفیہ داخل صلوۃ اور خارج صلوۃ دونوں جگہ یہ سجدہ واجب سمجھتے ہیں، شافعیہ نے ابن عباسؓ کے قول لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ سے استدلال کیا ہے۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضور کریم ﷺ سے اس سورۂ شریفہ میں سجدہ کرنا منقول ہے، خود ابن عباسؓ کہتے ہیں وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا، امام نسائی اور ابن خزیمہ نے ایک روایت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ فِي صٓ وَقَالَ سَجَدَهَا دَاوُدُ تَوْبَةً وَنَسْجُدُهَا شُكْرًا داؤدؑ نے توبۃً سجدہ کیا تھا اور ہم شکراً سجدہ کرتے ہیں، بخاری شریف میں ابن عباسؓ کی ایک روایت آ رہی ہے أن النبی ﷺ سجد فی صٓ أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ یہ سب اس بات کے دلائل ہیں کہ سورۂ صٓ میں بھی سجدہ کیا جائے گا، حضور پاک ﷺ نے سجدہ کیا ہے اور انبیاء سابقین کی ہدایت کی اقتداء کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اور نبی سابق حضرت داؤدؑ نے توبۃً سجدہ کیا اور آپ نے شکراً سجدہ کیا کیوں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ شانہ نے مقام رفیع اور زلفیٰ اور حسن ماب سے نوازا اور توبہ قبول فرمائی۔

اور لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایسا سجدہ نہیں جو کسی خاص سبب کی وجہ سے ہم پر واجب ہوا ہو جیسے حضرت داؤد پر توبہ کی وجہ سے واجب ہوا تھا، اور ممکن ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ اپنا تفقہ ہو، انہوں نے بعض اوقات فوری سجدہ کرنے سے رد کر دیا ہو کہ صٓ میں سجدہ نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم، ویسے عام روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ صٓ عام سجود کے درجہ سے گھٹا ہوا ہے، امام ابوداؤد، ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورۂ صٓ پڑھی جب سجدہ کی جگہ پہونچے تو آپ نے اتر کر سجدہ کیا لوگوں نے بھی سجدہ کیا، دوسرے دن پھر آپ نے سورۂ صٓ کی تلاوت کی تو لوگوں نے سجدہ کے لئے تیاری کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّمَا هِيَ تَوْبَةُ نَبِيٍّ وَلَكِنْ رَأَيْتُكُمْ تَهَيَّأْتُمْ لِلسُّجُودِ فَنَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدُوا مَعَهُ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سجدہ میں وہ تاکد اور اہمیت نہیں ہے جو عام سجود میں ہے۔

لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ: أی ليس من الفرائض۔

(ص ۱۴۶) بَابُ سَجْدَةِ النَّجْمِ

قاله ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم

۱۰۷۰. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَرَأَ سُورَةَ النَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا فَمَا بَقِيَ أَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا سَجَدَ فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى وَجْهِهِ وَقَالَ: يَكْفِينِي هَذَا، قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا.

ترجمہ: باب، سورۂ نجم میں سجدے کا بیان، اس کو ابن عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔

تشریح: سورۂ نجم کے سجدہ کے جمہور علماء جن میں امام ابو حنیفہ، شافعی اور احمد بھی ہیں قائل ہیں، امام مالک اپنے ظاہر مذہب میں اور امام شافعی ایک قول قدیم میں اور ابوثور انکار کرتے ہیں، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور علماء کی تائید فرمائی ہے۔

مالکیہ کا استدلال سجود مفصل کے انکار کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ہے أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ إِلَى الْمَدِينَةِ، رواه أبو داود وابن خزيمة، جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مفصلات کی سورتوں میں بھی سجدہ کرنا ثابت ہے، سورۂ نجم میں سجدہ کرنا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بخاری شریف میں وارد ہوا ہے، اور سورۂ انشقاق میں سجدہ کرنا بخاری شریف میں ابوہریرہؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے، اور سورۂ اقرأ میں سجدہ کرنا حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں مسلم شریف میں واقع ہوا ہے۔

مالکیہ نے ابن عباسؓ کی جس روایت کو دلیل بنایا ہے حافظ ابن عبدالبر اور ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اس کا راوی ابو قدامہ حارث بن عبید ایادی متکلم فیہ راوی ہے کثیر الوہم ہے، نیز اس کا دوسرا راوی مطرورّاق سیئ الحفظ ہے، اور امام ابن خزیمہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ابن عباسؓ نافی ہیں اور دوسرے مثبِت ہیں لہذا مثبِت کی روایت کو نافی کی روایت پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(ص ۱۴۶) بَابُ سُجُودِ الْمُسْلِمِينَ مَعَ الْمُشْرِكِينَ

والمشرك نجس ليس له وضوء، وكان ابن عمر يسجد على غير وضوء.

١٠٧١. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ. وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ.

ترجمہ: باب، مسلمانوں کے مشرکین کے ساتھ سجدہ کرنے کا بیان، اور مشرک ناپاک ہوتا ہے اس کا وضو صحیح نہیں اور حضرت ابن عمرؓ وضو کے بغیر سجدۂ تلاوت کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے، مشرکین نے، جنات نے اور انسانوں سجدہ کیا، اس روایت کو ابراہیم بن طہمان نے ایوب سختیانی سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس ترجمہ کی غرض میں اختلاف ہے، (۱) مشہور یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت شرط نہیں، یہی غرض حضرت گنگوہی نے بیان کی ہے اور قاضی عیاض نے مشارق

الانوار میں ایک جگہ پر لکھا ہے کہ بخاری کے ترجمہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے، (۲) امام ابن رشید ارشاد فرماتے ہیں کہ بخاری سجود تلاوت کی مشروعیت کا تاکد بتانا چاہتے ہیں حتی کہ مشرک کو بھی اس کے سجدہ پر باقی رکھا گیا اور صحابی نے اس کے فعل کو سجدہ قرار دیا حالانکہ اس میں سجدہ کی اہلیت نہیں ہے تو جو سجدہ کی اہلیت رکھتا ہے وہ بدرجۂ اولی ہر حال میں سجدہ کرے گا، (۳) علامہ سندی کہتے ہیں کہ امام بخاری کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے مشرکین کا اختلاط سجود سے مانع نہیں ہے اگرچہ مشرک نجس اور غیر متوضی ہوتے ہیں، اور امام بخاری نے آگے ابن عمرؓ کا اثر بطور ترقی کے ذکر کیا کہ وہ یہاں تک کرتے تھے کہ بلا وضو ہی سجدہ کرتے تھے۔

علامہ ابن بطال نے یہاں پہونچ کر امام بخاری پر اعتراض کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اگر امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ابن عمرؓ کے فعل کے لئے استدلال کیا ہے کہ سجدہ بلا وضو جائز ہے تو اس میں حجت نہیں کیوں کہ مشرکین نے جو سجدہ کیا ہے وہ سجدۂ عبادت نہیں تھا اور اگر ابن عمرؓ کی تردید مقصود ہے اور وَالْمُشْرِكُ نَجَسٌ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ اس میں تو اہلیت ہی نہیں ہے تو یہ قول اشبہ بالصواب ہے۔

مگر علامہ ابن بطال کی بات یہاں معقول نہیں ہے، اصل میں یہ حضرات اپنے اپنے مذاہب کے پابند ہیں، چونکہ جمہور علماء کے نزدیک سجود تلاوت کیلئے طہارت شرط ہے حتی کہ بہت سے لوگوں نے اس کو اجماعی مسئلہ سمجھ لیا ہے اسلئے جب اس کے خلاف کچھ نظر آیا تو اس میں ان لوگوں نے اعتراضات شروع کر دیئے۔

صحیح بات یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت گو جمہور علماء کے نزدیک شرط ہے لیکن ایک جماعت علماء کی اس کو شرط نہیں مانتی ہے، ابن ابی شیبہ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ راستے میں سواری پر سوار۔۔۔ کر پیشاب کرتے پھر سوار ہو کر تلاوت شروع کر دیتے اور سجدہ آنے پر اشارہ کرتے تھے، ابن ابی شیبہ ہی نے بسند صحیح عامر شعبی سے اور بسند حسن ابو عبدالرحمن سلمی سے نقل کیا ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت شرط نہیں، اسی کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے اسی لئے فرماتے ہیں وَالْمُشْرِكُ نَجَسٌ لَيْسَ لَهُ وُضُوْءٌ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْجُدُ عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ اور اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔

جو لوگ طہارت کو ضروری قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سجدہ نماز کا سب سے مہتم بالشان رکن ہے اور جب نماز میں طہارت شرط ہے تو سجدہ میں بھی شرط ہوگی، اور جو لوگ سجدہ کے لئے اشتراط طہارت کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کے کل کے لئے شرط ہونے سے جزء کے لئے شرط ہونا لازم نہیں آتا ہے، اگر پوری عمارت

کے لئے ڈاٹ ضروری ہے تو صرف دیوار کے لئے کہاں سے ڈاٹ کا ضروری ہونا ثابت ہو گیا؟ اور اسی کے ساتھ صحابی اور تابعی کا عمل بھی لے لیجئے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کا اجتہاد یہاں گو انفراد کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اقویٰ ہے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْجُدُ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ: اسی طرح اکثر نسخوں میں ہے لیکن ابو محمد اصیلی اور ابوالحسن قابسی کے نسخہ میں يَسْجُدُ عَلَى وُضُوءٍ لفظِ غیر کے حذف کے ساتھ ہے، یہ نسخہ مرجوح ہے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو ہم نے ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ پہلا ہی نسخہ صحیح ہے اور مصنف کے ترجمہ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں نیز مصنف کا قول وَالْمُشْرِكُ نَجَسٌ لَيْسَ لَهُ وُضُوءٌ اس پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن نسخۂ اولیٰ کے صحیح مان لینے پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام بیہقی نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے **لا یسجد الرجل إلا وهو طاهر** اور اس کی سند صحیح ہے، تو اب یہاں ابن عمرؓ کے دونوں آثار میں تعارض ہو گیا اور اگر نسخۂ ثانیہ کو صحیح مانا جائے تو کوئی اشکال نہیں، لیکن داخلی وخارجی دلائل کی بنیاد پر نسخۂ اولیٰ متعین ہے، اور تعارض کا جواب حافظ ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ **لا یسجد الرجل إلا وهو طاهر** میں طہارت کبریٰ مراد ہے، حاصل یہ نکلا کہ ابن عمرؓ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت کبریٰ شرط ہے اور طہارت صغریٰ شرط نہیں ہے۔

حافظ نے واقع میں بہت مناسب جمع کیا ہے لیکن یہاں پر یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ ابن عمرؓ کا اثر اتنا ہی نہیں ہے جتنا ہم نے نقل کیا ہے یعنی **لا یسجد الرجل إلا وهو طاهر** بلکہ اسی کے ساتھ فرماتے ہیں **لا یقرأ إلا وهو طاهر ولا یصلّی علی جنازة إلا وهو طاهر**، اب اگر یہاں پر طہارت سے طہارت کبریٰ مراد لی جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ابن عمرؓ کے نزدیک قرأت اور صلوۃ علی الجنازہ کے لئے طہارت کبریٰ شرط ہے طہارت صغریٰ شرط نہیں ہے اور امام بیہقی نے اس اثر کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے، اور بیہقی کا مذہب یہ ہے کہ قرأت کے لئے طہارت کبریٰ تو شرط ہے طہارت صغریٰ شرط نہیں ہے اور صلوۃ جنازہ میں طہارت صغریٰ وکبریٰ دونوں کو شرط کہتے ہیں تو اب اس کا مطلب یہ نکلا کہ بیہقی ابن عمرؓ کے اثر کو عام مانتے ہیں اس میں طہارت کبریٰ اور صغریٰ دونوں داخل ہیں، اب اگر ہم ابن عمرؓ کے اثر کو عام قرار دیں جیسا کہ اس کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں حافظ ابن حجر کا جمع ٹوٹ گیا کیوں کہ وہ تو اس بات پر مبنی تھا کہ ابن عمرؓ نے طہارت سے

طہارت کبریٰ مراد لی ہے اور پورے اثر اور بیہقی کے مذہب پر نظر کرتے ہوئے جو اس کے راوی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام ہے طہارت کبریٰ وصغریٰ دونوں مراد ہیں۔

اس صورت میں اب دونوں اثروں میں یعنی جس کو بیہقی نے نقل کیا ہے اور جس کو بخاری نے اس طرح جمع کیا جائے گا کہ بیہقی کا ذکر کردہ اثر تو محمول ہے حالتِ اختیار پر اور بخاری کا ذکر کردہ اثر محمول ہے حالتِ سفر پر، اگر انسان کو سجدۂ تلاوت کرنا ہو حضر میں فلا یسجد الرجل إلا وھو طاھر اور اگر سفر میں کرنا ہو فلایشترط له الطھارۃ الصغری بلکہ بلا طہارتِ صغریٰ کے بھی سجدۂ تلاوت جائز ہے۔

وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ: یہ قصہ مکہ مکرمہ کا ہے اور واقدی کی رائے ہے کہ رمضان سن ۵ نبوی کا ہے، مہاجرین اولین پہلے حبشہ گئے اسی دوران مشرکین کے سجدہ کا قصہ پیش آگیا تو یہ شہرت ہوگئی کہ مشرکین نرم پڑ گئے مہاجرینِ حبشہ واپس آگئے لیکن معاملہ پہلے سے زیادہ سخت تھا اسلئے ان کو دوبارہ ہجرت کرنا پڑی۔

اب یہاں پر سوال یہ ہے کہ مشرکین نے کیوں سجدہ کیا علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

(۱) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مشرکین نے مسلمین کا معارضہ کیا مسلمانوں نے اللہ کو سجدہ کیا مشرکین نے اپنے اصنام کو، اس پر اشکال یہ ہے کہ مشرکین گو بتوں کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ اللہ کو بھی مانتے تھے اس پر بھی ایمان رکھتے تھے تو ان کو کیا ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے معارضہ میں اللہ کو چھوڑ کر اصنام کو سجدہ کرتے، مزید یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی روایت میں آچکا کہ جب سب نے سجدہ کیا تو ایک بڈھے نے مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگادی اور کہنے لگا کہ یہ میرے لئے کافی ہے، ابن مسعودؓ کہتے ہیں فرأيتهٗ بعدَ ذٰلک قُتِلَ کَافِرًا اس سے اشارۃً یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو اس وقت سجدہ کی توفیق ہوگئی شاید بعد میں ان کو دولت ایمان مل گئی اور دولت ایمان سجود للہ کی برکت سے ملے گی سجود للاصنام کی وجہ سے نہیں مل سکتی ہے۔

(۲) کرمانی کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے مشرکین مسلمانوں سے ڈر گئے ہوں، اس پر یہ اشکال ہے کہ اس وقت مسلمین کی پوزیشن ایسی کہاں تھی جو ان سے کفار ڈر جاتے۔

(۳) کرمانی کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے مشرکین بے اختیار سجدہ میں چلے گئے ہوں لیکن یہ بات بالکل ہی غیر معقول ہے۔

(۴) علامہ ابن بطال وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے أفرأیتم اللاتَ وَالعُزّیٰ کے بعد شیطان نے رسول اکرم ﷺ کی زبان پر بتوں کی مدح ڈال دی آپ کے منہ سے تلک الغرانیق العلیٰ، وإن شفاعتهن لترتجیٰ نکل گیا جب آپ کو علم ہوا تو آپ بے حد غمگین ہوئے، اللہ نے آپ کی تسلی کے لئے آیت کریمہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ نازل فرمائی۔

یہاں پہونچ کر اس بات کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ غرانیق کے قصہ کی حیثیت کیا ہے؟

اکثر قدماء ابو جعفر بن جریر طبری، ابو محمد بن قتیبہ، ابوالحسن بن بطال، ابوالحسن واحدی وغیرہ اس کو ثابت مانتے ہیں لیکن بہت سے علماء نے اس کا قطعاً انکار کیا ہے، ابن حزم ظاہری، قاضی ابن عربی، قاضی عیاض، نووی اور درجن سے زائد علماء اس واقعہ کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے اصنام کی مدح اور بتوں کی تعریف ظاہر ہو، آپ تو خلیل بت شکن کے خلفِ صدق اور توحید کے علم بردار ہیں آپ بتوں کی تعریف کیسے کر سکتے تھے؟ اسلئے اس سلسلہ میں جتنی بھی روایات نقل کی جاتی ہیں سب کی سب ناقابل التفات ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں بہت سی مرسل روایات منقول ہیں جن میں تین کی اسانید صحیح ہیں، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ اور ابو بکر بن عبد الرحمن کی روایتیں ابن جریر طبری نے بسندِ صحیح نقل کی ہیں۔

جو لوگ مراسیل کو حجت مانتے ہیں ان کے مسلک پر تو یہ روایتیں حجت ہیں اور جو نہیں مانتے ان کے مسلک پر اعتضاد اور تعدد کی وجہ سے قوت پیدا ہونے کی وجہ سے یہ روایتیں حجت ہیں لہٰذا یہاں ان روایتوں کے انکار کے بجائے ان کی تاویل کی ضرورت ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجر نے اس کی تاویلات نقل کی ہیں۔

(۱) پہلی تاویل یہ ہے کہ شیطان نے آپ سے زبردستی کہلوا دیا، قاضی ابن عربی کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ اور سید الانبیاء ﷺ تو سید العباد المخصوصین ہیں وہاں شیطان کی کیا رسائی ہو سکتی ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ نعاس کی حالت میں آپ کے منہ سے یہ کلمہ نکل گیا۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ سہو کی حالت کی وجہ سے نکل گیا، ان دونوں جوابوں پر اشکال ہے کہ بہر حال یہ مدحِ اصنام ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے اصنام کی مدح کسی حال میں نہیں نکل سکتی ہے۔

(۴) بعضوں نے کہا ہے کہ حضور نے یہاں کفار کی توبیخ کی ہے، لات وعزیٰ کا جب نام آیا تو آپ نے فرمایا کہ اسی کو تم نے غرانیق العلیٰ سمجھ لیا ہے؟ یہی تمہارے سفید پرندے ہیں جو تمہارے لئے شفاعت کریں گے جس کی تم امید کئے ہوئے ہو؟ یعنی تمہارا خیال بالکل غلط ہے۔

(۵) پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ نے اس سے ملائکہ کو مراد لیا ہے۔

(۶) چھٹا جواب یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ تلاوت میں مشغول تھے تو بعض مشرکین نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر یہ کلمات بیچ میں داخل کر دیئے یہ آپ کے کلمات نہیں تھے۔

(۷) شیطان نے آپ کی تلاوت کے سکتات میں موقع پا کر آپ کی آواز سے آواز ملا کر ان کلمات کو داخل کر دیا، ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہی وجہ سب سے احسن ہے، لیکن چھ اور سات نمبر کی جو توجیہات ہیں اس کا حاصل تو یہ ہے کہ آپ کے منھ سے یہ کلمات نہیں نکلے، اور جتنے آثار اس سلسلہ میں وارد ہیں جس کو حافظ ابن حجر نے خود نقل کیا ہے ان سب میں یہ تصریح ہے کہ حضور ﷺ کی زبان سے یہ کلمات نکلے ہیں، تو یہ توجیہات ان آثار کے الفاظ سے کوئی مطابقت نہیں کھاتی ہیں اور جتنی بھی توجیہات حافظ نے نقل کی ہیں ان سے پہلے قاضی عیاض نے وہ سب نقل کی ہیں۔

مرسل مقبول ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مراسیل بہت سے علماء امام مالک، امام ابو حنیفہ کے یہاں حجت ہیں اور یہی امام احمد کا ایک قول ہے، عام محدثین اسکو حجت نہیں مانتے ہیں یہی امام بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم وغیرہ کا مسلک ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مراسیل کے حجت ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں تین راوی میں اور ایک مروی میں، راوی میں پہلی شرط یہ ہے کہ جب بھی وہ ارسال کرتا ہو ثقہ سے ارسال کرتا ہو یعنی جب واسطہ ذکر کرے تو وہ ثقہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ تابعی کبیر ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ ثقات کی مخالفت نہ کرتا ہو، اگر کرتا ہو تو صرف اتنی بات میں کہ ثقات جس روایت کو نقل کرتے ہیں یہ اس کو مختصراً نقل کرتا ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ

اس کا کوئی عاضد ہو۔

پھر عاضد کی چار قسمیں ہیں، (۱) وہی روایت کسی طریقِ موصول معتبر سے منقول ہو، (۲) کسی دوسرے مرسل طریق سے منقول ہو جس کا منتہیٰ اور ہو اور پہلے مرسل کا منتہیٰ اور ہو، (۳) کسی صحابی کا قول اس کے موافق ہو، (۴) عام علماء اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہوں۔

یہاں پر سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس روایت کے راوی سعید بن جبیر، ابو بکر بن عبدالرحمن اور ابوالعالیہ وغیرہ ہیں یہ متوسط درجہ کے تابعی ہیں اور اگر انکو تابعیِ کبیر تسلیم کرلیا جائے تو آگے کی شرائط کی تحقیق کی ضرورت پیش آئے گی، اور اگر تمام شرطیں تسلیم کرلی جائیں تو سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ کوئی حدیث اسی وقت مسلّم ہوگی جب وہ مقام نبوت سے نہ ٹکراتی ہو، اور یہ روایت مقام عصمت سے ٹکرا رہی ہے تو بھلا ایسے وقت میں اس کا کیا اعتبار کیا جائے گا، اسی لئے قدماء نے تو جن کے نام آچکے انکار کیا ہی ہے اس زمانے کے بعض ماہرینِ روایات نے بھی انکار کیا ہے، علامہ البانی نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرانیق تصنیف کیا اور ایک دوسرے عالم نے جس کا نام مجھے یاد نہیں ہے بہت بڑا رسالہ لکھا۔

لیکن جب ہم اس روایت کے سلسلے کے تمام طرق کا انکار کر دیتے ہیں تو اب آگے ایک سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ آیا سورۂ نجم کی تلاوت کے وقت مشرکین نے کیوں سجدہ کیا اور آیت کریمہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ کی کیا واضح توجیہ ہوگی؟ اسلئے بہت سے علماء نے اس قصہ کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ میں بتا چکا ابن جریر طبری، ابن قتیبہ، بغوی، ابن بطال، واحدی ہبۃ اللہ بن سلامہ مفسر کی بھی رائے ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اور اس پر جو یہ اشکال پڑتا ہے کہ یہ قصہ پورا کا پورا مقام عصمت سے ٹکراتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پورے قصہ کی بساط محمد رسول اللہ ﷺ کے صدق پر دلالت کر رہی ہے، جب آپ کے منھ سے بر تقدیرِ ثبوت یہ کلمات نکل گئے تو جبرئیل امین آتے ہیں (ابن جریر طبری کی روایت میں ہے) فرماتے ہیں پڑھئے آپ نے سورۂ نجم کی تلاوت کی ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى﴾ پر پہونچ کر کہتے ہیں تلک الغرانیق العلی وإن شفاعتهن لترتجی تو جبرئیل کہتے ہیں کہ یہ کلمات تو لیکر میں نہیں آیا، نبی اکرم ﷺ پر

ایک غم کی حالت طاری ہو جاتی ہے پھر اللہ کی طرف سے تسلی کی جاتی ہے اور سورہ حج کی آیت ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ نازل فرمادی اور بتادیا کہ اتنے غمگین ہونے کی بات نہیں ہے، شیطان کا قدیم زمانہ سے یہی دستور ہے جب انبیاء ورسل تلاوت کرتے ہیں تو وہ اس میں اپنی طرف سے آمیزش کر دیتا ہے لیکن اللہ شیطان کی آمیزش کو باقی نہیں رہنے دیتا ہے زائل کر دیتا ہے ﴿فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ﴾، نسخ کے معنٰی ہیں ازالہ کے، اللہ القاءِ شیطان کا ازالہ کر دیتے ہیں قلع قمع کر دیتے ہیں جڑ سے اسکو کھود کر پھینک دیتے ہیں ﴿ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ﴾ اور اپنی آیات کا احکام کرتے ہیں، چنانچہ سورۂ نجم میں جب حضور ﷺ کو ایسا قصہ پیش آیا تو اللہ نے آپ پر تنبیہ کی اور شیطان کی آمیزش کو جڑ سے کاٹ کے رکھ دیا اور آپکا اس بات کو تسلیم کر لینا آپ کے صدق کی علامت ہے یہ سچوں کی شان ہے کہ اگر کبھی ان سے کوئی بھول چوک ہو جاتی ہے تو وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اسکی بے جا تاویل نہیں کرتے بلکہ اس بھول چوک سے رجوع کر لیتے ہیں یہی سید الصادقین محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے کیا فوراً اعتراف کر لیا اور رجوع فرمالیا تو منصف کیلئے یہ قصہ رسول اکرم ﷺ کی صداقت اور حقانیت کی دلیل ہے لیکن اگر کسی کے دل میں کھوٹ ہو دغل ہو تو اسکا کوئی علاج ہی نہیں ہے۔

(ص ۱۴۶) بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ

۱۰۷۲. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَزَعَمَ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا.

۱۰۷۳. حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا.

ترجمہ: باب، جس شخص نے آیتِ سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا۔

عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سورۂ نجم کے سجدہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے

رسول اللہ ﷺ کو سورۂ نجم پڑھ کر سنائی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو سورۂ والنجم پڑھ کر سنائی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

تشریح: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ غالباً امام بخاری ان لوگوں پر رد کرنا چاہتے ہیں جو سجود منفصل کا انکار کرتے ہیں، اور حاصل تردید یہ ہے کہ فوری طور پر سجدہ نہ کرنے سے مطلق سجدہ نہ کرنے کی نفی لازم نہیں آتی ہے، اور ممکن ہے مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو کہ سجدۂ تلاوت علی الفور کرنا ضروری نہیں ہے، یہ مسئلہ حنفیہ کے یہاں مختلف فیہا ہے، ظاہر الروایہ میں علی الفور کرنا ضروری نہیں ہے اور ایک شاذ روایت تاتارخانیہ میں نقل کی گئی ہے کہ علی الفور واجب ہے، مصنف کا یہ ترجمہ ظاہر الروایہ کی تائید کرتا ہے۔

(ص ۱۴۶) بَابُ سَجْدَةِ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ

١٠٧٤. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَا: حدثنا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَرَأَ ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ بِهَا، فَقُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَلَمْ أَرَكَ تَسْجُدُ؟ قَالَ: لَوْ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ لَمْ أَسْجُدْ.

ترجمہ: باب، إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ کے سجدہ کا بیان۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ کی قرأت کی اور سجدہ کیا تو میں نے کہا اے ابو ہریرہ! کیا میں نے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں سجدہ نہ کرتا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے سورۂ انشقت کے سجدہ کو ثابت کیا ہے، ائمۂ ثلاثہ اس کے قائل ہیں مالکیہ انکار کرتے ہیں، ان کی دلیل اور اس پر کلام گزر چکا۔

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: بخاری شریف میں ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ وارد ہے کہ انہوں نے انشقت میں سجدہ کیا اور مسلم شریف میں انشقت کے ساتھ اقرأ کا بھی ذکر وارد ہوا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سن ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ حضور پاک ﷺ نے ہجرت کے بعد بھی مفصلات کا سجدہ کیا ہے، لہٰذا ابو داؤد کی روایت عن ابن عباس أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ

إِلَى الْمَدِينَةِ صحیح نہیں ہے، میں بتلا چکا ہوں کہ ابن عبد البر وغیرہ کہتے ہیں وهو منكر اور علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے تو اتنا مبالغہ کیا کہ اس کے باطل ہونے کا فیصلہ کر دیا اور امام نووی وغیرہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور ابن خزیمہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ نافی ہے اور یہ روایت مثبت ہے و الحکم للمثبت لا النافي۔

(ص ۱۴۶) بَابُ مَنْ سَجَدَ لِسُجُودِ الْقَارِئِ

وقال ابن مسعود لتميم بن حذلم وهو غلام فقرأ عليه سجدة فقال: اسجد فإنك إمامنا فيها.

١٠٧٥. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَيْنَا السُّورَةَ فِيهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَوْضِعَ جَبْهَتِهِ.

ترجمہ: باب، جو پڑھنے والے کے سجدے کے بعد سجدہ کرے۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے تمیم بن حذلم سے کہا اور تمیم نو عمر لڑکے تھے اور انہوں نے ابن مسعودؓ کے سامنے آیت سجدہ پڑھی تھی تو ابن مسعودؓ نے ان سے کہا کہ تم سجدہ کرو اس لئے کہ تم اس سجدے میں ہمارے امام ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے وہ سورت پڑھتے تھے جس میں آیت سجدہ ہوتی تھی پھر آپ سجدہ کرتے تھے اور ہم سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم میں سے کسی آدمی کو ازدحام کی وجہ سے اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ بھی نہ ملتی تھی۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے سجدۂ سامع کا مسئلہ بیان کیا ہے، قاری پر تو سجدہ ہے لیکن آیا سامع پر سجدہ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ سامع پر سجدہ واجب ہے چاہے وہ سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے اور یہی شافعیہ کا راجح قول ہے۔

حضرات حنابلہ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ سامع پر تین شرطوں کے ساتھ سجدہ واجب ہو گا، اول یہ کہ بالقصد سننے کا ارادہ کرے، دوسری شرط یہ ہے کہ قرأت کرنے والا قاری امامت کی اہلیت رکھتا ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ قاری سجدہ بھی کرے، مالکیہ نے اس کے آگے ایک شرط یہ بھی لگائی ہے کہ قاری کا مقصود تلاوت ہو، اسماع الناس اور اپنی آواز سنانا اور اس پر اپنی حسن قرأت ظاہر کرنا مقصود نہ ہو۔

امام بخاری نے بظاہر ان مسالک میں سے حنابلہ اور مالکیہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، چنانچہ مصنف نے اس باب میں اور اسی طرح سے بَاب مَنْ رَأَى أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُوجِبِ السُّجُودَ میں جو آثار ذکر کئے ہیں وہ اسی بات کی طرف مشیر ہیں، اور ممکن ہے یہ کہا جائے کہ امام بخاری کے نزدیک سامع پر سجدہ اسی وقت واجب ہوگا جبکہ قاری سجدہ کرے اور اس میں سجدہ کی اہلیت ہو، سماع شرط نہیں اس لئے کہ مصنف نے کوئی ایسا اثر یا کوئی ایسی روایت اس باب میں ذکر نہیں کی ہے جس سے سماع کی شرط نکلتی ہو لیکن ظاہر یہی ہے کہ مصنف یہ شرط بھی ملحوظ رکھتے ہیں اس لئے کہ ابن مسعودؓ کا اثر ذکر فرمایا ہے اس میں اگرچہ صراحۃً سماع کا ذکر نہیں لیکن اس کے ظاہر سے سماع بھی مستفاد ہوتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: اس میں فَقَرَأَ عَلَيْهِ سَجْدَةً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابن مسعودؓ سماع فرما رہے تھے، فَإِنَّكَ إِمَامُنَا تم ہمارے امام ہو، یعنی مطلب یہ ہے کہ تم نے سجدہ تلاوت کیا ہے اور تم قاری ہو اور قاری امام ہوتا ہے اور سامع مقتدی ہوتا ہے لہذا پہلے تم سجدہ کروگے پھر اس کے بعد ہم سجدہ کریں گے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: مصنف کا استدلال فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ سے ہے یعنی سرکار دوعالم ﷺ جب آیت سجدہ تلاوت فرماتے تو پہلے آپ سجدہ کرتے تھے اس کے بعد پھر آپ کی اتباع میں ہم سجدہ کیا کرتے تھے۔

(ص ۱۴۶) بَابُ ازْدِحَامِ النَّاسِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ السَّجْدَةَ

۱۰۷۶. حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهِ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: باب، جب امام سجدہ کی آیت پڑھے تو لوگوں کے ہجوم کا بیان۔

تشریح: حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے سجود کا تاکد بیان فرمایا ہے۔

امام بخاری نے ایک ترجمہ یہ ذکر کیا ہے اور ایک ترجمہ ص ۱۴۷ پر منعقد کیا ہے بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا

لِلسُّجودِ مِنَ الزِّحامِ، بظاہر ان ترجموں میں صرف لفظی ہیر پھیر ہے ورنہ واقع اور معنی کے اعتبار سے دونوں متفق ہیں کہ اگر ازدحام ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے تو تاکدِ سجود کو بیان کرنا ہے اور آئندہ باب سے ایک اور مسئلہ بتلانا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر سجدہ کی جگہ نہ ملے تو کیا کرے؟ کسی کی پیٹھ پر سجدہ کرلے یا سجدہ کو مؤخر کردے؟ یہ مسئلہ آگے آنے والے ترجمہ کے ذیل میں مصنف نے بیان کیا ہے۔

(ص ۱۴۶) بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُوجِبِ السُّجُودَ

وقيل لعمران بن حصين: الرجل يسمع السجدة ولم يجلس لها ؟ قال: أرأيت لو قعد لها كأنه لا يوجبه عليه؟ ، وقال سلمان: ما لهذا غدونا؟ وقال عثمان: إنما السجدة على من استمعها، وقال الزهري: لا يسجد إلا أن يكون طاهرا، فإذا سجدت وأنت في حضر فاستقبل القبلة، فإن كنت راكبا فلا عليك حيث كان وجهك، وكان السائب بن يزيد لا يسجد بسجود القاص.

۱۰۷۷. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهُدَيْرِ التَّيْمِيِّ- قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَكَانَ رَبِيعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ عَمَّا حَضَرَ رَبِيعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ - قَرَأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُورَةِ النَّحْلِ حَتَّى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءَتِ السَّجْدَةُ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ، فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ،وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ.

وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُودَ إِلاَّ أَنْ نَشَاءَ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کی دلیل کا ذکر جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں کیا ہے۔

اور حضرت عمران بن حصینؓ سے کہا گیا کہ کوئی شخص سجدے کی آیت سنتا ہے اور وہ اس نیت سے بیٹھا نہیں تھا تو کیا اس پر سجدہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تم کیا سمجھتے ہو وہ اگر اس نیت سے بیٹھا بھی ہو؟ گویا کہ حضرت عمرانؓ اس پر سجدے کو واجب نہیں

سمجھتے تھے، اور حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ ہم اس کام کے لئے نہیں آئے تھے، اور حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ سجدہ صرف اس شخص پر ہے جس نے آیت سجدہ سننے کے لئے کان جھکائے، اور زہری نے کہا کہ سجدہ نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ باوضو ہو، پھر جب تم سجدہ کرو اور تم حضر میں ہو (سفر میں نہ ہو) تو قبلہ کی طرف رخ کرو اور اگر تم سواری پر ہو (سفر میں ہو) تو کوئی مضائقہ نہیں جدھر بھی تمہارا رخ ہو اسی پر سجدہ کر لو، اور سائب بن یزید واعظوں کے آیت سجدہ پڑھنے پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔

ربیعہ بن ہدیر تیمی (جن کے بارے میں ابو بکر بن ابی ملیکہ نے کہا کہ وہ بہت منتخب لوگوں میں تھے) نے وہ بات بیان کی جو انہوں نے حاضر ہو کر حضرت عمرؓ کے بارے میں دیکھی تھی کہ حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل پڑھی یہاں تک کہ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو حضرت عمرؓ منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا، یہاں تک کہ جب دوسرا جمعہ آیا تو انہوں نے پھر وہ سورت پڑھی حتیٰ کہ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو فرمایا اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم سجدہ کی آیت سے گزرتے ہیں تو جس نے سجدہ کیا تو بے شک اس نے صحیح عمل کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور حضرت عمرؓ نے سجدہ نہیں کیا، اور نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ بات اور زیادہ نقل کی کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سجدۂ تلاوت کو فرض نہیں کیا ہے مگر یہ کہ ہم چاہیں تو سجدہ کریں۔

تشریح: یہ آگیا وہ ترجمہ جس کا میں نے ابتداء میں حوالہ دیا تھا، حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ اختلافیہ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟ حضرات ائمۂ ثلاثہ سنیت کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

جو حضرات سنیت کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسی روایات موجود ہیں کہ سجدۂ تلاوت ہوا اور سجدہ نہیں پایا گیا، چنانچہ امام بخاری نے حضرت عمرؓ کا جو اثر اس باب میں نقل فرمایا ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ یہ اس بات کی صاف دلیل ہے، اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں إِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُودَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ۔

سجدۂ تلاوت کے وجوب کے قائلین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سجود تلاوت کی جو آیات ذکر فرمائی ہیں وہ تین طرح کی ہیں، بعض وہ آیات ہیں جن میں حق تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا جیسے ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾، بعض میں سجدہ نہ کرنے پر نکیر ہے جیسے ﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾ اور بعض میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا فعل نقل کیا ہے ﴿وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾، اور حق تعالیٰ کے اوامر کا امتثال اور انبیاء کا اقتداء اور جس چیز کو اللہ ناپسند فرمائے اس سے اجتناب واجب ہے معلوم ہوا کہ سجود تلاوت واجب ہے۔

باقی رہ گئیں وہ روایات اور آثار جن سے عدم وجوب مستفاد ہوتا ہے اس کا ہمارے فقہاء نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے وہ وقت کراہت کا ہو، یا وضوء نہ رہا ہو، یا یہ بتلانا مقصود ہو کہ فوری طور پر سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے، محقق ابن ہمام نے حضرت عمرؓ کے اس اثر کا جو بخاری نے اس باب میں نقل کیا ہے یہی جواب دیا ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ فوریت پر محمول ہے لیکن حضرت عمرؓ کا ارشاد وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ عدم وجوب ہی کے قول کی طرف مائل معلوم ہوتا ہے، اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں إِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُودَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ معلوم ہوا کہ مشیت پر دارومدار ہے بذات خود سجود فرض نہیں۔

حضرت امام بخاری کا اس مسئلہ میں رجحان جمہور ہی کے قول کی طرف ہے۔

أَرَأَيْتَ لَوْ قَعَدَ لَهَا: یعنی اگر بالقصد سنا بھی ہو تو کیا ضروری ہے کہ وہ سجدہ کرے۔

كَأَنَّهُ لَا يُوجِبُهُ عَلَيْهِ: یہ امام بخاری کا مقولہ ہے۔

وَقَالَ سَلْمَانُ مَا لِهَذَا غَدَوْنَا: حضرت سلمانؓ تشریف لے گئے لوگ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھ رہے تھے ایک آدمی نے آیت سجدہ زور سے پڑھ لی تو حضرت سلمانؓ نے سجدہ نہیں کیا اور فرمایا مَا لِهَذَا غَدَوْنَا۔

وَقَالَ عُثْمَانُ إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنِ اسْتَمَعَهَا: قصہ گو صاحب وعظ کہہ رہے تھے انہوں نے سمجھا کہ حضرت عثمانؓ بیٹھ جائیں گے وہ بیٹھے نہیں اور فوراً آیت سجدہ پڑھ دی حضرت عثمانؓ نہیں بیٹھے اور فرمایا إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنِ اسْتَمَعَهَا سجدہ تو اس پر ہے جو بالقصد سنے۔

امام بخاری نے یہ اثر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ذکر کیا ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہے، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ تو کہتے ہیں إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنِ اسْتَمَعَهَا معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے یہاں سجدہ مستمع پر ہے یعنی جو بالقصد سنے سامع پر نہیں ہے، بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں حضرت عثمانؓ واجب مانتے ہیں الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ استماع کا مطلب یہ ہے کہ تاکد اس پر ہوتا ہے جو بالقصد سنتا ہو۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا يَسْجُدُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ طَاهِرًا: زہری فرماتے ہیں کہ باطہارت سجدہ کرو اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

فَإِذَا سَجَدْتَ وَأَنْتَ فِي حَضَرٍ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ: یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لئے استقبال قبلہ کرنا ضروری ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ رَاكِبًا فَلَا عَلَيْكَ حَيْثُ كَانَ وَجْهُكَ: اگر آدمی راکب ہو تو جدھر چہرہ ہو ادھر سجدہ کر سکتا ہے، یہی ائمۂ اربعہ کا مسلک ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ راکبًا سجدہ کرنا جائز ہے البتہ حنفیہ فرماتے ہیں کہ راکبًا وہی سجدہ جائز ہے جو علی وجہ الرکوب واجب ہوا ہو، اور اگر سجدہ زمین پر واجب ہوا اور اس کے بعد سواری پر سوار ہو گئے تو اب سوار ہو کر سجدہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، امام بخاری نے اسی جزء کی وجہ سے یہ اثر ذکر کیا ہے اور گویا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ راکبًا سجدہ کا جواز اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واجب نہیں کیوں کہ واجب کو تو زمین پر ادا کرنا پڑے گا جیسے فرض کو زمین پر ادا کرنا پڑتا ہے اور نفل راکبًا جائز ہے، لیکن حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ جو سجدہ راکبًا واجب ہوا ہے وہ جیسا واجب ہوا ہے ویسا ہی ادا ہو گیا یہ وجوبِ سببی ہے اور فرائض کا وجوب وجوبِ سببی نہیں ہے لہذا اس کو فرائض پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

وَكَانَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ لَا يَسْجُدُ الخ: سائب بن یزید قاصّ کے سجدہ کرنے کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا کرتے تھے، قاصّ صاد مہملہ کی تشدید کے ساتھ ہے الذی یقص الناس الأخبار والمواعظ، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں لم أقف علی هذا الأثر موصولًا۔

قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَكَانَ رَبِيعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ: یہ جملہ معترضہ ہے، ابو بکر بن ابی ملیکہ؛ ربیعہ کی توثیق فرمارہے ہیں۔

عَمَّا حَضَرَ رَبِيعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: یہ متعلق ہے أخبرنی کے یعنی أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرٍ عَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَبِيعَةَ عَنْ قِصَّةِ حُضُوْرِ رَبِيعَةَ مجلسَ عمر، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ أخبرنی ہی کے متعلق ہے عن عثمان، اب اگر عما حضر بھی اسی سے متعلق ہو تو اس صورت میں لازم آئے گا کہ دو حرف جر ایک ہی فعل سے متعلق ہو جائیں گے اور یہ جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلا عن تو متعلق ہے راویًا کے اور دوسرا عن أخبرنی کے متعلق ہے، تقدیرِ عبارت ہوگی أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرٍ رَاوِيًا عَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَبِيعَةَ عَنْ قِصَّةِ حُضُوْرِ رَبِيعَةَ مجلسَ عمر۔

(ص ۱۴۷) بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلَاةِ فَسَجَدَ بِهَا

۱۰۷۸. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ:

صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ ﴿ إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنشَقَّتْ ﴾ فَسَجَدَ فَقُلْتُ: مَا هَذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ فَلاَ أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتَّى أَلْقَاهُ.

ترجمہ: باب، جو نماز میں آیت سجدہ پڑھے اور نماز ہی میں سجدہ کرلے۔

ابورافع سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو حضرت ابوہریرہؓ نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ کی قرأت کی اور سجدہ کیا تو میں نے ان سے کہا یہ سجدہ کیا ہے؟ تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے اس جگہ حضور ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے تو میں برابر اس جگہ سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپ سے ملاقات کروں۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ اختلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابواب قرأت میں بھی گزر چکا ہے وہ یہ ہے کہ آیا نماز میں ایسی سورتیں پڑھی جاسکتی ہیں جن میں سجدۂ تلاوت ہوتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے یہاں بلاتفصیل جائز ہے اور مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ ایسی سورتیں پڑھنا فرائض میں مطلقاً مکروہ ہے، اور حنفیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ جیسے ابن حبیب وغیرہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ جہریہ میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ صلوۃ سریہ میں ایسی سورت نہیں پڑھنی چاہئے جس میں سجدۂ تلاوت ہو اس لئے کہ نماز پڑھنے والوں کو اور مقتدیوں کو دھوکہ لگنے کا اندیشہ ہے، پھر اگر کسی نے پڑھ لیا تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ سجدۂ تلاوت کرے یا نہیں؟ حنابلہ کہتے ہیں کہ نہیں کرے گا اور باقی حضرات کہتے ہیں کہ کرے گا، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو نماز میں ایسی سورت پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور مکروہ قرار دیتے ہیں جس میں سجدہ ہو۔

(ص ۱۴۷) بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُودِ مَعَ الْإِمَامِ مِنَ الزِّحَامِ

۱۰۷۹. حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السُّورَةَ الَّتِي فِيهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ.

ترجمہ: باب، جس شخص کو ازدحام کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کے لئے جگہ نہ ملے۔

تشریح: حافظ ابن حجر اور علامہ عینی وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آدمی بقدر استطاعت سجدہ کرے حتی کہ اگر دوسرے کی پشت پر ہی ہو تو سجدہ کرلے، اگر سجدۂ تلاوت پڑھا گیا اور ازدحام کی وجہ سے جگہ نہ ملی تو آیا کسی کی پشت پر سجدہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں ہاں ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر نماز جمعہ میں ازدحام ہو جائے اور ازدحام کی وجہ سے سجدہ کا موقع نہ ملے اور زمین پر سجدہ نہ کر سکتا ہو تو آیا کسی کی پشت پر سجدہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ، امام احمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہاں دوسرے کی پشت پر سجدہ کر سکتا ہے اور امام مالک کے نزدیک کرنا جائز نہیں اور اگر کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی، اب اسی قیاس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سجدۂ تلاوت کا بھی یہی حکم ہے کہ ائمۂ ثلاثہ کے یہاں دوسرے کی پشت پر سجدہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک سجدہ نہیں کر سکتا ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ ہمارے حضرت گنگوہی یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمہ میں جزم بالحکم نہیں فرمایا اس لئے کہ حدیث الباب محتمل ہے، ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ آدمی سجدہ کرلے اپنے بھائی کی پشت پر اگر جگہ نہ ملے اور ممکن یہ ہے کہ مؤخر کر دے یا یہ کہ ساقط ہو جائے۔

ابواب سجود القرآن پورے ہوئے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(ص ۱۴۷) أَبوَابُ تَقۡصِیرِ الصَّلاَۃِ

نماز کے قصر کرنے کے ابواب

مناسبتِ ابوابِ بخاری: بعض علماء نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ابواب بظاہر صلوۃ الخوف کے بعد ہونے چاہئیں، لیکن میں ماقبل میں تقریر کر چکا ہوں جس سے ان ابواب کی باہم مناسبت معلوم ہوتی ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے پہلے صلوۃ الجماعۃ کو اور اسی کے ساتھ صفتِ صلوۃ کو بیان فرمایا ہے، پھر جب اس سے فارغ ہو گئے تو جمعہ اور صلوۃ الخوف کو بیان فرمایا اسلئے کہ اسے مخصوص صورتوں اور مخصوص کیفیت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، اور چونکہ جمعہ بہ نسبت صلوۃ الخوف کے کثیر الوقوع ہے اسلئے اس کو مقدم فرمایا، اور جب فرائض کے بیان سے فارغ ہو گئے تو ان نمازوں کا ذکر کیا جو فرائض نہیں ہیں اور ان میں جماعت مشروع ہے اسلئے عیدین، وتر، صلوۃ الاستسقاء اور صلوۃ الکسوف کا ذکر فرمایا، اور کسوف کو مؤخر اس لئے کیا کہ اس میں رکوع زائد ہوتا ہے اس کے بعد سجود تلاوت کا ذکر فرمایا اسلئے کہ بعض وقت وہ نماز میں واقع ہو جاتا ہے تو نماز میں سجدہ بڑھ جاتا ہے، اب جب زیادتی کے ذکر سے فارغ ہو گئے تو اس کے مقابل کمی کا تذکرہ فرما دیا اور تقصیر الصلوۃ کے ابواب منعقد فرمائے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ حضور پاک ﷺ اور آپ کی امت پر مکہ مکرمہ میں دو دو رکعت سفر و حضر میں فرض کی گئی تھیں، لیکن جب آنحضور ﷺ ہجرت کر کے تشریف لائے تو صلوۃ حضر میں اضافہ ہوا اور دو کی جگہ چار کر دی گئیں صرف مغرب کی نماز اپنے حال پر باقی رہی اسلئے کہ وہ وتر ہے اور صلوۃ فجر کو اپنے حال پر باقی رکھا

گیا طول قرأت کی وجہ سے۔

یہ اضافہ کب ہوا ہے اس کے متعلق میں کتاب الصلوۃ کی ابتداء ہی میں کلام کر چکا ہوں اور ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب جہاں حضرت عائشہؓ کی روایت ص ۱۴۸ پر آئے گی الصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ اس کی طرف عود کروں گا، اس کے بعد پھر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے قصر صلوۃ کا حکم نازل ہوا اور یہ اجازت دی گئی کہ مسافر نماز میں قصر کر سکتا ہے، ابن اثیر جزری نے مسند امام شافعی کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حکم سن ۴ھ میں نازل ہوا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن اثیر جزری نے اس بات سے اخذ کیا ہے کہ آیت کریمہ ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ سن ۴ھ میں نازل ہوئی ہے، بعض علماء دُولابی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ ہجرت کے ایک سال بعد قصر کا حکم نازل ہوا ہے۔

یہاں پر پانچ مسئلے مشہور ہیں، (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ قصر کا حکم کیا ہے؟ (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کتنی مسافت پر قصر کی اجازت ہوتی ہے؟ (۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کس سفر میں قصر کی اجازت ہوتی ہے؟ (۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کہاں سے قصر کی اجازت ملتی ہے؟ (۵) پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ قصر کب ختم ہو جاتا ہے؟

حکم القصر: اس مسئلہ میں اختلاف ہے، (۱) امام ابو حنیفہ اور ان کے استاذ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ واجب ہے اور یہی امام مالک سے ایک روایت ہے جس کو قاضی اسماعیل مالکی نے اختیار کیا ہے اور بعض شارحین نے امام احمد سے بھی یہی ایک روایت نقل کی ہے، (۲) امام مالک فی المشہور، امام شافعی اور امام احمد فی المشہور المذکور فی کتب اصحابہ کالمغنی والمقنع والشافی والمختصر للخرقی وغیرہا یہ فرماتے ہیں کہ قصر کرنا فرض نہیں ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ قصر افضل ہے یا اتمام یا دونوں برابر ہیں؟ ان حضرات کے یہاں مشہور یہ ہے کہ قصر کرنا سنت نبوی اور افضل ہے اور اتمام رخصت ہے، امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اتمام کرنا افضل ہے، بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ دونوں مساوی ہیں لیکن مشہور یہ ہے کہ اتمام صرف مباح ہے، امام احمد بن حنبل نے ایک قول میں توقف فرمایا ہے اور فرمایا وأحب العافية عن هذه المسئلة اور ان سے ایک روایت ایسی بھی منقول ہے جس سے کراہتِ اتمام مستفاد ہوتا ہے، ان سے اس مسئلہ میں استفسار کیا گیا تو فرمایا لا يُعجِبُنی، موفق نے لکھا ہے کہ ایک جماعت نے اتمام کو مکروہ سمجھا ہے اور پھر امام احمد کا قول لا يُعجِبُنی نقل کیا ہے۔

قصر واتمام دونوں کو جائز کہنے کی دلیل ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ ہے اور اسی طرح حضرت عائشہؓ اور عثمانؓ سے اتمام کرنا منقول ہے، امام نسائی اور دار قطنی نے بطریق علاء بن زہیر عن عبدالرحمن بن الاسود عن عائشہؓ روایت کیا ہے أَنَّهَا اعْتَمَرَتْ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ حَتَّى إِذَا قَدِمَتْ مَكَّةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي قَصَرْتَ وَأَتْمَمْتُ وَأَفْطَرْتَ وَصُمْتُ قَالَ أَحْسَنْتِ يَا عَائِشَةُ، قال الدارقطنی إسناده حسن متصل۔

اور جو حضرات کہتے ہیں کہ قصر کرنا واجب اور متعین ہے وہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ، رواه الشيخان، (۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً، رواه مسلم، (۳) عَنْ عُمَرَ قَالَ صَلَاةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْأَضْحَى رَكْعَتَانِ تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ، رواه أحمد والنسائي وابن ماجة وابن حبان في صحيحه، نسائی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے حضرت عمرؓ سے نہیں سنا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم کے نزدیک عبدالرحمن نے حضرت عمرؓ سے سنا ہے لہذا یہ روایت علیٰ شرط مسلم ہے، مزید یہ ہے کہ اسی روایت میں مسند ابو یعلیٰ میں ابن ابی لیلیٰ کے حضرت عمرؓ سے سننے کی تصریح وارد ہوئی ہے ابن حبان نے اس روایت کی تصحیح فرمائی ہے، اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ عبدالرحمن نے حضرت عمرؓ سے نہیں سنا ہے تو خاص اس روایت میں عبدالرحمن اور حضرت عمرؓ کے درمیان کعب بن عجرہؓ کا واسطہ ہے جیسا کہ نسائی کی سنن کبریٰ میں واقع ہوا ہے اور کعبؓ صحابی ہیں تو سند اس کی صحیح ہے۔

اور رہی آیت شریفہ اور وہ روایت جس سے فریق اول نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت شریفہ سے عدم وجوب پر استدلال اس لئے ناممکن ہے کہ ہوسکتا ہے کہ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ کا سیاق اس لئے اختیار کیا گیا کہ بعض مؤمنوں کو قصر کرنے میں کچھ تنگ دلی ہوئی ہو کہ یہ عبادت کی کمی ہو رہی ہے تو حق تعالیٰ شانہ نے یہ بتلا دیا فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ شانہ نے طواف صفا و مروہ کے بارے میں ارشاد فرمایا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ

بِهِمَا، وہاں بھی اسی طرح سے ہوا تھا کہ سعی بین الصفا والمروہ کو وہ لوگ سنتِ جاہلیہ تصور کرتے تھے اور جب اسلام آیا تو صفا ومروہ کے طواف سے ان کو جو تنگ دلی ہوئی حق تعالیٰ نے اس تنگ دلی کو دور فرمادیا۔

اور حضرت عثمانؓ وعائشہؓ کے اثر اور ان کے عمل سے استدلال اسلئے صحیح نہیں کہ جب انہوں نے اتمام کیا تو ان پر اعتراض ہوا اور ان کو تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئی جیسا کہ بخاری کی حدیث میں تصریح وارد ہے، اگر ان کا عمل قابل اعتراض نہیں تھا تو انہیں تاویل کی کیا ضرورت تھی صاف کہہ دیتے عملنا بأحد الجائزین، اور حضرت عائشہؓ کی جو روایت پیش کی گئی ہے اول تو اس میں سندی حیثیت سے بعضوں نے کلام کیا ہے، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ علاء بن زہیر مجہول راوی ہے، لیکن ان کا یہ اعتراض غلط ہے، حافظ قطب الدین حلبی نے لکھا ہے کہ علاء بن زہیر سے وکیع، ابو نعیم اور فریابی تین آدمی روایت کرتے ہیں اور امام الجرح والتعدیل یحیٰ بن معین نے ان کی توثیق فرمائی ہے لہٰذا مجہول نہیں۔

مگر اس کے باوجود اس روایت کی صحت میں کئی وجہ سے کلام ہے، اول یہ کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عائشہؓ یوں کہتی ہیں اعْتَمَرْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ حَتَّى إِذَا قَدِمْتُ مَكَّةَ الخ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کل چار عمرے ہیں اور کوئی ایک عمرہ بھی رمضان میں نہیں ہوا، پہلا عمرۂ حدیبیہ ہے جو ذی القعدہ سن ۶ھ میں ہوا ہے اور حدیبیہ سے آپ واپس تشریف لے آئے، دوسرا عمرۃ القضیہ ہے جو ذی القعدہ سن ۷ھ میں ہوا ہے ازواج مطہرات اس میں آپ کے ساتھ نہیں تھیں، تیسرا عمرۂ جعرانہ ہے یہ بھی ذی القعدہ سن ۸ھ میں ہوا ہے اس میں بھی ازواج مطہرات ساتھ نہیں تھیں اس کی صورت یہ ہوئی کہ رمضان شریف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے چلے اور مکہ فتح کرنے کے بعد پھر آپ حنین تشریف لے گئے اور طائف گئے اور وہاں سے واپسی پر جعرانہ میں آپ کا قیام ہوا اور پھر جعرانہ سے آپ مکہ مکرمہ رات میں طواف اور عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ ذی الحجہ میں ہوا ہے، تو پھر وہ کون سا عمرہ ہے جس کے بارے میں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اعْتَمَرْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ حَتَّى إِذَا قَدِمْتُ مَكَّةَ الخ اور پھر وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یہ بعید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اتمام کریں اور عائشہؓ قصر کریں، حضور افطار کریں اور یہ روزہ رکھ لیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عائشہؓ کی روایت فُرِضَتِ الصَّلاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأُقِرَّتْ صَلاةُ السَّفَرِ وَزِيدَ فِي صَلاةِ الْحَضَرِ کے خلاف ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جب اتمام کیا اور حضرت عثمانؓ نے بھی اتمام کیا تو ان پر اعتراضات ہوئے اور ان کو تاویل کرنی پڑی، اگر حضرت عائشہؓ کے پاس روایت موجود ہوتی اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان کی تصدیق اور ان کے قول کی تائید فرمادی تھی تو پھر کسی تاویل کی کیا ضرورت تھی؟ صاف کہہ دیتیں کہ میں نے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی موجودگی میں آپ کے ساتھ سفر کیا ہے اور آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

ان وجوہ کی بناء پر حضرت شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ نے منہاج السنہ اور اپنے فتاویٰ میں اور ان کے تلمیذ ابن قیم نے زاد المعاد اور اپنی دوسری تالیفات میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ روایت باطل یعنی غلط ہے، حافظ ابن حجر جو شافعیہ کے بہت بڑے بیرسٹر ہیں وہ تلخیص حبیر میں لکھتے ہیں صحته بعيدة، اور بڑی بات یہ ہے کہ شارح قرآن، مفسر اعظم جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جن پر قرآن نازل ہوا آپ نے ساری عمر کبھی بھی سفر میں اتمام نہیں فرمایا ہمیشہ قصر ہی فرمایا ہے، اگر اتمام جائز ہوتا تو آپ کبھی بھی بیاناً للجواز اتمام فرمادیا کرتے۔

مگر اس کے بعد بھی بات یہ ہے کہ مسئلہ مجتہدین کے مابین مختلف فیہا ہے، ایک جماعت واجب کہتی ہے اور دوسری عدم وجوب کی قائل ہے، وجوب کے قائلین کے دلائل کی نوعیت تو معلوم ہو چکی لیکن عدم الوجوب کے قائلین بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ کہا ہے جو اباحت کے بیان کے لئے آتا ہے اس سے خود اتمام کا جواز نکلتا ہے، اس لئے خواہ مخواہ دوسروں کے پیچھے پڑنا بھی زیادہ مناسب نہیں ہے۔

(ص ۱۴۷) بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّقْصِيرِ وَكَمْ يُقِيمُ حَتَّى يَقْصُرَ

۱۰۶۷. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ وَحُصَيْنٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا.

۱۰۶۸. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ

أَنَسًا يَقُولُ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ، قُلْتُ: أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا؟ قَالَ: أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا.

ترجمہ: باب، سفر میں قصر کرنے کا بیان اور کتنے دن ٹھہرنے کی صورت میں قصر کر سکتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ انیس دن ٹھہر کر قصر کرتے رہے تو ہم سفر میں انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور اگر اس سے زیادہ ٹھہرنا ہو تو اتمام کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ مکرمہ کے لئے نکلے تو آپ دو دو رکعتیں پڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ لوٹ آئے، یحیٰ بن ابی اسحاق نے پوچھا کہ آپ مکہ میں کچھ ٹھہرے تھے؟ فرمایا کہ ہم نے مکہ میں دس دن قیام کیا تھا۔

تشریح: تقصیر کی مشروعیت ایک مسلم حقیقت ہے جو بیان ہو چکی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ آیا کتنی مسافت میں آدمی مسافر بن جاتا ہے؟ اس میں بہت سے اقوال ہیں لیکن یہاں پر میں صرف ائمۂ اربعہ کے اقوال بیان کرتا ہوں، (۱) ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ چار برید کی نیت سے آدمی مسافر بن جاتا ہے اور ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے، فرسخ معرّب ہے فرسنگ کا اور فرسنگ کہتے ہیں تین میل کو تو چار برید کے سولہ فرسخ ہو گئے اور سولہ فرسخ کے اڑتالیس میل، (۲) امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر آدمی تین رات کی مسافت کا سفر کرے بسیر وسطٍ بمشی الأقدام أو الإبل تو وہ مسافر ہو جائے گا، پھر علماء احناف نے اس کو مسافت کے ساتھ معین کیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ پورا سفر اکیس فرسخ کا ہوتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ فرسخ کا ہوتا ہے، اور بعضوں کی رائے ہے کہ پندرہ فرسخ کا ہوتا ہے، مشہور مفتیٰ بہ قول اٹھارہ فرسخ والا ہے یعنی چوّن (۵۴) میل، میرے نزدیک راجح پندرہ فرسخ والا قول ہے یعنی پینتالیس میل، اِس قول پر حنفیہ جمہور ہی کے ساتھ ہو جائیں گے پینتالیس اور اڑتالیس میں کچھ زیادہ فرق نہیں، تین میل کوئی چیز نہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ کس سفر میں قصر کی اجازت ہے؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں، (۱) ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ سفر طاعت اور سفر مباح میں، (۲) امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، اوزاعی اور ابو ثور کہتے ہیں کہ ہر سفر میں چاہے وہ سفر طاعت ہو چاہے سفر معصیت ہو، (۳) عبد اللہ بن مسعودؓ اور عطاء فرماتے ہیں کہ صرف

سفر قربت میں جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کا استدلال آیت کریمہ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ سے ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ معصیت کے سفر میں آیت کے اطلاق کی وجہ سے قصر کی اجازت ہوگی اگرچہ وہ اپنی نیتِ خبیثہ کی وجہ سے اللہ کے یہاں قابل گرفت ہوگا تو جہت مختلف ہے، سفر ایک ہی ہے مگر نیت کا فساد باعثِ نکال و وبال ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ کہ کس جگہ سے قصر کی ابتداء ہوگی؟　　یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے، اس پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے کہ آدمی جب اپنی بستی سے نکل جائے تو اس کے بعد قصر کی اجازت ہوتی ہے، البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مجاوزۃ الدور شرط ہے یا مجاوزۃ السور کافی ہے؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مجاوزۃ الدور شرط ہے یعنی ان سارے مکانات سے نکل جانا ضروری ہے جو بستی اور شہر سے لگے ہوئے ہیں چاہے وہ سور البلد کے باہر ہی کیوں نہ ہوں، یہی شافعیہ کا ایک قول ہے جس کو ابوالقاسم رافعی وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے، شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مجاوزۃ السور شرط ہے یعنی سور البلد سے نکل جانا کافی ہے اور سور البلد کے باہر جو مکانات ہوتے ہیں ان سے نکلنا ضروری نہیں۔

عطاء بن ابی رباح اور سلیمان بن موسیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب آدمی نے سفر کی نیت کرلی تو اس کے بعد قصر کرنا جائز ہے اگرچہ اپنی بستی ہی میں کیوں نہ موجود ہو۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر تم دن میں سفر شروع کرو تو رات کے آنے سے پہلے تم کو قصر کی گنجائش نہیں اور اگر رات میں سفر شروع کرتے ہو تو دن کے داخل ہونے سے پہلے تم کو قصر کی گنجائش نہیں ہے۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ قصر کب منتہی ہوتا ہے؟　　یعنی کتنے دنوں کی اقامت کی نیت سے آدمی مقیم بن جاتا ہے اور قصر ختم ہو جاتا ہے، یہ مسئلہ بڑا طویل الاختلاف ہے، اس میں علامہ عینی نے بائیس قول نقل کئے ہیں لیکن ائمۂ اربعہ کے اقوال حسب ذیل ہیں، (۱) سعید بن مسیب، امام مالک فی روایۃ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی چار دن کی اقامت کی نیت کرلے تو مقیم ہو جائے گا اور اگر کوئی نیت نہیں کرتا ہے تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اٹھارہ دن قیام کرلیا تو اس کے بعد خود مقیم ہو جائے گا۔

(۲) امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر اکیس (۲۱) نمازوں کے بقدر اقامت کی نیت کرلے تو مقیم ہو جائے گا۔

(۳) امام ابوحنیفہ اور ثوری فرماتے ہیں کہ اگر پندرہ دن کی اقامت کی نیت کر لے تو مقیم ہو جائے گا یہی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس باب میں کوئی ایسی روایت قاطعہ واضحہ موجود نہیں ہے جس پر کلی طور پر اعتماد واستناد کیا جاسکے، ہر مجتہد نے جو بات اس کو سمجھ میں آئی اور آثار صحابہ سے مؤید نظر آئی اس کو اختیار کر لیا۔

امام بخاری نے كَمْ يُقِيمُ حَتَّى يَقْصُرَ سے اسی آخری مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن اس ترجمہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اقامت کی غایت قصر نہیں ہے بلکہ اقامت کی غایت تو اتمام ہوتا ہے، آدمی جب مقیم ہوتا ہے تو اتمام کرتا ہے نہ یہ کہ جب وہ مقیم ہو تو وہ قصر کرنے لگے پھر مصنف نے حَتَّى يَقْصُرَ کیوں ارشاد فرمایا؟ بعضوں نے یہ کہہ دیا کہ اس میں قلب واقع ہوا ہے، اصل میں ہے كَمْ يَقْصُرُ حَتَّى يُقِيمَ کتنی مدت تک آدمی قصر کرتا رہے حتی کہ وہ مدت گزر جانے کے بعد خود بخود مقیم ہو جائے، روایت نے بتلا دیا کہ انیس دن تک تو آدمی قصر کرتا رہے گا اس کے بعد وہ مقیم ہو جائے گا۔

لیکن دعویِ قلب کے بغیر بھی ترجمہ کی اصلاح اور اس کے معنی کی تصحیح ممکن ہے چنانچہ ایک مطلب یہ ہے کہ كَمْ يُقِيمُ حَتَّى يَقْصُرَ أي ينتهي القصر یعنی کتنے دن تک آدمی ٹھہرا رہے یہاں تک کہ قصر ختم ہو جائے اور پھر آدمی کو قصر کی گنجائش نہ ہو اور اس کو اتمام کرنا پڑے، روایت نے بتلا دیا کہ وہ بس انیس دن کی مدت ہے اس کے بعد پھر قصر منتہی ہو جائے گا اور قصر کی گنجائش نہیں رہے گی اتمام کرنا پڑے گا، دوسری توجیہ یہ ہے کہ کم یقیم میں یقیم یمکث کے معنی میں ہے اور حتی تعلیلیہ ہے أي کم یمکث للقصر آدمی کتنے دن قصر کے لئے ٹھہر سکتا ہے اور قصر کر سکتا ہے اور اس کے بعد اس کو گنجائش نہیں رہے گی۔

أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ: حضور ﷺ نے انیس دن قیام فرمایا، یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے، فتح مکہ میں آپ نے کتنے دن قیام کیا ہے اس میں روایات میں اختلاف ہے، اس روایت میں یہ ہے کہ انیس دن آپ نے قیام کیا ہے، لیکن ابوداؤد میں اسی روایت میں انیس کے بجائے سترہ وارد ہوا ہے، اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں خمسة عشر کا ذکر وارد ہوا ہے، عمران بن حصینؓ کی حدیث میں اٹھارہ کا ذکر وارد ہوا ہے۔

امام بیہقی اور امام الحرمین نے یوں جمع فرمایا ہے کہ جس نے یوم الدخول اور یوم الخروج کو مستقل شمار کیا اس نے انیس دن کہہ دیا اور جس نے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا اس نے اٹھارہ کہہ دیا اور جس نے دونوں کو ساقط کر دیا

اس نے سترہ کہہ دیا اور باقی پندرہ والی روایت کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ دعویِٰ تضعیف مسلم نہیں اس واسطے کہ اس کے رواۃ ثقات ہیں، اور پھر حافظ صاحب نے یہ توجیہ کی ہے کہ اصل میں پندرہ کے راوی نے اجتہاد سے کام لیا، اس نے یہ سمجھا کہ اصل روایت سترہ کی ہے اور سترہ کے اندر ایک یوم الدخول اور دوسرا یوم الخروج سمجھا لہذا دونوں کو ساقط کر کے پندرہ کو اصل سمجھ لیا اور یہ کہہ دیا کہ آنحضور ﷺ نے کل پندرہ دن قیام فرمایا۔

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: امام بخاری نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں ایک حضرت ابن عباسؓ کی اور دوسری حضرت انسؓ کی، ان دونوں روایتوں میں بڑا اختلاف ہے، ابن عباسؓ حضور ﷺ کی مکہ میں اقامت انیس دن اور حضرت انسؓ دس دن نقل کرتے ہیں، علامہ ابن رشید ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اسی باب میں دونوں روایتیں ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انسؓ کی روایت ابن عباسؓ کی روایت کے معارض نہیں ہے اسلئے کہ دس؛ انیس کے اندر داخل ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ اس وقت درست ہو سکتی تھی جب دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی قصہ سے ہوتا حالانکہ ابن عباسؓ کی روایت کا تعلق فتح مکہ سے ہے اور انسؓ کی روایت کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے لہذا امام بخاری کا مقصود یہ نہیں ہے کہ انسؓ کی روایت میں جو تعداد مذکور ہے وہ ابن عباسؓ کی روایت کی تعداد میں داخل ہے فإن القليل لاينفي الكثير، بلکہ حضرت امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ سفر کر کے جائے اور وہاں اقامت کی نیت نہ ہو تو پھر وہ قصر کرتا ہی رہے گا اور حضرت انسؓ کی روایت ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی اقامت کی نیت کر لے چار دن تو وہ مقیم ہو جائے گا، اسلئے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں چار دن اقامت کی نیت کی تھی کیوں کہ آپ داخل ہوئے ہیں مکہ میں چار ذی الحجہ کو اور وہاں سے روانہ ہوئے ہیں منٰی کو آٹھ ذی الحجہ کو اور پھر اس کے بعد آپ وہاں سے واپس آئے ہیں محصّب میں چودہ ذی الحجہ کو اور چودہ کی صبح کو فجر کی نماز خانہ کعبہ کے سامنے پڑھ کر مدینہ کیلئے روانہ ہو گئے تو آپ کا مکہ کا کل قیام چار دن کا بنتا ہے۔

لیکن اس تقریر پر امام بخاری امام شافعی کے موافق تو ہو جاتے ہیں مگر یہ چیز غور طلب ہے کہ روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ انسؓ کہتے ہیں خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي

رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ حضرت انسؓ یہ بتلاتے ہیں کہ نکلنے کے وقت سے لیکر لوٹنے تک ہم دو دو ہی رکعت پڑھتے رہے، معلوم ہوا کہ چار دن کی اقامت کی نیت سے کوئی آدمی مقیم نہیں ہو جاتا ہے۔

(ص ۱۴۷) بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

١٠٦٩. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَتَمَّهَا.

١٠٧٠. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ آمَنَ مَا كَانَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ.

١٠٧١. حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بن زياد عَنِ الأَعْمَشِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ زَيْدٍ يَقُولُ: صَلَّى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقِيلَ فِي ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ الصديق بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ فَلَيْتَ حَظِّي مِنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ.

ترجمہ: باب، منی میں نماز پڑھنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی ان کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں دو رکعتیں پڑھیں پھر حضرت عثمانؓ نے اتمام کیا۔

حضرت حارثہ بن وہبؓ نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے منی میں دو رکعتیں پڑھائیں۔

حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عثمان بن عفانؓ نے منی میں چار رکعتیں پڑھائیں، پھر یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بتائی گئی تو انہوں نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا پھر فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں اور عمر بن خطابؓ کے ساتھ منی میں دو رکعتیں پڑھیں، کاش مجھے ان چار رکعتوں کے بدلے دو مقبول رکعتیں مل جاتیں۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے ترجمہ مجمل منعقد فرمایا ہے اور جو روایتیں اس باب میں ذکر کی ہیں ان سے یہ نکلتا ہے کہ حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ منیٰ میں قصر فرمایا کرتے تھے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آدمی منیٰ میں قصر کرے گا یا اتمام؟ اور اصل میں یہ اختلاف مبنی ہے ایک اور مسئلہ پر اور وہ یہ ہے کہ منیٰ میں یہ قصر نسکی ہے یا قصر سفری؟ امام مالک سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ قصر نسکی ہے لہذا ہر حاجی وہاں پر قصر ہی کرے گا، حضرات جمہور ارشاد فرماتے ہیں کہ قصر سفری ہے لہذا وہی حاجی قصر کر سکتا ہے جو مسافر ہو اور اگر کوئی غیر مسافر ہو تو اس کو قصر کرنے کی گنجائش نہیں ہے، مگر ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام مالک کی طرف یہ جو منسوب کر دیا گیا ہے کہ منیٰ میں قصر ان کے یہاں نسکی ہے اور سفر کو اس میں دخل نہیں یہ صحیح نہیں اسلئے کہ مالکیہ نے تو اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ منیٰ میں منوی اتمام کرے گا اگر یہ قصر للنسک تھا تو منی میں اتمام کرے گا، مگر یہاں سے ہٹ کر اگر مزدلفہ جائے تو قصر کرے گا جیسے مزدلفی مزدلفہ میں اتمام کرے گا لیکن اگر وہاں سے منیٰ میں آجائے تو وہ قصر کرے گا، اب ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے ترجمہ مجمل منعقد کیا ہو کہ آیا منیٰ میں قصر ہو گا یا نہیں ہو گا اور اس قصر کی علت کیا ہے؟

نیز حضرت امام بخاری نے جیسے یہاں الصلوۃ بمنیٰ کا ترجمہ منعقد کیا ہے ایسے ہی کتاب الحج میں ص ۲۲۵ پر بعینہ یہی ترجمہ منعقد کیا ہے اور جو تینوں روایتیں مصنف نے یہاں ذکر فرمائی ہیں بعینہ یہی تینوں روایتیں کتاب الحج میں بھی ذکر کی ہیں بس فرق اتنا ہے کہ وہاں سند اور ہے۔

وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَتَمَّهَا: حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی چھ سال میں تو قصر فرمایا اور اس کے بعد پھر ساری عمر اتمام فرمایا۔

آمَنَ مَا كَانَ بِمِنًى: ما مصدریہ ہے أی أمن أکوانه بمنی یعنی حضور ﷺ اپنے سارے حالات میں وہاں سب سے زیادہ اطمینان کے ساتھ تھے اس کے باوجود آپ نے منیٰ میں دو رکعت پڑھی، معلوم ہوا کہ امن کی حالت میں بھی مسافر قصر کرے گا، اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف نقل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ قصر صرف خائف کیلئے ہے اور جس کو خوف نہ ہو وہ قصر نہیں کرے گا، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ خائف اور مطمئن دونوں قصر کریں گے اور یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔

فَقِيلَ ذَلِكَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے جب یہ کہا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے اتمام کیا ہے تو انہوں نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے حضور پاک ﷺ اور صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے ساتھ منیٰ میں دو ہی رکعت پڑھی ہے بس مجھے ان چار رکعت میں سے دو مقبول مل جائیں تو یہ کافی ہے، چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت سے موفق وغیرہ نے اتمام فی السفر کی کراہت پر استدلال کیا ہے اور حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اتمام جائز نہیں اور قصر واجب ہے، حضرت عثمانؓ کے پیچھے حضرت ابن مسعودؓ سے اتمام کرنا بھی منقول ہے اور جب ان سے یہ کہا گیا کہ جب آپ اتمام کے قائل نہیں تو اتمام کیوں کرتے ہو؟ تو فرمایا الخلاف شر اختلاف کرنا شر کی بات ہے۔

(ص ۱۴۷) بَابُ كَمْ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حَجَّتِهِ

۱۰۷۲. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الْبَرَّاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ يُلَبُّونَ بِالْحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ. تَابَعَهُ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ.

ترجمہ: باب، نبی کریم ﷺ نے اپنے حج میں کتنے دن قیام فرمایا؟

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ۴/ ذی الحجہ کی صبح کو حج کا تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ میں آئے پھر حضور ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو عمرہ بنالیں مگر جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور ہو (وہ ایسا نہ کرے)۔

اس حدیث میں عطاء بن ابی رباح نے حضرت جابرؓ سے ابو العالیہ البراء کی متابعت کی ہے۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ نے اپنے حج میں کتنا قیام کیا؟ امام بخاری نے اس کیلئے ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ لیکن اس روایت میں مدت قیام کا کوئی ذکر نہیں ہے لہذا اس روایت سے مصنف کا ترجمہ ثابت نہ ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی حضرت انسؓ کی روایت سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ اور اس کے نواح میں دس دن قیام کیا اور خاص مکہ مکرمہ میں آپ کا قیام چار دن رہا تھا، بہت ممکن ہے کہ اس سے یہ اشارہ فرمایا ہو کہ حج میں حضور ﷺ نے جتنے دنوں مکہ میں اقامت فرمائی وہ مدت مسافر

و مقیم کے مابین حد فاصل ہے، لہٰذا اتنی مدت کی اقامت کی نیت سے آدمی مقیم ہو جائے گا۔

اس پر یہ اشکال ہے کہ ابھی حضرت انسؓ کی حدیث میں آچکا کہ حضور ﷺ نے مکہ میں قیام ضرور کیا تھا لیکن آپ دو دو رکعت ادا کرتے رہے، انسؓ کہتے ہیں خرجنا مع النبي ﷺ من المدينة إلى مكة فكان يصلي ركعتين ركعتين حتى رجعنا إلى المدينة اس پورے سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ ہم دو دو رکعت پڑھتے رہے، اس اشکال کے بعد اب مصنف کا یہ ترجمہ بالکل بے معنیٰ ہو جاتا ہے اسلئے کہ جب مکہ میں حج کے ایام میں قیام کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا تو پھر اس مدت اقامت کو یہاں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر بیان کرنا ہی تھا تو سیرت نبویہ میں حجۃ الوداع میں بیان فرما دیتے۔

اسلئے اقرب یہی لگ رہا ہے کہ امام بخاری حج کے زمانہ کے مدت قیام کو معتبر مانتے ہیں اور ان کی رائے ہے کہ اگر چار دن کا کوئی قیام کرلے تو وہ مقیم ہو جائے گا، اور كان يصلي ركعتين ركعتين حتى رجعنا إلى المدينة کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حضور ﷺ کا سفر جاری رہا تو آپ دو دو رکعت پڑھتے رہے مثلاً مدینہ سے چلے مکہ کو تو دو دو رکعت اور مکہ سے مدینہ کو چلے تو دو دو رکعت پڑھتے رہے لیکن خاص مکہ مکرمہ میں آپ نے دو دو رکعت نہیں پڑھی ہے، اگر اس تقریر کو تسلیم کر لیا جائے تو امام بخاری کا اس باب کو یہاں ذکر کرنا بامعنیٰ ہو جائے گا بلکہ ایک اختلافی مسئلہ میں قول فیصل کا مقام رکھے گا کہ چار دن کی اقامت کی نیت سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔

(ص ۱۴۷) بَابٌ فِي كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ

وسمى النبي ﷺ السفر يوما وليلة. وكان ابن عمر وابن عباس يقصران ويفطران في أربعة برد وهو ستة عشر فرسخا.

۱۰۷۳ . حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.

۱۰۷۴ . حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قال أخبرني نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا إِلَّا مَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ.

تَابَعَهُ أَحْمَدُ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

۱۰۷۵. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ. تَابَعَهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَسُهَيْلٌ وَمَالِكٌ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ترجمہ: باب، مسافر کتنی مسافت کے سفر میں نماز کا قصر کرے گا؟

اور حضور ﷺ نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کو سفر کا نام دیا ہے، اور ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ چار برید کے سفر میں نمازوں کا قصر اور روزے کا افطار کیا کرتے تھے اور چار برید کے سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل ہوتے ہیں۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت ذی رحم رشتہ دار کی معیت کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔

حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت تین دن کا سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ذی رحم محرم ہو، احمد بن محمد مروزی نے بھی (جو امام بخاری کے شیخ ہیں) اس حدیث کو نقل کرنے میں بہ سند عن ابن المبارک عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر مسدد کی متابعت کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت کیلئے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر اس طرح کرے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو، اس روایت کے نقل کرنے میں یحیٰ بن ابی کثیر اور سہیل اور امام مالک نے بہ سند عن المقبری عن ابی ہریرۃ ابن ابی ذئب کی متابعت کی ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس باب میں وہی مسئلہ ذکر کیا ہے جو ہم نے ابتداء میں دوسرے نمبر پر بیان کیا تھا یعنی وہ کون سی مسافت ہے جس کا قصد کرنے سے آدمی شرعی مسافر ہو جاتا ہے اور اس کیلئے قصر کرنا مباح ہو جاتا ہے، اس میں بھی بڑا طویل و عریض اختلاف ہے، ابن منذر نے اس مسئلہ میں بیس کے قریب اقوال نقل کئے ہیں، بعض لوگوں نے عینی کے حوالہ سے یہاں پر بائیس قول نقل کئے ہیں لیکن یہ نقل فی غیر موضعہ ہو گیا ہے، بہر حال ائمۂ اربعہ کے اقوال میں بیان کرتا ہوں۔

(۱) حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی پورے ایک دن کے سفر کی نیت کرتا ہے تو وہ مسافر ہو جائے گا، بظاہر اسی کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے اسی لئے فرماتے ہیں وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ السَّفَرَ يَوْمًا وَلَيْلَةً، پھر ایک دن کا ان حضرات نے مسافت سے اندازہ لگایا ہے، فرماتے ہیں کہ چار برید کے بقدر اگر سفر کا ارادہ ہو تو

وہ مسافر ہو جائے گا اور ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے تو چار برید کے سولہ فرسخ ہو گئے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے لہٰذا مجموعہ اڑتالیس میل ہو گیا، امام شافعی سے ایک قول چھیالیس میل کا نقل کیا جاتا ہے اور بھی ان کے اقوال ہیں۔

(۲) امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ آدمی تین دن تین رات متوسط رفتار سے چلے وہ جتنی دور تک پہونچے گا اتنی مقدار کا قصد کرے تو وہ مسافر بنے گا اور اس میں معتبر مشی الاقدام اور سیر ابل ہے، بعض فقہاء احناف نے بھی اس کو مسافت کے ساتھ محصور کیا ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ اتنی مقدار اکیس (۲۱) فرسخ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ فرسخ ہے، علامہ عینی کہتے ہیں و علیہ الفتوی اور بعض نے کہا ہے کہ پندرہ فرسخ ہے، یہ میرے نزدیک راجح ہے۔

(۳) ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ہر قصیر و طویل سفر میں قصر کرنے کی اجازت ہے حتی کہ امام نووی نے تین میل پر قصر کرنے کی اجازت ان سے نقل کی ہے، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی ایک میل کے سفر کا بھی ارادہ کرے تو شرعی مسافر ہو جائے گا اور اسے قصر کرنے کی اجازت ہو گی۔

(۴) قاضی ابو یوسف وغیرہ فرماتے ہیں کہ یومان و أكثر الثالث پر قصر کرے۔

بہر حال امام بخاری اس مسئلہ میں حضرات ائمۂ ثلاثہ کے ہم خیال ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک دن رات کے سفر کو سفر قرار دیا ہے، معلوم ہوا کہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے سفر کا جو شخص قصد کرے گا وہ شریعت کی نگاہ میں اور شارع کے نزدیک مسافر کہلائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی ایسی دلیل واضح اور قاطع نہیں ہے جس سے کسی کو خاموش کیا جا سکے، ائمۂ اربعہ کے درمیان اختلاف میں انجام کے اعتبار سے صرف تعبیر کا فرق ہے ورنہ واقعہ اور نفس الامری میں ذرا سا اختلاف ہے، مثلاً ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ چار برید کی مسافت ہونی چاہئے جو سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل ہے اور حضرات حنفیہ اپنے مفتی بہ قول پر یہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ فرسخ ہے جو چوّن میل بنتا ہے تو زیادہ سے زیادہ احناف اور دوسرے حضرات میں صرف چھ میل کا فرق ہے اور اگر پندرہ فرسخ کا قول لیا جائے تو پھر بہت ہی قریب ہو گیا، احناف کے یہاں پینتالیس میل مقدار سفر نکلی جو دوسرے حضرات سے تین میل ہی کم ہے۔

اب رہی یہ بات کہ احناف کے یہاں تین دن تین رات کی تحدید کی دلیل کیا ہے؟ صاحب ہدایہ وغیرہ نے

اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسافر کیلئے مسح علی الخفین کی تین دن تین رات کی اجازت دی ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے المسح للمسافر ثلاثة أيام وليالیهن یہ اپنے عموم کی وجہ سے سب مسافر کو شامل ہے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ ہر مسافر تین دن تین رات مسح کر سکتا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی مدتِ سفر تین دن تین رات ہو ورنہ اس سے کم کی صورت میں وہ تین دن تین رات کیسے مسح کر سکتا ہے، مگر یہ واقعہ ہے کہ یہ ایراد الدلیل فی غیر مورده کے قبیل سے ہے، شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ اجازت دی ہے کہ مسافر تین دن تین رات مسح کر سکتا ہے مگر یہ اس وقت ہے جب اسے تین دن تین رات سفر کرنا ہو اور اگر اس سے کم ہو تو جتنا سفر ہو اتنے کے اندر گنجائش ہوگی، اور رہا یہ کہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسافر تین دن تین رات مسح کر سکتا ہے یعنی بالفعل ہر مسافر کو گنجائش ہے باقی اس گنجائش کے ظہور کے لئے ضرورت ہے محل کی اب اگر محل پایا گیا تو ظہور ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، اور محل کا پایا جانا یہ ہے کہ تین دن تین رات کا سفر ہو اور اگر اس سے کم کا سفر ہوگا تو محل نہیں پایا گیا، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی قاطع دلیل نہیں ہے جس سے دوسرے کو بالکل خاموش کر دیا جائے۔

بعض احناف نے لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے عورت کو تین دن کے بلا محرم سفر سے منع کیا ہے معلوم ہوا کہ حقیقی مسافر عورت اسی وقت ہوتی ہے جب تین دن کے سفر کا ارادہ کرے اور اگر تین دن سے کم کے سفر کا ارادہ ہو تو وہ حقیقی مسافر ہوتی ہی نہیں گویا کہ اپنے گھر رہتی ہے اسی واسطے تین دن تک کیلئے تو منع کر دیا گیا اور تین دن سے کم کی اجازت و اباحت دے دی گئی۔

مگر یہ استدلال بھی ضعیف ہے اور امام بخاری نے اس کی تضعیف کی طرف بڑے عجیب انداز میں اشارہ کر دیا یوں فرماتے ہیں کہ جیسے تین دن کے سفر سے منع کیا گیا ہے ایسے ہی اس سے کم سے بھی منع کیا گیا ہے چنانچہ دوسری حدیث میں ارشاد ہے لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ معلوم ہوا کہ ایک دن ایک رات کے سفر سے بھی اس کو منع کیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: اس روایت کے اطلاق کی بناء پر حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ سفر حج کیلئے محرم کا ہونا شرط ہے اور شافعیہ اور مالکیہ محرم شرط نہیں قرار دیتے ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر عورت متقی ہو تو اکیلے حج کر سکتی ہے اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ کم از کم تین عورتیں ساتھ ہونی چاہئیں، امام مالک فرماتے

ہیں تخرج مع الرجال والنساء، پھر ان کے اصحاب میں اس میں اختلاف ہے کہ آیا دونوں صنفوں کا مخلوط ہونا چاہئے یا یہ کہ احدا لصنفین کافی ہے؟ مشہور یہ ہے کہ عورتیں ہوں تو کافی ہو جائے گا۔

حَدَّثَنَا آدَمُ: یہ حدیث منتقدات میں سے ہے اور اس پر دار قطنی وغیرہ نے اعتراض کیا ہے کہ سعید مقبری اور ابو ہریرہؓ کے درمیان سعید کے والد ابو سعید مقبری کا واسطہ صرف اسی روایت میں ہے، معظم رواۃِ مؤطا نے یہ روایت نقل کی ہے لیکن یہ واسطہ نہیں ہے اور امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ یہی راجح ہے، لیکن حضرت امام بخاری اس فن کے عبقری اور امام ہیں انہوں نے واسطہ والی روایت کو نقل کیا ہے تو یقینی بات ہے کہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت سعید دونوں طرح نقل کرتے ہیں۔

مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ: اس سلسلہ میں روایات میں بڑا اختلاف ہے کہ آیا حضور اکرم ﷺ نے عورت کو تنہا سفر کرنے سے کتنی مسافت اور کتنی دوری کے اندر منع فرمایا ہے اور اس میں ائمہ کا کچھ اختلاف ہے، (۱) امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ عورت کو تنہا مطلقاً سفر کرنے کی گنجائش نہیں، (۲) امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک رات کے سفر کی گنجائش نہیں اس سے کم کم میں گنجائش ہے، (۳) حنفیہ کہتے ہیں کہ تین دن تین رات سے کم کم کی گنجائش ہے تین دن تین رات اور اس سے زائد کی گنجائش نہیں ہے۔

احناف نے ان روایات سے جو ابھی گزری استدلال کیا ہے جس میں تین دن تین رات کی مسافت تنہا قطع کرنے سے عورت کو منع کیا گیا ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ مسافت کی تعیین میں روایات میں اختلاف ہے، بعض روایات میں ثلاثاً ہے بعض میں ثلاث لیالٍ ہے اسی طرح ثلاثة أیامٍ، فوق ثلاثٍ، أکثر من ثلاثٍ، یومین، لیلتین، یوم، لیلة، یوم و لیلة اور بعض میں برید کا لفظ وارد ہوا ہے، اور یہ سب روایات یا تو صحیحین میں یا احد الصحیحین میں ہے، صرف لیلتین والی روایت طحاوی کی ہے اور برید والی روایت ابوداؤد کی ہے، اور اس کے علاوہ بعض روایات میں بغیر تحدید کے مطلقاً سفر سے منع کر دیا گیا ہے، اسی لئے امام شافعی اور احمد فرماتے ہیں کہ عورت کو مطلقاً گنجائش نہیں۔

مگر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ان روایتوں میں تو ہو گیا اختلاف، اب یہ تو کہا نہیں جا سکتا ہے کہ ساری روایتیں حضور ﷺ نے ایک وقت میں بیان کی ہیں لا محالہ کوئی مقدم ہو گی کوئی مؤخر ہو گی، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ثلاث والی روایتیں مقدم ہیں تو اس کے بعد یومین و لیلتین اور یوم و لیلة والی روایتوں سے مزید حرمت پیدا

ہو گئی، پہلے تو تین دن کی ممانعت تھی اور اس سے کم کی بمفہوم الحدیث گنجائش تھی لیکن اس کے بعد جو دوسری روایتیں اس سے کم مسافت کی تصریح والی آئیں تو انہوں نے مزید حرمت پیدا کر دی، اور اگر یہ مان لیا جائے کہ تین والی روایات مؤخر ہیں باقی اس پر مقدم ہیں تو یہ سب کیلئے ناسخ ہو جائے گی، بہر حال طحاوی کہتے ہیں کہ تین والی روایت ہر حال میں معمول بہا ہے اور چونکہ تاریخ معلوم نہیں لہذا اسی روایت کو اصل بنانا چاہئے۔

مگر طحاوی کا یہ استدلال میری سمجھ میں نہیں آیا کیوں کہ اگر یہی بات ہے تو پھر فوق ثلاث، أکثر من ثلاث والی روایت کو اصل بنانا چاہئے اور تین دن کی گنجائش ہونی چاہئے، بعد میں دیکھا تو بعینہ یہی اعتراض علامہ ابو محمد ابن حزم ظاہری نے کیا ہے، مزید یہ ہے کہ جن روایات میں ثلاثة أیام یا ثلاث لیال کا ذکر وارد ہوا ہے وہ روایتیں اپنے منطوق سے تو تین دن کی مسافت کے تنہا سفر کرنے سے منع کرتی ہیں اور اپنے مفہوم سے اس سے کم کی اجازت دیتی ہیں اور دوسری روایات ہیں جن میں دو دن یا ایک دن وارد ہوا ہے ان کے منطوق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین دن سے کم کے سفر کی بھی گنجائش نہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق و مفہوم میں تعارض ہو جائے تو منطوق کو ترجیح ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ احناف کا جو استدلال ہے وہ بمفہوم المخالف ہے اور ان کے یہاں نصوص میں مفہوم حجت نہیں ہے اگرچہ طحاوی اس کو حجت مانتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ثلاث والی روایات بمفہومہا مادون الثلاث کیلئے محلّل ہیں اور ثلاث سے کم والی روایات بمنطوقہا مادون الثلاث کیلئے محرّم ہیں اور جب محلّل و محرّم میں تعارض ہو جائے تو محرّم کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔

یہاں آکر علامہ ابن ہمام نے بھی سپر ڈال دی اور یہ کہنے لگے کہ امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف سے ایک روایت میں ایک دن کے سفر کی بھی کراہت نقل کی گئی ہے یعنی گویا امام مالک کے مسلک کے مطابق۔

انصاف یہ ہے کہ اس باب میں جمہور علماء کا مسلک یعنی شافعی واحمد کا ارجح واقویٰ ہے، اصل میں جن علماء نے بھی اس باب میں جو مسلک اختیار کیا ہے ان کو اسی قسم کی روایات پہونچی ہیں، ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو روایات مطلق ہیں ان کو مقید روایات پر محمول کیا جائے اور تقیید کے سلسلہ میں روایات مختلف طرح سے وارد ہوئی ہیں بعض میں ثلاثة أیام کا ذکر ہے بعض میں ثلاث لیال کا، بعض میں اس سے اکثر کا، بعض میں یومین کا، بعض میں لیلتین کا، بعض میں یوم کا، اور بعض میں لیلة کا، تو اب اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ روایات مطلقہ

کو روایات مقیدہ پر محمول کیا جائے گا اور ان روایات مقیدہ میں سے اس روایت کو لیا جائے گا جو احوط ہو اور وہ یوم ولیلۃ والی روایت ہے جو بمنطوقہا ایک دن اور ایک رات تنہا سفر کرنے سے مانع ہے، اور باقی روایتیں جو اس سے اوپر کے درجہ کی ہیں وہ بمفہومہا ان کیلئے مبیح ہیں اور جب مانع اور مبیح میں تعارض ہو تو مانع کو ترجیح ہوتی ہے لہذا عورت کیلئے ایک دن ایک رات کا تنہا سفر مکروہ ہوگا۔

مگر یہ چیز غور طلب رہ جاتی ہے کہ جن روایات میں مطلقاً عورت کو سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کے اطلاق کو مقید روایات پر کیوں محمول کیا جائے؟ وہ تو اپنے عموم کی وجہ سے ہر قلیل وکثیر سفر کو مانع ہے لہذا مطلق روایات کو ترجیح ہونا چاہئے خصوصاً جبکہ ہمارے اصحاب کا مسلک بھی ہے کہ جب عام وخاص میں تعارض ہو جاتا ہے تو عام کو ترجیح ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ والی روایت کو لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ والی روایت پر ترجیح دی ہے، بہر حال یہ اشکال مجھ کو آج سے نہیں ہے بلکہ قدیم زمانہ سے جب پہلے سال میں نے دورۂ حدیث کی کتاب پڑھائی تھی اسی وقت سے یہ اشکال چل رہا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ اس میں شافعی واحمد ہی کا قول ارجح ہے۔

تَابَعَهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ: یہ متابعت متن میں ہے اسناد میں نہیں، کیوں کہ یحیٰ، سہیل اور مالک یہ روایت نقل کرتے ہیں لیکن مقبری اور ابو ہریرہؓ کے درمیان ابو سعید مقبری کا واسطہ ذکر نہیں کرتے ہیں۔

یحیٰ بن ابی کثیر کی روایت امام احمد نے اور سہیل بن ابی صالح کی ابوداؤد نے اور مالک کی امام مسلم نے موصولاً تخریج کی ہے۔

(ص ۱۴۸) بَابُ يَقْصُرُ إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهِ

وخرج علي بن أبي طالب فقصّر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له: هذه الكوفة، قال: لا حتى ندخلها.

۱۰۷۶. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ أَنَسِ بن مالك قَالَ صَلَّيْتُ الظُّهْرَ مَعَ رَسُولِ الله ﷺ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ.

۱۰۷۷. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: الصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَانِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ.

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ: فَمَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ؟ قَالَ: تَأَوَّلَتْ مَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ.

ترجمہ: باب، جب مسافر سفر کی نیت کر کے اپنی آبادی سے نکل جائے تو نماز کا قصر کرے۔

اور حضرت علیؓ (کوفہ سے نکلے) تو انہوں نے قصر کیا جب کہ انہیں کوفہ کے گھر نظر آرہے تھے، پھر جب واپس ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ سامنے کوفہ ہے تو فرمایا کہ نہیں (ہم قصر کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ ہم کوفہ میں داخل ہو جائیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ پہنچ کر عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابتداء میں جب نماز فرض ہوئی تو دو ہی رکعتیں تھیں پھر سفر کی نماز اسی حال پر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اتمام کر دیا گیا، زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ سے کہا کہ پھر حضرت عائشہؓ کا کیا حال ہے کہ وہ سفر میں اتمام کرتی ہیں تو عروہ نے جواب دیا کہ وہ تاویل کرتی ہیں جیسا کہ حضرت عثمانؓ تاویل کرتے ہیں۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے مسئلہ بیان کیا ہے کہ آدمی کب سے قصر شروع کرے گا؟

جب آدمی اپنے موضع اور گاؤں یا اپنی جگہ سے نکل جائے تب قصر شروع کرے گا، ابن منذر فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جب نکلے گا تب قصر شروع کرے گا اور تمام بیوتِ قریہ سے نکلنا ضروری ہے، اب آیا مجاوزۃ الدور شرط ہے یا مجاوزۃ السور شرط ہے؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے۔

(۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مجاوزۃ الدور شرط ہے حتی کہ اگر سور البلد کے اطراف میں کچھ مکانات ہوں تو ان مکانات سے مجاوزت کے بعد ہی قصر جائز ہوگا اس سے پہلے نہیں، (۲) امام شافعی کے مذہب میں یہی ایک قول ہے رافعی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ مجاوزۃ السور شرط ہے سور البلد سے باہر نکل جائے چاہے اب تک بعض بیوتِ قریہ جو باہر واقع ہیں اس کے اندر ہی ہو اس کو قصر کی گنجائش ہے، یہ تو ہے حضرات ائمہ اربعہ اور جمہور کے مسلک کا خلاصہ۔

(۳) لیکن سلیمان بن موسیٰ اور عطاء فرماتے ہیں کہ جب آدمی نے سفر کی نیت کر لی تو وہ اپنے وطن ہی میں کیوں نہ ہو اس کو قصر کرنے کی گنجائش ہے، (۴) مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر دن میں سفر شروع کیا جائے تو تا طلوع

اللیل قصر کی گنجائش نہیں اور اگر رات میں سفر شروع ہو تو تا طلوع النہار قصر کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ دونوں اقوال صحیح نہیں اسلئے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب مدینہ سے باہر ہو جاتے تھے تب آپ قصر فرمایا کرتے تھے کبھی بھی آپ سے مدینہ میں قصر کرنا نقل نہیں کیا گیا ہے، اسی طرح سے حضور ﷺ سے یہ کہیں بھی نہیں منقول کہ آپ نے اگر دن میں سفر کیا ہو تو طلوع اللیل کا انتظار کیا ہو قصر کیلئے، یا رات میں سفر شروع کیا ہو تو دخول نہار تک آپ نے انتظار کیا ہو قصر کے واسطے، اور قرآن پاک میں ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ مطلقاً فرمایا گیا ہے یہ اپنے عموم کی وجہ سے اس بات کو مقتضی ہے کہ جب ضرب فی الارض یعنی سفر شروع ہو جائے تو پھر قصر کی گنجائش ہے چاہے رات داخل ہو یا نہ داخل ہو، دن داخل ہو یا نہ داخل ہو، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ضرب فی الارض سے پہلے پہلے قصر کی گنجائش نہیں ہے۔

وَخَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَصَرَ: یہ اثر امام حاکم، بیہقی اور عبدالرزاق نے روایت فرمایا ہے، حضرت علیؓ جب شام کی طرف امیر معاویہؓ سے جنگ کیلئے تشریف لے گئے تھے تو جب کوفہ سے نکلے تو قصر شروع کر دیا اور جب واپسی ہوئی تو قصر فرمایا، لوگوں نے کہا کہ حضرت! یہ کوفہ تو سامنے ہے اور آپ قصر کر رہے ہیں؟ تو فرمایا **لَا حَتَّى نَدْخُلَهَا** ہم اتمام نہیں کریں گے یہاں تک کہ داخل ہو جائیں۔

الصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ: نماز اول امر میں دو دو رکعت فرض کی گئی پھر صلوۃ حضر میں اضافہ ہوا اور صلوۃ سفر اپنے حال پر باقی رکھی گئی، یہ روایت مختصر ہے حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ جب حضور ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تب صلوۃ حضر میں اضافہ ہوا ہے، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی کی روایات میں تصریح وارد ہوئی ہے کہ صلوۃ حضر میں اضافہ ہوا لیکن مغرب وتر ہونے کی وجہ سے علیٰ حالہا رکھی گئی، اور اسی طرح صلوۃ فجر میں اضافہ نہیں کیا گیا طول قرأت کی وجہ سے۔

یہ اضافہ کب ہوا ہے؟ ابن جریر طبری، واقدی، دُولابی، ابوحاتم بن حبان بُستی فرماتے ہیں کہ ہجرت کے ایک ماہ بعد ربیع الآخر میں، اور دولابی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ربیع الآخر کی بارہ تاریخ کو منگل کے دن اضافہ ہوا ہے، ابوالقاسم سہیلی نے الروض الأنف میں لکھا ہے کہ ہجرت کے ایک سال بعد یا اس کے قریب اضافہ ہوا ہے زید فی صلوۃ الحضر بعد الهجرة بعام أو نحوه۔

یہاں پر صاحب فتح الباری کو وہم ہو گیا ہے اور انہوں نے ابوالقاسم سہیلی کے حوالہ سے یہ نقل کر دیا کہ قصر صلوۃ کا حکم ایک سال یا اس کے قریب نازل ہوا ہے، چونکہ حافظ نے یہاں حفظاً نقل کر دیا اسلئے ان کو سہو ہو گیا اور ایسا سہو سبھی کو ہوتا ہے، جب میں حافظ صاحب کی کوئی بات بیان کروں تو اس پر ہنسنا نہیں چاہئے ہم تو ان کے بہت ہی مرہونِ منت ہیں اور انہیں کی تالیفات دیکھ دیکھ کر کے سب کچھ بیان کرتے ہیں، بڑا احسان ہے ان کا، ہمارا کوئی کمال نہیں، بڑوں کے اوپر اعتراض کر دینا کوئی کمال نہیں، باقی ہم اسلئے بیان کر دیتے ہیں کہ تم میں سے اگر کسی کو پڑھانے کی نوبت آئے اور پھر دیکھ کر کے چکراؤ اور گھبراؤ کہ یہ سمجھ میں نہیں آیا کیا چیز ہے، تو اگر استاذ کی بات تم کو محفوظ ہو گی تو فائدہ ہو گا کہ یہاں پر فلاں کو وہم ہو گیا ہے۔

فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ مَابَالُ عَائِشَةَ تُتِمّ: جب یہ حدیث عروہ نے ذکر کی تو ابن شہاب نے کر دیا اعتراض کہ پھر اگر حضرت عائشہؓ ہی یوں کہہ رہی ہیں فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَ أُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ تو وہ اتمام کیوں کرتی ہیں؟ فرمایا تَأَوَّلَتْ مَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ ایسی ہی تاویل کر لی جیسے عثمانؓ نے تاویل کی، حضرت عثمانؓ نے جب اتمام کیا تو ان پر بھی اعتراض ہوئے انہوں نے تاویل کی۔

حضرت عثمانؓ کی تویلات: اب رہی یہ بات کہ عثمانؓ کی تاویل کیا تھی؟ اس میں بڑے لمبے چوڑے اختلاف ہیں، میں چند تاویلیں جو مشہور اور بڑی قسم کی ہیں بیان کرتا ہوں، (۱) حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اتمام اور قصر دونوں کو جائز سمجھتے تھے، ابن بطال نے اسی کو اختیار کیا ہے اور قرطبی کا راجح قرار دیا ہے، (۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اصل میں انہوں نے مکہ مکرمہ میں شادی کر لی تھی اسلئے ان کا گھر بن گیا تھا لہٰذا اتمام کرتے تھے، اس مضمون کی ایک روایت بھی وارد ہے امام احمد، حمیدی اور بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمانؓ پر جب اتمام کرنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا إِنِّي تَأَهَّلْتُ بِمَكَّةَ وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ تَأَهَّلَ بِبَلْدَةٍ فَهُوَ مِنْ أَهْلِهَا جو کہیں شادی کرے وہ وہیں کا ہو گیا، حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اگر مسافر کہیں جا کر شادی کر لے تو وہ اتمام کرے گا یہی امام احمد سے بھی منصوص ہے، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہی امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے، ابن قیم فرماتے ہیں وهذا أحسن ما اعتذر به عن عثمان، (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اصل میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اعراب

آئے ہوئے تھے ایک اعرابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنین میں نے گزشتہ سال تم کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تو میں تو اس وقت سے دو ہی رکعت پڑھ رہا ہوں، حضرت عثمانؓ نے ان کی وجہ سے اتمام شروع کیا، اس میں اشکال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تو اعراب اس سے بھی زیادہ تھے، یہ اشکال امام طحاوی نے کیا ہے، لیکن حافظ نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قصہ واقع ہو گیا اور حضرت رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں کچھ واقع نہیں ہوا تھا اسلئے حضرت عثمانؓ نے اتمام فرمایا، (۴) طحاوی نے ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اقامت کی نیت کر لی تھی، (۵) بعض کہتے ہیں کہ اصل میں حضرت عثمانؓ کی رائے یہ تھی کہ اگر آدمی سفر کر رہا ہو اور چل رہا ہو تب تو کرے گا قصر اور اگر کہیں نزول کر لیا ہو اور اتر گیا ہو تو کرے گا اتمام، حضرت عثمانؓ نے جہاں بھی اتمام کیا ہے تو بحالتِ نزول اور جب قصر کیا ہے تو بحالتِ سیر وسفر۔

حضرت عائشہؓ کی تاویلات: (۱) بعض کہتے ہیں کہ وہ اپنے کو ام المؤمنین کہتی تھیں، اس میں اشکال ہے کہ حضور ﷺ ابو المؤمنین تھے پھر تو آپ کو بدرجۂ اولیٰ اتمام کرنا چاہیے، (۲) بعضوں نے یہ کہا ہے کہ وہ بھی قصر واتمام کو جائز سمجھتی تھیں، (۳) بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ بھی وہی فرق کرتی تھیں جو حضرت عثمانؓ سے منقول ہے یعنی نازل وسائر میں فرق کرتی تھیں اور ان کی رائے یہ تھی کہ قصر سائر کیلئے ہے جو چل رہا ہو سیر وسفر میں ہو، اور جو کہیں اتر گیا ہو فروکش ہو گیا ہو اگرچہ چند ہی دن کا قیام ہو ایک ہی دن کا قیام ہو لیکن بہر حال وہ نازل ہے اور اتمام کرے گا، حافظ ابن حجر نے اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے اور ان شاء اللہ یہی توجیہ نہایت قوی ہے، اور اس کی دلیل میں حافظ نے یہ پیش کیا ہے کہ امام احمد نے بسند حسن عباد بن عبد اللہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ امیر معاویہؓ جب حج کیلئے تشریف لائے تو مکہ مکرمہ میں ظہر کی دو رکعت پڑھائی اور اس کے بعد دار الندوہ تشریف لائے تو وہاں ان کے پاس مروان آیا اور عمرو بن عثمان، اور کہنے لگے کہ کیا بات ہے کہ آپ اپنے چچازاد بھائی کے فعل سے اعراض کر رہے ہیں، حضرت عثمانؓ اتمام کرتے تھے جب مکہ آتے تھے ظہر، عصر، عشاء سب چار چار پڑھا کرتے تھے اور جب منیٰ جاتے عرفہ جاتے تو قصر کیا کرتے تھے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائر ونازل میں حضرت عثمانؓ فرق کیا کرتے تھے، چنانچہ امیر معاویہؓ نے بعینہ یہی جواب دیا انہوں نے فرمایا کہ عثمانؓ کی عادت یہ تھی کہ جب وہ مکہ میں آتے تب وہ اتمام کرتے تھے۔

(ص ۱۴۸) بَابٌ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا فِي السَّفَرِ

۱۰۷۸. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ. قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ.

۱۰۷۹. وَزَادَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَالِمٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ، قَالَ سَالِمٌ: وَأَخَّرَ ابْنُ عُمَرَ الْمَغْرِبَ وَكَانَ اسْتُصْرِخَ عَلَى امْرَأَتِهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةُ، فَقَالَ: سِرْ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةُ، فَقَالَ: سِرْ، حَتَّى سَارَ مِيلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ قَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ، وَقَالَ عَبْدُ اللهِ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُسَلِّمُ وَلَا يُسَبِّحُ بَعْدَ الْعِشَاءِ حَتَّى يَقُومَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ.

ترجمہ: باب، مسافر مغرب کی نماز سفر میں تین رکعت پڑھے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز میں تاخیر کرتے اور مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھتے، سالم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ کو چلنے کی جلدی ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور لیث بن سعد نے بہ سند یونس عن ابن شہاب یہ اضافہ کیا کہ سالم نے کہا کہ ابن عمرؓ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھتے تھے، سالم نے کہا کہ ابن عمرؓ نے مغرب کی نماز کو مؤخر کیا اور اس وقت ان کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید کی شدید بیماری کی خبر آئی تھی تو میں نے ان سے کہا کہ نماز (مغرب) کا وقت ہو گیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ چلتے رہو پھر میں نے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے تو فرمایا چلتے رہو یہاں تک کہ وہ دو میل یا تین میل چلتے رہے پھر اترے اور نماز پڑھی پھر فرمایا کہ جب چلنے کی جلدی ہوتی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ مغرب کی نماز کے لئے اقامت کہلواتے پھر تین رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیر دیتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے یہاں تک کہ عشاء کی اقامت کہلواتے پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھتے پھر سلام پھیر دیتے اور عشاء کے بعد سنت نہ پڑھتے یہاں تک کہ آدھی رات کے بعد بیدار ہو کر نماز پڑھتے۔

تشریح: مغرب کی تین رکعت سفر و حضر میں یکساں ہے، اس پر اجماع ہے اور اس کی تصریح کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ بہت سی روایات میں قصر کی تصریح سے ہو سکتا ہے کوئی آدمی یہ سمجھ جائے کہ مغرب

بھی اس میں داخل ہے لہٰذا مصنف نے یہ بتلا دیا کہ مغرب اس سے مستثنیٰ ہے۔

ایک واقعہ: حافظ عراقی نے لکھا ہے اور وہیں سے علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ الملک الکامل نے حافظ ابو خطاب بن دحیہ سے مغرب کے متعلق سوال کیا کہ سفر میں قصر ہوگا یا نہیں؟ تو فرمایا کہ ہاں اور جب دلیل پوچھی تو فوراً سند پڑھی اور ایک روایت پیش کر دی، بہت سوں کا خیال یہ ہے کہ ابن دحیہ نے فوری طور پر وہ سند ومتن وضع کی ہے، حافظ عراقی کہتے ہیں کہ میرا گمان نہیں ہے کہ انہوں نے ایسا کیا ہوگا، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ میں چاہتا تھا کہ اس سند ومتن سے واقفیت ہو جائے تاکہ معلوم ہو کہ آیا کس نوع کی سند ومتن ہے؟

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اصل میں ابن دحیہ نے نہ تو وضع کیا ہے اور نہ غلط بیانی سے کام لیا ہے بلکہ ان کو سمجھنے میں غلطی ہوگئی بات پوری یاد نہیں رہی، اصل بات یہ تھی جو امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ سفر کی حالت میں مغرب کی دو رکعتیں پڑھا دی اور سلام پھیر دیا بعد میں ان سے کہا گیا تو ایک رکعت مزید پڑھی اور تین آیتیں پڑھیں اور پھر سجدۂ سہو کیا، یہاں پر پہنچ کر ابن دحیہ کو غلطی ہوئی انہیں پوری حدیث یاد نہیں رہی حدیث کا ابتدائی حصہ یاد رہا اسلئے وہ قصر کے قائل ہو گئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور پاک ﷺ سے مغرب میں ہمیشہ اتمام کرنا منقول ہے، امام احمد نے حضرت عمران بن حصینؓ سے نقل کیا ہے مَاسَافَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سَفَرًا إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ إِلَّا الْمَغْرِبَ، اور اس مضمون کی روایت حضرت علیؓ، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ اور حضرت جابرؓ سے مسند بزار میں موجود ہے۔

وَزَادَ اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يُونُسُ: اس زیادتی سے مراد صفیہ بنت ابی عبید کا قصہ اور حضرت ابن عمرؓ کا طرز ہے اور رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ کی تصریح ہے، ورنہ باقی حدیث تو شعیب کے طریق میں بھی موجود ہے۔

(ص ۱۴۸) بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّابَّةِ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ

۱۰۸۰. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ.

۱۰۸۱. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ.

۱۰۸۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ وَيُوتِرُ عَلَيْهَا وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: باب، نفل نماز کے سواری پر پڑھنے کا بیان خواہ اس کا رخ کسی بھی طرف ہو۔

حضرت عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی پر نماز پڑھتے رہتے تھے خواہ اس کا رخ کسی بھی سمت ہوتا تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سوار ہونے کی حالت میں غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نفل نماز پڑھتے تھے۔

نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی اونٹنی پر نماز پڑھتے تھے اور اس پر وتر پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے ابوابِ قصر میں تطوع علی الدابہ کا مسئلہ اسلئے بیان فرمایا ہے کہ سفر میں قصر ہوتا ہے اور تطوع علی الدابہ بھی سفر میں ہوا کرتا ہے، نیز سواری پر تقصیرِ قیام بھی پایا جاتا ہے۔

سواری پر نفل پڑھنا باتفاق جائز ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ صرف سفر میں جائز ہے یا حضر میں بھی؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صرف سفر میں جائز ہے، لیکن قاضی ابو یوسف، ابو سعید اصطخری اور ظاہریہ جس میں ابو محمد بن حزم بھی ہیں فرماتے ہیں کہ حضر میں بھی جائز ہے، نیز امام مالک کہتے ہیں کہ سفر شرعی ضروری ہے اور باقی حضرات کہتے ہیں کہ محض خارج البلد ہونا جواز تطوع علی الدواب کیلئے کافی ہے۔

پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب آدمی نماز کو دابہ پر شروع کرے تو تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کا استقبال کرے یا جدھر سواری جارہی ہے اسی طرف نیت باندھ لے؟ تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً جدھر سواری جارہی ہے اسی طرف نیت باندھ لے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر بآسانی استقبال قبلہ عند التحریمہ ممکن ہو تو استقبال قبلہ کیا جائے اور اس کے بعد جدھر سفر کرنا ہے ادھر رخ کر دیا جائے، یہ دونوں روایتیں امام احمد سے منقول ہیں، شافعیہ کے دو قول ہیں اور دونوں مصحح ہیں،

بعض نے اِس کی تصحیح کی ہے اور بعض نے اُس کی، مالکیہ کے بھی یہ دونوں قول ہیں لیکن ان کے یہاں مشہور یہ ہے کہ شرط نہیں ہے، حنفیہ کی عام کتابوں میں تو اس کی کوئی بحث ہی نہیں ہے اس میں صاف یہ تصریح ہے کہ جدھر سواری جا ؟) ہے اسی رخ پر نفل پڑھنا جائز ہے، لیکن احناف کی بعض کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے، صاحب حلیۃ المحلی نے مسئلہ ذکر کیا ہے اور علامہ سروجی کی غایہ سے نقل کیا ہے کہ ابن مبارک نے امام ابو حنیفہ سے اشتراطِ توجہ الی القبلۃ عند التحریمہ کا قول نقل کیا ہے، علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ بظاہر اصح یہ ہے کہ استقبال عند السہولۃ مستحب ہے اور اس استحباب کی دلیل حضرت انس بن مالکؓ کی وہ روایت ہے جو ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہے کہ جب حضور ﷺ سواری پر نفل پڑھتے استقبل بناقتہ القبلۃ۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں دوابّ کا لفظ ذکر کیا یا دابّہ کا مفرد لفظ ذکر کیا ہے علی اختلاف النسخ، لیکن جو روایت ذکر کی ہے اس میں راحلہ کا لفظ وارد ہوا ہے اور راحلہ خاص ہے اور خاص سے عام کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، راحلہ وہ اونٹنی کہلاتی ہے جو سواری کیلئے خاص ہوا کرتی ہے، اس کے کئی جوابات ہیں۔

(۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاری چاہتے تھے کہ کوئی عام روایت لائیں جس میں دابّہ کا لفظ ہو لیکن اتفاق نہیں پڑا، (۲) یا یہ کہا جائے کہ بخاری نے قیاساً ثابت کیا ہے، لیکن امام بخاری قیاس کے قائل بھی ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ خود اپنی جگہ مختلف فیہا ہے، میرے نزدیک امام بخاری قیاس کے قائل نہیں ہیں وہ ظاہری المسلک ہیں جیسا کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب الاعتصام میں بیان کروں گا، (۳) یا یہ کہ امام بخاری نے اس باب میں جو حضرت جابرؓ کی حدیث ذکر کی ہے اس کے الفاظ ہیں كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ یہ اپنے عموم کی وجہ سے مطلقاً دوابّ کو شامل ہے، (۴) یا یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں تعمیم کرکے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ دوابّ اور راحلہ میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر مرکوب کے اوپر نفل پڑھنا جائز ہے۔

(ص ۱۴۸) بَابُ الْإِيمَاءِ عَلَى الدَّابَّةِ

۱۰۸۳. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ أَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ يُومِئُ، وَذَكَرَ عَبْدُ

اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: باب، سواری (دابہ) پر اشارے سے رکوع وسجود کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سفر میں اپنی سواری پر جدھر بھی اس کا رخ ہوتا اشارہ کر کے نفل نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

تشریح: جب کوئی آدمی دابہ پر نفل پڑھے گا تو رکوع وسجود کیلئے ایماء واشارہ کرے گا۔

آیا مطلقاً ایماء واشارہ پر اکتفاء کرے گا یا رکوع وسجودِ حقیقی پر قدرت نہ ہو تب اشارہ پر اکتفاء کرے گا؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً اشارہ پر اکتفاء کرے گا حتی کہ حنفیہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے واقعۃً سجدہ کر لیا تو وہ بھی ایماء ہی شمار کیا جائے گا، لیکن شافعیہ اور حنابلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر رکوع وسجودِ حقیقی پر قدرت ہو تو رکوع وسجود مطلوب ہے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو اور کوئی مانع ہو تو پھر ایماء واشارہ پر اکتفاء کرے گا، امام بخاری کے اس ترجمہ کا اطلاق اس بات پر مشیر ہے کہ انہوں نے قول اول یعنی حنفیہ اور مالکیہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

(ص ۱۴۸) بَابُ يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوبَةِ

۱۰۸۴. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ أَنَّ عَامِرَ بْنَ رَبِيعَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ يُومِئُ بِرَأْسِهِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ.

۱۰۸۵. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ سَالِمٌ: كَانَ عَبْدُ اللهِ يُصَلِّي عَلَى دَابَّتِهِ مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُسَافِرٌ، مَا يُبَالِي حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَيُوتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْهَا الْمَكْتُوبَةَ.

۱۰۸۶. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ

يُصَلِّيَ الْمَكْتُوبَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

ترجمہ: باب، فرض نماز کے لئے سواری سے اترنے کا بیان۔

حضرت عامر بن ربیعہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اونٹنی پر نفل نماز پڑھ رہے تھے اپنے سر سے اشارہ کررہے تھے جس طرف بھی رخ ہوتا تھا، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات میں سفر کی حالت میں اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اس کا رخ کدھر ہے، ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر نفل نماز پڑھتے تھے جس جانب بھی اس کا رخ ہو اور اسی پر وتر پڑھتے تھے مگر یہ کہ آپ فرض نماز اس پر نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف رخ کئے ہوئے نفل نماز پڑھ لیتے تھے پھر جب فرض نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس باب میں جو مسئلہ بیان فرمایا ہے یہ اجماعی ہے، فریضہ سواری پر جائز نہیں الا یہ کہ آدمی مطلوب ہو تو اس کے لئے بالاجماع سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

(ص ۱۴۹) بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الْحِمَارِ

۱۰۸۷. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَبَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: أخبرنا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ قَالَ: اسْتَقْبَلْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ فَلَقِينَاهُ بِعَيْنِ التَّمْرِ فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَوَجْهُهُ مِنْ ذَا الْجَانِبِ – يَعْنِي عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ – فَقُلْتُ: رَأَيْتُكَ تُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ؟ فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَفْعَلُهُ لَمْ أَفْعَلْهُ.

رَوَاهُ إبراهيم ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بن مالك عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، گدھے پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنے کا بیان۔

انس بن سیرین نے بیان کیا کہ جب حضرت انس بن مالکؓ شام سے واپس آئے تو ہم نے ان کا استقبال کیا اور مقام عین التمر میں ان سے ہماری ملاقات ہوئی تب میں نے دیکھا کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کا رخ اس جانب یعنی قبلہ سے بائیں طرف تھا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا۔

اس حدیث کو ابراہیم بن طہمان نے بہ سند حجاج عن انس بن سیرین عن انس بن مالکؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: باب کی غرض میں کئی اقوال ہیں، (۱) یہ مسئلہ اگرچہ باب التطوع علی الدواب سے معلوم ہو چکا لیکن مصنف نے صلوۃ التطوع علی الحمار کی تخصیص اسلئے کر دی کہ حدیث میں اس کی تصریح آئی ہے، اور محدثین کی عادت ہے کہ احادیث میں جو چیزیں آجاتی ہیں ان پر تراجم منعقد کرتے ہیں اسلئے امام بخاری نے ابواب سترہ میں سترہ بالرمح، سترہ بالعنزۃ، سترہ بالاسطوانۃ کے تراجم منعقد کئے ہیں۔

(۲) بعض سلف کو صلوۃ علی الحمار کے بارے میں تردد تھا، عبدالرزاق نے ابن جریج سے انہوں نے عطاء سے نقل کیا ہے عطاء فرماتے تھے **يصلي على الدواب كلها على البعير و الفرس و البغل و الحمار** تو ابن جریج نے عطاء سے پوچھا **وعلى الحمار؟ قال وعلى الحمار۔**

(۳) ابن رشید فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تطوع علی الدابہ کیلئے دابہ کا طاہر الفضلات ہونا شرط نہیں بلکہ تمام مرکوبات کا یہی حکم ہے سب پر جائز ہے بس اتنی شرط ہے کہ نمازی کے بدن اور کپڑے نجاست سے مس نہ کر رہے ہوں۔

(۴) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حمار کا ترجمہ اہتمام کی غرض سے منعقد کیا ہے اسلئے کہ حمار بعید من الرحمۃ قریب من الشیطان ہے ہو سکتا ہے کسی کو یہ وہم ہو کہ حمار پر نماز جائز نہ ہو گی تو مصنف نے اس وہم کو دور کر دیا اور جواز ثابت کر دیا۔

(۵) ہمارے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ چونکہ بعض احادیث میں مرورِ حمار کو قاطع صلوۃ قرار دیا گیا ہے اسلئے ہو سکتا ہے کسی کو یہ خیال ہو کہ حمار پر نماز نہ ہو گی، جب سامنے سے گزرنا قاطع صلوۃ ہے تو اس پر بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسے صحیح ہو گا؟ امام بخاری نے اس کا جواز بتا دیا اور یہ اشارہ کر دیا کہ حمار کا قاطع صلوۃ ہونا مسلّم نہیں ہے، حضرت امام بخاری ابواب سترہ میں ترجمہ منعقد کر آئے ہیں **لا يقطع الصلوة شيئ۔**

اسْتَقْبَلْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ: حضرت انس بن مالکؓ حجاج کی شکایت کرنے کے لئے ولید بن عبدالملک کے پاس شام تشریف لے گئے، جب ان کی واپسی ہوئی تو ان کے بچوں اور ان کے حشم و خدم نے مقام عین التمر تک بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

یہاں پر بخاری شریف میں **حِينَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ** ہے اور بلا اختلاف بخاری میں اسی طرح آیا ہے مسلم شریف

کے موجودہ نسخوں میں اسی طرح واقع بھی ہوا ہے لیکن مسلم میں قَدِمَ مِنَ الشَّامِ یہ کاتب کا اور ہندوستانی مطابع والوں کا تصرّف ہے ورنہ مسلم شریف میں یہاں حِینَ قَدِمَ الشَّامَ بغیر لفظِ مِنْ کے واقع ہوا ہے، قاضی عیاض وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور علماء کی رائے ہے کہ مسلم کی روایت صحیح نہیں اس میں کلمۂ مِنْ ساقط ہو گیا ہے صحیح بخاری کی روایت ہے، بعض علماء نے مسلم کی روایت کی توجیہ کی اور کہتے ہیں کہ اس سے مقصود بیانِ وقت ہے اور مسلم کی روایت کو غلط اسلئے کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جب انسؓ شام گئے تھے اس وقت ان کا استقبال ہوا تھا حالانکہ شام جاتے ہوئے ان کا استقبال نہیں ہوا تھا شام سے واپسی پر ہوا تھا۔

بِعَيْنِ التَّمْرِ: شام کی طرف بصرہ کے قریب ایک بستی ہے، وہیں کے قیدیوں میں سے سیرین تھے جو محمد بن سیرین، معبد بن سیرین، انس بن سیرین، حفصہ بنت سیرین اور کریمہ بنت سیرین کے باپ ہیں اور ان کی کنیت ابو عمرہ ہے۔

لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَهُ لَمْ أَفْعَلْهُ: محققین علماء فرماتے ہیں کہ صلوۃ علی الحمار حضرت انسؓ کا فعل ہے نبی اکرم ﷺ کا فعل نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے یہاں مقام تحقیق سے ہٹ کر بعض روایات کا سہارا لے لیا اور کہتے ہیں کہ بعض روایات میں تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے حمار پر نماز پڑھی ہے، امام مسلم نے بطریق عمرو بن یحیی المازنی ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُوَجِّهٌ إِلَى خَيْبَرَ لیکن امام نسائی کہتے ہیں کہ عمرو بن یحیی کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وہی کہتے ہیں کوئی اور نہیں کہتا، دوسرے لوگ علی راحلته کہتے ہیں، دار قطنی کہتے ہیں کہ عمرو بن یحیی کی روایت غلط ہے معروف علی راحلته یا علی البعیر ہے اور صواب یہ ہے کہ صلوۃ علی الحمار حضرت انسؓ کا فعل ہے نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے اسلئے بخاری نے عمرو بن یحیی کی روایت اپنی کتاب میں درج نہیں کی۔

حافظ ابن حجر نے ایک اور روایت پیش کی کہتے ہیں کہ سراج نے بطریق یحیی بن سعید عن انس نقل کیا ہے أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ ذَاهِبٌ إِلَى خَيْبَرَ وإسناده حسن لیکن میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو مرفوعاً نقل کرنا شاذ ہے، امام بخاری تاریخ کبیر میں روایت مرفوعہ نقل کر کے فرماتے ہیں وقال مالک وعبدالوارث عن یحیی أنہ رأی أنسا وھو أصح یعنی یہ روایت موقوفہ اصح ہے روایت مرفوعہ نہیں، میں کہتا ہوں کہ مالک کی جس روایت کی طرف بخاری نے اشارہ کیا ہے مؤطا امام مالک میں موجود ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب صلوۃ علی الحمار نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں فن تعلیل کے ائمہ نسائی اور دار قطنی اس کی تصریح کر رہے ہیں تو پھر امام بخاری نے صلوۃ علی الحمار کو کیسے ثابت کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے انس بن مالکؓ کے اتباع میں ثابت کیا ہے، حضرت انسؓ نے اپنے صلوۃ علی الحمار کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث کی طرف منسوب کیا اور اسی پر مبنی کیا ہے، بخاری اب یہاں کچھ نہیں ڈھونڈتے وہ حضرت انسؓ کے اتباع میں صلوۃ علی الحمار کے قائل ہوگئے ہیں اور یہ امام بخاری کے عادات مطردہ میں سے ہے جو بعض وقت کسی متقدِم صحابی یا تابعی کے اتباع میں کسی روایت سے کوئی مسئلہ مستنبط کرتے ہیں جس کے استنباط پر ظاہراً کوئی اشکال بھی ہوتا ہے، جیسے باب لایقطع الصلوۃ شیئ میں زہری کے اتباع میں حضرت عائشہؓ کی روایت شَبَّهْتُمُونَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ سے استدلال کیا ہے اور وہاں اشکال وجواب آچکا ہے۔

(ص ۱۴۹) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ دُبُرَ الصَّلَاةِ وَقَبْلَهَا

۱۰۸۸. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ حَدَّثَهُ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ: صَحِبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ وَقَالَ اللّٰهُ تعالى: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾.

۱۰۸۹. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عِيسَى بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: صَحِبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں (کی دلیل) کا بیان جو سفر میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد سنتیں نہ پڑھیں۔

حفص بن عاصم نے عمر بن محمد سے بیان کیا کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہا تو میں نے آپ کو سفر میں سنتیں پڑھتے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ یعنی تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات قابل تقلید نمونہ ہے۔

حفص بن عاصم سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے دو ترجمے منعقد کئے ہیں، پہلا ترجمہ یہ ہے یعنی باب من لم یتطوّع فی السفر دبر الصلوات وقبلھا اور دوسرا ترجمہ اس کے بعد ہے باب من تطوّع فی السفر فی غیر دبر الصلوات وقبلھا، ان دونوں ترجموں کے الفاظ میں نسخ بخاری میں اختلاف ہے، ان کے تین الفاظ ہیں۔

سب سے زیادہ مشہور لفظ ہے من لم یتطوّع فی السفر دبر الصلوات یہ پہلے ترجمہ کے الفاظ ہیں اور دوسرے ترجمہ کے الفاظ ہیں من تطوّع فی السفر فی غیر دبر الصلوات۔

دوسرا لفظ وہ ہے جو ہمارے ہندی نسخوں میں موجود ہے یعنی باب من لم یتطوّع فی السفر دبر الصلوات وقبلھا، و باب من تطوّع فی السفر فی غیر دبر الصلوات وقبلھا، فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ پہلے نسخہ میں دونوں ترجموں میں وقبلھا نہیں ہے اور دوسرے نسخہ میں دونوں ترجموں میں وقبلھا کا لفظ موجود ہے۔

تیسرا نسخہ ہے باب من لم یتطوّع فی السفر دبر الصلوات اور باب من تطوّع فی السفر۔

امام بخاری کا مقصود ان دونوں ترجموں سے روایات مختلفہ کے درمیان جمع کرنا ہے اسلئے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے تطوع فی السفر کے بارے میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں بعض روایات میں تطوع کا ذکر ہے اور بعض میں نفی وارد ہوئی ہے، امام بخاری نے اس نفی واثبات کے محامل تجویز کئے ہیں، سب سے مشہور نسخہ پر جس میں دونوں ترجموں میں قبلھا کا لفظ نہیں ہے، حاصل جمع یہ نکلتا ہے کہ نفی تو محمول ہے رواتبِ بعدیہ پر اور اثبات محمول ہے اس کے ماسوا پر، اور اس کے ماسوا کے دو فرد ہیں، ایک تو رواتبِ قبلیہ اور دوسرے نوافل مطلقہ۔

اور دوسرا نسخہ لیا جائے جس میں وقبلھا کا لفظ دونوں ترجموں میں موجود ہے تو اس صورت میں حاصل جمع یہ نکلے گا کہ نفی محمول ہے رواتب پر چاہے وہ قبلیہ ہوں یا بعدیہ، اور اثبات محمول ہے غیر رواتب پر چاہے قبلیہ ہوں یا بعدیہ ہوں، یعنی نفی کا تعلق رواتب سے ہے اور اثبات کا تعلق نوافل مطلقہ سے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ دوسرے باب میں بخاری کا یہ قول بھی منقول ہے وَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِي السَّفَرِ اب اگر مقصود مطلقاً رواتب کی نفی ہے تو وَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِي السَّفَرِ اس کے معارض ہو جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ رکعتی الفجر اپنے تأکد کی وجہ سے گویا اس سے مستثنیٰ ہے۔

اور جو تیسرا نسخہ ہے اس پر حاصل جمع یہ ہوگا کہ امام بخاری نے نوافل بعدیہ کے متعلق تو یہ کہا ہے کہ اسی

سے متعلق ہے نفی اور تطوع مطلقہ سے اثبات کا تعلق ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نفی کا تعلق ہے صلوۃ علی الارض سے اور اثبات کا تعلق ہے صلوۃ علی الدابہ سے واختاره ابن بطال ومال إليه شيخنا، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نفی کا تعلق ہے حالتِ سیر پر اور ثبوت کا تعلق ہے حالتِ قرار سے، اسی کو فقیہ ابو جعفر ہندوانی، شاہ عبدالغنی محدث دہلوی اور بہت سے احناف نے اختیار کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہوتے اور سفر جاری ہوتا تب تو نفل نہیں پڑھتے تھے اور اگر راستہ میں فروکش ہوتے تھے اترے ہوئے ہوتے تھے تو پڑھا کرتے تھے، اور بھی مختلف جمع ہیں۔

نوافل کے باب میں علماء میں اختلاف ہے کہ سفر میں اس کو پڑھا جائے یا نہیں؟ (۱) مطلقاً پڑھا جائے، ائمۂ اربعہ کے متبعین یہی فرماتے ہیں کہ سنن چاہے قبلیہ ہوں یا بعدیہ سفر میں ان کو پڑھا جائے گا، اور ہمارے فقہاء نے لکھا ہے لاقصر فی السنن، البتہ یہ سنن مؤکد نہیں رہتے ہیں بجائے سنن مؤکدہ کے مستحب ہو جایا کرتے ہیں، (۲) مطلقاً نہیں پڑھا جائے گا، (۳) رواتب نہیں پڑھی جائیں گی اور غیر رواتب پڑھ سکتے ہیں، (۴) نوافل مطلقہ رات میں پڑھی جاسکتی ہیں دن میں نہیں پڑھی جاسکتی ہیں، یہ ابن عمرؓ کی طرف منسوب ہے اور اس سے پہلا قول بھی انہیں سے نقل کیا گیا ہے، (۵) رواتب بعدیہ نہیں پڑھی جائیں گی ہاں نوافل مطلقہ اور نوافل قبلیہ پڑھی جائیں گی یہ بخاری کا رجحان ہے، (٦) ابن قیم کی رائے یہ ہے کہ رکعتی الفجر اور وتر پڑھی جائے گی باقی نہیں۔

فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، لیکن ابن عمرؓ ہی کی حدیث میں ہے صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وكذا قاله في المغرب، رواه الترمذي، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حدیث پاک کو اغلبِ احوال پر محمول کیا جائے گا اور ترمذی کی روایت کو بعض الاحوال پر محمول کیا جائے گا۔

(ص ۱۴۹) بَابُ مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِي غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا

وركع النبي صلى الله عليه وسلم في السفر ركعتي الفجر.

۱۰۹۰. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: مَا

اخبرنا أحَدٌ أنَّهُ رَأى النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الضُّحى غَيْرُ أُمِّ هَانِيءٍ، ذَكَرَتْ أنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فَمَا رَأيْتُهُ صَلَّى صَلاةً أخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ.

۱۰۹۱. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ أنَّ أبَاهُ أخْبَرَهُ أنَّهُ رَأى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ صَلَّى السُّبْحَةَ بِاللَّيْلِ فِي السَّفَرِ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ.

۱۰۹۲. حَدَّثَنَا أبُو الْيَمَانِ قَالَ: أخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُسَبِّحُ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ يُومِئُ بِرَأْسِهِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں (کی دلیل) کا بیان جو فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنن کے علاوہ نوافل پڑھیں، اور حضور ﷺ نے سفر میں فجر کی دو سنتیں پڑھیں۔

ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں ام ہانیؓ کے علاوہ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے، ام ہانیؓ نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں غسل کیا پھر آٹھ رکعت نماز پڑھی پس میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے اس سے زیادہ ہلکی نماز پڑھی ہو مگر یہ کہ آپ اس میں رکوع و سجود کو تمامیت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

حضرت عامر بن ربیعہؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سفر میں رات کے وقت اپنی سواری کی پشت پر نماز تہجد پڑھتے دیکھا جس طرف سواری کا رخ ہوتا اسی طرف نماز پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری کی پشت پر نماز پڑھتے تھے جس طرف بھی سواری کا رخ ہو اور آپ رکوع و سجود کے لئے سر کا اشارہ کرتے تھے، اور سالم نے کہا کہ ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

صَلَّى السُّبْحَةَ: سبحۃ یعنی نافلہ، نافلہ کو سبحۃ اور سبیحۃ اسلئے کہتے ہیں کہ سبحہ یعنی تسبیحات مندوب ہیں اور نافلہ بھی مندوب ہیں اسلئے تسمیة الشیئ باسم جزئہ کے قبیل سے نوافل کو سبحہ کہا جانے لگا۔

حَدَّثَنَا أبُو الْيَمَانِ: ابن عمرؓ کہتے ہیں أنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُسَبِّحُ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ اور ابن عمرؓ ہی کی روایت باب گزشتہ میں گزری ہے صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ وَأبَا

بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ان کی ان دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا، امام بخاری نے اس ترجمہ سے اس تعارض کو رفع فرمادیا کہ نفی کا تعلق رواتب بعدیہ سے ہے اور اثبات کا تعلق اس کے ماسوا یعنی نوافل مطلقہ سے اور اسی طرح نوافل قبلیہ سے ہے، یا پھر ایک توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نافلہ زمین پر نہیں پڑھتے تھے بلکہ سواری ہی پر پڑھا کرتے تھے۔

(ص ۱۴۹) بَابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

۱۰۹۳. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ.

۱۰۹۴. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنِ الْحُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

۱۰۹۵. وَعَنْ حُسَيْنٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي السَّفَرِ.

وَتَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى عَنْ حَفْصٍ عَنْ أَنَسٍ: جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ.

ترجمہ: باب، سفر میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھنے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں حالت سیر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے اور مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

علی بن مبارک نے بہ سند یحیٰ عن حفص عن انس حسین معلم کی متابعت کی ہے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمع بین الصلوتین فی السفر کا مسئلہ بیان کیا ہے اور اس کے

لئے آئندہ بھی تراجم منعقد کئے ہیں، اسلئے کہ اس کا تعلق عصرین سے بھی ہے، ان کے مقصد کی وضاحت بعد میں کی جائے گی، یہاں پر ہم مذاہب نقل کرتے ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ، صاحبین، حسن بصری اور نخعی کہتے ہیں کہ عرفہ اور مزدلفہ میں حقیقی جمع جائز ہے، انکے علاوہ حقیقی جمع جائز نہیں، (۲) امام مالک سے منقول ہے کہ جمع کرنا مکروہ ہے، (۳) جمہور علماء جواز کے قائل ہیں، پھر امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے جمع تقدیم ہو یا تاخیر ہو، یہی امام مالک کی ایک روایت مشہورہ ہے، (۴) امام مالک اور لیث بن سعد فرماتے ہیں یختص بمن جدبه السیر جس کو سفر کی ہماہمی ہو اس کیلئے جائز ہے، (۵) ابن حبیب کہتے ہیں یجوز للسائر لا للنازل جو چل رہا ہو وہ جمع کر سکتا ہے جو کہیں اتر کر منزل کر رہا ہو وہ نہیں کر سکتا ہے، (۶) امام اوزاعی کہتے ہیں کہ جس کو عذر ہو وہ جمع کر سکتا ہے، (۷) ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں یہی مالک واحمد کی ایک ایک روایت ہے۔

امام بخاری نے جو تراجم منعقد کئے ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عشائین میں تو ان کے یہاں جمع حقیقی مطلقاً جائز ہے خواہ تقدیم ہو یا تاخیر، اور عصرین میں ان کے یہاں جمع تاخیر ہے یا پھر وہ جمع صوری کے قائل ہیں، اسی لئے عشائین میں تو کہتے ہیں بَابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اور جب عصرین کا نمبر آتا ہے تو کہتے ہیں بَابُ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى الْعَصْرِ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ۔

جو لوگ جمع بین الصلوتین کے قائل ہیں وہ ان احادیثِ ظاہرہ سے استدلال کرتے ہیں جو جمع بین الصلوتین کے باب میں وارد ہیں۔

اور جو لوگ ممانعت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ جب نمازوں کے اوقات معین اور فرض ہیں تو اس کے خلاف کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ اور ابن عباسؓ کہتے ہیں عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ أَتَى بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ، رواه الترمذی، نیز جمع بین الصلوتین کی جتنی روایات ہیں سب مؤوّل ہیں اور جمع صوری مراد ہے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُقَدِّمُ الْعَصْرَ وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُقَدِّمُ الْعِشَاءَ، رواه الطحاوی، اسی مضمون کی روایت امام بزار نے حضرت انسؓ سے نقل فرمائی ہے۔

لیکن جمہور کہتے ہیں کہ ہر جگہ جمع صوری پر محمول کرنا بعید ہے اور نہ یہ تاویل ہر جگہ چلتی ہے، اور آیت سے استدلال ضعیف ہے اسلئے کہ کتابا موقوتا میں موقوتا کی تفسیر سلف سے دو طرح نقل کی گئی ہے، ایک مفروضا اور دوسرے موقتا سے اور جب تفسیر میں اختلاف ہو گیا تو پھر متعین طور پر آیت سے یہ ثابت نہ ہوا کہ وقت پر پڑھنا ہر حال میں فرض ہے، اور اگر آیت کی ایک ہی تفسیر ہوتی کتابا مفروضا تو بھی بات وہی نکلتی، اسلئے کہ آیت کو حالتِ حضر اور عدم عذر پر محمول کیا جاتا اور روایت کو عذرِ سفر پر محمول کیا جاتا، کیوں کہ جس ذات نے إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا سنایا اسی ذات نے سفر میں جمع بین الصلوتین کیا ہے، میں پہلے تو جمع صوری کا قائل تھا لیکن جب اللہ نے اپنے کرم سے حجاز کا سفر نصیب فرمایا اور وہاں کے لق ودق میادین اور حالات کا مشاہدہ کیا تو یہی انشراح ہوا کہ یہاں جمع حقیقی ہوا ہے جمع صوری نہیں ہوا ہے، واللہ سبحانہ أعلم۔

(ص ۱۴۹) بَابُ هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

۱۰۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ، قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُسَلِّمُ وَلَا يُسَبِّحُ بَيْنَهُمَا بِرَكْعَةٍ وَلَا بَعْدَ الْعِشَاءِ بِسَجْدَةٍ حَتَّى يَقُومَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ.

۱۰۹۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنِي حَرْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ.

ترجمہ: باب، جب مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھے تو کیا اذان دے گا یا اقامت کہے گا۔

تشریح: یہ ترجمہ استدراکیہ ہے، چونکہ ما قبل میں مصنف نے جمع بین العشائین کا ذکر کیا تھا لہذا اب اس ترجمہ کے ذریعہ اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ آیا جمع بین الصلاتین کے واسطے اذان بھی کہی جائے گی یا صرف

اقامت پر اکتفاء کرنا جائز ہے؟ روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صرف اقامت پر اکتفاء کرنا جائز ہے، ویسے یہ مسئلہ اختلافیہ ہے، حضرت امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی اور امام مالک فرماتے ہیں أذانان و إقامتان اور حنفیہ کی رائے ہے أذان و إقامة ایک اذان اور ایک اقامت ہو گی۔

إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيمُ الْمَغْرِبَ: ہم نے ترجمہ کی جو غرض بیان کی ہے اس غرض کے پیش نظر روایت کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور کوئی اشکال نہیں، علامہ ابن رشید نے اسی طرح سے ترجمہ اور روایت میں مطابقت بیان کی ہے یعنی امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ آیا اذان دی جائے گی یا صرف اقامت پر اکتفاء کرنا جائز ہے؟ روایت سے معلوم ہو گیا کہ اقامت پر اکتفاء کرنا جائز ہے، لیکن علامہ کرمانی ابن بطال کی اتباع میں فرماتے ہیں کہ جب راوی نے صلوۃ کو مطلقاً ذکر کیا ہے تو اس سے صلوۃ کاملہ مراد ہو گی جو اپنے تمام شرائط و سنن کے ساتھ ادا کی گئی ہو اور اسی میں اذان و اقامت بھی داخل ہے لہذا امام بخاری کے ترجمہ کا مقصد یہ ہو گا کہ آیا آدمی سفر میں جمع بین الصلاتین کے لئے اذان بھی کہے گا یا صرف اقامت پر اکتفاء کرے گا؟ امام بخاری نے لفظ صلوۃ کے مطلق ہونے سے یہ بات بیان کر دی کہ مکمل طرح کی نماز ادا کی جائے گی یعنی اذان بھی ہو گی اور اقامت بھی ہو گی، مگر یہ تقریر کچھ بعید سی معلوم ہوتی ہے ابن رشید ہی کی تقریر دل کو لگتی ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: یہ روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں، اس میں جمع بین العشائین کا ذکر تو ہے اذان و اقامت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق اصل ترجمہ باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء سے ہے اسلئے کہ هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ والا ترجمہ تو استدراکی اور ضمنی تھا، اور علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ اصل میں حضرت امام بخاری نے حضرت انسؓ کی حدیث کی ابن عمرؓ کی حدیث کے ذریعہ تفسیر فرمائی ہے، گویا اس باب میں ابن عمرؓ اور انسؓ کی دو روایتیں ذکر کیں، انسؓ کی روایت مجمل تھی اور ابن عمرؓ کی روایت مفصل تھی، امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ حضرت انسؓ کی روایت کے اجمال کیلئے ابن عمرؓ کی روایت تفسیر بن رہی ہے۔

(ص ۱۴۹) بَابٌ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى الْعَصْرِ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ

فيه ابن عباس عن النبي ﷺ.

۱۰۹۸ . حَدَّثَنَا حَسَّانُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا فَإِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ.

ترجمہ: باب، اگر زوال سے پہلے سفر میں کوچ کرنا ہو تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرنا چاہیے۔

اس سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر میں زوال سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے اور اگر کوچ کرنے سے پہلے زوال کا وقت ہو جاتا تو ظہر پڑھتے پھر سفر کیلئے سوار ہوتے۔

تشریح: یہ آگیا وہ باب جس کی طرف ابھی میں نے اشارہ کیا تھا، آیا حضرت امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عصرین میں جمع صوری ہو گا یعنی ظہر کو عصر تک مؤخر کیا جائے گا یعنی عصر کے وقتِ اول تک ظہر ادا کر لی جائے گی اس کے بعد پھر عصر کا وقت داخل ہو گا تب عصر کی نماز پڑھی جائے گی؟ یا امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عصرین میں جمع تاخیر ہو گا، دونوں ہی احتمال ہیں۔

فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ابن عباسؓ کی یہ روایت امام احمد نے تخریج کی ہے۔

حَدَّثَنَا حَسَّانُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ: مفضل بن فضالہ یہ مصر کے قاضی تھے اور مستجاب الدعوات تھے قاله أبو داؤد۔

(ص ۱۵۰) بَابٌ إِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ

۱۰۹۹ . حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ.

ترجمہ: باب، جب زوال آفتاب کے بعد کوچ کرے تو ظہر کی نماز پڑھے پھر سفر کیلئے سوار ہو۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب زوال آفتاب سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر فرماتے پھر نزول فرماتے پھر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے اور اگر سفر سے پہلے زوال کا وقت ہو جاتا تو ظہر پڑھتے پھر سفر کیلئے سوار ہوتے۔

تشریح: یعنی اگر زوال سے پہلے سفر شروع ہو تب تو ظہر کو عصر تک کیلئے مؤخر کر دیا جائے اور اگر زوال کے بعد سفر شروع ہو تو ظہر پڑھ کر سفر شروع کرنا چاہئے عصر نہ پڑھنی چاہئے، امام بخاری کا یہ ترجمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امام ظہرین میں جمع تقدیم کے قائل نہیں ہیں، اور رہا جمع تاخیر تو یہ مسئلہ محتمل ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا جاچکا۔

(ص ۱۵۰) بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ

۱۱۰۰. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ فَصَلَّى جَالِسًا وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا.

۱۱۰۱. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَقَطَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ فَرَسٍ فَخُدِشَ - أَوْ فَجُحِشَ - شِقُّهُ الْأَيْمَنُ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُودُهُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا قُعُودًا، وَقَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: اللّٰهم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ.

۱۱۰۲. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَكَانَ مَبْسُورًا قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا فَقَالَ: إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ

وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ.

ترجمہ: باب، بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں نماز پڑھائی اور آپ اس وقت بیمار تھے تو آپ نے بیٹھ کر نماز ادا کی اور آپ کے پیچھے لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو آپ نے ان کو اشارہ کیا بیٹھ جائیں، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام کو امام ہی اسلئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اسلئے جب وہ رکوع میں جائے تو رکوع میں جاؤ اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر گئے تو آپ کا جسد اطہر کا داہنا حصہ چھل گیا تو ہم آپکی عیادت کیلئے حاضر ہوئے، نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے بیٹھ کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ نے فرمایا کہ امام کو امام ہی اسلئے بنایا جاتا ہے کہ اسکی پیروی کی جائے اسلئے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور ان کو بواسیر کا مرض تھا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے انسان کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا اور جو لیٹ کر نماز پڑھے تو اس کو بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا۔

تشریح: غور سے سنو! حضرت امام بخاری نے ابواب تقصیر الصلوۃ میں صلوۃ القاعد کو اسلئے بیان فرمایا ہے کہ اس میں قیام میں قصر ہو جاتا ہے، یا یہ کہا جائے کہ اس میں اجر کم ہو جاتا ہے۔

قاعد سے مراد کون ہے؟ علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ دو احتمال ہیں، (۱) ہو سکتا ہے اس سے معذور مراد ہو چاہے امام ہو یا غیر امام، اور مطلب یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے چاہے امام بیٹھ کر پڑھے یا غیر امام اگر وہ معذور ہو بیمار ہو، (۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری نے قاعد سے عام مراد لیا ہو چاہے معذور ہو یا غیر معذور، اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو نماز صحیح ہو جائے گی إلا ما دل الدلیل علی خلافہ اور وہ ہے صلوۃ الفریضۃ للصحیح، اسلئے کہ صحت مند کو بیٹھ کر نماز پڑھنا بالاجماع جائز نہیں ہے۔

صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ: اس شکایت سے مراد حضور ﷺ کا گھوڑے سے گر جانا ہے، یہ واقعہ ابن حبان کے بیان کے مطابق سن ۵ھ کا ہے، گھوڑے پر آپ تشریف لے جا رہے تھے کہ

ایک دم گھوڑا بدکا اور آنحضور ﷺ ایک کھجور کے تنے کی جڑ پر گر پڑے۔

فَخُدِشَ: آنحضور ﷺ کو خراش آگئی، أَوْ فَجُحِشَ، یہ شک راوی ہے کہ لفظ جُحِشَ ہے یا خُدِشَ؟ جحش کے معنی بھی خراش آجانے کے ہیں۔

شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، آپ کے دائیں حصہ میں خراش آئی، جگہ کی تعیین روایات میں وارد ہوئی ہے کہ مونڈھے میں آئی اور بعض میں ہے کہ ساق میں آئی، ممکن ہے دونوں حصوں پر صدمہ پہونچا ہو۔

وَكَانَ مَبْسُورًا: حضرت عمران بن حصینؓ کو بواسیر کے مسّے تھے جن کی وجہ سے ان کو بڑی دشواری پیش آتی تھی اور کھڑے ہونے میں دقت ہوتی تھی تو انہوں نے آنحضور ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے متعلق سوال کیا تو فرمایا إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا نصف اجر ملے گا۔

یہ حدیث آیا نافلہ سے متعلق ہے یا فریضہ سے یا اس کا کوئی اور محمل ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام ترمذی نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ یہ نافلہ پر محمول ہے، اور مالکیہ کی ایک بہت بڑی جماعت ابن ماجشون، قاضی اسماعیل مالکی، ابن شعبان اور داؤدی وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اسماعیلی اور ابو عبید وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور امام نووی نے بھی ان سے اس کو نقل کیا ہے۔

لیکن اس مطلب پر یہ اشکال ہوگا کہ پھر تو اس حدیث کا تعلق ہو جائے گا صلوۃ نافلہ سے اور حدیث کے جزء اول سے یہ مسئلہ نکلے گا کہ بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے لیکن اجر قائم کے اجر سے آدھا ہو جائے گا، اور حدیث کے جزء ثانی وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ سے یہ مسئلہ نکلے گا کہ اگر کوئی آدمی لیٹ کر نماز پڑھتا ہے تو اس کا اجر قاعد کے اجر سے بھی آدھا ہو جائے گا حالانکہ بہت سے علماء نے یہ لکھا ہے کہ لیٹ کر نفل پڑھنا مطلقاً جائز نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک کا نافلہ سے تعلق ہے ہی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نفل مضطجعًا کا عدم جواز اجماعی مسئلہ نہیں بلکہ ایک جماعت علماء کی یہ کہتی ہے کہ لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، چنانچہ حسن بصری سے یہی نقل کیا گیا ہے، مالکیہ میں سے ابو بکر ابہری اسی کے قائل ہیں، اور شافعیہ کے یہاں دو وجہیں ہیں اصح الوجہین یہ ہے کہ لیٹ کر نفل پڑھنا جائز ہے، اور شامی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے بعض مشائخ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

قاضی ابوالولید باجی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مطلقاً صلوۃ سے متعلق ہے چاہے صلوۃ فریضہ ہو اور چاہے صلوۃ نافلہ ہو، لیکن فریضہ کے سلسلہ میں تو یہ معذور پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی فریضہ بیٹھ کر ادا کرتا ہے تو قاعد کا اجر قائم سے آدھا ہو گا اور مضطجع کا اجر قاعد سے آدھا ہو گا، قاضی ابوالولید باجی نے جو یہ محمل بتلایا ہے مجھ کو یہی سب سے زیادہ قریب محمل معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ عمران بن حصین معذور تھے ان کو بواسیر کی شکایت تھی، ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے سب سے اہم ترین نماز یعنی فریضہ کے متعلق سوال کیا ہو گا، لیکن آنحضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو چونکہ جوامع الکلم سے نوازا گیا تھا لہذا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ایک قاعدۂ کلیہ ارشاد فرمایا وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ، لہذا یہ اپنے عموم کی وجہ سے فریضہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہو گیا اور فریضہ قاعداً بحالتِ صحت جائز نہیں ہے، لامحالہ فریضہ پر محمول کرنے کی صورت میں اس کو معذور کے ساتھ خاص کیا جائے گا بخلاف نافلہ کے کہ وہ ہر حال میں جائز ہے چاہے آدمی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے یا بلا عذر کے بیٹھ کر کے پڑھے۔

لیکن یہاں ایک دوسرا اشکال ہوتا ہے کہ جو آدمی معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر فرض ادا کرتا ہے تو اس کے اجر کی تنصیف کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اس کو پورا اجر ملنا چاہئے؟ اسلئے کہ اس نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ عذر کی وجہ سے چھوڑا ہے، اسی اشکال کی بناء پر امام ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق اس مفترض سے ہے جو اپنے نفس پر بوجھ ڈال کر فرض ادا کرتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی جو بیمار ہے اور اس حد پر پہنچ گیا ہے کہ اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی شریعت میں اجازت ہو چکی ہے لیکن وہ بیٹھ کر نماز نہیں پڑھتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بوجھ ڈالتا ہے اور تکلیف برداشت کر کے کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فرمارہے ہیں کہ اگر یہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کا اجر اس کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا آدھا ہو جائے گا، اور آدھا ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص نے تکلیف برداشت کر کے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو اب اس کا اجر دہرا ہو گیا، ایک تو اصل نماز کا اور دوسرے تکلیف برداشت کرنے کا لیکن اگر اس شخص نے بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو اس کا اجر آدھا ہو جائے گا اب صرف نماز پڑھنے ہی کا اجر ملے گا کھڑے ہو کر مشقت برداشت کرنے کا اجر اس کو نہیں ملے گا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وهو حمل متجه، ويؤيده صنيع البخاری حيث أدخل فی الباب حديثی

عائشة وأنس وهمافی صلوة المفترض قطعًا، فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا طرز بھی اسی طرف مشیر ہے اسلئے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کی حدیثیں اس باب میں داخل کی ہیں حالانکہ ان کا تعلق صلوۃ مفترض سے ہے۔

(ص ۱۵۰) بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيمَاءِ

۱۱۰۳. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ أَنَّ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَكَانَ رَجُلاً مَبْسُورًا - وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ مَرَّةً: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ - قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ: مَنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ، وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ.

ترجمہ: باب، بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ اوپر گزر چکا)۔

تشریح: اگر کوئی بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور رکوع اور سجود کا اشارہ کرے تو اسکی نماز بھی جائز ہے۔

قاعد اگر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو بلا عذر اشارہ کرتا ہے یا بعذر؟ اگر عذر کی وجہ سے اشارہ کر کے نماز پڑھتا ہے کہ اس کو رکوع وسجود پر قدرت ہے ہی نہیں تب تو اس کی نماز بالاتفاق جائز ہے، اور اگر قدرت کے باوجود رکوع اور سجود نہیں کرتا ہے صرف اشارہ سے نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، حنفیہ وحنابلہ فرماتے ہیں کہ اس کی نماز جائز نہیں اور یہی شافعیہ کا اصح قول ہے، مالکیہ اور بعض شافعیہ فرماتے ہیں کہ بلا عذر بھی اگر کوئی بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی، حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں اسی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں اسی لئے بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيمَاءِ بالاطلاق ترجمہ منعقد فرمایا ہے، اور دلیل میں مصنف نے وہی عمران بن حصینؓ کی روایت پیش کی ہے جو باب بالا میں تھی۔

مگر سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے حضرت عمرانؓ کی روایت کے کس لفظ سے صلوۃ قاعد بالایماء

کو ثابت کیا ہے؟ اس کے کسی لفظ میں صلوۃ بالا یماء کا کوئی ذکر تو ہے نہیں تو پھر یہ ترجمہ کہاں سے اخذ کیا؟

امام ابوبکر اسماعیلی فرماتے ہیں کہ اصل میں حدیث کے الفاظ ہیں وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ امام بخاری نے تصحیف کر دی اور وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا کو وَمَنْ صَلَّى بِإِيْمَاءٍ فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ پڑھ لیا اسلئے اس پر انہوں نے صلوۃ القاعد بالایماء کا ترجمہ منعقد فرما دیا، چنانچہ بخاری کے بعض نسخوں میں یہاں نائمًا کے بجائے بایماء کا لفظ وارد ہوا بھی ہے کذا ورد فی روایۃ أبی محمد الأصیلی۔

مگر حافظ ابن حجر: بخاری کے ذمہ تصحیف کا الزام دینے کو تیار نہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ کریمہ بنت احمد مروزیہ کے نسخہ میں حدیث باب کے آخر میں واقع ہے قال أبو عبداللہ نائمًا أی مضطجعًا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے کوئی تصحیف نہیں کی ہے انہوں نے نائمًا کو نائمًا ہی پڑھا ہے اسلئے اس کی تفسیر مضطجعًا سے کی ہے، اب پھر ابو محمد اصیلی کی جو روایت ہے وہ تحریف پر محمول ہے اور اصل سوال اپنی جگہ قائم یعنی یہ کہ روایتِ باب کے کس لفظ سے مصنف نے صلوۃ القاعد بالإیماء کو ثابت کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ کے عموم سے ثابت کیا ہے اسلئے کہ وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا اپنے عموم کی وجہ سے صلوۃ القاعد بالرکوع والسجود اور صلوۃ القاعد بالایماء دونوں کو شامل ہے، علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ سے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، اس واسطے کہ جب لیٹ کر راکعًا وساجدًا نماز پڑھنا جائز ہوگا تو بیٹھ کر بالایماء نماز پڑھنا بھی جائز ہوگا، لیکن حافظ ابن حجر کو اس میں تأمل ہے اور حاصل تأمل یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ اگر لیٹ کر راکعًا وساجدًا نماز جائز ہو تو بیٹھ کر بالایماء والاشارہ بھی جائز ہو، لیکن اصل بات یہ ہے کہ حنفیہ ومالکیہ کے یہاں حقیقی رکوع و سجود ہے اسلئے انہوں نے ایماء واشارہ ہی کا درجہ رکھا۔

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: امام ابن رشید فرماتے ہیں کہ وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ سے مصنف نے ترجمہ ثابت فرمایا ہے اسلئے کہ جو آدمی پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے گا وہ بہر حال اشارہ ہی سے نماز پڑھے گا اور جب پہلو پر لیٹ کر بالاشارہ نماز پڑھنا جائز ہے تو بیٹھ کر بالاشارہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا، لیکن حافظ ابن حجر نے یہ اشکال کیا ہے کہ پہلو پر نماز پڑھنے کیلئے اشارہ ضروری نہیں ہے، اسلئے کہ اگر کوئی آدمی رکوع و سجود پر قادر ہو تو وہ شخص حقیقی رکوع و سجود کرے گا، مگر میں بتلا چکا کہ اصل میں مالکیہ اور حنفیہ کے یہاں ایسے موقع میں یہ حقیقی

رکوع وسجود بھی اشارہ ہی کے قائم مقام ہے تو گویا لیٹ کر نماز پڑھنے والا اشارہ سے نماز پڑھ رہا ہے، اب بخاری فرماتے ہیں کہ جب لیٹ کر بالاشارہ نماز پڑھی جاسکتی ہے تو بیٹھ کر بالاشارہ بدرجۂ اولیٰ پڑھی جاسکتی ہے۔

(ص ۱۵۰) بَابٌ إِذَا لَمْ يُطِقْ قَاعِدًا صَلَّى عَلَى جَنْبٍ

وقال عطاء: إذا لم يقدر على أن يتحول إلى القبلة صلى حيث كان وجهه.

١١٠٤. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ: صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ.

ترجمہ: باب، جب بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔

اور عطاء نے کہا کہ اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے پر قادر نہ ہو تو جس طرف بھی رخ ہو اسی طرف نماز پڑھے۔

(روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے تین صورتیں بیان کی ہیں، (۱) اگر مجبوری ہو تو آدمی بیٹھ کر فریضہ ادا کرسکتا ہے، (۲) اگر بیٹھ کر کوئی آدمی رکوع وسجود سے نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے، (۳) اور اس باب سے امام بخاری اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز پڑھنے پر مطلقاً قادر ہی نہیں ہے نہ رکوع وسجود کے ساتھ اور نہ ایماء واشارہ کے ساتھ تو یہ شخص لیٹ کر پہلو پر نماز پڑھے گا۔

اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ فریضہ کی ادائیگی کی یہی ترتیب ہے، اول یہ کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے، اور اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر کے نماز پڑھے گا پھر رکوع وسجود کرے گا، لیکن اگر رکوع سجود کی قدرت مفقود ہو جائے تو بیٹھ کر ایماء واشارہ سے نماز پڑھے گا، اور اگر بیٹھ کر مطلقاً نماز نہیں پڑھ سکتا ہے تو لیٹ کر پڑھے گا، لیکن لیٹ کر پڑھنے میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا چت لیٹ کر مستلقیاً پڑھے یا پہلو پر لیٹ کر مضطجعاً پڑھے؟ ائمہ ثلاثہ صورتِ ثانیہ کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ استلقاء کے قائل ہیں، امام بخاری نے اس مسئلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ کی رائے کی تائید کی ہے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ: یہ اثر اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے ذکر فرمایا ہے کہ صلوۃ علی الجنب غیر قادر کیلئے ہے،

بعض علماء نے یہ نقل کر دیا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے یہاں اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی قدرت نہ رہے اور آدمی عاجز ہو جائے تو نماز ساقط ہو جائے گی، یہ نقل غلط ہے اور یہ حکایت کرنے والے امام غزالی ہیں۔

(ص ۱۵۰) بَابُ إِذَا صَلَّى قَاعِدًا ثُمَّ صَحَّ أَوْ وَجَدَ خِفَّةً تَمَّمَ مَا بَقِيَ

وقال الحسن: إن شاء المريض صلى ركعتين قاعدا وركعتين قائما.

۱۱۰۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتَّى أَسَنَّ فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً ثُمَّ رَكَعَ.

۱۱۰۶. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ وَأَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ نَحْوٌ مِنْ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَهَا وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ، فَإِذَا قَضَى صَلَاتَهُ نَظَرَ فَإِنْ كُنْتُ يَقْظَى تَحَدَّثَ مَعِي وَإِنْ كُنْتُ نَائِمَةً اضْطَجَعَ.

ترجمہ: باب، جب کوئی شخص عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز شروع کرے پھر نماز ہی میں تندرست ہو جائے یا مرض میں تخفیف محسوس کرے تو بقیہ نماز کو کھڑے ہو کر پورا کرلے۔

حسن بصری نے کہا کہ اگر بیمار چاہے تو دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھ لے اور دو رکعتیں کھڑے ہو کر۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ کی عمر زیادہ ہوگئی تو آپ بیٹھ کر قرأت کرتے تھے پھر جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے اور تیس یا چالیس آیتیں کھڑے ہو کر پڑھتے پھر رکوع کرتے۔

تشریح: امام بخاری ایک اور مسئلہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے نماز تو بیٹھ کر شروع کی لیکن حق تعالیٰ شانہ نے صحت دے دی یا یہ کہ مرض میں تخفیف ہوگئی اب بیٹھ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی کھڑے ہو کر آدمی پڑھ سکتا ہے تو آیا بناء کرے گا یا استیناف؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بناء کرے گا، امام محمد بن حسن اور مالکیہ میں سے اشہب فرماتے ہیں کہ استیناف کرے گا، اسلئے کہ اگر بناء کرتا ہے تو بناء القوی علی الضعیف لازم آئے گا، جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت نماز شروع کی ہے اس کی اصلی نماز وہی ہے اور یہ بناء القوی علی الضعیف کے قبیل سے نہیں ہے، حضور پاک ﷺ سے یہ منقول ہے کہ آنحضور ﷺ کچھ نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے اور کچھ حصہ کھڑے ہو کر ادا فرمایا کرتے تھے، اور جب نفل میں یہ صورت جائز ہے تو فرض میں جس کا معاملہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے بدرجۂ اولیٰ جائز ہونی چاہئے اسلئے کہ جب صحت ہو گئی تو پہلے اگر عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز شروع کی تھی تو اب صحت ہو جانے کے بعد بقیہ نماز کھڑے ہو کر پوری کرنی چاہئے، امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور کے ہم خیال ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: ابن بطال نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ترجمہ کا تعلق فریضہ سے ہے اور حدیث کا تعلق نافلہ سے ہے تو امام بخاری نے اس سے اپنا ترجمہ کیسے ثابت فرمایا ہے؟ اس کا جواب میری تقریر بالا سے معلوم ہو گیا ہو گا، حاصل اس کا یہ ہے کہ جب نفل میں یہ صورت جائز ہے تو فرض میں تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہو گی، اسلئے کہ فرض میں تو بلا عذر بیٹھنا جائز ہے ہی نہیں بخلاف نفل کے کہ اس میں بلا عذر بھی بیٹھنا جائز ہے تو جب بلا عذر بیٹھ کر کے نماز شروع کی جاسکتی ہے اور بقیہ کھڑے ہو کر تو اگر بعذر بیٹھ کر نماز شروع کی گئی ہے اور پھر وہ عذر زائل ہو گیا تو بقیہ کھڑے ہو کر تو بدرجۂ اولیٰ پوری کی جائے گی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ ترجمہ فریضہ کے ساتھ خاص ہے صحیح نہیں بلکہ ترجمہ فریضہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے لیکن اس کے باوجود پھر اشکال رہے گا اور حاصل اس اشکال کا یہ ہے کہ ترجمہ عام ہے اور روایت خاص ہے تو مصنف نے اپنا ترجمہ کیسے ثابت کیا؟ لہٰذا اس باب میں اسی تقریر کی ضرورت پیش آئے گی جو ابھی کی جا چکی ہے۔

اِضْطَجَعَ: اضطجع سے براعت اختتام کی طرف اشارہ ہے۔

ابواب تقصیر الصلاۃ پورے ہوئے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(ص ۱۵۱) کتاب التھجّد

تھجد بابِ تفعّل کا مصدر ہے جس کا مادّہ ہجود ہے بمعنیٰ سونا، اور تہجد کہتے ہیں ازالۃ النوم کو، یہی ابو عبیدہ اور صاحب العین نے بیان کیا ہے لیکن جوہری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ یہ اضداد میں سے ہے، نوم اور سہر یعنی سونے اور بیدار ہونے دونوں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، یہاں پر تہجد سے مراد وہ خاص نماز ہے جو رات کے آخر میں ادا کی جاتی ہے۔

آیا صلوۃ تہجد کیلئے تقدمِ نوم شرط ہے؟ قاضی حسین نے لکھا ہے کہ اصطلاح میں تہجد اس نماز کا نام ہے جو نوم کے بعد ہو اور حضرت حجاج بن عمرو انصاریؓ کی ایک موقوف روایت اس مضمون کی نقل کی ہے ولکن فی إسنادہ ابن لھیعۃ، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کیلئے نوم شرط نہیں ہے، اور اس کو صلوۃ اللیل لیل کی مناسبت سے کہا جاتا ہے، صاحب بحر کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے، اور علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ تہجد خاص ہے اور صلوۃ اللیل عام ہے، صلوۃ اللیل وہ نماز ہے جو رات میں پڑھی جائے چاہے نوم سے پہلے ہو یا نوم کے بعد ہو لیکن تہجد صرف وہ نماز ہے جو نوم کے بعد ہو، واللہ اعلم۔

اب اگر کوئی آدمی ساری رات بیدار رہا اور اس نے آخر شب میں صلوۃ اللیل یعنی وہ نماز جس کو صلوۃ تہجد کہا جاتا ہے ادا کی تو کیا ان حضرات کے نزدیک وہ مصلّیِ تہجد کہلائے گا یا نہیں؟ ان کی تقریر کا خلاصہ تو یہی نکلتا ہے کہ یہ مصلّیِ تہجد نہیں کہلانا چاہئے، اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک عادت ہے کہ ابتداء میں آدمی سو جاتا ہے اور پھر آخری شب میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اسلئے اس کو صلوۃ التہجد کہا جانے لگا، باقی تہجد کے تحقق کیلئے اشتراطِ نوم کچھ ضروری نہیں، اور حضرت حجاج بن عمروؓ سے جو نقل کیا جاتا ہے وہ ان کا اپنا خیال ہوگا، یا پھر یہ کہا جائے کہ اصل

میں حجاج بن عمرؓ نے ان لوگوں پر غالبًا نکیر کی ہوگی جو عشاء کے بعد نماز پڑھ کے بنیتِ تہجد سو جاتے ہیں اور آخری شب میں باوجود قدرت کے نہیں اٹھتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ اصل تہجد اور صلوۃ اللیل جس کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے وہ تہجد ہے جو سونے کے بعد پڑھی جاتی ہے، باقی ابتداءِ شب میں عشاء کے بعد اگر کوئی پڑھ کر سو جائے تو اس میں وہ فضیلت نہیں گو یہ نماز فضیلت سے خالی بھی نہیں ہے۔

(ص ۱۵۱) بَابُ التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ

وقوله عز وجل ﴿ وَمِنَ ٱلَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِۦ نَافِلَةً لَّكَ ﴾

۱۱۲۰. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ أنت مَلِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلَهَ غَيْرُكَ. قَالَ سُفْيَانُ: وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.

قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ سَمِعَهُ مِنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، رات میں نماز تہجد کی اہمیت کا بیان۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ﴾ کی تفسیر۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو تہجد کیلئے بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ! تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے تو ہی آسمان وزمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی مخلوق کا تھامنے والا ہے، اے اللہ! تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے تو ہی آسمان وزمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی مخلوق کا نور ہے، اور تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے تو ہی آسمان وزمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی مخلوق کا بادشاہ ہے، اور تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے، تو سچا ہے، اور تیرا وعدہ سچا ہے، اور تجھ سے ملنا سچ ہے،

اور تیرا قول سچ ہے، اور جنت سچ ہے، اور جہنم سچ ہے، اور تمام پیغمبر سچے ہیں، اور محمد ﷺ سچے ہیں، اور قیامت کا آنا سچی بات ہے، اے اللہ! میں نے تیری تابعداری قبول کی، اور میں تجھ پر ایمان لایا، اور میں تجھی پر توکل اور بھروسہ کرتا ہوں، اور میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں، اور تیری ہی وجہ سے میں مخالفین سے جھگڑتا ہوں، اور تیری ہی طرف فیصلے کیلئے رجوع کرتا ہوں، پس تو میرے ان سب گناہوں کو بخش دے جو پہلے ہوئے، جو بعد میں ہوئے، جو چھپ کر ہوئے، جو علانیہ ہوئے، تو ہی آگے بڑھانے والا ہے، تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ عبدالکریم بن امیہ نے اس کے بعد وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کا اضافہ کیا، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ اس روایت کو سلیمان بن ابی مسلم نے طاؤس سے سنا اور انہوں نے ابن عباسؓ سے اور ابن عباسؓ نے حضور ﷺ سے اس کو روایت کیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے قیام اللیل کی مشروعیت کو بیان کرنا ہے، یہاں مصنف نے اس کے حکم سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے اسلئے کہ اس کے متعلق ترجمہ آئندہ اسی صفحہ کے آخر میں منعقد کیا ہے بَاب تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے ہے کہ اس ترجمۃ الباب سے نبی کریم ﷺ پر تہجد کے متعلق اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ سے جو حکم کیا گیا ہے آیا تہجد کی نماز آپ پر واجب تھی یا مندوب؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ پر یہ نماز واجب تھی اور نَافِلَةً کے معنی ہیں زائدۃً، اسلئے کہ یہ نمازِ نوافل امت کے حق میں معاصی وغیرہ سے مغفرت کا ذریعہ بنتی ہے، زیادۃِ زلفی کا ذریعہ ہے، اس واسطے اس کو نافلہ ای زائدۃً بتایا گیا، اور ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ پر یہ نماز مندوب تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نَافِلَةً لَّكَ ارشاد فرمایا ہے، آپ کیلئے یہ نماز نافلہ ہے۔

اس میں اشکال یہ ہے کہ پھر آپ کی اس میں کیا خصوصیت ہے؟ آپ کی امت کے حق میں بھی یہ نماز نافلہ ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس تخصیص سے اسی حکمت کی طرف اشارہ کرنا ہے جو ابھی بیان ہوئی ہے یعنی امت کے حق میں تو مغفرت کا ذریعہ ہے اسلئے کہ اس سے معاصی کا صدور ہوتا ہے لیکن آنحضور ﷺ کے حق میں ایک زائد بات ہے جو ترقی درجات کا سبب ہے، قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فرضیت کے قائلین فَتَهَجَّدْ کے امر کو اصل بناتے ہیں اور نافلہ بمعنی زائدہ کہتے ہیں اور مطلب یہ کہ یہ آپ پر فریضۂ زائدہ ہے، اور جو حضرات اس کو آپ کے حق میں مندوب مانتے ہیں وہ لفظ نافلہ

سے استدلال کرتے ہیں اور فَتَهَجَّدْ کے امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں اور اس کیلئے نافلہ کا لفظ قرینہ بتلاتے ہیں جو امت کیلئے مغفرت کا ذریعہ ہے اور آنحضور ﷺ کے حق میں نافلہ اور رفع درجات ہی کا سبب ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے اسلئے کہ اگر اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا بھی ہے تو ایک دوسرے باب سے جو ص ۱۵۳ پر آرہا ہے بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِاللَّيْلِ مِنْ نَوْمِهٖ وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ، اور یہاں پر اس آیت شریفہ کو صرف اسلئے ذکر فرمایا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ تہجد کا ثبوت اولاً قرآن پاک سے ہے اور ثانیاً احادیثِ نبی کریم ﷺ سے ہے، اور یہ امام بخاری کی عادت مطردہ ہے کہ وہ اصلاً وبالذات قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور پہلے اگر کوئی آیت ہوتی ہے تو اس کو ذکر فرماتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کی تفصیلات احادیث سے پیش فرمایا کرتے ہیں۔

إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ: یہ دعاء آیا حضور ﷺ بیدار ہو کر پڑھتے تھے یا نماز شروع کر کے پڑھتے تھے؟ دونوں طرح کی روایات وارد ہیں، امام ابن خزیمہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ آپ تکبیر کے بعد یہ دعاء پڑھتے تھے چنانچہ بعض روایات میں بعد التکبیر کی تصریح بھی وارد ہوئی ہے، اور ایک دوسری روایت میں إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نماز شروع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے، ممکن ہے کہ دونوں جگہ پڑھتے ہوں۔

أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ: قیم اور قیام بمعنی مدبّر۔

أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ: اللہ آسمان وزمین کا نور ہے، نور علی المشہور اَعراض میں سے ہے اس کی تعریف ہے الظاهر فی نفسه والمظهر لغیره، المستنیر بنفسه والمنیر لغیره، اللہ تعالیٰ اَعراض واعیان سے پاک ہے حق تعالیٰ شانہ عرض نہیں اور نہ جوہر، لہذا یہاں پر اور اسی طرح قرآن پاک میں ﴿اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ میں جو اللہ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے اس کی علماء نے توجیہ کی ہے۔

(۱) امام خطابی فرماتے ہیں کہ نور صفات افعال میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں میں یعنی آسمان وزمین میں نور کے پیدا کرنے والے ہیں، (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ نور بولا جاتا ہے منزّہ من العیوب پر، کہتے ہیں فلان نور البلد أی منزّہ من العیوب فی البلد، (۳) اور ہو سکتا ہے کہ نور بمعنی مزیّن ہو کہتے

ہیں فلان نور البلد فلاں آدمی تو شہر کی زینت ہے، حق تعالیٰ شانہ بھی اس آسمان وزمین کی زینت ہے، اگر وہ نہ ہو تو نہ آسمان ہو اور نہ زمین، اسی کے وجود سے ان ساری چیزوں کا وجود اور زینت ہے۔

أَنْتَ الْحَقُّ: حق کے معنی ہیں الثابت المتحقِق الوجود، حق تعالیٰ شانہ پر اس کا اطلاق علی وجہ الحقیقۃ ہو رہا ہے اسلئے کہ وہ ذات ایسی ہے جو مسبوق بالعدم نہیں اور آئندہ اس پر عدم طاری نہیں ہوگا۔

وَوَعْدُكَ الْحَقُّ: یعنی آپ کا وعدہ ثابت ہے اس میں تخلف کا کوئی سوال نہیں۔

وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ: بعض کہتے ہیں کہ لقاء سے مراد بعث بعد الموت ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ بذاتِ خود موت مراد ہے لیکن امام نووی اس قول کو باطل قرار دیتے ہیں۔

أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ: تو ہی آگے بڑھانے والا اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے، علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ آخرت کی بعثت میں مقدم ہیں اور دنیا کی بعثت میں مؤخر ہیں، آخرت میں آپ سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے اور دنیا میں آپ کو سب سے آخر میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

قَالَ سُفْيَانُ وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ: یہ عبد الکریم ابوامیہ ہے جو مشہور ضعیف راوی ہے، امام بخاری نے یہاں یہ روایت ضمناً ذکر کی ہے بالقصد نہیں اسی لئے اس کو رواۃ بخاری میں شمار نہیں کیا گیا ہے، حافظ مزی نے یہ لکھ دیا کہ یہ روایت تعلیق ہے یہ وہم ہے بلکہ موصول بالاسناد السابق ہے، امام منذری فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے عبد الکریم بن ابی المخارق ابوامیہ سے استشہاد کیا ہے، حافظ ابن حجر کو اس پر اشکال ہے البتہ حافظ کہتے ہیں کہ اگر استشہاد احتجاج کے مقابل میں ہو تو بات صحیح ہو جائے گی اور اس کی توجیہ ممکن ہوگی۔

(ص ۱۵۱) بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ

۱۱۲۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ (ح) وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا فَأَقُصَّهَا عَلَى رَسُولِ

اللهِ ﷺ وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَرَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ وَإِذَا فِيهَا أُنَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ فَجَعَلْتُ أَقُولُ أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَلَقِيَنَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي: لَمْ تُرَعْ.

۱۱۲۲. فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَكَانَ بَعْدُ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا.

ترجمہ: باب، رات کو تہجد پڑھنے کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جب کوئی شخص خواب دیکھتا تو وہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کرتا تھا مجھے بھی تمنا ہوئی کہ مجھے کوئی اچھا خواب نظر آئے تو اس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کروں، اور میں اس زمانہ میں جوان لڑکا تھا اور حضور ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں سویا کرتا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور وہ مجھے جہنم کی طرف لے گئے تو میں اچانک یہ دیکھتا ہوں کہ کنویں کی من کی طرح اس کی من بنی ہوئی ہے اور یہ کہ اس پر دو دیواریں یا دو گوشے بنے ہیں اور اس میں کچھ لوگ ہیں جنہیں میں پہچانتا ہوں میں اس منظر کو دیکھ کر دعا کرنے لگا کہ میں جہنم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ پھر ہمیں ایک دوسرا فرشتہ نظر آیا اور اس نے کہا کہ تم مت ڈرو، پھر میں نے یہ خواب حضرت حفصہؓ سے بیان کیا حضرت حفصہؓ نے اس خواب کو حضور ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بہت اچھا انسان ہے کاش وہ رات کو نماز پڑھا کرے، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ابن عمرؓ رات کو بہت کم سوتے تھے۔

تشریح: امام بخاری نے حسب عادت فضیلت کا ترجمہ منعقد کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ صلوۃ اللیل اور قیام اللیل بڑی ذوالفضیلۃ عبادت ہے، مسلم شریف میں ایک حدیث ہے أفضل الصلوة بعد الفريضة قيام الليل امام بخاری کی شرط کے موافق وہ روایت نہیں تھی اسلئے کہ اس میں وصلًا وارسالًا اور وقفًا ورفعًا اختلاف ہے، مصنف نے فضل کو اپنی روایت سے ثابت فرمادیا روایت کے ذیل میں اس کی تقریر آرہی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ نوافل میں سب سے افضل تہجد کی نماز ہے اور اس کی دلیل یہی مسلم کی روایت ہے، ہمارے فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے امام احمد نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: امام بخاری نے یہ حدیث دو سندوں سے ذکر کی ہے حسب عادت یہاں سند ثانی کے الفاظ ہیں اور سند اول کے الفاظ کتاب التعبیر میں آئیں گے، یہ حدیث متفق علیہ ہے امام مسلم نے

ابواب فضائل میں یہ روایت تخریج کی ہے۔

فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ: جہنم کے من اور منڈیر تھی جیسے کنویں کے من اور منڈیر ہوا کرتی ہے، من اور منڈیر وہ حصہ کہلاتا ہے جو کنویں کے ارد گرد بلند بنایا جاتا ہے جس کے اوپر چڑھ کر پانی نکالا جاتا ہے۔

وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ: اور اس کے دو ستون تھے، قرنین وہ دو بنائیں اور ستون کہلاتے ہیں جو کنویں کے اطراف میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے اوپر لکڑی رکھ دی جاتی ہے جس پر ڈول ڈال دی جاتی ہے اور پانی کھینچا جاتا ہے۔

نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ: امام بخاری نے اس لفظ یعنی نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ سے اپنا ترجمہ ثابت فرمایا ہے، حاصل استدلال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہؓ کے نعم الرجل کیلئے یہ شرط بیان کی کہ اگر وہ رات میں نماز پڑھتے، معلوم ہوا کہ رات میں نماز پڑھنا اچھا بننے کا ذریعہ ہے۔

بعض شارحین فرماتے ہیں کہ یہ لَوْ شرطیہ نہیں ہے بلکہ لَوْ تمنائیہ ہے، حضور اکرم ﷺ تمنا فرمارہے ہیں کہ وہ رات میں نماز پڑھتے، اس صورت میں مصنف کا ترجمہ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ سے ثابت ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ رات کی نماز بڑی فضیلت کی چیز ہے جس کا آنحضور ﷺ کو شوق ہے آپ اس کی خواہش ظاہر فرمارہے ہیں اس کی طلب ظاہر فرمارہے ہیں چاہتے ہیں کہ آپ کی امت کے لوگ اس کو ادا کریں اور اس کو پڑھیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ فضیلت اس طرح ماخوذ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ مسجد میں سوتے تھے، مسجد کا حق یہ ہے کہ آدمی اس کو عبادت سے معمور رکھے چونکہ اس میں کوتاہی ہوئی وہ نماز نہیں پڑھتے تھے لہٰذا ان کو تخویف بالنار کے ذریعہ تنبیہ کی گئی، معلوم ہوا کہ رات کی عبادت اتنی عظیم الشان ہے کہ جس میں کوتاہی ہو جانے پر ایک صحابی کو تنبیہ کی گئی۔

(ص ۱۵۱) بَابُ طُولِ السُّجُودِ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ

۱۱۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ

رَسُول اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ يَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُنَادِي لِلصَّلَاةِ.

ترجمہ: باب، رات کے قیام میں سجدے کو طول دینے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب من انتظر الإقامة میں گزر چکا)۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ آدمی جب تہجد پڑھے تو بقدر استطاعت اس کے سجدے لمبے ہونے چاہئیں، لمبے سجود میں دعاء کا زیادہ موقع ملتا ہے، حدیث میں وارد ہوا ہے أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ، رواہ مسلم، نیز یہ تواضع کی سب سے اونچی حالت ہے اور اپنے مالک حضرتِ حق جل مجدہ کے سامنے جتنی بھی پستی کا اظہار کیا جائے اور جتنی زیادہ دیر ہو وہ اچھا ہی ہے۔

مصنف کے اس ترجمہ سے حدیث کی شرح بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ کہ حدیث میں كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ يَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً میں سجدۂ صلاتیہ تھا، نماز سے فراغت کے بعد سجدۂ مناجات نہیں تھا۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: یہ حدیث اسی سند کے ساتھ ابواب وتر میں گزر چکی ہے۔

(ص ۱۵۱) بَابُ تَرْكِ الْقِيَامِ لِلْمَرِيضِ

۱۱۲۴. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ: اشْتَكَى النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ (ح)

۱۱۲۵. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: حدثنا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: احْتَبَسَ جِبْرِيلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ: أَبْطَأَ عَلَيْهِ شَيْطَانُهُ فَنَزَلَتْ ﴿وَالضُّحَى ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾.

ترجمہ: باب، بیمار کے قیام لیل کو ترک کرنے کا بیان۔

حضرت جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بیماری کی شکایت ہوئی تو آپ نے ایک رات یا دو رات قیام نہیں کیا۔

حضرت جندب بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام کی آمد رک گئی تو قریش کی ایک عورت نے کہا کہ ان کے شیطان نے ان کے پاس آنے میں دیر کر دی تو اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں ﴿وَالضُّحٰی وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ قسم ہے چاشت کے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا ہے۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اگر چہ یہ نماز بڑی ذوالفضیلۃ ہے لیکن بیمار آدمی کیلئے ترک کرنا جائز ہے حضور ﷺ نے بایں فضیلت اور بایں رغبت و شوقِ عبادت بیماری کی وجہ سے بعض اوقات تہجد کو ترک فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: امام بخاری نے یہ روایت دو سندوں کے سے نقل کی ہے، سند اول کے الفاظ ترجمہ کے بالکل مطابق ہیں لیکن دوسری سند والی روایت کی ترجمہ کے ساتھ کوئی مطابقت بظاہر معلوم نہیں ہوتی ہے۔

علامہ ابوالقاسم بن الورد نے عدم مطابقت کا اعتراض کیا ہے اور ابن التین نے اس کا اتباع فرمایا ہے، حافظ ابن حجر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں دونوں روایتیں ایک ہی ہیں صرف طریق کا اختلاف ہے اور جب ایک روایت میں فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ آگیا تو اب دوسری روایت میں اس کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مخرج حدیث بھی متحد ہے، دونوں روایتیں سفیان ثوری سے منقول ہیں۔

فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ: قریش کی ایک عورت بولی کہ اس کا شیطان اس کے اوپر نہیں آیا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ عورت ام جمیل عوراء بنت حرب بن امیہ ہے جو ابوسفیان بن حرب کی بہن اور ابولہب کی بیوی ہے، اور مستدرک حاکم کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی وارد ہوئی ہے۔

یہ روایت دو آدمی نقل کرتے ہیں، ایک سفیان ثوری اور دوسرے شعبہ، سفیان ثوری کے الفاظ تم نے سن لئے فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَبْطَأَ عَلَيْهِ شَيْطَانُهُ اور محمد بن کثیر کی روایت میں ہے فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ مَا أُرَى شَيْطَانَكَ إِلَّا قَدْ تَرَكَكَ وسيأتي هذا اللفظ في التفسير، لیکن شعبہ نے یہی روایت اسود سے نقل کی ہے اس میں یہ وارد ہے قَالَتِ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أُرَى صَاحِبَكَ إِلَّا أَبْطَأَكَ، شعبہ کی یہ روایت کتاب التفسیر میں آرہی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ سفیان کی روایت اور ہے اور شعبہ نے جو نقل کی ہے وہ اور ہے اور اس پر دلالت الفاظِ روایات کے اختلاف سے حاصل ہوتی ہے، سفیان کی روایت میں ہے کہ اس نے یہ کہا یا مُحَمَّدُ مَا أرَی شَیطَانَک، اور شعبہ کی روایت میں ہے کہ کہنے والی عورت نے کہا یا رَسُولَ اللهِ مَا أرَی صَاحِبَک، حافظ کہتے ہیں کہ یہ بظاہر حضرت خدیجۃ الکبریؓ ہوں گی اور پھر حافظ نے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

اگر واقعۃً یہ دو واقعے ہیں تب تو حافظ کی بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے اور اگر ایک ہی واقعہ ہے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ شعبہ نے اس روایت میں تصرف کیا ہے اور وہ کہیں کہیں اس طرح کر دیا کرتے ہیں۔

فَنَزَلَتْ وَالضُّحٰی وَاللَّيْلِ إذَا سَجٰی الخ: قسم ہے چاشت کے وقت کی اور رات کی جب وہ ڈھانپ لے، نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے اور نہ آپ سے عداوت کی، سورۂ والضحیٰ یہ اس فترت کے بعد نازل ہوئی ہے، بعض علماء جیسے ابن اسحاق وغیرہ کو وہم ہو گیا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ فترۃ الوحی کے بعد یہی سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی، مگر فترۃ الوحی کے بعد تو سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں نہ کہ سورۂ والضحیٰ۔

(ص ۱۵۱) بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلٰی صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إيجَابٍ

وطرق النبي ﷺ فاطمةَ وعليًا ليلة للصلاة.

۱۱۲۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَيْقَظَ لَيْلَةً فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ! مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ؟ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ؟ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ؟ يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ.

۱۱۲۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ: أَلَا تُصَلِّيَانِ؟ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا، فَانْصَرَفَ حِينَ قُلْتُ ذٰلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُوَلٍّ يَضْرِبُ فَخِذَهُ

وَهُوَ يَقُولُ ﴿وَكَانَ الْإِنسَٰنُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾.

١١٢٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ، وَمَا سَبَّحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سُبْحَةَ الضُّحَى قَطُّ وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا.

١١٢٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ.

ترجمہ: باب، قیام لیل اور نوافل پر واجب کئے بغیر حضور ﷺ کے ترغیب دینے کا بیان۔

اور ایک رات حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو نماز کیلئے جگایا۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب العلم والعظة باللیل میں گزر چکا)۔

حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات ان کو اور فاطمہ بنت نبی ﷺ کو جگا دیا اور فرمایا کیا تم دونوں تہجد کی نماز نہیں پڑھوگے؟ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری جان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا تو ہمیں اٹھادے گا، چنانچہ جب میں نے یہ کہا تو آپ واپس ہوگئے اور آپ نے مجھ سے کچھ نہیں فرمایا پھر جب آپ پشت موڑ کر جانے لگے تو میں نے سنا کہ آپ اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ آیت پڑھ رہے تھے ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفلی عمل کو چھوڑ دیتے تھے جبکہ آپ کو اس پر عمل کرنا پسندیدہ ہوتا تھا اس اندیشہ سے چھوڑ دیتے تھے کہ لوگ اس پر عمل کریں پھر وہ ان پر فرض کر دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے چاشت کی نماز کبھی نہیں پڑھی اور میں اس کو پڑھتی ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی تو چند لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر دوسری رات بھی آپ نے نماز پڑھی تو نماز پڑھنے والے لوگ بہت ہوگئے پھر وہ لوگ تیسری یا چوتھی رات کو بھی جمع ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس نکل کر نہیں آئے پھر جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ رات تم جو

کر رہے تھے اس کو میں نے دیکھا اور تمہارے پاس نکل کر آنے سے مجھے صرف اس بات نے روکا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور یہ واقعہ رمضان میں ہوا۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب کے دو جزء ہیں، اول جزء یہ ہے کہ آپ نے قیام اللیل کی تحریض فرمائی اور اس کی ترغیب دی ہے، دوسرا جزء یہ ہے کہ قیام اللیل واجب نہیں ہے، امام بخاری نے اس باب میں چار روایتیں ذکر کی ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے پہلی دو روایتوں یعنی حضرت ام سلمہؓ اور حضرت علیؓ کی روایت سے ترغیب ثابت کی ہے اور حضرت عائشہؓ کی دونوں روایتوں سے عدم الوجوب ثابت کیا ہے، حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ چاروں روایتوں سے عدم ایجاب اور ترغیب کا ثبوت ہوتا ہے، یہی صحیح ہے۔

اس مسئلہ میں کہ تہجد کی نماز واجب نہیں ہے امت کا اجماع ہے، صرف حسن بصری اور ابن سیرین سے نقل کیا گیا ہے کہ بقدر حلب شاۃ سب پر تہجد واجب ہے اور یہ قول عَبیدہ سلمانی سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں ابتداءً تو صلوۃ تہجد ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ الخ سے فرض کی گئی تھی پھر ایک سال بعد سورۂ مزمل کی آخری آیات ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ نازل کر کے طول قیام کو منسوخ فرما دیا، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے صلوات خمسہ کے ذریعہ صلوۃ تہجد کو منسوخ فرما دیا اور مطلقاً یہ قیام قصیر بھی منسوخ ہو گیا۔

مگر امام محمد بن نصر مروزی نے اس پر اشکال کیا کہ آیت کریمہ ﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ مدنی ہے، اسلئے کہ اس میں قتال کا ذکر ہے اور قتال کی مشروعیت مدینہ میں ہوئی ہے تو اس مختصر قیام لیل کیلئے صلوات خمسہ کی مفروضیت کیسے ناسخ بن سکتی ہے؟ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا کہ یہ امتنان کے قبیل سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ آئندہ تم کو یہ صورت حال پیش آنے والی ہے لہذا ہم قبل از وقت منسوخ کئے دیتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن اگر صلوۃ اللیل کے عموم میں وتر کو داخل مان لیا جائے تو پھر اس صورت میں مطلقاً صلوۃ اللیل کے منسوخ ہونے کا قول اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اسلئے کہ وتر کی نماز ایک بہت بڑی جماعت کے نزدیک واجب ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ اہل قرآن پر واجب ہے، بہر حال وتر کے وجوب کے بہت سے قائلین ہیں اور یہ سلسلہ اوپر ہی سے چلا آرہا ہے جو اس کو واجب کہتے رہتے ہیں، اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ طول قیام

منسوخ ہوا ہے اور فی الجملہ قیام اللیل کی فرضیت باقی ہے۔

وَطَرَقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَاطِمَةَ وَعَلِيًّا: یہ حدیث مصنف نے ترغیب ثابت کرنے کیلئے ذکر کی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: یہ حدیث ابواب علم میں گزر چکی ہے۔

مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ: داؤدی کہتے ہیں کہ خزائن سے مراد فتن ہیں، لیکن حافظ ابن حجر نے اس پر اشکال کیا ہے کہ فتن اور خزائن میں لزوم نہیں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو خزانہ ملتا ہے اور وہ اس میں مشغول رہتے بھی ہیں مگر مبتلائے فتن نہیں ہوتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اس کے مل جانے کے ساتھ ہی فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ: کتاب الادب میں یہ روایت آئے گی اس میں ہے مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ حتی یصلّین تاکہ نماز پڑھ لیں، اس سے ترغیب اور تحریض علی قیام اللیل کا ثبوت ہوا لیکن جگایا نہیں، اس سے معلوم ہو گیا کہ قیام اللیل واجب نہیں ہے۔

علامہ ابن رشید کہتے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ ایقاظ نماز کے لئے تھا محض اخبار بالواقعہ کیلئے نہیں اس واسطے کہ اگر واقعہ کی خبر ہی دینی تھی تو اس کیلئے یہ کیا ضروری ہے کہ بیدار بھی کیا جائے، جس وقت وہ بیدار ہوتیں اس وقت اطلاع کر دی جاتی لیکن ممکن یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس وقت بیدار کرنے کا خاص فائدہ یہ ہوتا کہ آپ پر جو کیفیت تھی اس کیفیت کا وہ مشاہدہ کر لیتیں اس سے ان پر اثر زیادہ ہوتا۔

صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ: اس سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔

يَارُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ: یا حرف نداء ہے اور منادیٰ محذوف ہے أي یا قوم۔

رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ میں كَاسِيَةٍ مجرور ہے اور عَارِيَةٍ پر دو اعراب جائز ہیں، علی المشہور عَارِيَةٍ مجرور ہے اور ایک قول پر مرفوع ہے، (۱) اگر مرفوع ہے تب عَارِيَةٌ خبر ہے رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ، (۲) اور اگر مجرور ہے تو پھر اس صورت میں كَاسِيَةٍ اور عَارِيَةٍ؛ رُبَّ کے تحت داخل ہیں اور متعلق ہے فعل محذوف عرفتھا کے، أي یا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ عرفتھا بہت سے ایسے نفوس ہیں جو دنیا میں تو لباس پہنے ہوئے ہیں لیکن آخرت میں عاری ہوں گے میں نے ان کو پہچان لیا۔

كَاسِيَةٍ سے کیا مراد ہے؟ آیا کسوہ باللباس مراد ہے یا کسوہ بالنعم یا کسوہ بالطاعات، تین احتمالات ہیں، (۱) اگر کسوہ باللباس ہو تب تو مطلب یہ ہے کہ بہت ہی عورتیں ایسی ہیں جو اچھے اچھے لباس پہنتی ہیں اس دنیا میں لیکن آخرت میں عاری ہوں گی، یا اس وجہ سے کہ وہ لباس ان کے لئے ساتر نہیں، بدن کھلا رہتا ہے، یا اس لئے کہ انہوں نے اس دنیا میں ان لباسوں کا شکر ادا نہیں کیا۔

(۲) اس سے مراد کسوہ بالنعم ہو اور مطلب یہ ہے کہ بہت سے نفوس ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں مگر انہوں نے ان نعماء کی قدردانی نہیں کی ناشکری کی تو آخرت میں وہ نعمتوں سے خالی اور عاری ہوں گے، (۳) یا مطلب یہ ہے کہ بہت سے نفوس طاعات کا لباس پہنے ہوئے ہیں لیکن آخرت میں ان کو کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا اس سے وہ عاری ہوں گے اس واسطے کہ انہوں نے وہ طاعات خدائے برتر کی تعظیم کے لئے نہیں کی تھیں بلکہ ریاء ونمود کے لئے کی تھیں۔

أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ إلخ: اس حدیث کی سند ہے عن علی بن حسین عن حسین بن علی عن علی بن أبی طالب، علماء نے اس سند کو اصح الاسانید میں شمار کیا ہے، پہلے علی سے مراد علی بن حسین الملقب زین العابدین ہیں اور دوسرے علی جو مرجع الاسانید ہیں یعنی جن سے روایت نقل کی جاتی ہے اور صاحب حدیث ہیں وہ علی بن ابی طالب خلیفۂ رابع اور خلیفۂ راشد ہیں۔

فَقَالَ أَلَا تُصَلِّيَانِ: حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نماز نہیں پڑھتے ہو؟ اس سے قیام اللیل کی تحریض ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ رات کے وقت میں اپنی بیٹی اور داماد کے پاس آئے اور ان کو نماز کی ترغیب دی، اگر یہ ذوالفضیلۃ عبادت نہیں تھی تو آپ کیوں اپنے داماد اور بیٹی کو بیدار کرتے، لیکن حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں کیا کہا أَنْفُسَنَا بِيَدِ اللهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا ہمارے نفوس اللہ کے قبضہ میں ہیں جب چاہتے ہیں بیدار کر دیتے ہیں، حضور پاک ﷺ ران پر تھپکی دیتے اور فرماتے ہوئے تشریف لے گئے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا، حضور ﷺ کا علیؓ کے جواب میں سکوت کرنا اور ان کو حتمانہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ صلوۃ اللیل واجب نہیں ہے ورنہ ترکِ واجب کو آپ کیسے گوارا کرتے؟

يَضْرِبُ فَخِذَهُ: اپنی ران کو مار رہے تھے، کیوں؟ قیل تأسفًا، وقیل تعجبًا، وقیل تسلیمًا

لقولهما، مگر یہ قول ضعیف ہے پھر وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا کے کیا معنیٰ بنیں گے۔

إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ: حضور ﷺ بعض اعمال چھوڑ دیتے تھے حالانکہ آپ کو وہ عمل کرنا محبوب ہوتا تھا محض اس خوف سے کہ کہیں اس پر لوگ عمل پیرا ہو جائیں اور ان پر فرض نہ کر دیا جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ اللیل واجب نہیں ہے لیکن اس سے نوافل کا مرغب فیہ ہونا بھی معلوم ہوتا ہے، اس واسطے کہ آنحضور ﷺ اس کا کرنا پسند فرماتے تھے، تو روایت اس بات کی دلیل ہے کہ نوافل واجب نہیں ہیں کیوں کہ آپ نوافل کو خوف فرضیت کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے مگر مرغب فیہ ہے کیوں کہ آپ اس کو پسند فرماتے تھے اور نوافل کے عموم میں صلوۃ اللیل بھی داخل ہے۔

إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ: یہ حدیث مثبتِ ترجمہ ہے، حضور ﷺ محض اس خوف سے تشریف نہیں لائے کہ کہیں فرض نہ ہو جائے، معلوم ہوا کہ آپ کا دل چاہتا تھا مگر خوف فرضیت کی وجہ سے تشریف نہیں لائے، تو دل چاہنے سے مرغّب فیہ ہونا معلوم ہوا اور اس کی تحریض نکلی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ قیام اللیل فرض نہیں ہے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ جب اللہ میاں نے لیلۃ المعراج میں پچاس نمازوں کی پانچ کر کے یوں فرما دیا تھا هن خمس وهي خمسون لا يبدل القول لدیّ تو آنحضور ﷺ کو یہ خوف کیسے لاحق ہو گیا کہ یہ نماز کہیں فرض نہ کر دی جائے؟ علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) ایک جواب امام خطابی نے دیا ہے کہ اصل میں حضور ﷺ کو یہ خوف نہیں تھا کہ اللہ میاں اپنی طرف سے کوئی نیا فرض لاحق فرما دیں گے بلکہ خوف اس لحاظ سے تھا کہ نبی پاک ﷺ صلوۃ اللیل ادا فرمایا کرتے تھے اور آپ کے افعال شرعیہ مامور بالاقتداء ہیں تو آپ کو یہ خطرہ ہوا کہ اگر آپ اس کو اس وقت ادا فرمائیں تو کہیں امت مامور بالاقتداء ہو جائے اور اس پر وہ عبادت فرض کر دی جائے۔

(۲) یا یہ کہا جائے کہ یہ تخفیف حضور ﷺ کی شفاعت سے ہوئی تھی مگر جب امت ہی تخفیف کو قبول نہ کرے اور خود اپنے ذمہ عبادات لازم کر لے تو کیا تعجب ہے کہ اللہ کی طرف سے اس پر لازم کر دیا جائے۔

(۳) تیسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اصل میں لا يبدّل القول کا تعلق نقص سے ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی کمی نہیں ہوگی اضافہ کی نفی مقصود نہیں، مگر حافظ ابن حجر نے اس جواب کو پسند نہیں کیا کیوں کہ ظاہر

روایت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی نہیں ہوگی نہ کمی ہوگی اور نہ اضافہ ہوگا۔

(۴) چوتھا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ ممکن ہے یہ منسوخ ہو گیا ہو، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ لایبدل القول جملۂ خبریہ ہے والنسخ لایدخل فی الأخبار إنما یدخل فی الإنشاء، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اخبار دو قسم کے ہیں اخبار مجردہ اور اخبار مشتملہ علی الاوامر، وہ اخبار جو مجرد خبر ہوتے ہیں ان کے اندر تو نسخ واقع میں داخل نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ نسخ کے معنی ہیں زائل ہو جانے کے، اور وہ احکام جو مشتمل بر احکام ہوا کرتے ہیں ان میں نسخ داخل ہو سکتا ہے۔

(۵) ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے حضور کو خطرہ یہ ہو کہ کہیں قیام فی المسجد فرض نہ ہو جائے، یا آپ کو یہ خطرہ ہو کہ کہیں یہ فرض کفایہ نہ بنا دیا جائے، یا یہ خطرہ ہو کہ کہیں رمضان شریف میں خاص طور سے اس کو فرض نہ کر دیا جائے۔

(ص ۱۵۲) بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللَّيْلَ حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ

وقالت عائشة: حتى تفطر قدماه، والفطور الشقوق، ﴿ انْفَطَرَتْ ﴾ انشقت.

۱۱۳۰. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ يَقُولُ: إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُومُ أَوْ لَيُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ أَوْ سَاقَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ، فَيَقُولُ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟

ترجمہ: باب، حضور ﷺ کے رات کو اتنے قیام کا بیان کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا۔

اور حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہاں تک کہ آپ کے پیر پھٹ جاتے تھے، اور فطور کے معنی لغوی ہیں پھٹ جانا اور اسی سے قرآن میں انْفَطَرَتْ، انْشَقَّتْ (پھٹ جانے) کے معنی میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے تھے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اتنا قیام فرماتے یا اتنی نمازیں پڑھتے کہ آپ کے پیروں پر یا پنڈلیوں پر ورم آجاتا تھا پھر آپ سے اس سلسلے میں عرض کیا جاتا تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

تشریح: ماقبل میں صلوۃ اللیل اور نوافل کی حضور ﷺ نے بغیر ایجاب کے ترغیب دی ہے، اب آنحضور ﷺ کا عمل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے سرور عالم ﷺ نے قیام لیل کا اتنا اہتمام فرمایا اور اس قدر

طویل قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا، اور بعض علماء یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ ہے کہ ماقبل میں یہ بتلایا تھا کہ صلوۃ اللیل واجب نہیں مگر اس کے مہتم بالشان ہونے کو حضور ﷺ کے فعل سے ثابت کر رہے ہیں۔

میرے نزدیک تقریر اول ارجح ہے اسلئے کہ امام بخاری نے باب گزشتہ سے صرف عدم ایجاب ہی کو نہیں بیان کیا بلکہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ حضور نے اس پر تحریض فرمائی ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، تو گویا امام بخاری نے باب گزشتہ سے سرور عالم ﷺ کے قیام اللیل کی قولی ترغیب و تحریض فرمائی بغیر ایجاب کے اور خود فعلاً بھی آپ نے اس کا بڑا اہتمام کیا حتی کہ قدم شریف متورم ہو جایا کرتا تھا۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حضرت امام بخاری نے یہ روایت اس باب میں ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ساری رات کا قیام مکروہ نہیں ہے، یہ مسئلہ ہے کچھ تھوڑا سا مختلف فیہا۔

امام مالک سے کراہت منقول ہے اور یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی صلوۃ الفجر میں کوتاہی نہ کرے تو ساری رات کے قیام میں کوئی مضائقہ نہیں، امام شافعی اور حنفیہ کا یہی قول ہے، حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے إقامة الحجّة على أن الإكثار فی التعبّد ليس ببدعة اور اس میں بہت سی روایات اور آثار ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ساری رات قیام کرنا اور تہجد پڑھنا بدعت نہیں ہے۔

(ص ۱۵۲) بَابُ مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ

۱۱۳۱. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّ عَمْرَو بْنَ أَوْسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَهُ: أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صَلَاةُ دَاوُدَ وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ وَيَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا.

۱۱۳۲. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَشْعَثَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَتْ: الدَّائِمُ، قُلْتُ: مَتَى

كَانَ يَقُومُ؟ قَالَتْ: يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ. (ح) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: حدثنا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَشْعَثِ قَالَ: إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَصَلَّى.

۱۱۳۳. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ ذَكَرَ أَبِي عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا تَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کا بیان جنہیں سحر یعنی آخر شب میں سونا جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور روزوں میں سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں اور حضرت داؤد آدھی رات تک سوتے تھے اور پھر تہجد کے لئے ایک تہائی رات قیام کرتے تھے اور آخر کے چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔

حضرت مسروق سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند تھا فرمایا جس کو پابندی سے کیا جائے پھر میں نے پوچھا کہ آپ تہجد کے لئے کس وقت اٹھتے تھے تو فرمایا کہ جب مرغ کی آواز سنتے تو اٹھ جاتے تھے، اشعث سے روایت ہے کہ جب آپ مرغ کی آواز سنتے تو اٹھ جاتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سحر کے وقت میں نے حضور ﷺ کو میرے پاس سوتے ہوئے ہی پایا۔

تشریح: اگر کوئی آدمی تہجد پڑھ کر سحر کے وقت لیٹ جائے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں چونکہ سحر کا وقت بڑا فضیلت والا وقت ہے قرآن پاک میں آیا ہے ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اس وقت حق تعالیٰ نزول فرماتے ہیں اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس وقت سونا نہیں چاہئے، تو امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ سحر کے وقت متہجد کیلئے سونے کی مشروعیت حدیث سے ثابت ہے اور اس سونے کا ایک فائدہ ہوتا ہے کہ جو آدمی رات میں تہجد پڑھتا رہا اور سحر میں ذرا لیٹ جائے تو طبیعت کا کسل دور ہو جائے گا بدن میں تازگی پیدا ہو جائے گی ضعف و کمزوری سے محفوظ ہو جائے گا، نیز چہرہ سے یہ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ رات کو تہجد پڑھتا رہا ہے اس کی یہ عبادت مخفی رہے گی۔

وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ: اس میں دو احتمال ہیں، (۱) یا مراد ہے صلوۃ عشاء کے بعد جو باقی رات رہ جاتی ہے اسکا نصف آرام کرتے اور اسکا ثلث قیام کرتے پھر اسکا سدس آرام کرتے۔

اگر یہ مطلب ہے تو اس صورت میں سونے کی مدت کچھ بڑھ جائے گی، کیوں کہ اس صورت میں مطلب یہ ہو جائے گا کہ مثلاً اگر ثلث لیل پر فراغت ہو جاتی تھی تو اس کے بعد دو ثلث کے آنحضور ﷺ تین حصے کرتے تھے ایک آدھا اور اس کے بعد پھر ایک ثلث اور پھر ایک سدس، تو اس کا آدھا سو جاتے تھے اور آدھا ہوا ایک ثلث، اور پھر اس کے بعد جو اس کا مابقی ثلث تھا اس میں آپ قیام فرمایا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد اس کا ایک سدس جو ساری رات کا نواں حصہ ہے نوم فرماتے تھے اور اِس سدسِ نوم کو جب ثلثِ نوم کے ساتھ ملا دیا جائے گا تو تقریباً نصف رات سونا ثابت ہو جائے گا۔

(۲) یا مطلقاً ساری رات کا نصف اور ثلث اور سدس مراد ہے۔

اگر یہ مراد ہو تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ثلث لیل سویا کرتے تھے، اسلئے کہ عادت شریفہ یہ تھی کہ ثلث لیل پر عشاء کی نماز سے فراغت ہو جایا کرتی تھی، اب اس کے بعد دو ثلث باقی رہ جاتے ہیں جب آنحضور ﷺ کلّ لیل نہیں سوتے تھے تو یقیناً آپ ابتداء میں ثلث لیل سوتے تھے اور پھر اس کے بعد سدس کا قیام ہوتا تھا اور پھر سدس کا آرام، تو دو سدس ملا کر ایک ثلث بن گیا، گویا ایک ثلث پر تو عشاء سے فراغت ہوئی اور اس کے بعد جو حدیث میں ہے ایک ثلث کا قیام ہوا ابتداء میں ایک سدس اور انتہاء میں ایک سدس منام ہوا تو دو سدس مل کر ایک ثلث بن گیا۔

إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ: صارخ سے مراد مرغ ہے، امام بخاری نے اس سے اپنا ترجمہ کیسے ثابت کیا ہے؟ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مرغ کی عادت یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ بولتا ہے آدھی رات کو اور پھر جب چوتھائی رات رہ جائے اور فجر کے وقت، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں یہی تیسرا بولنا مراد ہے، ابن ناصر فرماتے ہیں کہ مرغ سب سے پہلے نصف لیل پر بولا کرتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں وارد ہے حَتّٰی إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ یہ روایت ابن عباسؓ کی اُس روایت کے مطابق ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ تہجد کے لئے اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب آدھی رات ہو جایا کرتی تھی اور یہ دوسری روایات سے ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ آدھی شب ہی سویا کرتے تھے۔

میرا خیال یہ ہے کہ مصنف نے اپنی ذکر کردہ روایتوں کے مجموعہ سے ترجمہ ثابت کیا ہے، پہلی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ مرغ کی آواز پر کھڑے ہوتے تھے، دوسری روایت میں اس کا اضافہ ہے کہ آپ نماز

پڑھا کرتے تھے، اور تیسری روایت میں ہے کہ سحر کے وقت آپ سوتے تھے، تو ان تینوں روایتوں کو ملانے سے یہ معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ مرغ کی آواز پر جو وہ عام طور پر نصف لیل پر آواز دیتا ہے کھڑے ہوتے اور نماز میں مصروف ہو جاتے اور پھر سحر کے وقت سو جایا کرتے۔

مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا: علامہ ابن التین کہتے ہیں أی مضطجعًا، علامہ ابن رشید کہتے ہیں کہ اس سے نوم حقیقی مراد ہے اور بخاری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

(ص ۱۵۲) بَابُ مَنْ تَسَحَّرَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمْ يَنَمْ حَتَّى صَلَّى الصُّبْحَ

۱۱۳۴. حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّيَا فَقُلْنَا لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: كَقَدْرِ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کا بیان جو سحری کھائیں اور آخر شب میں صبح کی نماز سے پہلے نہ سوئیں۔

(روایت کا ترجمہ باب وقت الفجر میں گزر چکا)۔

تشریح: اگر کوئی رمضان میں سحری کھائے اور فجر پڑھ کر سوئے تو سنت میں اسکی اصل موجود ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں حضرت امام بخاری نے دو حالتیں بیان کی ہیں ایک رمضان کی حالت اور دوسری غیر رمضان کی، ترجمۂ گزشتہ میں تو غیر رمضان کی حالت بیان کی ہے اور اس ترجمہ میں رمضان کی حالت بیان کی ہے گویا امام بخاری یہ بتلاتے ہیں کہ سحر کا سونا غیر رمضان میں ہوتا تھا اور رمضان شریف میں آنحضور ﷺ سحر کے وقت نہیں سویا کرتے تھے، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے یوں تعبیر فرمایا کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حدیث میں یہ جو وارد ہوا ہے مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا یہ اکثری حالت ہے کلی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات آنحضور ﷺ سحر کے وقت سوتے نہیں تھے۔

(ص ۱۵۲) بَابُ طُولِ الْقِيَامِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ

۱۱۳۵. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا: وَمَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ ﷺ.

۱۱۳۶. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

ترجمہ: باب، قیام لیل میں نماز کو طول دینے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک رات حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر یہ کہ آپ برابر نماز میں تادیر کھڑے رہے یہاں تک کہ میں نے ایک غلط کام کا ارادہ کر لیا ہم نے پوچھا کہ آپ نے کیا ارادہ کر لیا تھا فرمایا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ بیٹھ جاؤں اور حضور ﷺ کو چھوڑ دوں۔

حضرت ابو حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کیلئے اٹھتے تو دہن مبارک کو مسواک سے ملتے۔

تشریح: نماز کا طول عام طور سے قیام کے طول سے ہوتا ہے، تو طول الصلوۃ سے مراد طول القیام ہوگا، چنانچہ اکثر نسخ بخاری میں یہاں پر ترجمہ ہے طول القیام فی صلوۃ اللیل اور اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تہجد کی نماز میں قیام طویل ہونا چاہئے، بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس سے ایک مشہور مسئلہ اختلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہو اور وہ یہ ہے کہ آیا نوافل میں تطویل قیام افضل ہے یا تکثیر رکوع و سجود افضل ہے؟

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد ایک روایت میں اور بہت سے مالکیہ یہ فرماتے ہیں کہ طول قیام افضل ہے یہی امام طحاوی نے امام محمد سے نقل کیا ہے، (۲) بعض مالکیہ اور امام احمد دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تکثیر رکوع و سجود افضل ہے، امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے حضرات نے حضرت ابن عمرؓ سے یہی نقل کیا ہے، صاحبِ مجتبیٰ نے یہی امام محمد سے نقل کیا ہے، (۳) امام احمد بن حنبل سے تیسری روایت یہ منقول ہے کہ دونوں برابر ہیں، حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ قیام بذکرہ افضل ہے اور سجود بحالہ افضل ہے، قیام میں جو ذکر ہوتا ہے یعنی تلاوت وہ سب سے افضل ہے اور سجدہ کی جو حالت ہے وہ تمام حالات سے افضل ہے، (۴) اسحاق بن راہو یہ فرماتے ہیں کہ

تہجد میں تو تطویل قیام افضل ہے اور دن کے نوافل میں تکثیر رکوع و سجود، البتہ اگر کسی آدمی کا رات میں کچھ قرآن پڑھنے کا مخصوص معمول ہو تو اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کے لئے تکثیر رکوع و سجود سے رنج و نفع حاصل کر لینا افضل ہے وھکذا یروی عن القاضی أبی یوسف۔

جو قیام کی افضلیت کے قائل ہیں وہ حضرت جابرؓ کی روایت سئِلَ رَسولَ اللّٰہِ ﷺ أَيُّ الصَّلَاۃِ أَفْضَلُ قَالَ طُولُ الْقُنُوتِ رواہ مسلم کو دلیل بناتے ہیں وھو نص فی المسئلۃ وإلیہ میل المصنف، اور بہت ممکن ہے کہ مصنف اسحاق کے مسلک کی طرف مائل ہوں یعنی صلوۃ تہجد میں تطویل قیام افضل ہے۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: یہ روایت بظاہر ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے اس واسطے کہ اس میں کہیں بھی تہجد میں طول قیام کا کوئی ذکر نہیں ہے پھر مصنف نے یہ روایت کیوں ذکر کی؟

(۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ناسخ کی غلطی ہے، (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاری تبییضِ کتاب سے پہلے ہی وفات پاگئے، (۳) بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اسی روایت سے تطویل قیام کو ثابت کیا ہے چنانچہ علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ مسواک کا اہتمام فرماتے تھے اور اس میں کوئی کمی و کوتاہی نہیں کرتے تھے حالانکہ وہ قیام لیل کا تتمہ ہے تو اصل طول قیام میں آپ کوئی کوتاہی کیوں فرماتے حالانکہ وہ مسواک سے کہیں زیادہ اہم ہے، (۴) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری نے کَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ سے اپنا ترجمہ ثابت فرمایا ہے اس واسطے کہ تہجد غالباً طول صلوۃ سے اور طول صلوۃ غالباً طول قیام سے حاصل ہوتا ہے مگر علامہ کی یہ تقریر دل کو نہیں لگتی ہے، (۵) علامہ ابن رشید نے ایک تقریر کی جس کو حافظ ابن حجر نے بھی پسند فرمایا ہے کہ امام بخاری نے لفظِ إِذَا قَامَ سے ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ اس قیام سے مراد قیام عادی نبوی ہے اور حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تہجد میں تطویل قیام کی تھی، مزید لفظ تہجد سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیوں کہ تہجد کہتے ہیں سہر کو یعنی بیدار کرنے کو، مزید یہ ہے کہ اس میں سواک کا ذکر ہے اور مسواک کرنا دفعِ نوم کے لئے معین ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ استطالۃ الصلوۃ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، (۶) بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ دوسری روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہاں بھی مصنف نے حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام مسلم نے تخریج فرمائی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے رات میں قیام کیا تو سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران وغیرہ پڑھ ڈالیں۔

(ص ۱۵۳) بَابُ كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي بِاللَّيْلِ

۱۱۳۷. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: إِنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ قَالَ: مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ.

۱۱۳۸. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَعْنِي بِاللَّيْلِ.

۱۱۳۹. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ: سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدَى عَشْرَةَ سِوَى رَكْعَتِي الْفَجْرِ.

۱۱۴۰. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ.

ترجمہ: باب، صلوۃ اللیل کی کیفیت یعنی شان کیا تھی؟ اور حضور ﷺ رات کی نماز کس طرح پڑھا کرتے تھے۔

(روایات کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: یہ آٹھواں باب ہے جس کو امام بخاری نے کیف سے شروع فرمایا ہے، اس ترجمہ کے دو جزء ہیں، پہلا جزء ہے كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ، اس کا مقصود صلوۃ اللیل کی کیفیت بتلانی ہے یعنی تہجد کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ ابن عمرؓ کی روایت سے اسکا جواب معلوم ہو گیا کہ دو دو رکعت نماز پڑھی جائے گی۔

دوسرا جزء ہے وَ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُصَلِّي بِاللَّيْلِ، اس جزء کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ تہجد میں حضور ﷺ کا معمول کیا تھا کس انداز میں آپ پڑھتے تھے؟ اور بعض نسخوں میں کم کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ آنحضور ﷺ کا معمول کیا تھا آپ کتنی رکعت پڑھتے تھے؟ اس کا جواب روایت باب سے معلوم ہو گیا کہ آپ کے معمولات مختلف تھے کبھی آپ نے تیرہ رکعت پڑھی ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے،

گاہے سات رکعت اور گاہے نو رکعت اور گاہے گیارہ رکعت بھی ادا فرمائی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے تہجد کے معمولات مختلف تھے کبھی آپ نے کچھ پڑھا ہے اور کبھی آپ نے کچھ پڑھا ہے، امام احمد، ابوداؤد اور طحاوی نے بسند حسن عبداللہ بن ابی قیس سے روایت کیا ہے قُلْتُ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا بِكَمْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُوتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ حضور ﷺ سے صلوۃ اللیل کے باب میں مختلف روایات نقل کی گئی ہیں مختلف اوقات میں مختلف معمولات تھے سب سے زیادہ سترہ رکعت نقل کی جاتی ہیں ھکذا ورد فی بعض المراسیل۔

امام بخاری نے یہ معمولات ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ آپ کا امتی جس حال کو اپنے حال کے مناسب سمجھے اس کو معمول بہا بنالے۔

كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ: سائل نے تعدادِ رکعات کے متعلق سوال کیا یا وہ رکعات کس طرح پڑھی جائیں اس کے متعلق؟ دونوں احتمال ہیں۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حضرت ابن عباسؓ کی روایات میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ رات میں کے رکعت پڑھتے تھے کسی میں تیرہ، کسی میں گیارہ اور کسی میں اس سے بھی کم ہیں، ان روایات میں جمع کی صورت یہ ہے کہ جس روایت میں تیرہ کا ذکر ہے اس میں یا تو سنت عشاء کو شامل کر لیا گیا ہے یا سنت فجر کو، اور جس میں گیارہ کا ذکر ہے اس میں ان دونوں کو خارج کر دیا گیا ہے، اور جس میں نو کا ذکر ہے غالباً اس میں ان دو رکعت کو بھی شمار نہیں کیا گیا ہے جس سے آنحضور ﷺ نماز تہجد کا افتتاح فرماتے تھے جو ہلکی پڑھی جایا کرتی تھیں۔

فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدٰى عَشْرَةَ: یعنی حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کبھی سات پڑھتے، کبھی نو پڑھتے اور کبھی گیارہ پڑھتے اور سنتِ فجر اس سے خارج ہوا کرتی تھی۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى: یہ جو سند یہاں مصنف نے ذکر فرمائی ہے یہی ابن عدی اور دار قطنی کی اس روایت کی سند ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أوتر بركعة جسے مکی بن ابراہیم کے طریق سے تخریج کی ہے اور وہ حنظلہؒ سے روایت کرتے ہیں اسی لئے میں نے ابواب وتر میں مسئلہ وتر بیان کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ وہ روایت بخاری کی اس روایت سے مختصر ہے۔

(ص ۱۵۳) بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِاللَّيْلِ وَنَوْمِهِ وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

وقوله ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُزَّمِّلُ قُمِ ٱلَّيۡلَ إِلَّا قَلِيلٗا نِّصۡفَهُۥٓ ﴾ إلى قوله ﴿ سَبۡحٗا طَوِيلٗا ﴾ وقوله ﴿ عَلِمَ أَن لَّن تُحۡصُوهُ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡۖ ﴾ إلى قوله ﴿ وَٱسۡتَغۡفِرُواْ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمُۢ ﴾

قال ابن عباس: نشأ قام بالحبشية، وطأ مواطأة للقرآن أشد موافقة لسمعه وبصره وقلبه، ﴿ لِّيُوَاطِـُٔواْ ﴾ ليوافقوا.

۱۱۴۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ، وَيَصُومُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا، وَكَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ.

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ وَأَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ عَنْ حُمَيْدٍ.

ترجمہ: باب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کو قیام کرنے اور سونے کا بیان اور قیام لیل میں جو حصہ منسوخ ہوا اس کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ سے ﴿سَبْحًا طَوِيلًا﴾ تک کی تفسیر کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ سے ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ تک کی تفسیر کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نَشَأَ (جو نَاشِئَةَ اللَّيْلِ کا مادہ ہے) کے معنی حبشی زبان میں قَامَ کے ہیں، اور وَطْئًا (جو أَشَدُّ وَطْئًا میں آیا ہے) کا مطلب ہے قرآن کی موافقت یعنی کان، آنکھ اور دل کی تلاوت قرآن سے مکمل موافقت، اور اسی سے لِيُوَاطِئُوا ہے (جو سورۂ توبہ میں آیا ہے) اس کے معنی ہیں لِيُوَافِقُوا موافقت کریں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں افطار (روزہ نہ رکھنا) فرماتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آپ اس مہینہ میں بالکل روزہ نہیں رکھیں گے اور کسی مہینہ میں روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آپ اس مہینہ میں افطار نہیں کریں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ تم نہیں چاہوگے کہ آپ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھو مگر دیکھ لوگے کہ آپ مشغول نماز ہیں اور نہ سوتے ہوئے دیکھنا چاہوگے مگر سوتے ہوئے دیکھ لوگے۔

سلیمان اور ابو خالد الاحمر نے حمید سے نقل کرنے میں محمد بن جعفر کی متابعت کی ہے۔

تشریح: امام بخاری نے اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی کیفیت و کمیت بیان کی اب اس ترجمہ سے آپ کے حق میں اس کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ قیام لیل کا یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

امام بخاری نے اس کے اثبات کے لئے سورۂ مزمل کو پیش کیا، ابتداءِ سورۂ مزمل میں فرمایا گیا ﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اور آخر مزمل میں فرمایا گیا ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے قیام طویل کا حکم ہے پھر بعد میں استحصاء اور قدرت نہ ہونے کی وجہ سے امت سے تخفیف کردی گئی اور حضور بھی اس میں داخل ہیں، مسلم کی حدیث میں تصریح ہے کہ سورت کے اول وآخر میں ایک سال کا فاصلہ تھا، امام بخاری نے اس مضمون کو اپنی حدیث سے ثابت کیا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں وَكَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ یعنی نبی اکرم ﷺ تہجد میں احوال کے اعتبار سے تطویل وتخفیف فرماتے تھے کبھی طویل قرأت فرماتے دیکھنے والا آپ کو نماز میں پاتا، کبھی خفیف قرأت فرماتے دیکھنے والا آپ کو سوتا ہوا پاتا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وقت حضور ﷺ ساری رات سو گئے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں نکلا کہ صلوۃ اللیل آپ کے حق میں مطلقاً منسوخ ہوگئی اگر یہ بات ہوتی تو امام بخاری کو اتنی لمبی عبارت وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ مختصر لفظوں میں ذکر فرمادیتے باب نسخ وجوب قیام اللیل، مانسخ کا لفظ مشیر ہے کہ کچھ نسخ ہوا اور کچھ نہیں ہوا اور وہی چیز جو قرآن سے سمجھ میں آئی فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ، تطویل منسوخ ہوئی عدم احصاء کی وجہ سے مگر مَا تَيَسَّرَ کا مطالبہ ہے۔

اس کے بعد آگے اختلاف ہے کہ یہ مَا تَيَسَّرَ بھی واجب رہا یا منسوخ ہوگیا؟ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ مَا تَيَسَّرَ صلوات خمسہ سے منسوخ ہوگیا، اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ سورۂ مزمل کے اوائل واواخر میں ایک سال کا فاصلہ ہے اور مزمل کا نزول اوائلِ نبوت میں ہوا اور صلوات خمسہ کی فرضیت علی المشہور ہجرت سے ایک ڈیڑھ سال پہلے ہوئی ہے تو پھر صلوات خمسہ سے نفس قیام لیل کے نسخ کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں ایک ہی سال کا فاصلہ ہے اور صلوات خمسہ کی فرضیت بعد میں ہونے کی وجہ سے قیام لیل کے وجوب کی ناسخ بن سکتی ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

لیکن اصل میں جو پیچیدگی ہے وہ یہ ہے کہ سورۂ مزمل کی آخری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نزول بہت بعد میں ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ اور قتال کی مشروعیت ہجرت کے بعد ہوئی ہے تو یہ آیت مدنیۃ النزول ہو گی مکیۃ النزول نہیں ہو سکتی، اور آیت کے اول و آخر میں ایک سال کا فاصلہ نہیں ہو سکتا اس لئے مسلم کی روایت میں ایک سال کا ذکر بظاہر وہم ہے، اور نفس قیام لیل کے وجوب کے لئے صلوات خمسہ ناسخ نہیں بن سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیشگی قتال فی سبیل اللہ کی اجمالی خبر دے دی ہو اور یہ بتا دیا ہو کہ ایک وقت آئے گا کہ تمہارا کفار سے مقابلہ ہو گا، اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے، اللہ نے پہلے قیام طویل فرض کیا ایک سال بعد وجوب کو منسوخ کر کے نفس قیام لیل کو فرض رکھا اور اسی میں قبل الوقت قتال کی خبر دے دی اس کے بعد صلوات خمسہ کی فرضیت سے نفس تہجد کا وجوب بھی حضور کے حق میں منسوخ ہو گیا، لیکن یہ مسئلہ ہے مختلف فیہا جیسا کہ امام نووی نے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک اصح یہ ہے کہ حضور ﷺ کے حق میں وجوب منسوخ ہو گیا واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

نَاشِئَةَ اللَّيْلِ: ناشئة قیام کے معنیٰ میں ہے یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں قیام، جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں عجمی کلمات واقع ہوئے ہیں، مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرت امام شافعی، ابو عبیدہ بن معمر المثنیٰ اور ابن جریر طبری وغیرہ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سارا قرآن عربی ہے، اور اس کے بالمقابل ابو میسرہ، عمرو بن شرحبیل وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن میں بعض کلمات عجمی واقع ہیں، ابو عبید القاسم بن سلام کی رائے ہے کہ دونوں کی باتیں ٹھیک ہیں، جس نے کہا کہ سارا عربی ہے اس نے موجودہ حالت پر نظر کی اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں جتنے کلمات عجمیہ آئے ہیں وہ عربی بنانے کے بعد آئے ہیں، جیسے لفظ سرادِق ہے یہ معرب ہے سراپردہ کا، سراپردہ فارسی کلمہ ہے خیمہ اور خوابگاہ کے سامنے پردہ کے لئے جو کپڑا لٹکاتے ہیں اس کو سراپردہ کہا جاتا ہے یعنی سرائے کا پردہ، اس کے بعد اس کی تعریب کر کے اس کو سرادق کر دیا گیا، ظاہر ہے کہ یہ سرادق موجودہ شکل میں تو عربی ہے، اور جس نے یہ کہا کہ قرآن میں عجمی کلمات واقع ہیں اس کی مراد یہ ہے کہ بعض کلمات کی اصل عجمی ہے اس صورت میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

وِطَاءً - مُوَاطَأَةً لِلْقُرْآنِ: یہاں پر دو قراءتیں ہیں، اول وِطَاءً واو کا کسرہ اور طا کا زبر فعال کے وزن پر جو باب مفاعلت کا مصدر ہے مواطاۃ کے معنیٰ میں ہے جس کے معنی ہیں موافقت، أي هِيَ أَشَدُّ وِطَاءً وَأَقْوَمُ قِيلًا، مطلب یہ ہے کہ رات کو تلاوت کرنے میں قلب وزبان میں موافقت ہوتی ہے، رات کا اندھیرا ہوتا ہے

ادھر ادھر کے خیالات نہیں آتے، آدمی اطمینان سے قرآن کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

دوسری قرأت ہے هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا، بفتح الواو وسکون الطاء اس کے معنی ہیں کچلنا، اور مطلب یہ ہے کہ رات کی قرأت سے نفس کچلا جاتا ہے اور اس کے اخلاقِ نامرضیہ ٹوٹتے ہیں، یہ عاصم کی قرأت ہے۔

فیض الباری میں وہم ہو گیا کہ پہلی قرأت کو عاصم کی طرف منسوب کر دیا۔

چونکہ قرآن میں وطاء آیا تھا اور وطاء کے معنی مواطاۃ ہیں اس لئے امام بخاری نے اسی کی مناسبت سے لِيُوَاطِئُوا کا لفظ جو قرآن ہی میں ہے ذکر کر کے اس کی شرح لِيُوَافِقُوا سے کر دی۔

(ص ۱۵۳) بَاب عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ

۱۱۴۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عند كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ.

۱۱۴۳. حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابن علية قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرُّؤْيَا قَالَ: أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفِضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ.

ترجمہ: باب، جب رات کو نماز نہ پڑھے تو شیطان کا انسان کی گدی پر گرہ لگانے کا بیان۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان سوتا ہے تو شیطان تم میں سے ہر کسی کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ پر عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ (تیری رات بہت لمبی ہے سوجا) پڑھ کر دم کرتا ہے پھر اگر انسان نے جاگنے کے بعد ذکر خداوندی کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے اور وہ نشاط کے ساتھ خوش دل ہو کر صبح کرتا ہے ورنہ صبح کے وقت دل کی خباثت اور سستی میں مبتلا رہتا ہے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ نے خواب کی حدیث میں حضور ﷺ سے نقل فرمایا کہ البتہ وہ شخص جس کا سر پتھر سے کچلا جارہا تھا تو یہ وہ شخص تھا جس نے قرآن حاصل کیا تھا پھر اس کو چھوڑ دیا اور وہ فرض نماز سے غافل ہو کر سوتا رہا۔

تشریح: شیطان قافیۃ الرأس پر گرہ لگا دیتا ہے اگر رات میں نماز نہ پڑھی ہو، یعنی اگر کوئی آدمی تہجد نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے قافیۃ الرأس پر گرہ لگا دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ترجمہ اور حدیث میں مطابقت نہیں ہے ترجمہ میں یہ کہا جارہا ہے کہ جو تہجد نہیں پڑھتا شیطان اس کے قافیۃ الرأس پر گرہ لگا دیتا ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے قافیۃ الرأس پر شیطان گرہ لگا دیتا ہے ہاں جو آدمی تہجد پڑھ لیتا ہے اس کی ساری گرہیں کھل جاتی ہیں۔

امام ابو عبداللہ مازری نے اس کا جواب دیا کہ ترجمہ میں عقد الشیطان سے استدامتِ عقد مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ شیطان کی گرہ دائمی وباقی رہتی ہے مگر جو شخص تہجد پڑھ لیتا ہے اس کے بارے میں باقی نہیں رہتی ہے اور جب گرہ باقی نہیں رہی تو گویا اس کے حق میں گرہ لگی ہی نہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس باب کی دوسری روایت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے، امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ اس میں صلوۃ اللیل کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرُّؤْيَا قَالَ أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفِضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ۔

میں کہتا ہوں کہ گو موجودہ مختصر سیاق میں صلوۃ اللیل کا ذکر نہیں ہے اور نہ ترک صلوۃ کا ذکر ہے لیکن یہی روایت مطولاً بخاری شریف کتاب الجنائز میں واقع ہوئی ہے اس میں ہے وَالَّذِي رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ یہ نوم عن القرآن باللیل جو آیا ہے اس سے مراد نوم عن قرأۃ القرآن فی صلوۃ اللیل ہے اس لئے یہ حدیث صلوۃ اللیل پر مشتمل ہے اور حدیث ترجمہ کے مطابق ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ترجمہ میں إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ سے صلوۃ عشاء مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سمرہؓ کی روایت میں ہے وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بخاری نے یہ ترجمہ ابواب تہجد میں کیوں ذکر کیا اس کو تو ابواب صلوۃ العشاء میں ہونا چاہئے تھا، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری نے ایسا اس لئے کیا تاکہ ان لوگوں کا وہم دور ہو جائے جو باب کی دونوں حدیثوں کو صلوۃ اللیل پر محمول کرتے ہیں اور دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ سمرہؓ کی حدیث میں بعض روایات میں صلوۃ کی مکتوبہ کے ساتھ قید وارد نہیں ہوئی ہے۔

مگر حافظ ابن حجر کی یہ تقریر بالکل بعید ہے اگر امام بخاری کا مقصد صلوۃ عشاء ہوتی تو یہ ترجمہ ابواب عشاء میں لاتے اور وہیں سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ذکر فرماتے یہاں ابواب تہجد میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جس توہم کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ توہم اس حدیث کے صلوۃ العشاء میں لانے سے خود بخود دور ہو جاتا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حافظ صاحب کو اس حدیث کی مطابقت اسماعیلی کی طرح ترجمہ سے سمجھ میں نہ آئی اس لئے دور افتاد تقریر کر دی۔

اب یہاں پر ایک اور سوال ہے کہ ترجمہ ہے عَقْدُ الشَّیطَانِ عَلَی قَافِیَۃِ الرَّأْسِ یہ مضمون باب کی پہلی حدیثِ ابوہریرہؓ میں بالتصریح ہے لیکن باب کی دوسری حدیثِ سمرہ بن جندبؓ میں جس کے متعلق بحث چل رہی ہے وارد نہیں ہے تو پھر یہ حدیث ترجمہ کے مطابق کیسے ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کرام ترجمہ کے جو الفاظ لاتے ہیں ان الفاظ سے مطابقت مقصود نہیں ہوتی بلکہ ان الفاظ کے مقصود سے مطابقت مقصود ہوتی ہے، اور یہاں ترجمہ سے مقصود صلوۃ اللیل کی اہمیت پر تنبیہ کرنا ہے کہ صلوۃ اللیل ایسی اہم ہے کہ شیطان قافیۃ الرأس پر گرہ لگا دیتا ہے صلوۃ اللیل اس کے کھولنے کا سبب بن جاتی ہے، اسی طرح صلوۃ اللیل ایسی اہم ہے کہ اس کے سلسلہ میں حافظ قرآن کے بے احتیاطی کرنے پر اس کو سزا دی جائے گی، یہ ہے مقصودِ مصنف۔

(ص ۱۵۳) بَاب إِذَا نَامَ وَلَمْ يُصَلِّ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ

۱۱۴۴. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَقِيلَ: مَا زَالَ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحَ مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ.

ترجمہ: باب، جب انسان سو جائے اور نماز نہ پڑھے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔
حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ برابر سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی، وہ نماز کے لئے نہیں اٹھا تو فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا۔

تشریح: اگر کوئی آدمی پڑا سوتا ہی رہے اور نماز نہ پڑھے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے، مصنف کا مقصود اس ترجمہ سے تحریض علی الصلوۃ ہے، لم یصلّ سے کون سی نماز مراد ہے؟ اس میں دو

احتمال ہیں بلکہ تین، (۱) یا صلوٰۃ اللیل مراد ہو، (۲) یا صلوٰۃ مکتوبہ مراد ہو چنانچہ ابن حبان کی روایت میں ینام عن الفریضۃ کالفظ اسی احتمال کی تائید کرتا ہے، (۳) اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں نمازیں مراد ہوں، مصنف کا اس باب کو صلوٰۃ اللیل کے تراجم کے ضمن میں ذکر کرنا احتمال اول کی طرف اشارہ کرتا ہے، لیکن ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ مصنف نے اس سے پہلے جو باب منعقد کیا تھا اس سے بظاہر صلوٰۃ فریضہ مراد لی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ جن لوگوں نے باب گزشتہ کی روایت کو نفل پر محمول کیا ہے ان کا یہ حمل صحیح نہیں اور یہاں پر بھی، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا محمل صلوٰۃ فریضہ ہے صلوٰۃ نافلہ نہیں ہے، لیکن یہ احتمال کچھ بعید سا لگتا ہے، ہاں البتہ اگر ابن حبان کی روایت کے الفاظ لے لئے جائیں تو پھر یہ احتمال ہی اقویٰ معلوم ہوتا ہے۔

بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ: شیطان کا کان میں پیشاب کرنا بعض کہتے ہیں کہ حقیقت پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد بھی نہیں، جب شیطان کھاتا پیتا اور نکاح بھی کرتا ہے تو پیشاب کرنے میں کیا اشکال ہے، اور شیطان جو انسان کے کان میں پیشاب کرتا ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ کان کا منفذ بھر جائے اور آواز اس تک نہ پہنچے، بعض کہتے ہیں کہ یہ مجاز ہے اور کنایہ ہے غفلت سے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے تحقیر سے، کہتے ہیں کہ میں تیرے اوپر پیشاب بھی نہیں کرتا یعنی میرے نزدیک تیری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

(ص ۱۵۳) بَاب الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ

وقال ﴿ كَانُوا۟ قَلِيلًا مِّنَ ٱلَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴾ ينامون.

۱۱۴۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَأَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ.

ترجمہ: باب، آخر شب میں دعا اور نماز کا بیان۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے، یَھْجَعُونَ کے معنی یَنَامُونَ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا پروردگار (تبارک وتعالیٰ) آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں؟

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کرنی ہے کہ آخر شب میں نماز ودعاء کا اہتمام کرنا چاہئے، مصنف نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں دعاء کا تو ذکر ہے مگر صلوۃ کا نہیں، اس کو کیسے ثابت کیا ہے؟ یہ ایک مستقل سوال ہے اور اس سوال کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ بطریق اولویت ثابت کیا ہے کہ جب آخر لیل میں حدیث باب سے دعاء کی اہمیت کا ثبوت ہوتا ہے تو نماز کی اہمیت تو بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو جائے گی، اور ممکن ہے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث مَنْ خَافَ أَنْ لَا یَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ فَلْیُوتِرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ أَنْ یَقُومَ آخِرَهُ فَلْیُوتِرْ آخِرَ اللَّیْلِ فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّیْلِ مَشْهُودَةٌ وَذٰلِکَ أَفْضَلُ، رواہ مسلم کی طرف اشارہ کیا ہو، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے روایت الباب کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو دار قطنی وغیرہ نے تخریج کی ہے اس میں حدیث باب کے آخر میں وارد ہوا ہے فَلِذٰلِکَ کَانُوا یُفَضِّلُونَ صَلَاةَ آخِرِ اللَّیْلِ عَلَی أَوَّلِهِ۔

کَانُوا قَلِیلًا مِنَ اللَّیْلِ مَا یَھْجَعُونَ: رات کو بہت کم سویا کرتے تھے، مصنف نے آیت شریفہ سے اپنا مدعا اور دعویٰ اس طرح ثابت کیا ہے کہ عام طور سے سونے کا ضابطہ یہ ہے کہ آدمی کو نیند کا جھونکا اول شب میں آیا کرتا ہے تو ابتداء میں تو سو جایا کرتے تھے اور پھر آخری شب میں بیدار ہو جایا کرتے تھے، یا یوں کہئے کہ آخر تک بیدار رہتے تھے۔

یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالَی الخ: ہمارے رب تبارک وتعالیٰ ہر رات میں نزول فرماتے ہیں۔

مسئلۂ نزولِ باری تعالیٰ: اس حدیث کو فرقۂ مشبّہہ نے تو بالکل اپنے ظاہر پر رکھا ہے لیکن خوارج ومعتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نزول وصعود جسمِ انسانیت کا خاصہ ہے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں، اہل سنت والجماعت ان نصوص کا اعتراف کرتے ہیں، اور خوارج ومعتزلہ سے تعجب ہے کہ وہ اس جیسی نصوص اگر قرآن میں آجاتی ہے تو تاویل کرتے ہیں لیکن اگر احادیث میں یہی نصوص آجائیں تو اس کا انکار کر

بیٹھتے ہیں اور وہاں کیوں تاویل کو جائز نہیں رکھتے ہیں، بہر حال نزول رب کے سلسلہ میں ایک دو روایتیں نہیں بلکہ درجن سے زیادہ روایتیں ہیں، امام ابوالقاسم بن مندہ اصبہانی نے اکیس (۲۱) صحابۂ کرام کے نام شمار کئے ہیں، امام بیہقی نے ائمۂ اربعہ، حمادین، سفیانین وغیرہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس قسم کی احادیث کو بالاجمال تسلیم کیا جائے اور اس کی کوئی تاویل وغیرہ نہ کی جائے، بندہ کے نزدیک یہی مسلک احوط المسالک واسلمہا ہے۔

ویسے احادیث صفات کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی جماعت تاویل کی قائل ہے، پھر متاخرین میں اختلاف ہے بعض تو ہر جگہ تاویل کر ڈالتے ہیں چاہے وہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو اور بعض لوگ مناسب تاویل کرتے ہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ اگر تاویل ایسی ہو جو کلام عرب میں کھپتی ہو تو وہاں تو تاویل کی جائے گی اور اگر کہیں کھپت نہ ہو اور سمجھ میں نہ آتی ہو اور اہل عرب اس معنی میں وہ لفظ استعمال نہ کرتے ہوں تو پھر وہاں تسلیم کا مسلک اختیار کرنا چاہئے، وھذا القول یروی عن مالک، خلاصہ یہ ہے کہ نہ ہر حدیث میں تسلیم اور نہ ہر حدیث میں تاویل۔

اب اگر یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے تو اس صورت میں نزول سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ صفاتِ افعال میں سے ہے، علامہ ابن حزم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے قبولیت دعاء سے، نزولِ حرکت نہیں ہے اس لئے کہ حرکت تو جسم کا خاصہ ہے، مگر عام طور سے حنابلہ بالکل اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں اور نزولِ حرکت مراد لیتے ہیں، پھر اس کے بعد حنابلہ کے یہاں یہ بحث ہوئی ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ نزول فرماتے ہیں تو عرش الٰہی خالی ہوتا ہے یا نہیں؟ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ میں تین قول نقل کئے ہیں، (۱) حماد بن زید اور امام احمد سے نقل کیا ہے کہ عرش خالی نہیں ہوتا ہے، (۲) حافظ عبدالغنی ابن سعید مصری تو خلو اور عدم خلو کی بحث چھیڑنے ہی پر نکیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس کے متعلق کوئی لفظ وارد نہیں ہوا ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے اس بحث کو چھیڑنے کی اور واقعہ بھی یہی ہے، (۳) علامہ ابوالقاسم بن مندہ اصبہانی کہتے ہیں کہ عرش الٰہی خالی ہو جاتا ہے لیکن ان کا یہ قول غلط ہے واللہ محیط بکل شیئ، علامہ ابن تیمیہ نے قول اول کو امام احمد کی اتباع میں اختیار کیا ہے۔

بہر حال واقعہ یہ ہے کہ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے، خلو اور عدم خلو کے اقوال یہ سب محدثات الامور اور بدعات ہیں، جب قرآن اور حدیث نے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کہی ہے تو ہم کون ہیں؟ جتنا قرآن اور حدیث نے

کہاہے اتناہی کہنے کا ہم کو حق پہنچتا ہے اس کے آگے کوئی تفصیل اور کوئی نئی بات اس کے ساتھ ملانے کی ہم کو گنجائش نہیں پہونچتی، بس اللہ نے نزول کا اپنے لئے جو ارشاد فرمایاہے ایسے ہی اس کو تسلیم کرنا چاہیئے۔

متاخرین یہ کہتے ہیں کہ نزول سے مراد حق تعالیٰ کے ملائکہ کا نزول ہے یا اس کے اوامر کا نزول ہے یا اس کی رحمتوں اور عنایات کا نزول ہے۔

حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ: روایات میں اختلاف ہے، بعض میں وارد ہوا ہے جب ثلث اللیل الاول گزرتا ہے، بعض میں ہے جب نصف لیل گزرتا ہے، بعض میں الثلث الاول او النصف ہے، اور بعض میں النصف او الثلث الاخیر ہے، اور بعض میں ثلث اخیر ہے، روایتی حیثیت سے حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ راجح ہے، اسی کو امام ترمذی، قاضی عیاض اور ابن تیمیہ نے راجح قرار دیا ہے، اور اگر سارے الفاظ ثابت ہوں تو پھر اس صورت میں اس کی توجیہ بعض علماء نے کی ہے کہ ہو سکتا ہے نزول ثلث اول پر ہو اور نداء نصف پر ہو اور قبولیت ثلث آخر پر ہو۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ اختلاف اختلاف مطالع ومغارب پر محمول ہے، کیوں کہ شمس کا مطلع ومغرب مختلف ہوتا رہتا ہے اس کے لحاظ سے رات کا حصہ بدلتا رہتا ہے، ایک جگہ کے لئے ثلث لیل آخر ہے تو دوسری جگہ کے لئے وہی نصف لیل ہوگا وھکذا۔

(ص ۱۵۳) بَاب مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَحْيَا آخِرَهُ

وقال سلمان لأبي الدرداء: نم، فلما كان من آخر الليل قال: قم، قال النبي ﷺ: صدق سلمان.

١١٤٦. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ (ح) وَحَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ فَيُصَلِّي ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَتْ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ.

ترجمہ: باب، جو شخص اول شب میں سو جائے اور آخر شب میں عبادت کرے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ سے کہا کہ سو جایئے، پھر جب آخر شب کا وقت ہوا تو فرمایا اٹھ جایئے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ سلمان نے سچی بات کہی۔

اسود بن یزید نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ رات کی نماز کس طرح سے پڑھتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ اول شب میں سو جاتے تھے اور آخر شب میں اٹھ جاتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے پھر اپنے بستر پر آجاتے تھے پھر جب مؤذن فجر کی اذان دیتا تو اٹھ جاتے تھے پھر اگر آپ کو غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل کرتے ورنہ وضو کرتے اور مسجد میں چلے جاتے۔

تشریح: امام بخاری نے پہلے یہ بتایا تھا کہ آخر لیل میں دعاء و صلوٰۃ کا اہتمام کرنا چاہئے لیکن یہ بحث نہیں چھیڑی کہ پہلے سوئے اور اس کے بعد آخر شب میں بیدار ہو، اب اس ترجمۃ الباب سے ایک مزید اضافہ فرماتے ہیں کہ اولاً سو جائے اس میں نفس کا حق ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَ سَلْمَانُ: حضرت سلمان فارسیؓ کی حضور اکرم ﷺ نے تصدیق فرمائی، صورت حال یہ ہوئی کہ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابوالدرداءؓ کے یہاں مہمان ہوئے، ام الدرداءؓ کو دیکھا تو کپڑے ایسے ہی تھے جیسے غریب و فقیر عورت کے میلے کپڑے ہوتے ہیں ویسی حالت بنی ہوئی تھی، پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگی کہ تمہارے بھائی ابوالدرداءؓ کو دنیا کی کوئی حاجت ہی نہیں، ابوالدرداءؓ آئے کھانا پکایا کہنے لگے کہ تم کھالو میں تو روزہ سے ہوں، سلمانؓ نے کہا کہ جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں نہیں کھاؤں گا، اس کے بعد جب رات ہوئی تو ابوالدرداءؓ نے قیام لیل شروع کر دیا حضرت سلمانؓ نے فرمایا نَم سو جاؤ، اس کے بعد جب آخر لیل ہوئی تو کہا کہ اٹھ جاؤ، صبح حضور اکرم ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا صَدَقَ سَلْمَانُ، یہ سارا قصہ حضرت امام بخاری نے کتاب الصوم میں ص ۲۶۴ پر باب من أقسم علی أخيه ليفطر فی التطوع ولم یر علیه قضاء کے ذیل میں مفصل طور پر ذکر فرمایا ہے۔

كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ: اول شب میں سو جاتے تھے اور آخر شب میں بیدار ہوتے تھے۔

فَإِنْ كَانَ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ: اگر آپ کو ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے، شارحین کہتے ہیں کہ اس سے حاجۃ الجماع مراد ہے، علامہ سندی فرماتے ہیں کہ تہجد کے بعد کہاں اتنا وقت ہوتا تھا کہ آپ اپنی اس حاجت کو پوری فرماتے بلکہ اس حاجت سے مراد حاجت جنابت ہے یعنی اگر آپ کو جنابت لاحق ہوئی ہوتی یا یوں کہئے کہ اگر آپ کو حاجتِ غسل ہوتی تو آپ غسل فرمایا کرتے تھے ورنہ وضو کر کے نماز کیلئے تشریف لے جاتے۔

(ص ۱۵۴) بَاب قِيَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ

١١٤٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

١١٤٨. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ جَالِسًا حَتَّى إِذَا كَبِرَ قَرَأَ جَالِسًا، فَإِذَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ السُّورَةِ ثَلَاثُونَ أَوْ أَرْبَعُونَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَهُنَّ ثُمَّ رَكَعَ.

ترجمہ: باب، نبی کریم ﷺ کے رمضان اور غیر رمضان میں رات میں نماز پڑھنے کا بیان۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رمضان میں حضور ﷺ کی صلوۃ اللیل کی کیا کیفیت تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت پڑھتے ان کے حسن اور طول کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے پھر چار رکعت پڑھتے ان کے حسن اور طول کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے پھر تین رکعتیں پڑھتے، عائشہؓ نے کہا میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اے عائشہ! میری آنکھیں سوجاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب إذا صلّی قاعدًا ثم صح میں گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا معمول قیام لیل کے بارے میں رمضان اور غیر رمضان میں یکساں تھا جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہی امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ذکر کر کے اس بات

پر تنبیہ کی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کا معمولِ تہجد رمضان اور غیر رمضان میں یکساں تھا، اس میں صلوۃ تراویح کے متعلق کوئی تعرض نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کے ذریعہ سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حضور پاک ﷺ رمضان شریف میں بس کل آٹھ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے هكذا قال شيخنا۔

مجھ کو اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت جیسے یہاں ذکر کی ہے ایسے ہی ابواب تراویح میں ابواب قیام رمضان میں بھی ذکر فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت عائشہؓ کی حدیث میں رمضان اور غیر رمضان کا مکمل معمول ذکر کیا گیا ہے اور سرکار دو جہاں ﷺ رمضان میں بھی صرف آٹھ ہی رکعت پڑھتے تھے، اس سلسلہ میں روایات میں اختلاف سا ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَأَوْتَرَ، رواه ابن خزيمة وابن حبان، اور ابن عباسؓ سے روایت ہے أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ، رواه ابن أبي شيبة وعبد بن حميد والبغوي في معجمه والطبراني والبيهقي، لیکن اس کی سند واہی ہے، اس لئے کہ اس کا دار و مدار ابوشیبۃ الواسطی ابراہیم بن عثمان جدّ امام ابن ابی شیبہ پر ہے جو متروک راوی ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعت کے سلسلہ میں کوئی مرفوع روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے اور لے دے کے بس یہی ایک روایت ہے اور وہ بھی بالکل غیر مستند اور غیر معتبر، ہاں سیدنا عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں ان کے امر سے حضرت ابی بن کعبؓ کا بیس رکعت پڑھانا مؤطا اور بیہقی وغیرہ کی روایات میں وارد ہوا ہے، لیکن حضرت عمرؓ ہی سے گیارہ رکعت کا بھی اثر نقل کیا جاتا ہے، علماء نے اس میں جمع یہ کیا ہے کہ جب قیام طویل ہوتا تھا تو رکعات کم ہوتی تھیں اور جب قیام مختصر ہوتا تو رکعات میں اضافہ ہوتا، بہر حال اس کے بعد سلف کا معمول ہمیشہ بیس ہی رکعات کا چلا آرہا ہے حتی کہ فقہاء مذاہبِ اربعہ بلکہ حضرات ائمۂ اربعہ تراویح کی بیس رکعت کے ہونے پر متفق و متحد ہیں، محقق ابن ہمام کا رجحان یہ ہے کہ آٹھ رکعت چونکہ فعل نبوی سے ثابت ہے اس لئے وہ سنت ہونی چاہئیں اور باقی بارہ رکعت حضرت عمرؓ کی طرف سے ثابت ہیں اس واسطے وہ مستحب ہونی چاہئیں، علامہ عبدالحی لکھنوی نے تحفة الأخيار في إحياء سنة سيد الأبرار میں علامہ ابن ہمام پر رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ وہ باقی بارہ رکعت بھی سنت ہونی چاہئیں اس لئے کہ سنتِ خلفاء؛ سنتِ نبوی ہے قال عليه السلام عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اس حدیث پاک میں یہ وارد ہوا ہے مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، اس سے معلوم ہوا کہ حضور پاک ﷺ کا معمولِ مبارک ہمیشہ گیارہ رکعت پڑھنے کا تھا لیکن ابھی قریب میں حضرت عائشہؓ کی روایت ص ۱۵۳ پر گزر چکی ہے اس میں یہ وارد ہے کہ مسروق کہتے ہیں سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَإِحْدَى عَشْرَةَ سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔

بات یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، اس حدیث پاک میں اکثری معمول ذکر کیا گیا ہے ورنہ سرکار دو عالم ﷺ سے گیارہ رکعت سے کم بھی پڑھنا منقول ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہو گیا، ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے أوتر بخمس لم يسلّم إلا في آخرهن، حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں جو مسلم شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ نو رکعت پڑھتے تھے آٹھ رکعت پر بیٹھتے تھے اور اسکے بعد پھر نویں رکعت پر بیٹھتے تھے اور پھر سلام پھیرتے تھے لیکن جب بدن مبارک میں کچھ ضعف آ گیا تو پھر چھ اور سات رکعت پر بیٹھنے لگے اور ساتویں پر سلام پھیرنے لگے، اسی طرح سے روایات میں یہ وارد ہے كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ ثِنْتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ، رواہ مسلم وغیرہ۔

فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ: حضرت عائشہؓ نے یوں پوچھا کہ یا رسول اللہ! وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ فرمایا کہ میری آنکھ سوتی ہے اور میرا قلب بیدار رہتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کو صلوۃ وتر کا انتظار ہوتا تھا اور اس کے پڑھنے کا دھیان لگا رہتا تھا لہذا قلب مبارک کے اس تعلق کی وجہ سے قلب غافل نہیں ہوتا تھا اور صرف آنکھوں پر نیند کا اثر آ جایا کرتا تھا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: یعنی حضور اکرم ﷺ عام طور سے ہمیشہ کھڑے ہو کر ہی تہجد ادا فرماتے تھے لیکن جب بڑھاپا آ گیا تو پھر ابتداءً بیٹھ کر پڑھتے تھے اور جب تیس چالیس آیتیں رہ جاتیں تو پھر کھڑے ہو جاتے اور تلاوت فرماتے اور پھر رکوع و سجود کیا کرتے تھے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ اگر آپ کھڑے ہو کر نماز شروع کرتے تو کھڑے ہو کر پوری کرتے اور بیٹھ کر شروع کرتے تو بیٹھ کر پورا کیا کرتے تھے، اور اس روایت سے ایک دوسری شکل معلوم ہوئی کہ بیٹھ کر شروع کرتے اور کھڑے ہو کر پورا کر لیا کرتے تھے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اور اگر کھڑے ہو کر شروع کرے تو بیٹھ کر پورا کر سکتا ہے یا نہیں؟ روایت میں کوئی تفصیل تو یاد ہے نہیں البتہ اصول و قواعد کے پیش نظر اس کا جواز ثابت ہوتا ہے اور قصۃ الوفات سے بھی اس کو اخذ کیا جاسکتا ہے، نماز فریضہ کھڑے ہو کر امام نے شروع کرائی تھی لیکن سرکار دو عالم ﷺ جب آ کر امام ہو گئے تو آپ نے بیٹھ کر اس کی تکمیل کرائی۔

(ص ۱۵۴) بَاب فَضْلِ الطُّهُورِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَفَضْلِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْوُضُوءِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

١١٤٩. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ: يَا بِلَالُ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلاً أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلاَّ صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ.

ترجمہ: باب، رات دن باوضو رہنے کا بیان اور وضو کے بعد رات اور دن کے ہر حصہ میں نماز پڑھنے کا بیان۔
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد حضرت بلالؓ سے کہا کہ اے بلال! مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اسلام قبول کرنے کے بعد وہ کیا عمل کیا جس کے بارگاہ خداوندی میں قبول ہونے کی سب سے زیادہ امید ہو؟ اس لئے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے، بلالؓ نے عرض کیا کہ میرے نزدیک قبولیت کی امید والا اس سے زیادہ کوئی عمل نہیں کہ میں نے دن اور رات کے کسی حصہ میں جب بھی وضو کیا تو میں نے اس وضو سے وہ نماز نفل ادا کی جو میری تقدیر میں لکھی تھی۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے دو باتوں پر تنبیہ کرتے ہیں، اول یہ کہ رات دن میں طہارت کا اہتمام کرنا فضیلت کی چیز ہے، اور دوسرے تحیۃ الوضوء کے استحباب پر تنبیہ ہے، تحیۃ الوضوء بالاتفاق مستحب ہے۔

يَا بِلَالُ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ: اے بلال! مجھ سے وہ عمل بیان کرو جو تمہارے نزدیک اسلام میں سب سے زیادہ امید افزا ہو اس لئے کہ میں نے تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے جنت میں سنی ہے، حضرت بلالؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور تو کوئی عمل میرے نزدیک زیادہ امید افزا نہیں

ہے صرف یہ ہے کہ میں جب بھی کبھی وضوء کرتا ہوں رات و دن میں تو دو رکعت پڑھ لیتا ہوں، وضوء کرتا ہوں تو جتنا مقدر ہوتا ہے اتنا پڑھ لیتا ہوں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر سکوت کیا جو دلیل ہے اس بات کی کہ آپ نے ان کی تقریر فرمائی۔

باقی یہاں یہ سوال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے حضرت بلالؓ کیسے ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو خواب کا واقعہ ہے اور خواب کی چیزیں تمثیل ہوا کرتی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ بیداری میں بھی ہوتا تو بلال کا تقدم ایسا ہی ہوتا جیسے خادم کا تقدم مخدوم کے آگے ہوا کرتا ہے، اور یہ جو میں نے کہا کہ خواب تمثیل ہوتا ہے اس تمثیل سے مراد صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت بلالؓ کا یہ عمل اللہ کے یہاں مقبولیت کی دلیل اور جنت میں بہت آگے بڑھنے کی علامت ہے، باقی اس سے یہ نہیں نکلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ پیچھے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی وجہ سے پیچھے ہوں تو بلالؓ کا آپ سے درجہ میں بڑھ جانا لازم نہیں آئے گا، مثال کے طور پر یہ سمجھئے کہ دار الحدیث میں سبق ہو رہا ہو اور طلبہ پہلے آکر بیٹھ جائیں استاذ بعد میں آکر بیٹھے تو اس سے طلبہ کا سبقِ زمانی ثابت ہوتا ہے باقی ان کی فضیلت اور ان کا تقدم وغیرہ کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا ہے۔

(ص ۱۵۴) بَاب مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّشْدِيدِ فِي الْعِبَادَةِ

۱۱۵۰. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَقَالَ: مَا هَذَا الْحَبْلُ؟ قَالُوا: هَذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا، حُلُّوهُ، لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ.

۱۱۵۱. وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَتْ عِنْدِي امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قُلْتُ: فُلَانَةُ لَا تَنَامُ بِاللَّيْلِ، فَذُكِرَ مِنْ صَلَاتِهَا فَقَالَ: مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ مِنَ الْأَعْمَالِ؛ فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا.

ترجمہ: باب، عبادت میں سختی اختیار کرنے کی کراہت کا بیان۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ دوستونوں کے درمیان رسی تنی ہوئی ہے، آپ نے پوچھا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المؤمنین زینبؓ کی رسی ہے جب وہ نماز میں تھک جاتی ہیں تو اس کو پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہیں، پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں اس رسی کو کھول دو، تم میں سے کسی بھی شخص کو اپنی نشاط کے بقدر نماز پڑھنی چاہئے پھر جب وہ تھک جائے تو اس کو بیٹھ جانا چاہئے۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب أحب الدین إلی اللہ أدومہ میں گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اب تک جو ابواب بیان کئے تھے قدر مشترک ان کا مقصود ترغیب فی اداء صلوۃ اللیل وفی اداء الطاعات تھا لہٰذا اب امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ بالکل مسلم امر ہے کہ قیام لیل مرغب فیہ عبادت ہے اور طاعات ونوافل کا اہتمام کرنا بڑی فضیلت کی چیز ہے، لیکن انسان کو ان کی ادائیگی میں اعتدال اختیار کرنا چاہئے تشدید سے اجتناب کرنا چاہئے اس لئے کہ جب آدمی اپنے نفس پر بہت زیادہ زور ڈالتا ہے تو وہ اکتا کر اس عبادت ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے، اس لئے مصنف نے یہ بتلا دیا کہ تشدید فی العبادۃ مکروہ ہے کہ بعض وقت یہ ترک عبادت کا سبب بن جاتی ہے۔

مَهْ: چھوڑو، عَلَيكُم بِمَا تُطِيقُونَ مِنَ الْأَعْمَالِ جن اعمال کی تم طاقت رکھتے ہو اس کو لازم پکڑو، فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا حق تعالیٰ کی طرف سے ثواب اس وقت تک منقطع نہیں ہوتا جب تک آدمی طاعات کو ملول اور اکتاہٹ کی وجہ سے چھوڑ نہ دے۔

(ص ۱۵۴) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ تَرْكِ قِيَامِ اللَّيْلِ لِمَنْ كَانَ يَقُومُهُ

۱۱۵۲۔ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْحُسَيْنِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ (ح) وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا عَبْدَ اللهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ.

وَقَالَ هِشَامٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْعِشْرِينَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بهذا مِثْلَهُ. وَتَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ.

ترجمہ: باب، جو شخص قیام لیل کا پابند ہو اس کے قیام لیل کو ترک کر دینے کی کراہت کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ ہونا کہ پہلے وہ رات کے وقت اٹھا کرتا تھا پھر اس نے قیام کو چھوڑ دیا۔

ہشام بن عمار نے اپنی سند سے بعینہ یہی روایت بیان کی جس میں یحیٰ اور ابو سلمہ کے درمیان عمر بن الحکم بن ثوبان کے نام کا اضافہ ہے، عمرو بن سلمہ نے اوزاعی سے روایت کرنے میں ابن ابی العشرین کی متابعت کی ہے۔

تشریح: چونکہ تشدید فی العبادۃ سبب بن جایا کرتی ہے طاعات کے چھوڑ دینے کا اس لئے تشدید فی العبادۃ ہے مکروہ، اسلئے کہ اگر کوئی آدمی قیام لیل کا عادی ہو اور وہ اس کو چھوڑ دے تو عادت بنالینے کے بعد اس کا چھوڑ دینا امر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ چھوٹتا اسی شخص سے ہے جو اپنے نفس پر بہت زیادہ بوجھ ڈالتا ہے، اور جو نفس کی کچھ رعایت کر کے چلتا ہے وہ آہستہ آہستہ اعمال پر مداومت کرتا رہتا ہے۔

رہی یہ بات کہ قیام اللیل شروع کر کے چھوڑ دینا مکروہ کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعراض کی شکل ہے، ایک تو یہ ہے کہ آدمی کسی سے تعلق ہی نہ رکھے تو کوئی بات نہیں لیکن رکھنے کے بعد چھوڑ دینا اعراض کی شکل ہے اور یہ ناگوار ہوتی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مصنف کا اس ترجمہ کو ترجمۂ گزشتہ کے بعد لانا نہایت ہی لطیف اور جمیل امر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ملازمتِ عبادت میں آدمی کو اہتمام کرنا چاہئے لیکن ایسا طریق اختیار کرے جس سے یہ ملازمت ترک نہ ہو اور وہ طریق یہ ہے کہ تشدید سے اجتناب کیا جائے، کیوں کہ تشدید ترک کی طرف مفضی ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْحُسَيْنِ: یہ حدیث منتقدات میں سے ہے، امام دار قطنی وغیرہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے، اوزاعی کہتے ہیں عَنْ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، لیکن یہی روایت اوزاعی کے ایک دوسرے شاگرد ابن ابی العشرین نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ. یحیٰ بن ابی کثیر اور ابو سلمہ کے بیچ میں عمر بن الحکم بن ثوبان کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ طریق اول متصل ہے اس لئے کہ یحیٰ بن ابی کثیر اگرچہ مدلس ہیں لیکن انہوں نے اپنے سماع کی تصریح کی ہے۔

(ص ۱۵۴) بَاب

۱۱۵۳. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ؟ قُلْتُ: إِنِّي أَفْعَلُ ذَلِكَ، قَالَ: فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ وَإِنَّ لِنَفْسِكَ حَقٌّ وَلأَهْلِكَ حَقٌّ فَصُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ.

ترجمہ: باب، (بلاترجمہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ تم پوری رات نماز پڑھتے ہو اور دن میں روزہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ بے شک میں یہی کرتا ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری آنکھ بیٹھ جائے گی اور تمہاری جان ناتواں ہو جائے گی، اور یہ کہ بے شک تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل کا بھی تم پر حق ہے اسلئے روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو اور رات کو قیام بھی کرو اور سونے کا بھی اہتمام کرو۔

تشریح: یہ باب بلاترجمہ ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب سے طریقہ معتدلہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس کے اختیار کرنے کے بعد آدمی ترکِ عبادت سے محفوظ ہو جاتا ہے، یا امام بخاری نے ترجمہ سابقہ کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی ترکِ قیام لیل اسی شخص سے متحقق ہوتا ہے جو عبادت میں اکثار اور مبالغہ کرتا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب بلاترجمہ سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے جو متن اس باب میں آرہا ہے وہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو باب گزشتہ میں گزر چکی ہے۔

هَجَمَتْ عَيْنُكَ: تیری آنکھ دھنس جائے گی یا کمزور پڑ جائے گی۔

وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ: اور تمہارا نفس عاجز آجائے گا یا تھک جائے گا۔

(ص ۱۵۵) بَاب فَضْلِ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى

۱۱۵٤. حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ - هُوَ ابْنُ مُسْلِمٍ - قَالَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ قَالَ: حَدَّثَنِي جُنَادَةُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَادَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَعَارَّ

مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي أَوْ دَعَا اسْتُجِيبَ، فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قُبِلَتْ صَلاَتُهُ.

١١٥٥. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ وَهُوَ يَقُصُّ فِي قَصَصِهِ وَهُوَ يَذْكُرُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: إِنَّ أَخًا لَكُمْ لاَ يَقُولُ الرَّفَثَ يَعْنِي بِذَلِكَ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ:

وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ ... إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ
أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا ... بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ ... إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ، وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدٍ وَالأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

١١٥٦. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّ بِيَدِي قِطْعَةَ إِسْتَبْرَقٍ فَكَأَنِّي لاَ أُرِيدُ مَكَانًا مِنَ الْجَنَّةِ إِلاَّ طَارَتْ إِلَيْهِ، وَرَأَيْتُ كَأَنَّ اثْنَيْنِ أَتَيَانِي أَرَادَا أَنْ يَذْهَبَا بِي إِلَى النَّارِ فَتَلَقَّاهُمَا مَلَكٌ فَقَالَ: لَمْ تُرَعْ خَلِّيَا عَنْهُ.

١١٥٧. فَقَصَّتْ حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِحْدَى رُؤْيَايَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ. فَكَانَ عَبْدُ اللهِ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ.

١١٥٨. وَكَانُوا لاَ يَزَالُونَ يَقُصُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الرُّؤْيَا أَنَّهَا فِي اللَّيْلَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَتْ فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيَهَا فَلْيَتَحَرَّهَا مِنَ الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کی فضیلت کے بیان میں جو رات کو ذکر کرتا ہوا بیدار ہو اور نماز پڑھے۔

حضرت عبادہؓ سے روایت ہے کہ جو رات کو ذکر کرتا ہوا بیدار ہو اور یہ دعا پڑھے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، پھر وہ یہ کہے کہ

اے اللہ میری مغفرت کر دے یا کوئی دعا مانگے تو اس کی دعا قبول ہوگی پھر اگر وہ وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو نماز قبول کی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اور وہ لوگوں کے درمیان بیان کر رہے تھے اور وہ اس بیان میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر کر رہے تھے کہ تمہارے بھائی عبد اللہ بن رواحہؓ نے غلط نہیں کہا، یا بیہودہ مضمون بیان نہیں کیا، ان کے اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمارے درمیان اللہ کے رسول ﷺ ہیں جب صبح کی روشنی کی پو پھٹ کر بلند ہوتی ہے تو اللہ کی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں، انہوں نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا چنانچہ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے بے شک ہونے والا ہے، وہ اپنے پہلو کو بستر سے الگ رکھتے ہوئے رات گزارتے ہیں جب کہ کافروں کے وجود سے ان کی خواب گاہیں بوجھل ہوتی ہیں۔

عقیل بن خالد نے زہری سے روایت کرنے میں یونس بن یزید کی متابعت کی ہے، اور زبیدی نے کہا کہ مجھ سے ابن شہاب نے بیان کیا کہ سعید بن المسیب اور اعرج نے ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ خواب دیکھا کہ جیسے میرے ہاتھ میں موٹے ریشم کا ایک ٹکڑا ہے پھر یہ کہ جنت میں جس جگہ جانے کا ارادہ کرتا ہوں تو وہ ٹکڑا مجھے وہیں اڑا کر لے جاتا ہے، اور میں نے دیکھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے جہنم میں لے جانے کا ارادہ کیا پھر ان کے سامنے ایک فرشتہ آگیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تم مت ڈرو اور ان دونوں سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو، پھر حفصہؓ نے میرا یہ خواب حضور ﷺ سے بیان فرمایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عبد اللہ بہت اچھا انسان ہے اگر رات کو نماز پڑھنے کا اہتمام کر لے، پھر عبد اللہ بن عمرؓ اس کے بعد رات کو نماز پڑھنے لگے، اور صحابۂ کرام برابر حضور ﷺ سے اپنے خوابوں کو بیان کرتے تھے کہ شب قدر آخری عشرہ کی ستائیسویں میں ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم سب کے سچے خواب، شب قدر کے آخری عشرہ میں ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں تو تم میں سے جو شخص شب قدر کا تلاش کرنے والا ہو تو وہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرے۔

تشریح: تَعارَّ فعل ماضی ہے تعارُر سے، تعارر کے مختلف معانی ہیں، انتباہ، تمطّی، سہر، تقلّب علی الفراش، یقظہ مع الصوت۔

امام بخاری کے ترجمہ سے بظاہر اول معنی ارجح معلوم ہوتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی رات میں بیدار ہو اور نماز پڑھے تو اس کے لئے بڑی فضیلت ہے۔ لیکن روایت کو سامنے رکھتے ہوئے معنیٔ اخیر کا رجحان سمجھ میں آتا ہے یعنی اگر کوئی آدمی ایسی آواز کے ساتھ جس آواز میں ذکر اللہ شامل ہو اور پھر نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے بڑی فضیلت ہے، اور اس میں کوئی استعجاب نہیں کہ امام بخاری نے یہی معنی مراد لئے ہوں یعنی تعارر سے صرف انتباہ کے معنی مراد نہیں لئے بلکہ یقظہ مع الصوت کے معنی مراد لئے ہیں۔

مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ: جو آدمی رات میں آواز کے ساتھ بیدار ہوتا ہے اور وہ آواز کس بات کی ہوتی ہے اس کلمہ کی ہوتی ہے جو آگے آرہا ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الخ، مطلب یہ ہے کہ مستیقظ کی زبان سے جو آواز اول اول نکلتی ہے وہ یہ آواز ہوتی ہے تو اس کے لئے وہ فضیلت ہے جو حدیث پاک میں وارد ہوئی ہے کہ اگر وہ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي کہے یا کوئی اور دعاء کرے تو وہ مقبول ہوتی ہے اور اگر وضوء کرکے نماز پڑھے تو مقبول ہوتی ہے، یہ اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو ذکر کا خوگر بنادیا ہو اور یہ ذکر اس کا حدیثِ نفس بن چکا ہو کہ بیدار ہونے کے بعد ایک دم اسی کا خیال اور دھیان آئے وماذلک علی اللہ بعزیز۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ: یہاں نسخہ ہے الحمدللہ وسبحان اللہ، کریمہ کے نسخہ میں اس کے آگے اضافہ ہے وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، تہلیل کی زیادتی اسماعیلی، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں بھی واقع ہوئی ہے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ: نسائی، ابن ماجہ اور ابن السنی کی روایت میں ہے العلی العظیم اور مسلم کی ایک روایت میں ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ، صاحب مشکوۃ نے مشکوۃ کے خطبہ کو اسی پر ختم کیا ہے، شارحین مشکوۃ فرماتے ہیں کیوں کہ حدیث میں یہی لفظ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ اس لئے صاحب مشکوۃ نے اس کو لفظ مشہور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ پر ترجیح دی ہے، یہ جو واقعہ ہے کہ صحیحین کی روایت میں العلی العظیم وارد نہیں ہاں امام مسلم کی روایت میں العزیز الحکیم وارد ہوا ہے مگر العلی العظیم کا لفظ متعدد روایات میں ثابت ہے اس لئے بہر حال یہ لفظ اس کلمہ کے ساتھ ثابت ہے۔

فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ: مطلب یہ ہے کہ اس وقت میں قبولیت کا زیادہ امکان ہے اور اس کی زیادہ توقع ہے اور اسی حیثیت سے اس نماز کی فضیلت ثابت ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ اس میں قبولیت کی تصریح ہے اس لحاظ سے فضیلت ثابت ہوئی۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: لیث بن سعد سے یہ روایت عبداللہ بن صالح ان کے خادم بھی نقل کرتے ہیں، عبداللہ بن صالح کی روایت امام بخاری نے تاریخ کبیر میں تخریج فرمائی ہے۔

أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ وَهُوَ يَقُصُّ فِي قَصَصِهِ وَهُوَ يَذْكُرُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یعنی حضرت

ابوہریرہؓ واقعات بیان کر رہے تھے اور رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ کر رہے تھے۔

إِنَّ أَخًا لَكُمْ لَا يَقُولُ الرَّفَثَ: تمہارے بھائی لغوبات نہیں کہتے ہیں، یہ حدیث یعقوب بن سفیان نے اپنی تفسیر میں تخریج فرمائی جس کے الفاظ ہیں لایقول الزور غلط بات نہیں کہتے ہیں۔

آیا یہ جملہ مرفوع ہے یا موقوف؟ ابن بطال کی رائے یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے، حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ موقوف ہے اور ابوہریرہؓ کا قول ہے۔

يَعْنِي بِذَلِكَ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ: یہ مقولہ ہے ہیثم کا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ زہری کا مقولہ ہو اور مطلب یہ ہے کہ اخ کا مصداق جو رفث نہیں کہتے ہیں وہ عبداللہ بن رواحہؓ ہیں، وہ اشعار کہتے ہیں لیکن لغویات سے پاک ہوتے ہیں غلط بیانی سے خالی ہوتے ہیں، پھر آگے ان کے بعض اشعار نقل کئے۔

وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ
أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

وَفِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ: دارقطنی میں ہے أتانا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ۔

ترجمہ یہ ہے: ہمارے اندر اللہ کے رسول آئے جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، جب کھلی ہوئی چمکدار فجر نمودار ہوتی ہے،

ہم کو انہوں نے ہدایت دکھلائی ضلالت کے اندھے پن کے بعد، اور ہمارے قلوب اس پر یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ واقع ہوگا۔

وہ رات گزارتے ہیں اس حال میں کہ اپنے پہلو کو اپنے بستر سے دور رکھتے ہیں جبکہ مشرکین کی خوابگاہیں نیند سے بوجھل ہو جاتی ہیں۔

ان اشعار کا ایک عجیب وغریب قصہ امام دارقطنی نے نقل کیا ہے جو ابن رواحہ کو ان کی بیوی کے ساتھ پیش آیا، صورت یہ ہوئی کہ عبداللہ بن رواحہؓ اپنی بیوی کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے گھر کے ایک گوشے میں ایک باندی بھی لیٹی ہوئی تھی، جب بیوی لیٹ گئی تو یہ چپکے سے اٹھے اور باندی سے جاکر جماع کیا، ادھر ان کی بیوی بیدار

ہو گئی اور جب میاں کو اپنے پاس نہیں پایا تو فوراً اس کو بدگمانی ہوئی اور وہ یہ سمجھی کہ عبد اللہ بن رواحہ اپنی باندی کے پاس تشریف لے گئے ہیں چھرا لیکر اٹھی اور وہ ادھر سے فارغ ہو کر آرہے تھے، پوچھا مَهْيَم؟ بیوی نے کہا مهيم؟ لو وجدتک تلک الحال لو جأت هذا في جنبيک اگر میں تم کو اس حالت میں دیکھ لیتی تو یہ چھرا تمہارے کوکھ میں گھونپ دیتی، کہنے لگے کہ ایسا تو ہوا ہی نہیں، عبد اللہ بن رواحہ کی بیوی نے کہا اچھا قرآن پڑھو، انہوں نے فرمایا ؎

وَفِيـنَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَـهُ ... إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

أَرَانَا الْهُدَى بَعْـدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا ... بِهِ مُـوقِنَـاتٌ أَنَّ مَا قَـالَ وَاقِـعُ

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبُهُ عَنْ فِرَاشِهِ ... إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِـعُ

کہنے لگی كذبتُ عيني میں اپنی آنکھوں کی تکذیب کرتی ہوں و صدقتَ اور آپ سچ کہتے ہیں، اس کے بعد جب صبح کو آئے تو رسول پاک ﷺ سے صورت حال ذکر کی حضور پاک ﷺ اس پر اتنا ہنس پڑے کہ نواجذ شریفہ نمودار ہو گئے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

امام بخاری نے اس روایت سے اپنا مدعا کیسے ثابت کیا؟ اس لئے کہ ترجمہ میں تعارر مع الصلوۃ کا ذکر کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشعار میں آخری شعر ہے

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبُهُ عَنْ فِرَاشِهِ ... إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

حضور اکرم ﷺ کا معمول مبارک یہ ہے کہ جب مشرکین کی خوابگاہیں ان کی نیند کی وجہ سے بوجھل ہوتی ہیں تو آپ اپنی خواب گاہ سے الگ اللہ کی طاعات میں مشغول ہوتے ہیں، اگر اس وقت کی یہ بیداری اور طاعات میں مشغول ہونا اور نماز میں مصروف ہونا فضیلت والا عمل نہ ہوتا تو آنحضور ﷺ اپنے نفس کو مشقت میں کیوں ڈالتے اور بیداری کی تکلیف کیوں برداشت فرماتے؟

كَأَنَّ بِيَدِي قِطْعَةَ إِسْتَبْرَقٍ: خواب دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ جنت میں کسی طرف جانا چاہتے تو یہ ریشمی ٹکڑا ان کو لیکر اڑ جاتا ہے، اور دوسرا خواب یہ دیکھا کہ دو آدمی آئے اور مجھ کو جہنم کی طرف لے جانے لگے یہ دونوں خوابات الگ الگ ہیں راوی نے دونوں کو یکجا جمع کر دیا، یا یہ کہ ابن عمرؓ نے اپنے دو وقتوں کے دو خوابوں کو ایک ساتھ بیان فرما دیا یہی دوسرا احتمال ظاہر ہے بلکہ صحیح ہے اس لئے کہ آگے

آرہا ہے فَقَصَّتْ حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِحْدَى رُؤْيَايَ میرے ایک خواب کا قصہ بیان کر دیا اور وہ دوسرا خواب تھا۔

نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ: حضور ﷺ نے ان کے ذو الفضیلۃ ہونے کے لئے ایک شرط بیان کی اور وہ ہے لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ اللیل بڑی فضیلت والی چیز ہے مگر یہ چیز غور طلب ہے کہ آیا اس روایت سے تعارر کے بعد صلوٰۃ کی فضیلت کیسے ثابت ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام عادت یہی ہے کہ آدمی پہلے سوتا ہے اور اس کے بعد بیدار ہوتا ہے اور بیدار ہونے کے بعد ہی نماز پڑھتا ہے اور اس نماز کے متعلق یہ فرمایا جارہا ہے لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَنِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ، اس سے معلوم ہوا کہ آخر لیل میں بیدار ہونے کے بعد نماز پڑھنا فضیلت کی بات ہے۔

یہ جو میں نے لفظ نقل کیا ہے لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَنِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ صرف تعبیر بالمعنی کے طور پر ہے کوئی آدمی یہ نہ کہنے لگے کہ یہ تو حدیث کا لفظ نہیں ہے۔

قَدْ تَوَاطَأَتْ: أی قد توافقت۔

(ص ۱۵۵) بَابُ الْمُدَاوَمَةِ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

۱۱۵۹. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ هُوَ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ وَرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا وَرَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءَيْنِ وَلَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا أَبَدًا.

ترجمہ: باب، فجر کی دو سنتوں پر ہمیشگی کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب أذان بعد الفجر میں گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری صلوٰۃ تہجد کے بیان سے فارغ ہو گئے، اور چونکہ صلوٰۃ اللیل اور تہجد کے بعد ہی فجر کی سنتیں پڑھی جاتی ہیں لہذا مصنف نے سنت فجر کے تراجم کو اس کے بعد منعقد فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں کہ رکعتی الفجر پر مداومت کرنا چاہئے تمام سنن میں سب سے زیادہ آکد السنن یہی فجر کی دونوں

سنتیں ہیں، وتر کی رکعات تو مختلف فیہا ہیں کہ وہ واجب ہیں یا سنت، ایک جماعت ان کو واجب کہتی ہے لہذا اس کا اس سے تعلق نہیں اور جو لوگ سنن کہتے ہیں وہ اس کو سب سے زیادہ آکد قرار دیتے ہیں اور پھر سنت فجر کو آکد قرار دیتے ہیں، مالکیہ کہتے ہیں کہ سنت فجر کے علاوہ کوئی اور سنت رغیبہ نہیں ہے، ان کے یہاں رواتب نہیں رغائب ہیں اور رغیبہ بھی صرف سنت فجر ہے۔

ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ وَرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا: اس حدیث پاک میں آٹھ رکعتوں کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنے کا تذکرہ ہے اس میں وتر کا کوئی ذکر نہیں، یہی حدیث امام احمد، مسلم اور نسائی نے تخریج کی ہے اس میں آٹھ رکعت کے بعد وتر پڑھنے کا اور پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ دو رکعت مراد ہیں جو آپ وتر کے بعد پڑھتے تھے۔

وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا کیسا ہے؟ امام مالک سے کراہت منقول ہے، امام احمد اباحت کے قائل ہیں اور ابوالحسن آمدی جو حنابلہ میں سے ہیں اس کو مؤکد قرار دیتے ہیں لیکن علامہ موفق وغیرہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا ہے، امام نووی ان دو رکعتوں کو بیان اباحت پر محمول فرماتے ہیں، حنفیہ کے قدماء کے یہاں تو اس کی کوئی تصریح مجھے معلوم نہیں ہے البتہ حضرت اقدس قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مالابد منہ میں لکھا ہے: وبعد وتر دو رکعت نشستہ خواندن سنت است یا مستحب است، حضور ﷺ کا وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا حضرت عائشہؓ کی روایت میں مسلم میں اور حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں ابن ماجہ میں وارد ہوا ہے، اس کے علاوہ بھی اور کئی روایتیں اس مضمون میں وارد ہوئی ہیں اگرچہ ان کی اسانید میں کلام ہے، امام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ حافظ ابن قیم کی رائے یہ ہے کہ وتر کے بعد کی دونوں رکعتیں بمنزلہ سنتِ مغرب کے ہیں نمازِ مغرب کے لئے۔

(ص ۱۵۵) بَابُ الضِّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

۱۱۶۰ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ.

ترجمہ: باب، فجر کی سنتوں کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹ جانے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تھے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جانا چاہئے۔

اضطجاع کا حکم کیا ہے؟ (۱) امام شافعی کہتے ہیں کہ سنت ہے، (۲) امام احمد فرماتے ہیں کہ مستحب ہے۔

علامہ شوکانی نے دونوں قولوں کو ایک قول قرار دیا ہے، غالبًا اس کا منشاء یہ ہے کہ امام شافعی چونکہ سنت مؤکدہ قرار دیتے ہی نہیں لہذا یہ انکے نزدیک مستحب ہی کے درجہ میں ہے۔

(۳) امام مالک فرماتے ہیں بدعت ہے، قاضی عیاض نے یہی قول جمہور علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۴) متاخرینِ احناف ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی رات کا قیام کرتا ہو تو اس کے حق میں مستحب ہے ورنہ مستحب نہیں، قاضی ابو بکر بن عربی کا یہی خیال ہے اور حضرت گنگوہی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے ملا علی قاری کا ایک طویل کلام نقل کر کے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا اپنے مکان میں سنت فجر کے بعد استراحت کی نیت سے اضطجاع فرمانا تشریع کیلئے نہیں تھا، ہاں اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبحِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى يَمِينِهِ، رواہ أبو داود والترمذی بإسناد حسن ثابت مان لی جائے تو پھر اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ مکان میں اضطجاع مستحب ہے جمعًا بین الأدلۃ، اگرچہ امام ترمذی نے اس کی تحسین و تصحیح فرمائی ہے اور امام نووی اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجر اس کو قابل احتجاج تسلیم کرتے ہیں لیکن علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ رفع باطل اور غلط ہے، عبد الواحد بن زیاد کو اس میں غلطی واقع ہوگئی اصل یہ ہے کہ یہ روایت فعلی تھی اس کو انہوں نے قولی کر کے پیش کر دیا۔

(۵) ابو محمد ابن حزم ظاہری ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ اضطجاع واجب ہے اور فریضۂ صبح کے لئے شرط ہے اگر کوئی نہیں لیٹے گا تو اس صورت میں اس کا فرض صحیح نہیں، اور بائیں طرف لیٹنا بھی جائز نہیں اگر موقع نہ ہو تو دائیں طرف اشارہ ہی کر لینا بہتر ہے۔

(۶) بعض علماء فرماتے ہیں کہ مکان میں مستحب ہے ویروی ذلک عن ابن عمر۔

(۷) حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔

إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ: قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس اضطجاع

کے محل میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں وتر کے بعد اضطجاع ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں اختلاف ہے کہ بعد الوتر ہے یا بعد رکعتی الفجر، آپ ہی فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی روایت اس بات کی دلیل ہے کہ اضطجاع بعد الوتر ہوتا تھا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد حضرت عائشہؓ کی روایت میں اضطجاع کا تذکرہ شاذ ہے صحیح یہ ہے کہ آنحضور ﷺ سنت فجر کے بعد اضطجاع فرماتے تھے۔

(س ۱۵۵) بَاب مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَضْطَجِعْ

١١٦١ . حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِلاَّ اضْطَجَعَ حَتَّى يُؤْذَنَ بِالصَّلاَةِ.

ترجمہ: باب، فجر کی سنتوں کے بعد بات چیت کے جواز اور نہ لیٹنے کے جواز کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب إذا صلّی قاعدًا ثم صح میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اضطجاع مسنون ہے واجب نہیں ہے اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ نے اس پر مداومت نہیں کی بلکہ اگر حضرت عائشہؓ بیدار ہوتی تو آپ ان سے بات چیت فرماتے۔

(ص ۱۵۵) بَاب مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى

قال محمد: ويذكر ذلك عن عمار وأبي ذر وأنس وجابر بن زيد وعكرمة والزهري. وقال يحيى بن سعيد الأنصاري: ما أدركت فقهاء أرضنا إلا يسلمون في كل اثنتين من النهار.

١١٦٢ . حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ: إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ

وَلاَ أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي، قَالَ: وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ.

١١٦٣ . حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ بْنَ رِبْعِيٍّ الأَنْصَارِيَّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ.

١١٦٤ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ.

١١٦٥ . حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ.

١١٦٦ . حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ: قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ أَوْ قَدْ خَرَجَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ.

١١٦٧ . حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمَكِّيُّ قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ: أُتِيَ ابْنُ عُمَرَ فِي مَنْزِلِهِ فَقِيلَ لَهُ: هَذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ دَخَلَ الْكَعْبَةَ قَالَ: فَأَقْبَلْتُ فَأَجِدُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ خَرَجَ وَأَجِدُ بِلاَلاً عِنْدَ الْبَابِ قَائِمًا فَقُلْتُ: يَا بِلاَلُ أَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْكَعْبَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: فَأَيْنَ؟ قَالَ: بَيْنَ هَاتَيْنِ الأُسْطُوَانَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ.

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَوْصَانِي النَّبِيُّ ﷺ بِرَكْعَتَيِ الضُّحَى.

وَقَالَ عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ: غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بَعْدَ مَا امْتَدَّ النَّهَارُ وَصَفَفْنَا

وَرَاءَهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: باب، نفل نمازوں کے دو دو ہونے کا بیان۔

امام بخاری نے کہا کہ یہی بات حضرت عمارؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت انسؓ، حضرت جابر بن زیدؒ، حضرت عکرمہ اور ابن شہاب زہری سے منقول ہے اور یحیٰ بن سعید انصاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی سرزمین کے فقہاء کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ وہ دن کی نفلوں میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تمام کاموں میں استخارہ کا طریقہ (یعنی نماز اور دعا) اسی طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی انسان جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو وہ فریضہ کے علاوہ دو رکعت نفل نماز پڑھے پھر یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ الخ۔

(بقیہ روایات کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ نوافل دو دو رکعت پڑھنا چاہئے۔

یہ مسئلہ میں دو جگہ بیان کر چکا ہوں ایک ابواب وتر میں اور ایک اس سے پہلے بَابُ الْحِلَقِ وَالْجُلُوسِ فِي الْمَسْجِدِ کے ذیل میں جہاں سب سے پہلے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى آئی ہے۔

اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، (۱) امام مالک فرماتے ہیں کہ بس صرف دو دو رکعت جائز ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ، (۲) امام احمد فرماتے ہیں کہ رات میں دو رکعت پر اضافہ جائز نہیں اور دن میں افضل دو رکعت ہیں اور دو کی جگہ اگر چار پڑھ لی جائے تو جائز ہے، (۳) امام شافعی فرماتے ہیں کہ رات و دن دونوں کے اندر دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے، (۴) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ رات و دن میں چار چار رکعت افضل ہے، (۵) صاحبین فرماتے ہیں کہ رات میں دو دو رکعت اور دن میں چار چار رکعت ہیں۔

امام بخاری دو دو رکعت کے قائل ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری امام مالک کی طرح سے دو رکعت کو حتمی قرار دیتے ہیں اور کمی اور اضافہ کو ناجائز کہتے ہیں، یا یہ کہ ان کے نزدیک دو دو رکعت افضل ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے، بہرحال امام بخاری نے اس باب میں متعدد روایات ذکر کی ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نوافل مطلقہ میں دو دو رکعتیں مطلوب ہیں اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب بھی نفل پڑھی تو دو رکعت پڑھی، معلوم ہوا کہ نفل دو رکعت ہوا کرتی ہے۔

لیکن جو حضرات چار رکعت کی افضلیت کے قائل ہیں وہ چار رکعت والی روایات رَحِمَ اللهُ امرءًا صَلّٰی أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ اور مَنْ كَانَ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا اور اسی طرح سے أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وغیرہ روایات سے استدلال کرتے ہیں، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث ابھی قریب میں گزری ہے يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، اور جن روایات میں دو رکعت پر اکتفاء وارد ہوا ہے اس کو یہ حضرات درجۂ اقل پر محمول کرتے ہیں۔

لیکن اس پر ایک اشکال ہے کہ جب چار رکعت افضل ہیں تو شارع علیہ الصلوۃ والسلام جو سب سے زیادہ مسارعت الی الخیر کرنے والے ہیں انہوں نے چار رکعت پر عمل کیوں نہیں کیا؟ افضل کو چھوڑ کر آپ نے اقل درجہ کیوں اختیار کیا؟ جہاں دیکھو دو رکعت، جہاں دیکھو دو رکعت، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے امت کی سہولت کے لئے ایسا کیا ہو گا والعلم عند اللہ سبحانہ۔

صاحبین کا قول ہمارے بہت سے علماء نے اختیار کیا ہے اس لئے کہ دن میں چار رکعت والی روایات بہت سی ہیں اور دو رکعت والی بھی ہیں لیکن چار رکعت والی روایات کو دو رکعت والی پر اس لئے ترجیح ہے کہ چار میں مشقت زیادہ ہوتی ہے لہذا ثواب زیادہ ہو گا، اور رات میں صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى والی روایت کی وجہ سے دو رکعت کو افضل سمجھا گیا ہے، اور سنن کی روایات میں جو صلوۃ النہار کا اضافہ وارد ہوا ہے محدثین میں سے اگرچہ ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ اس کو صحیح مانتے ہیں لیکن امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور بزار وغیرہ اس کو وہم قرار دیتے ہیں اور بظاہر کسی راوی علی ازدی کو وہم ہوا ہے۔

تنبیہ! امام بخاری نے رکعتی الفجر کے متعلق چھ تراجم منعقد کئے ہیں ان میں سے تین تراجم گزر چکے ہیں اور تین تراجم آگے آرہے ہیں بیچ میں یہ ترجمہ ہمارے اور آپ کے نسخہ میں بَاب مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى کا آگیا ہے اور اسی طرح سے اکثر نسخ بخاری میں واقع ہوا ہے، لیکن بعض نسخوں میں رکعتی الفجر کے تراجم ستہ موصولاً و متصلاً ذکر کئے گئے ہیں اور یہ ترجمہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے، علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ بے ترتیبی بعض رواۃ کی طرف سے ہوئی ہے، حافظ ابن حجر نے بھی بخاری کے ان نسخ کی تصویب کی ہے جس میں یہ ترجمہ سنت فجر کے تراجم ستہ کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔

وقال محمد: اس سے مراد حضرت امام بخاری ہیں۔

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدِ الْأَنْصَارِيُّ: امام بخاری بہت لطیف دماغ رکھتے ہیں اور بہت لطیف آدمی ہیں، رات کے سلسلہ میں تو امام بخاری کو کچھ کرنا نہیں ہے صاف صاف روایت ہے صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى دن ہی کا مسئلہ تھا اس لئے دن کے مسئلہ کے متعلق بہت سی مرفوع روایتیں نقل کر دیں کہ سرور عالم ﷺ نے دو دو رکعت پڑھی ہیں اور صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے آثار ذکر کر دیئے اور اخیر میں یحیٰ الانصاری کا قول نقل کر کے گویا حجت تام کر دی، فرماتے ہیں مَا أَدْرَكْتُ فُقَهَاءَ أَرْضِنَا إِلَّا يُسَلِّمُونَ فِي كُلِّ اثْنَتَيْنِ مِنَ النَّهَارِ ہمارے علاقہ کے فقہاء ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیا کرتے تھے۔

إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ: اگر کوئی آدمی کسی کام کا قصد کرے تو دو رکعت بطور نفل کے پڑھ لے اور پھر یہ دعاء پڑھے اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، یہ نماز صلوۃ استخارہ کہلاتی ہے، استخارہ کا تعلق امور واجبہ اور مستحبہ، امور محرمہ اور مکروہہ سے نہیں ہے اس لئے کہ واجبہ کا ادا کرنا واجب اور مندوبہ کا اتیان مستحب اور محرمات سے بچنا واجب اور مکروہات سے بچنا ضروری ہے تو اس کا تعلق امور مباحہ سے ہے، یہ مسئلہ مجمع علیہا ہے۔

فائدہ: صلوۃ استخارہ کے بعد سونا وغیرہ کچھ ضروری نہیں ہے، البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا استخارہ کر لینے کے بعد جو سمجھ میں آئے وہ کر لینا کافی ہے یا انشراح صدر کا انتظار کرنا پڑے گا؟ علامہ تاج الدین سبکی نے علامہ کمال الدین بن زملکانی سے نقل کیا ہے کہ جب آدمی نے استخارہ کر لیا تو اس کے بعد جو بات سامنے آئے اسے کر لے چاہے انشراح صدر ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ حدیث پاک میں انشراح صدر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام بھی اسی بات کے قائل ہیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی اپنے مواعظ وملفوظات میں کہیں اسی کو اختیار فرمایا ہے، لیکن حضرت امام نووی نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے **يفعل ما ينشرح به صدره** جو دل میں منشرح طور پر آجائے اسی کام کو کرے۔

یہ استخارۂ استخارۂ مسنونہ ہے، اور ایک چھوٹا سا استخارۂ مسنونہ میرا سینکڑوں بار کا آزمودہ یہ ہے کہ آدمی جب کوئی کام کرنا چاہے اور اس میں تأمل وتردد ہو تو دل کے حضور کے ساتھ چند مرتبہ یہ دعاء پڑھ لے اللّٰهُمَّ خِرْ لِي

وَاخْتَرْلِي، ترمذی شریف میں روایت ہے أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا أَرَادَ أَمْرًا قَالَ اللّٰهُمَّ خِرْلِي وَاخْتَرْلِي، تجربہ یہ ہے کہ انجام کار وہی ہوتا ہے جو انجام کے لحاظ سے بہتر ہوتا ہے، ایک ضعیف حدیث میں ہے مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ جو آدمی استخارہ کرتا ہے وہ خیبت و خسران میں مبتلا نہیں ہوتا ہے اسلئے اس کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔

فَاقْدِرْهُ لِي: میرے لئے مقدر فرما، تقدیر ایک ازلی چیز ہے پھر بھی یہ کہا جارہا ہے فَاقْدِرْهُ لِي اس کو میرے لئے مقدر فرما، اس سے مراد اس کی تیسیر اور اس کے اسباب کی فراہمی ہے، علامہ شہاب الدین قرافی نے اپنی کتاب انوار البروق میں لکھا ہے یتعین أن یراد بالتقدیر ھاھنا التیسیر۔

قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ: قال کی ضمیر میں دو احتمال ہیں، یا حضرت جابرؓ کی طرف عائد ہے یا جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، يُسَمِّي حَاجَتَهُ یعنی ھذا الأمر کی جگہ وہ کام ذکر کردے ھذا السفر، ھذا العمل، یا ھذا الأمر کہتے ہوئے اس حاجت کا تصور کرلے، ان شاء اللہ تصور بھی کافی ہوگا۔

فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ: یہ تحیۃ المسجد ہے اسکے متعلق ابواب المسجد میں کلام گزر چکا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: یہ وہی دار انس والا قصہ ہے جو مصنف نے یہاں مختصر طور پر ذکر کیا۔

حَدَّثَنَا آدَمُ: اس حدیث پاک میں تحیۃ المسجد عند الخطبہ کا ذکر ہے ابواب جمعہ میں اس پر کلام ہو چکا۔

تنبیہ: یہ وہ حدیث ہے جس کے متعلق امام دار قطنی کی رائے یہ ہے کہ اس میں راوی کو وہم ہو گیا، میں نے ابواب جمعہ میں بتلایا تھا کہ امام دار قطنی نے صحیحین کی سو سے زیادہ روایات پر نقد کیا ہے لیکن عام طور پر ان کی تنقیدات کا تعلق اسانید سے ہے مگر یہ حدیث ایسی ہے کہ یہاں انہوں نے متن پر تنقید کی ہے، حاصل تنقید یہ ہے کہ اصل میں یہ واقعہ تھا لیکن راوی نے اس کو قول کی شکل میں اور قاعدہ کلیہ بنا کر پیش کر دیا۔

(ص ۱۵٦) بَابُ الْحَدِيثِ يَعْنِي بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

۱۱٦۸. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ أَبُو النَّضْرِ: حدثني عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِلَّا اضْطَجَعَ، قُلْتُ لِسُفْيَانَ: فَإِنَّ بَعْضَهُمْ يَرْوِيهِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، قَالَ سُفْيَانُ: هُوَ ذَاكَ.

ترجمہ: باب، فجر کی سنتوں کے بعد بات چیت کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب إذا صلّی قاعدًا ثم صح میں گزر چکا)۔

تشریح: سنت فجر کے بعد بات چیت کرنا کیسا ہے؟ جمہور علماء امام مالک، شافعی اور احمد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے کراہت نقل کی گئی ہے مگر اس کے ثبوت میں بعض علماء کو تأمل ہے ہاں ابراہیم نخعی سنت فجر کے بعد بات چیت کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور یہی ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ نے اختیار کیا ہے، امام محمد کتاب الاصل میں فرماتے ہیں قلت: یکرہ الکلام بعد انشقاق الفجر إلی أن یصلی الفجر إلا من خیر؟ قال: نعم یعنی میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ طلوع فجر کے بعد تا صلوۃ فجر سوائے خیر کے اور بات چیت کرنا کیا مکروہ ہے؟ تو امام اعظم نے فرمایا کہ ہاں مکروہ ہے، میرا خیال یہ ہے کہ حضرت امام اعظم نے اصل میں اس بات پر نظر کی ہے کہ یہ دعاء واستغفار کا وقت ہے تو اس وقت کو فضول کلام میں ضائع نہیں کرنا چاہئے اور رہا اگر ضرورت کی وجہ سے کلام کیا جائے تو اس کو امام صاحب منع نہیں کرسکتے ہیں، اب اگر امام بخاری نے فریق اول کی تائید کی ہے اور حضرت امام پر تردید کی ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ تردید امام کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ہے۔

قَالَ سُفْيَانُ هُوَ ذَاکَ: مطلب یہ ہے کہ یصلی رکعتین اور یصلی رکعتی الفجر دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

(ص ۱۵۶) بَاب تَعَاهُدِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَمَنْ سَمَّاهُمَا تَطَوُّعًا

۱۱۶۹. حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

ترجمہ: باب، فجر کی سنتوں کی حفاظت اور اہتمام کا بیان اور ان کے مستدل کا بیان جو انہیں نفل قرار دیتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی نفل کی اتنی حفاظت اور اتنا اہتمام نہ فرماتے جتنا فجر کی دو سنتوں کا فرماتے تھے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے سنت فجر کے حکم کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں تَعَاهُدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ سنت فجر کا اہتمام کرنا چاہئے اور آگے فرماتے ہیں وَمَنْ سَمَّاهُمَا تَطَوُّعًا یعنی اور جس نے اس کو تطوع کہا ہے سنت میں اس کی اصل موجود ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ سنت ہے باوجودیکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کا بڑا اہتمام اور التزام کیا لیکن پھر بھی ہے یہ تطوع۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سنت فجر سنت مؤکدہ ہے اور ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ واجب ہے، اور مرغینانی نے یہی امام ابو حنیفہ سے بھی نقل کیا ہے، جامع محبوبی میں لکھا ہے کہ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے نقل فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی بلاعذر بیٹھ کر سنت فجر ادا کرے گا تو سنت ادا نہیں ہوگی، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور کی تائید کی ہے اور ہمارا مشہور مسلک بھی یہی ہے البتہ ہمارے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ تمام سنتوں میں سب سے زیادہ آکد سنت سنتِ فجر ہے۔

لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ الخ: یہ ہے حنفیہ کے دعوی کی دلیل، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام نوافل میں سب سے زیادہ سنت فجر کا اہتمام فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ سنتِ فجر آکد السنن ہے۔

(ص ۱۵۶) بَاب مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

۱۱۷۰. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ.

۱۱۷۱. حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَمَّتِهِ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم (ح) وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى - هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ - عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى إِنِّي لَأَقُولُ هَلْ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ؟

ترجمہ: باب، فجر کی سنتوں میں کیا قرأت کی جائے؟

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے پھر جب صبح کی اذان سنتے تھے تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعتوں میں تخفیف کرتے تھے یہاں تک کہ میں یہ کہتی تھی کہ کیا آپ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی ہے؟

تشریح: رکعتین فجر میں کیا پڑھا جائے گا؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سنت فجر میں قرأت ہے یا نہیں؟ ابراہیم بن علیّہ اور ابو بکر بن کیسان الاصم اس میں قرأت کا انکار کرتے ہیں، اور جب انہوں نے فریضہ میں انکار کر دیا تو یہاں کیا سوال ہوتا ہے؟ جمہور علماء قرأت کے ہونے کے تو قائل ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے گا یا ضم سورت بھی کی جائے گی؟ امام مالک کے یہاں فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے گا اور یہی ان کے اصحاب کے یہاں مستحب ہے، جمہور فرماتے ہیں کہ ضم سورت بھی کرنا چاہئے، اور اس کے بعد اکثر حضرات کہتے ہیں کہ ان دونوں رکعتوں کی تخفیف مسنون ہے اور اصل میں یہی حنفیہ کا مسلک ہے لیکن اگر کسی آدمی کا رات کا وظیفہ چھوٹ گیا ہو مثلاً دو پارے رہ گئے ہیں یا ایک پارہ رہ گیا ہے تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ان پاروں کو سنت فجر میں پورا کر سکتا ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے قرأت کے منکرین کی تردید کی ہے اور جو روایت ذکر فرمائی ہے اس کے ذریعہ سے تخفیف کے قائلین کی تائید کی ہے، لیکن امام ابو بکر اسماعیلی نے امام بخاری پر یہ اعتراض فرمایا ہے کہ جو روایتیں ذکر کی ہیں ان کا تقاضہ یہ تھا کہ امام بخاری مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ کا ترجمہ منعقد کرنے کے بجائے باب التخفیف فی رکعتی الفجر کا ترجمہ منعقد فرماتے اس واسطے کہ باب کی روایتوں سے تخفیف ہی ثابت ہوتی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے قرأۃ فی الفجر کا اثبات کیا ہے، قسطلانی فرماتے ہیں کہ ما بیانِ صفت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کی صفت کیا ہوگی طویل پڑھی جائے گی یا قصیر؟ روایات باب نے بتلا دیا کہ قصیر پڑھی جائے گی۔

هَلْ قَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ: اس لفظ کی بناء پر مالکیہ یوں کہتے ہیں کہ بس صرف ام القرآن پر اکتفاء کرنا چاہئے اور یہی مستحب ہے ان کے اصحاب کے یہاں، جمہور فرماتے ہیں کہ اگرچہ حضور اکرم ﷺ اتنی ہلکی پھلکی نماز

پڑھتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کو باقی طویل نمازوں میں کے مقابل میں یہاں شبہ ہونے لگتا تھا کہ آیا آپ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی یا نہیں پڑھی لیکن یہ بات خارجی طور پر دوسرے دلائل سے معلوم ہے کہ آپ سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور اس کے ساتھ دوسری سورۃ بھی ملایا کرتے تھے، چنانچہ آپ سے پہلی رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ کا پڑھنا ثابت ہے اور اسی طرح بعض دیگر آیات کا پڑھنا بھی منقول ہے۔

(ص ۱۵۶) بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

۱۱۷۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، فَأَمَّا الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ فَفِي بَيْتِهِ.

۱۱۷۳۔ وحَدَّثَتْنِي أُخْتِي حَفْصَةُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي سَجْدَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَعْدَ مَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَكَانَتْ سَاعَةً لَا أَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا. تَابَعَهُ كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ وَأَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ، وقَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ: فِي أَهْلِهِ.

ترجمہ: باب۔ فرائض کے بعد سنتوں کا بیان۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلها میں گزر چکا)۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب الأذان بعد الفجر میں گزر چکا)۔

تشریح: یہاں پر بعض نسخوں میں أبواب التطوع کا عنوان واقع ہوا ہے، یہ نسخ بخاری میں تو ہے نہیں علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مفید ہے مضر نہیں ہے، بہر حال اب یہاں سے تطوع یعنی سنت فجر کے علاوہ باقی سنن کے ابواب چلیں گے، فرائض سے پہلے اور فرائض کے بعد کچھ نوافل پڑھے جاتے ہیں ان کو رواتب کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ ثابت ہیں یعنی ان کو بہر حال پڑھا جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا فرائض کیلئے رواتب ہیں یا نہیں؟ جمہور علماء قائل ہیں اور مالکیہ رواتب کا

انکار کرتے ہیں البتہ یہ کہتے ہیں کہ سنت فجر رغیبہ ہے، پھر جو لوگ رواتب کے قائل ہیں ان میں تمام سنن میں تو اتفاق ہے صرف ظہر کی سنت قبلیہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ چار رکعات ہیں یا دو؟

امام ابو حنیفہ چار کے قائل ہیں اور باقی ائمہ دو کے قائل ہیں، روایات دونوں طرح کی موجود ہیں، ابن عمرؓ کی حدیث میں دو رکعت کا ذکر وارد ہوا ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں چار رکعت کا تذکرہ ہے فرماتی ہیں أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ، رواہ البخاری، اسی طرح سے حضرت ام حبیبہؓ کی روایت میں مسلم شریف اور سنن اربعہ میں وارد ہوا ہے مَنْ صَلَّى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوَى الْفَرِيضَةِ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اور اِس مضمون کی روایت حضرت عائشہؓ وغیرہ سے بھی نقل کی گئی ہیں۔

رواتب کی حکمت: سنن قبلیہ اور بعدیہ کی مشروعیت کی علماء نے حکمت بیان فرمائی ہے اور خاص طور سے ابن دقیق العید نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ اصل میں انسان اپنی ضرورتوں میں مشغول اور مصروف ہوتا ہے لہذا نمازوں سے پہلے جو سنتیں مشروع ہوئیں اس کی حکمت یہ ہے کہ آدمی نماز کے ساتھ کچھ مانوس ہو جائے تاکہ جب فریضہ میں داخل ہو تو اچھی طرح سے پوری توجہ کے ساتھ داخل ہو، اور چونکہ نقص وعیب انسان کا خاصہ ہے جس کی وجہ سے کمی کوتاہی ہوتی رہتی ہے لہذا جیسے اور اعمال وعبادات میں کوتاہی کرتا ہے ان نمازوں میں بھی کوتاہی کا صدور ہوتا ہے اس لئے اس کا تدارک کرنے کے واسطے سنن بعدیہ مشروع ہوئیں۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے یہاں پر ترجمہ منعقد کیا ہے التطوع بعد المکتوبۃ تو تطوع قبل المکتوبۃ کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ علامہ عینی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ امام بخاری نے سنن بعدیہ پر اکتفاء کیا ہے اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا اہتمام بہت زیادہ ثابت ہے، یا یہ کہا جائے کہ یہ من باب الاکتفاء ہے اور مطلب یہ ہے باب التطوع بعد المکتوبۃ وقبلہا۔

لیکن علامہ عینی کا یہ جواب بہت بعید معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ آگے تطوع قبل المکتوبہ کے ابواب آرہے ہیں چنانچہ ترجمہ منعقد کیا ہے باب الرکعتین قبل الظہر، گفتگو تو یہ ہے کہ امام بخاری نے تطوع بعد المکتوبۃ کو پہلے اور تطوع قبل المکتوبۃ کو بعد میں کیوں ذکر فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک رواتب بعدیہ رواتب قبلیہ سے افضل ہوں جیسا کہ

شافعیہ کا ایک قول ہے اور حنفیہ میں سے شمس الائمہ حلوائی نے اختیار کیا ہے، ویسے مسئلہ ہے مختلف فیہا، دوسرا قول یہ ہے کہ رواتب قبلیہ افضل ہیں، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ فجر کی سنت تمام سنتوں میں سب سے زیادہ آکد ہے اس کے بعد ظہر کی چار سنتیں، بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ رواتب قبلیہ وبعدیہ دونوں مساوی ہیں۔

وَكَانَتْ سَاعَةً لَا أَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا: یہ ایک سوال کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام سنن کو تو حضرت ابن عمرؓ نے براہ راست نقل کیا اور یوں کہتے ہیں صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لیکن سنت فجر کو اپنی بہن حفصہؓ سے کیوں نقل کر رہے ہیں؟ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اصل میں صبح کے وقت میں حضور ﷺ جب سنتیں پڑھتے تھے تو میں اس وقت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا کرتا تھا۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ: مطلب یہ ہے کہ ابن ابی الزناد کی روایت میں فی بیتہ کے بجائے فی أھلہ کا لفظ ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

(ص ۱۵۷) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

۱۱۷٤. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الشَّعْثَاءِ جَابِرًا قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَمَانِيًا جَمِيعًا وَسَبْعًا جَمِيعًا قُلْتُ: يَا أَبَا الشَّعْثَاءِ أَظُنُّهُ أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ، قَالَ: وَأَنَا أَظُنُّهُ.

ترجمہ: باب، فرض کے بعد سنتوں کو نہ پڑھنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب تاخیر الظھر إلی العصر میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری نے جمع بین الصلاتین کی روایت سے یہ بات ثابت فرمائی ہے کہ سنن بعد المکتوبہ بہر حال نوافل کا درجہ رکھتی ہیں، اگر کوئی آدمی ان کو چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں ہے اسلئے کہ جمع بین الصلوتین کیلئے یہ ضروری ہے کہ بیچ میں نفل نہ ہو ورنہ نفل فاصل بین الصلاتین ہو جائے گی۔

(ص ۱۵۷) بَاب صَلَاةِ الضُّحَى فِي السَّفَرِ

۱۱۷۵. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ تَوْبَةَ عَنْ مُوَرِّقٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: أَتُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَعُمَرُ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَأَبُو بَكْرٍ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَالنَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: لَا إِخَالُهُ.

۱۱۷۶. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى يَقُولُ: مَا حَدَّثَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى غَيْرَ أُمِّ هَانِئٍ فَإِنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ أَرَ صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ.

ترجمہ: باب، سفر میں چاشت کی نماز پڑھنے کا بیان۔

مورق سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں، میں نے کہا کہ حضرت عمرؓ پڑھتے تھے؟ تو فرمایا کہ نہیں، میں نے کہا ابو بکرؓ پڑھتے تھے؟ تو فرمایا نہیں، میں نے کہا کہ حضور ﷺ پڑھتے تھے؟ تو فرمایا میرا خیال ہے کہ نہیں پڑھتے تھے۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب من تطوع فی السفر میں گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے چاشت کی نماز کیلئے تراجم منعقد فرمائے ہیں، چاشت کی نماز پڑھنا بکثرت روایات میں وارد ہوا ہے، امام حاکم نے مستقل طور پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے اور اس میں تقریباً بیس صحابۂ کرام کی روایتیں ذکر کی ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی ایک رسالہ تالیف کیا ہے اور بیس سے زائد صحابۂ کرام کی روایتیں ذکر کی ہیں، انیس صحابہ سے تو یہ نقل فرمایا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے صلوۃ الضحیٰ ادا کی ہے اور پچیس صحابۂ کرام سے یہ نقل فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے، علامہ ولی الدین ابوزرعۃ العراقی فرماتے ہیں کہ صلوۃ الضحیٰ کے بارے میں احادیث کثیرہ صحیحہ مشہورہ وارد ہوئی ہیں حتی کہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں إن هذه قد بلغت إلى التواتر یہ احادیث تواتر کے درجہ کو پہنچ گئی ہیں۔

صلوۃ الضحیٰ کے حکم میں علامہ ابن قیم نے چھ مذاہب نقل کئے ہیں، (۱) مستحب، (۲) مستحب نہیں، (۳) لاتشرع إلا بسبب، (۴) يستحب فعلها مرة وتركها أخرى یہ قول امام احمد سے منقول ہے، (۵) تستحب

المواظبة عليها في البيوت، (٦) بدعة یہ بدعت والا قول حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا جاتا ہے۔

حضرات ائمۂ اربعہ اور ان کے اصحاب کا مسلک جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے میں بالکل ابتداء کتاب الصلوۃ میں ستر عورۃ کے ابواب بَاب الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِه کے ذیل میں بیان کر چکا ہوں۔

المختصر یہ ہے کہ (۱) محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ سنت ہے، (۲) علامہ ابن امیر الحاج حلبی التقریر والتحبیر میں لکھتے ہیں إنها مندوبة علی القول الأشهر، (۳) مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ نوافل مؤکدہ میں ہے، (۴) شافعیہ اسکو سنت مؤکدہ کہتے ہیں، (۵) حنابلہ کے یہاں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس پر مواظبت مستحب ہے اسی کو ابو الخطابؒ حنبلی نے اختیار کیا ہے اور علامہ موفق الدین بن قدامہ حنبلی صاحب مغنی اور علامہ شمس الدین بن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ يستحب فعلها مرة وتركها أخرى یعنی تستحب غِبًّا یہی قول صاحب نیل المآرب وغیرہ نے جو فقہاء حنابلہ میں سے ہیں اختیار فرمایا ہے۔

حضور پاک ﷺ سے صلوۃ الضحی کا پڑھنا تو ثابت ہے لیکن آپ سے مداومت ثابت نہیں ہے، اسی لئے حنابلہ نے تستحب غِبًّا والے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور جو حضرات مداومت کو مستحب کہتے ہیں ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ حضرت رسول پاک ﷺ اس قسم کے مواقع پر مداومت اس خوف سے نہیں کرتے تھے کہ کہیں ایجاب نہ ہو جائے اور امت دشواری میں مبتلا ہو جائے۔

یہاں تک تو گفتگو نفس مسئلہ سے متعلق تھی اور اس مسئلہ کا اصل محل تیسرے نمبر کا باب تھا یعنی بَاب صَلَاةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ لیکن ہم نے یہیں پر اس لئے نمٹا دیا کہ صلوۃ الضحی کے متعلق مصنف نے تین تراجم منعقد کئے ہیں لہذا ابتداء ہی میں مسئلہ کے متعلق واقفیت ہو جانی چاہئے۔

اب امام بخاری کے ترجمہ کی طرف توجہ کرتے ہیں، امام فرماتے ہیں بَاب صَلَاةِ الضُّحَى فِي السَّفَرِ ترجمہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری سفر میں صلوۃ الضحیٰ کے قائل ہیں لیکن امام نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں ایک ابن عمرؓ کی اس میں یہ تصریح ہے کہ مورّق عجلی نے ان سے یہ پوچھا أَتُصَلِّي الضُّحَى؟ فرمایا لَا، قُلْتُ: فَعُمَرُ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَأَبُو بَكْرٍ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَالنَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: لَا إِخَالُهُ میرا گمان نہیں کہ آپ پڑھتے تھے، اور دوسری روایت ام ہانیؓ کی ذکر کی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے صلوۃ الضحیٰ فتح مکہ کے دن ادا فرمائی ہے، ام ہانیؓ والی روایت تو ظاہر ترجمہ کے مطابق ہے لیکن ابن عمرؓ کی روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں

ہے، اب امام بخاری کے ترجمہ کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام کا مقصود ہے **باب صلوۃ الضحیٰ فی السفر نفیًا و إثباتًا** مطلب یہ ہے کہ صلوۃ الضحیٰ فی السفر کا کیا حکم ہے آیا یہ منفی ہے یا مثبت؟ ثابت ہے یا نہیں؟ امام بخاری نے دونوں طرح کی روایات ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ضحیٰ فی السفر کا معاملہ فعلًا وترکًا دونوں طرح سے ثابت ہے اس لئے مسئلہ مخیر فیہ ہے، آدمی کو اختیار ہے چاہے پڑھے یا نہ پڑھے۔

اور بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے دونوں روایتوں کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ اصل میں دار و مدار سہولت پر ہے، اگر سہولت ہو جیسے فتح مکہ کے وقت تھی تب تو پڑھے اور اگر سہولت نہ ہو آدمی کو عجلت ہو ضرورت ہو موقع نہ ہو تو پھر نہ پڑھے، ابن عمرؓ کی روایت عدم طمانینت کے حال پر محمول ہے اور حضرت ام ہانیؓ کی روایت طمانینت کی حالت پر محمول ہے۔

علامہ ابن بطال نے تو یہ فرمادیا کہ ابن عمرؓ کی روایت اس باب کی ہے ہی نہیں میرا گمان یہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے آنے والے باب **مَنْ لَمْ يُصَلِّ الضُّحَى وَرَآهُ وَاسِعًا** کی روایت تھی کاتب نے اٹھا کر غلطی سے اس کو یہاں جوڑ دیا۔

علامہ ناصر الدین بن منیر ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں صلوۃ الضحیٰ کے باب میں روایات متعارضہ نقل کی گئی ہیں، ابن عمرؓ کی روایت میں نفی منقول ہے اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں اثبات ہے، فرماتے ہیں **أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَلَاةِ الضُّحَى وَنَوْمٍ عَلَى وِتْرٍ** تو امام بخاری نے ابن عمرؓ کی روایت کو سفر کی حالت پر محمول فرمایا اور ابو ہریرہؓ کی روایت کو حضر پر، رہا یہ کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ ابن عمرؓ کی روایت کا تعلق سفر سے ہے اور ابو ہریرہؓ کی روایت کا تعلق حضر سے ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ روایات میں تو کسی لفظ کی تصریح ہے نہیں لیکن امام بخاری نے بظاہر اس بات پر نظر فرمائی ہوگی کہ سفر کی حالت تخفیف کو مقتضی ہے لہذا نفی سفر ہی کے ساتھ مناسب ہے، اور حضر کی حالت میں طاعات زیادہ سے زیادہ مطلوب ہوتی ہیں لہذا حضر کے وقت سے اثبات کا تعلق زیادہ مناسب ہے، خصوصًا جبکہ روایت میں یہ بھی وارد ہے **وَنَوْمٍ عَلَى وِتْرٍ** اور اطمینان کا سونا تو حضر ہی میں ہوتا ہے سفر میں تو آدمی کی حالت کچھ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، البتہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ام ہانیؓ کی روایت اس باب میں ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ اگر سہولت ہو تو پڑھ لے جیسے حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن کیا۔

علامہ ابوعبداللہ بن رشید نے بھی اسی کے قریب قریب تقریر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ابن عمرؓ کی روایت کو سفر پر محمول فرمایا ہے اس واسطے کہ اگرچہ اس میں نفی عام ہے لیکن اقل درجہ یہ ہے کہ وہ سفر پر محمول ہو، فرماتے ہیں کہ اس کا عکس تو ہو نہیں سکتا کہ حضر پر محمول ہو سفر پر نہ ہو کیوں کہ سفر میں تخفیف ملحوظ رکھی گئی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نفی کا تعلق سفر سے ہو، اور ام ہانیؓ کی روایت ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اگر طمانینت کی حالت ہو تو پھر پڑھے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بخاری یوں فرماتے ہیں کہ سفر میں صلوۃ الضحیٰ نہیں ہے الا یہ کہ طمانینت ہو سہولت کی حالت ہو۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری نے ممکن ہے حضرت انسؓ کی حدیث رَأَيتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي سَفَرٍ صَلَّى سُبْحَةَ الضُّحى ثَمَانِ رَكَعَاتٍ، رواه أحمد وصححه ابن خزيمة والحاكم کی طرف اشارہ کیا ہو اور بخاری کا مقصود یہ ہو کہ ابن عمرؓ کی نفی اور ان کا تردد ان روایات کی تردید کو مقتضی نہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوۃ ضحیٰ کا ادا کرنا وارد ہوا ہے۔

يُصَلِّي الضُّحى غَيْرُ أُمِّ هَانِيءٍ: عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی شخص نے یہ نہیں بیان کیا کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوۃ ضحیٰ پڑھتے ہوئے دیکھا ہو سوائے حضرت ام ہانیؓ کے، وہ یہ فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت ادا فرمائیں۔

صلوۃ ضحیٰ تھی یا شکرانہ فتح تھا؟ اس آٹھ رکعت میں اختلاف ہے کہ صلوۃ ضحیٰ تھی یا شکرانہ فتح تھا؟ بہت سے علماء اس کو صلوۃ ضحیٰ پر محمول کرتے ہیں اور بخاری کا ترجمہ بھی اسی کا مقتضی ہے، لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ شکرانہ فتح مکہ تھا، اور طبری اور سہیلی فرماتے ہیں کہ کوئی شہر اگر فتح ہو تو آٹھ رکعت ایک سلام سے پڑھنی چاہئے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ایک سلام سے پڑھی تھی، آٹھ رکعت کا پڑھنا سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی منقول ہے انہوں نے جب مدائن فتح کیا تھا تو ایوانِ کسریٰ میں آٹھ رکعت ادا کی تھیں، لیکن یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی سلام سے ادا کیا تھا یہ محل غور ہے، یہی روایت امام ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے تخریج کی ہے اس میں يسلّم من كل ركعتين کی تصریح وارد ہوئی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں إسناده على شرط البخاری اور حضرت سعدؓ سے بھی ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا منقول ہے کما قاله الحافظ ابن كثير۔

صلوۃ ضحیٰ کتنی رکعات ہیں؟ اس روایت کی بناء پر مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ ضحیٰ کی زائد سے زائد آٹھ رکعت ہیں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ بارہ ہیں اس لئے کہ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے مَنْ صَلَّى الضُّحى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللهُ لَهُ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ، وإسناده ضعيف، شافعیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، معتمد یہ ہے کہ اکثر ضحیٰ آٹھ رکعت ہیں، اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اقل ضحیٰ دو رکعت ہے۔

پھر ایک مسئلہ یہاں پر اور بھی ہے کہ چاشت کی نماز کی تعدادِ رکعات متعین ہے یا نہیں؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس کی رکعت متعین ہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا أقلها ركعتان وأكثرها ثمان أو اثنتا عشرة، لیکن طبری اور شافعیہ میں ابو عبد اللہ الحلیمی اور رویانی اور مالکیہ میں سے علامہ باجی فرماتے ہیں لا حد لأكثرها۔

چاشت اور اشراق ایک ہے یا الگ الگ؟ حضرات صوفیاء کہتے ہیں کہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں اور محدثین کا طرز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نماز ہے اگر ذرا سویرے پڑھ لیا جائے تو اسی کو اشراق کہہ دیتے ہیں اور اگر کچھ تاخیر سے ادا کیا جائے تو اسی کو صلوۃ الضحیٰ کہا جاتا ہے، لیکن امام ترمذی نے جامع میں اور شمائل میں حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں بالکل الگ الگ ہیں كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَا هُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَا هُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَا هُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَا هُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلَّى أَرْبَعًا، مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ سے یہ منقول ہے کہ جب سورج جانب مشرق میں اتنا بلند ہو جاتا جتنا عصر کے وقت بلند ہوتا ہے تو دو رکعت ادا فرماتے اور جب جانب مشرق میں اتنا بلند ہو جاتا جتنا ظہر کے وقت بلند ہوتا ہے تو چار رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔

(ص ۱۵۷) بَاب مَنْ لَمْ يُصَلِّ الضُّحى وَرَآهُ وَاسِعًا

۱۱۷۷ . حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ سَبَّحَ سُبْحَةَ الضُّحى وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا.

ترجمہ: باب، جو صلوۃ الضحیٰ نہ پڑھے اور اس کے ترک کی گنجائش سمجھے۔

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صلاۃ الضحی پڑھتے نہیں دیکھا اور میں البتہ اس کو پڑھتی ہوں۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ صلوۃ ضحیٰ مندوبات میں سے ہے مؤکدات میں سے نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایات سبحۂ ضحیٰ کے باب میں مختلف ہیں، صحیحین میں وارد ہے مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ سَبَّحَ سُبْحَةَ الضُّحَى وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ لَا إِلَّا أَنْ يَجِيءَ مِنْ مَغِيبِهِ، اور مسلم کی ایک تیسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ نَعَمْ أَرْبَعًا وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللهُ، اب بعض علماء نے تو یہ کہہ دیا کہ پہلی روایت چونکہ متفق علیہ ہے اسلئے وہ دوسری روایات کے مقابل میں ارجح ہے۔

لیکن بعض دیگر علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ ترجیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے ان تمام روایات میں جمع کرنا ممکن ہے کہ رسول پاک ﷺ جب سفر سے تشریف لاتے تو صلوۃ ضحیٰ ادا فرمایا کرتے تھے اور چار رکعت یا اس سے زائد پڑھا کرتے تھے لیکن آپ نے مداومت کی اس کو میں نے نہیں دیکھا، پھر فرماتی ہیں وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا أي أداوم عليها میں اس پر مداومت کرتی ہوں۔

(ص۱۵۷) بَاب صَلَاةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ

قاله عتبان عن النبي ﷺ.

۱۱۷۸. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ؛ صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَلَاةِ الضُّحَى وَنَوْمٍ عَلَى وِتْرٍ.

۱۱۷۹. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ - وَكَانَ ضَخْمًا - لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ، فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا فَدَعَاهُ إِلَى بَيْتِهِ وَنَضَحَ لَهُ طَرَفَ حَصِيرٍ بِمَاءٍ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ

وَقَالَ فُلَانُ بْنُ فُلَانِ بْنِ الجَارُودِ لأَنَسٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ فَقَالَ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّى غَيْرَ ذَلِكَ الْيَوْمِ.

ترجمہ: باب، حضر میں چاشت کی نماز پڑھنے کا بیان۔

یہ بات حضرت عتبان بن مالکؓ نے حضور ﷺ سے نقل کی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو میرے دلی دوست حضور پاک ﷺ نے تین باتوں کا حکم دیا میں موت کے وقت تک ان کو نہیں چھوڑوں گا، ایک ہر مہینہ کے تین روزہ رکھنا دوسرے چاشت کی نماز پڑھنا اور تیسرے وتر پڑھ کر سونا۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب ھل یصلی الإمام بمن حضر میں گزر چکا)۔

اور عبدالحمید بن منذر بن جارود نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس دن کے علاوہ آپ کو چاشت کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

تشریح: اس سے پہلے مصنف نے صلوۃ الضحیٰ فی السفر کو بیان کیا تھا اور اب صلوۃ الضحیٰ فی الحضر کو بیان کرتے ہیں، مصنف نے اس باب میں تین روایتیں ذکر کی ہیں دو موصولاً اور ایک تعلیقاً، دو روایتوں سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس کو پڑھا ہے اور ایک روایت سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے لہٰذا مصنف نے یہ ثابت فرما دیا کہ حضر میں صلوۃ الضحیٰ مندوب ہے اور اس کا طلب کرنا اور اس کو ادا کرنا مرغّب فیہ ہے، بخلاف سفر کے کہ وہاں دونوں حالتیں منقول ہیں پڑھنا بھی اور نہ پڑھنا بھی لہٰذا جیسا موقع ہو ویسا کر لیا جائے اگر سہولت ہو طمانینت ہو تو پڑھ لے ورنہ نہیں۔

أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ: میرے خلیل ﷺ نے مجھ کو تین باتوں کی وصیت کی تھی تا موت نہیں چھوڑوں گا، ایک ہر مہینہ میں تین دن کا روزہ، غالبًا اس سے ایام بیض کے روزے مراد ہیں جو (۱) تیرہ، چودہ اور پندرہویں تاریخیں ہیں، ویسے ایام بیض کی تعیین میں (۲) ایک قول بارہ، تیرہ اور چودہ کا بھی ہے۔

حضور ﷺ سے ہر مہینہ تین روزہ رکھنے کی ترغیب وارد ہے مگر اس تین دن کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے، دو قول تو معلوم ہو چکے، (۳) مہینہ کی پہلی تین تاریخیں ہیں، (۴) مہینہ کی آخری تین تاریخیں ہیں، (۵) پہلا دو شنبہ اس کے بعد کا پنج شنبہ اور پھر دو شنبہ، (۶) پہلا پنج شنبہ اس کے بعد کا دو شنبہ اور پھر پنج شنبہ، (۷) پہلے مہینہ کا شنبہ، یک شنبہ اور دو شنبہ اور اگلے مہینہ کا سہ شنبہ، چہار شنبہ اور پنج شنبہ۔

رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: بعض کہتے ہیں کہ یہ عتبان بن مالکؓ ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت انسؓ ہیں۔

وَقَالَ فُلَانُ بْنُ فُلَانِ بْنِ جَارُودٍ: فلان بن فلان بن جارود سے مراد عبدالحمید بن منذر بن جارود ہیں۔

(ص ۱۵۷) بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ

۱۱۸۰. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشَرَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَكَانَتْ سَاعَةً لَا يُدْخَلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا.

۱۱۸۱. حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَطَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

۱۱۸۲. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ. تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَعَمْرٌو عَنْ شُعْبَةَ.

ترجمہ: باب، ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا بیان۔

(روایات کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: یہ آگیا وہ باب، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ظہر کی سنت قبلیہ کو بیان کیا ہے اور بخاری کی رائے یہ ہے کہ وہ دو رکعت ہیں یہی شافعی واحمد کا مسلک ہے، امام ابو حنیفہ چار رکعت کے قائل ہیں۔

امام بخاری نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں ایک ابن عمرؓ کی اور اس میں دو رکعت کی تصریح وارد ہوئی ہے اور دوسری حضرت عائشہؓ کی جس میں چار رکعت کی تصریح وارد ہے، دو رکعت والی جمہور کی دلیل ہے اور چار رکعت والی حنفیہ کی دلیل ہے، لیکن یہاں اشکال یہ ہے کہ دو رکعت والی تو ان کے ترجمہ کے مطابق ہے لیکن چار رکعت والی حضرت عائشہؓ کی روایت ان کے ترجمہ کے خلاف ہے پھر امام بخاری نے یہ روایت ذکر کیوں فرمائی ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت ذکر کر کے یہ بتلایا ہے کہ دو رکعت حتمی

نہیں کہ اس پر اضافہ جائز نہ ہو بلکہ دو پر اضافہ جائز ہے، یایوں کہیے کہ امام بخاری نے یہ بتلایا ہے کہ دو رکعت تو مؤکد ہیں اور اس پر مزید دو رکعت پڑھی جاسکتی ہے اور حدیث میں اس کا ثبوت ہے لیکن وہ غیر مؤکد ہے۔

علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر سے پہلے چار اور دو رکعت پڑھنا دونوں منقول ہیں لیکن اکثر احوال میں آپ نے چار ہی رکعت پڑھی ہیں، اور ابن عمرؓ کی روایت میں جو دو رکعت کا ذکر وارد ہوا ہے بعض احناف فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ابن عمرؓ دو رکعت بھول گئے ہوں لیکن یہ قول بعید ہے، اور بعضوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں یہ تحیۃ المسجد تھی ابن عمرؓ اسکو سنت سمجھ گئے حالانکہ آپ تو سنت گھر پڑھ کر آیا کرتے تھے، لیکن جو صحابی افعال نبویہ کا تجسس کرتا ہو انکے فعل کو اسطرح کی تاویلات سے ادھر ادھر پھیرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ دونوں طرح کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(ص ۱۵۷) بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

۱۱۸۳. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ وَهُوَ الْمُعَلِّمُ عَن عبد الله بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: لِمَنْ شَاءَ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً.

۱۱۸٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ قَالَ: سَمِعْتُ مَرْثَدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْيَزَنِيَّ قَالَ: أَتَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ: أَلَا أُعْجِبُكَ مِنْ أَبِي تَمِيمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ: إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قُلْتُ: فَمَا يَمْنَعُكَ الْآنَ؟ قَالَ: الشُّغْلُ.

ترجمہ: باب، مغرب میں فرض سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا بیان۔

حضرت عبد اللہ مزنیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب سے پہلے نماز پڑھو اور تیسری مرتبہ میں آپ نے صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ کے ساتھ لِمَنْ شَاءَ کا اضافہ کیا کہ جس کا دل چاہے وہ مغرب سے پہلے نماز پڑھ لے، یہ اضافہ آپ نے اس ناگوار اندیشہ کی وجہ سے کیا کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھ لیں۔

مرثد بن عبد اللہ یزنی کہتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کو ابو تمیم

کی ایک حیرت انگیز بات نہ بتاؤں کہ وہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں تو حضرت عقبہؓ نے فرمایا کہ بے شک ہم لوگ اس عمل کو حضور ﷺ کے زمانہ میں کیا کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ پھر کیا مانع پیش آگیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مشغولیت!

تشریح: صلوۃ قبل المغرب کا مسئلہ میں ابواب اذان میں بیان کر چکا ہوں اور یہاں کا میں نے حوالہ بھی دیا تھا، صاحبِ منہل علامہ محمود بن محمد بن خطاب سبکی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور حدیثِ باب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہے، فرماتے ہیں کہ یہی امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کا قول ہے اور شافعیہ اور حنفیہ کے محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور امام مالک سے بھی یہی مروی ہے، ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ غیر مستحب ہے، فرماتے ہیں کہ یہی امام مالک اور حنفیہ کا مشہور قول اور شافعیہ کا ایک قول ہے۔

اب مسلک سنو! حضرات شافعیہ کے نزدیک مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہے، امام نووی نے شرح مہذب میں اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہے اور رافعی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، امام احمد بن حنبل کے نزدیک ان کا پڑھنا جائز ہے، علامہ موفق الدین بن قدامہ مغنی میں اور ان کے تلمیذ شمس الدین بن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی فرماتے ہیں کہ امام احمد کے ظاہر کلام سے اس کا جواز اور اباحت معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ یہ دونوں مستحب ہیں، علامہ موفق کے الفاظ ہیں ظاهر كلام أحمد أنهما جائزتان وليستا سنة، اور شارح مقنع نے لکھا ہے والظاهر عن أحمد جوازهما وعدم استحبابهما، مالکیہ کے نزدیک غیر مستحب ہے، علامہ ابو عبد اللہ الابی نے لکھا ہے أباه مالك وآخرون۔

حنفیہ کا مسلک کیا ہے؟ حنفیہ کی مشہور کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ مکروہ ہے یہی صاحب در مختار نے ذکر کیا ہے، لیکن محقق ابن ہمام کراہت کے قول کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مباح ہے اسی کو صاحب بحر نے اختیار کیا ہے، صاحب در مختار نے عجیب بات کر دی ایک جگہ تو کراہت کا قول نقل کیا اور ایک جگہ ابن ہمام کی اتباع میں اباحت کا قول ذکر کرتے ہیں۔

حضرت امام بخاری بظاہر اس مسئلہ میں شافعیہ کے ساتھ ہیں اور وہ صلوۃ قبل المغرب کو مستحب قرار دیتے ہیں اس لئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ تین مرتبہ آپ نے فرمایا اور تیسری مرتبہ فرمایا لِمَنْ شَاءَ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً، یہ لمن شاء اس لئے فرما دیا تھا کہ کہیں لوگ اس کو سنت

نہ بنا بیٹھیں اور لازم پکڑ لیں پھر اس کے بعد ان کو اس میں ضیق ہونے لگے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ صلوۃ قبل المغرب مکروہ ہے انہوں نے غالبًا یہ بات ملحوظ رکھی کہ اس سے مغرب کی فرض میں تاخیر ہو جاتی ہے اور اس کی تاخیر مکروہ ہے، محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ سے ایک روایت تو وہ منقول ہے جو بخاری نے نقل کی ہے اور دوسری حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے طاؤس کہتے ہیں سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ فَقَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يُصَلِّيهِمَا وَرَخَّصَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، امام ابوداؤد اور منذری نے اس پر سکوت کیا ہے یہ سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک یہ حدیث قابل احتجاج ہے، اب ابن ہمام کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی یہ روایت بخاری کی روایت کے معارض ہو جائے گی اور چونکہ یہ حضرات سلف کا عمل ہے اس لئے اس کو ترجیح حاصل ہوگی مگر اس سے کراہت کا ثبوت نہیں ہوگا، عدم الفعل کراہت کی دلیل نہیں اس کے لئے تو مستقل دلیل کی ضرورت ہے، اور یہ جو احناف کہتے ہیں کہ اس سے تاخیر مغرب لازم آتی ہے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ دو رکعت سے مختصر سی تاخیر لازم آتی ہے اور صاحب غنیہ نے نقل کیا ہے کہ تھوڑی سی تاخیر موجب کراہت نہیں ہے، بہر حال ابن ہمام کی یہ رائے ہے۔

بعض احناف نے یہ دلیل پیش کی کہ امام بزار نے حضرت بریدہؓ سے یہ نقل کیا ہے إِنَّ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ رَكْعَتَيْنِ سوى الْمَغْرِبِ، مگر اس استثناء کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے، امام بیہقی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس کے راوی حیان کو وہم ہو گیا سنداً اور متناً بھی، روایت کا تعلق تھا حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے، عبد اللہ بن بریدہ نقل کرتے ہیں عبد اللہ بن مغفل مزنیؓ سے انہوں کر دیا عن عبد الله بن بريدة عن أبيه، اور متن میں غلطی یہ ہوگئی کہ انہوں نے مغرب کا استثناء کر دیا حالانکہ اسماعیلی وغیرہ کی روایات میں یہ تصریح ہے کہ عبد اللہ بن بریدہ صلوۃ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے، اگر ان کی روایت میں استثناء موجود ہوتا تو اپنی روایت کے خلاف کیوں عمل کرتے؟

علامہ ابن جوزی نے ایک قدم آگے بڑھایا اور اس روایت ہی کو موضوع قرار دے دیا اور موضوعات میں شمار کیا اور یہ فرمایا کہ اس کا راوی حیان کذاب ہے و کذبه الفلاس لیکن علامہ سیوطی نے اس کی تردید کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ مکذب اور ہیں وہ حیان بن عبد اللہ المکبر ہے اور اس حدیث کا راوی حیان بن عبید اللہ المصغر ہے،

اسحاق بن راہویہ نے اس کو رجل صدق قرار دیا ہے، بہر حال جو صورتحال بھی ہو مغرب کا استثناء اس روایت میں اوہام میں سے ہے ولا أحتج به ولا يصح الاحتجاج به۔

أَتَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ: مرثد بن عبداللہ یزنی آئے عقبہؓ کے پاس اور کہنے لگے کہ ابو تمیم کی طرف سے میں ایک تعجب خیز بات نہ سناؤں کہ وہ دو رکعت مغرب سے پہلے پڑھا کرتے ہیں عقبہ نے کہا کہ ہم بھی عہد نبوی میں پڑھتے تھے میں نے پوچھا کہ اب کیوں نہیں پڑھتے ہیں کہنے لگے کہ اب مشغولیاں ہو گئی ہیں معلوم ہوا کہ ان دو رکعتوں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں عہد نبوت میں صحابہ پڑھا کرتے تھے غیر رمضان میں تو موقع نہیں ہوتا لیکن رمضان شریف میں جب لوگ کھانے پینے میں مصروف ہوتے ہیں تو میں دو رکعت پڑھ لیتا ہوں۔

(ص ۱۵۸) بَاب صَلَاةِ النَّوَافِلِ جَمَاعَةً

ذكره أنس وعائشة عن النبي ﷺ.

١١٨٥. حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِهِ مِنْ بِئْرٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ.

١١٨٦. فَزَعَمَ مَحْمُودٌ أَنَّهُ سَمِعَ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقُولُ: كُنْتُ أُصَلِّي لِقَوْمِي بَنِي سَالِمٍ وَكَانَ يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ وَادٍ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ قِبَلَ مَسْجِدِهِمْ، فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَإِنَّ الْوَادِيَ الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَ قَوْمِي يَسِيلُ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ فَوَدِدْتُ أَنَّكَ تَأْتِي فَتُصَلِّي مِنْ بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: سَأَفْعَلُ، فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَأَبُو بَكْرٍ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟ فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَكَبَّرَ وَصَفَفْنَا

وَرَاءَهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرٍ تُصْنَعُ لَهُ، فَسَمِعَ أَهْلُ الدَّارِ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِي فَثَابَ رِجَالٌ مِنْهُمْ حَتَّى كَثُرَ الرِّجَالُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: مَا فَعَلَ مَالِكٌ لاَ أَرَاهُ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: ذَاكَ مُنَافِقٌ لاَ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لاَ تَقُلْ ذَاكَ أَلاَ تَرَاهُ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ ؟ فَقَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، أَمَّا نَحْنُ فَوَاللهِ لاَ نَرَى وُدَّهُ وَلاَ حَدِيثَهُ إِلاَّ إِلَى الْمُنَافِقِينَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فَإِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ، قَالَ مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ فَحَدَّثْتُهَا قَوْمًا فِيهِمْ أَبُو أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَتِهِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا وَيَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَلَيْهِمْ بِأَرْضِ الرُّومِ فَأَنْكَرَهَا عَلَيَّ أَبُو أَيُّوبَ قَالَ: وَاللهِ مَا أَظُنُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا قُلْتَ قَطُّ، فَكَبُرَ ذَلِكَ عَلَيَّ فَجَعَلْتُ لِلَّهِ عَلَيَّ إِنْ سَلَّمَنِي حَتَّى أَقْفُلَ مِنْ غَزْوَتِي أَنْ أَسْأَلَ عَنْهَا عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ إِنْ وَجَدْتُهُ حَيًّا فِي مَسْجِدِ قَوْمِهِ فَقَفَلْتُ فَأَهْلَلْتُ بِحَجَّةٍ أَوْ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ سِرْتُ حَتَّى قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَأَتَيْتُ بَنِي سَالِمٍ فَإِذَا عِتْبَانُ شَيْخٌ أَعْمَى يُصَلِّي لِقَوْمِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ مِنَ الصَّلاَةِ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَأَخْبَرْتُهُ مَنْ أَنَا ثُمَّ سَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ الْحَدِيثِ فَحَدَّثَنِيهِ كَمَا حَدَّثَنِيهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ.

ترجمہ: باب، نوافل کا باجماعت پڑھنے کا بیان۔

یہ مضمون حضرت انسؓ وحضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے۔

محمود بن ربیعؓ کہتے ہیں کہ ان کو حضور ﷺ کی یاد ہے اور ایک وہ کلی بھی یاد ہے جو آپ ﷺ نے ان کے منہ پر کی تھی اس کنویں کے پانی سے جو ان کے گھر میں تھا۔

(روایت کا ترجمہ باب المساجد فی البیوت میں گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ نوافل کی جماعت جائز ہے۔

اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے بلکہ یوں کہئے کہ اختلاف ہے ہی نہیں، یہ کیا مطلب؟ اگر مجمل مجمل گول مول دیکھا جائے تو کوئی اختلاف نہیں سب ہی نوافل میں جماعت کی مشروعیت کے قائل ہیں کیا امام شافعی واحمد اور کیا امام ابو حنیفہ اور مالک، لیکن اگر تھوڑی سی تفصیل دیکھی جائے تو ایک اختلاف سا معلوم ہوتا ہے، اصل

بات یہ ہے کہ فی الجملہ نوافل کی جماعت کے سارے حضرات قائل ہیں البتہ فقہاء احناف کی عبارتیں کچھ مختلف سی ہیں، امام قدوری کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور صاحبِ خلاصہ نے جواز نقل کیا ہے، اب ہمارے فقہاء نے قدوری اور خلاصہ کے بیان میں یہ جمع کیا ہے کہ مواظبت مکروہ ہے باقی اگر ویسے ہی بغیر مواظبت کے کوئی پڑھ لے تو کوئی مضائقہ نہیں، اس کے بعد فقہاء احناف کہتے ہیں کہ نوافل کی جماعت کے لئے تداعی مکروہ ہے اور تداعی یہ ہے کہ جماعت تین سے زائد ہو جائے، مالکیہ میں سے ابن حبیب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

اصل میں ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ نوافل جن میں جماعت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسے استسقاء، عیدین اور تراویح ہے ان میں جماعت ہے، ان کے علاوہ میں جماعت نہیں ہے اور اگر کبھی جماعت سے پڑھا جائے تو جائز ہے البتہ اس کا اہتمام اور تداعی مناسب نہیں، کیوں کہ سرور عالم ﷺ سے نوافل میں جماعت تو منقول ہے مگر اہتمام اور تداعی کہیں ثابت نہیں، ایک دو آدمیوں نے آپ کا اقتداء کر لیا تھا اور وہ بھی آکر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے جیسے حضرت انسؓ کے مکان میں جب نماز پڑھی تو آپ کے پیچھے انسؓ اور یتیم کھڑے تھے ام سلیمؓ کھڑی تھیں، یہ مسئلہ ہے مختلف فیہا، شافعیہ اور حنابلہ مطلقاً اباحت کے قائل ہیں۔

ہمارے حضرت گنگوہی وغیرہ تو اصل مسلک حنفی پر عامل تھے لیکن ہمارے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی اس میں توسع کے قائل تھے، انہوں نے حرمین میں ایک طویل زندگی گزاری تھی اور وہاں کا معمول دیکھا تھا اور وہ ان کے دماغ میں پوری طرح راسخ تھا اس واسطے وہ تہجد میں جماعت کو پسند فرمایا کرتے تھے۔

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حضرت عتبان بن مالکؓ کی یہ مطول حدیث ابواب مسجد میں گزر چکی ہے اور اس کے مختلف ٹکڑے مختلف جگہوں پر گزر چکے ہیں، ص ۶۰ پر مطولاً گزر چکی ہے ویسے ص ۹۲ پر ص ۹۵ اور ص ۱۱۶ پر اس کے ٹکڑے گزر چکے ہیں، روایتی حیثیت سے اس کے مختلف ٹکڑوں کے ذیل میں کلام کیا جا چکا ہے۔

اس روایت میں إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي اور دوسری روایت میں إنه أعمى ہے میں بیان کر چکا کہ جن روایات میں اعمیٰ کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے قرب اعمی مراد ہے یا یہ کہا جائے کہ انکارِ بصر بول کر اعمیٰ مراد لیا گیا۔

فَحَبَسْتُهُ عَلَى خَزِيرَةٍ تُصْنَعُ لَهُ: خزیرہ خاء معجمہ اور اس کے بعد زاء معجمہ کے ساتھ ہے، خزیرہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ گیہوں دل لیا جاتا ہے یا یوں کہئے کہ موٹا سا آٹا بنا لیا جاتا ہے، اور اس کے بعد شوربا تیار کرتے ہیں کچھ پانی ڈال دیتے ہیں اور اس کے بعد دلا ہوا آٹا یا دلا ہوا گیہوں اس کے اوپر ڈال دیتے ہیں سارا ایک

کر کے دلیا سا تیار ہو جاتا ہے۔

فَسَمِعَ أَهْلُ الدَّارِ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي بَيْتِي الخ: قاعدہ یہ ہے کہ جب مقتدایانِ قوم کہیں آتے ہیں تو ان سے اپنی ضرورتیں بتانے کے لئے لوگ پہنچ جاتے ہیں اور یہاں تو حضور ﷺ کی آمد آمد تھی جب لوگوں کو معلوم ہوا تو سارے حضرات ایک دم سے ٹوٹ پڑے، جیسا کہ عادت ہے وہاں چہ می گوئی شروع ہوئی کہ کون آیا اور کون نہیں آیا؟ لوگوں نے کہا کہ مالک بن دخشن نہیں آیا، ایک صاحب کہنے لگے کہ وہ منافق آدمی ہے اللہ اور اللہ کے رسول سے اس کو کوئی محبت تھوڑے ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا **لَا تَقُلْ ذَاكَ أَلَا تَرَاهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ** یہ رسول پاک ﷺ کی طرف سے ان کے صادق الایمان ہونے کی بہت بڑی شہادت ہے، مگر وہ جو منافقین کے ساتھ تعلق رکھتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مجبوری تھی چونکہ ان کے پاس پڑوس میں رہنا ہوتا تھا اس لئے ان کو یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ اگر ان کے ساتھ تعلقات و روابط نہ رکھے گئے تو کہیں یہ ہم کو ستائے نہیں اور تکلیف نہ پہونچائیں، اور ممکن ہے کہ یہ ربط و تعلق اس نیت سے بھی رکھا جاتا ہو تا کہ منافقین کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں معلوم ہوتی رہیں اور سرکار دو عالم ﷺ تک پہنچتی رہیں۔

قَالَ مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ فَحَدَّثْتُهَا قَوْمًا فِيهِمْ أَبُو أَيُّوبَ: فرماتے ہیں کہ میں نے ابو ایوب انصاریؓ سے یہ حدیث بیان کی **فِي غَزْوَتِهِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا** اس غزوہ میں جس میں ان کی وفات ہوئی، اس سے مراد قسطنطنیہ کا غزوہ ہے جو سن ۵۰ھ میں واقع ہوا ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کے بعد واقع ہوا ہے اور امیر لشکر یزید بن معاویہ تھا۔

فَأَنْكَرَهَا عَلَيَّ أَبُو أَيُّوبَ: ابو ایوب انصاریؓ نے اس قصہ کا انکار کیا اور یہ فرمایا **وَاللّٰهِ مَا أَظُنُّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا قُلْتَ قَطُّ**، مجھے یہ گمان ہی نہیں کہ حضور ﷺ نے یہ بات کبھی بھی ارشاد فرمائی ہو، اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ محمود بن ربیعؓ نے حضرت عتبانؓ سے یوں نقل کیا تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے **فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ**، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی کلمہ گو ہو گا وہ جہنم میں نہیں جائے گا حالانکہ احادیثِ شفاعت صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بہت سے مؤمنین فساق اپنے معاصی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اس لئے ابو ایوبؓ نے انکار کر دیا۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اصل میں انکار اس بات پر تھا کہ مالک بن دخشن کا کفار و منافقین سے تعلق ہو

اور پھر حضور اس کے بارے میں اخلاص ایمان کی شہادت دیں یہ بعید ہے، مگر یہ بات بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے اللہ کے رسول واقعات سے زیادہ واقف ہیں وہ اگر شہادت دیں تو کیا اشکال ہے؟ ہاں البتہ پہلی وجہ اپنی جگہ پر ظاہر ہے اس لئے کہ وہ بہت سی احادیث کے صراحۃً معارض ہیں، مگر یہ بات ماقبل میں بیان کی جاچکی ہے کہ اصل میں اس کلمہ شریفہ میں یہ صلاحیت اور قوت ہے کہ وہ جہنم میں نہ جانے دے، مگر قاعدہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر کا ظہور اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہاں پر اس تاثیر کے شرائط موجود ہوں اور موانع منقطع ہوں، اور اگر شرائط نہ پائے گئے یا موانع منقطع نہ ہوئے تو اس کی تاثیر ظاہر نہیں ہوتی ہے، مثلاً اس کلمہ شریفہ کی تاثیر کی شرط یہ ہے کہ آدمی اس کلمہ پر وفات بھی پائے، اور اگر خدانخواستہ کسی کی اس پر وفات ہی نہیں ہوئی مرتد ہو کر مرا تو ظاہر بات ہے کہ اس کلمہ کی تاثیر کی جو شرط تھی وہ مفقود ہوگئی لہذا اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا، اسی طرح اس کی تاثیر کے ظاہر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو اس کی تاثیر کو مانع امور ہیں وہ نہ پائے جائیں اور وہ معاصی موجبہ للنار ہیں، اب اگر کسی شخص نے اخلاص کے ساتھ کلمہ تو کہہ دیا مگر ایسے معاصی کا بھی ارتکاب کرتا رہا جو جہنم میں لے جانے والے ہیں تو اس صورت میں یہ ظاہر بات ہے کہ اس کے اثر سے مانع امور موجود ہیں لہذا یہ اثر ظاہر نہیں ہوسکتا ہے۔

لہذا اگر کوئی آدمی ایسا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ کلمہ پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ اس نے بہت سے جرائم ومعاصی کا ارتکاب کرلیا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ آیا کلمہ کی تاثیر زیادہ طاقتور ہے یا وہ جرائم ومعاصی زیادہ طاقتور ہیں، اگر واقع میں وہ جرائم ومعاصی ہلکے پھلکے ہیں مثلاً صغائر ہیں تب تو وہ لا الہ الا اللہ کے بحر زاخر میں لاشیٔ اور فنا ہوجائیں گے، لیکن اگر خدانخواستہ کبائر ہیں اور آدمی بلاتوبہ کے مرگیا ہے تو چونکہ توبہ کے پانی سے اس کی دھلائی نہیں ہوئی ہے لہذا اس کی ظلمتِ شدیدہ اس کلمہ شریفہ کا معارضہ کرے گی، اب یہاں پر اس معارضہ کے توڑنے والی کوئی چیز نہیں، یا تو خدائے پاک کی وہ رحمت جو از خود بندہ کی طرف متوجہ ہوجائے یا کسی بندہ پر کوئی خاص عنایت ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے معاف فرمادے جیسا کہ اس دنیا میں ہوتا ہے کہ بعض لوگ غلطی کرتے ہیں لیکن ان کے بڑے بعض وقت تو بعضوں کو سزا دے دیتے ہیں اور بعض وقت بعض کو یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں، اور اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر اگلا نمبر ہے کہ آدمی کو عذاب کی بھٹی میں ڈال دیا جائے تاکہ جو ظلمت اور سیاہی پیدا ہوگئی ہے اس کی دھلائی ہوجائے، جب دھلائی کے بعد یہ اثر بالکل ختم ہوجائے تو مانع ختم ہوگیا اور کلمہ اپنا اثر

دکھلائے گا کہ آدمی جنت میں پہنچ جائے گا۔

اور ایک مطلب یہ ہے کہ یہ فرضِ فرائض سے پہلے کا قصہ ہے روی ذلک عن سعید بن المسیب والضحاک والزھری وغیرھم، لیکن یہ قول ضعیف ہے اس واسطے کہ فرض فرائض کے بعد بھی حضور ﷺ سے اس طرح کی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس نار محرمہ سے مراد نار معدّٰی للکافرین ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ تحریم سے مراد تحریم خلود ہے، اس کے علاوہ اور بھی توجیہات کی گئی ہیں، بہرحال جب ابوایوبؓ نے روایت کا انکار کردیا تو محمودؓ کو بڑا اثر ہوا انہوں نے یہ طے کرلیا کہ اگر زندہ واپس ہوگئے تو مدینہ پہنچ کر عتبانؓ سے پوچھنا ضروری ہے چنانچہ زندہ واپس ہوئے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور پھر مدینہ آئے اور حضرت عتبانؓ سے معلوم کیا تو انہوں نے پوری طرح سے حدیث نقل کردی۔

(ص ۱۵۸) بَابُ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

۱۱۸۷ . حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ وَعُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا. تَابَعَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ.

ترجمہ: باب، گھر میں نفل نماز پڑھنے کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب کراھیۃ الصلاۃ فی المقابر میں گزر چکا)۔

تشریح: ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں وارد ہے اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ، اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ فریضہ ہے یا صلوٰۃ نافلہ؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ صلوٰۃ فریضہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کبھی کبھی فرض نماز گھر پڑھ لینی چاہئے تاکہ جو لوگ مسجد نہیں جاپاتے ہیں وہ جماعت کی فضیلت حاصل کرلیں، لیکن مشہور عند الجمہور یہ ہے کہ اس حدیث میں نماز سے مراد نماز نفل ہے اور امام بخاری نے التطوع فی البیت کا ترجمہ منعقد کرکے اسی احتمال کی تائید کی ہے اور اسی قول

کو اختیار فرمایا ہے۔

عبد ضعیف کی رائے ہے کہ اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں فی الجملہ اختلاف ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ نوافل کہاں پڑھنی چاہئیں؟ جمہور علماء امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً گھر میں پڑھنا چاہئے، چاہے نوافل لیلیہ ہوں یا نوافل نہاریہ، امام مالک اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ نوافل لیلیہ کو گھر میں پڑھنا مستحب ہے اور نوافل نہاریہ کو مسجد میں پڑھنا مستحب ہے، ابن ابی لیلیٰ سے نقل کیا گیا کہ سنتِ مغرب گھر کے علاوہ ادا ہی نہیں ہوگی، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرکے جمہور کے قول کی تائید کی ہے کہ حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا، جمہور کے قول کی ایک صریح دلیل ایک دوسری روایت ہے أَفْضَلُ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَة، رواہ مسلم۔

أبواب التہجد و التطوع پورے ہوئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كتاب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

(ص ۱۵۸) بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

١١٨٨. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ أَرْبَعًا قَالَ: سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ - وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً - (ح)

١١٨٩. وَحَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى.

١١٩٠. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ وَعُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.

ترجمہ: باب، مکہ مکرمہ کی مسجد (حرام) اور مدینہ منورہ کی مسجد (نبوی) میں نماز کی فضیلت کا بیان۔

قزعہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو سعیدؓ سے چار چیزیں سنیں جنہیں وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں اور انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد حرام اور

مسجد رسول اللہ ﷺ اور مسجد اقصی۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس باب میں جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس تینوں مساجد کا ذکر ہے لیکن ترجمہ میں صرف مسجد حرمین کا ذکر کیا ہے بیت المقدس کا تذکرہ نہیں فرمایا ہے، علامہ ابن رشید نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل میں امام بخاری نے مسجد بیت المقدس کے لئے چونکہ مستقل ترجمہ منعقد کیا ہے اس واسطے اس کو یہاں پر ذکر نہیں فرمایا، لیکن یہاں یہ سوال ضرور باقی رہ جاتا ہے کہ جب تینوں مساجد کا تذکرہ حدیث میں ایک سیاق میں وارد ہوا ہے تو اب یا تو تینوں کو کوئی ایک ترجمہ میں ذکر کرتے یا الگ ذکر کرنا ہوتا تو تینوں کے لئے الگ الگ تراجم منعقد کرتے، یہ کیا بات ہے کہ مسجد حرمین کے لئے تو الگ ترجمہ منعقد فرمایا اور مسجد بیت المقدس کو الگ ذکر فرمایا؟

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس تقیید کے ذریعہ سے بڑے لطیف انداز میں ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے مثلاً یہ نذر مان لی کہ میں ان مساجد ثلاثہ میں نماز پڑھوں گا تو آیا یہ نذر لازم ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، (۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امکنہ سارے مساوی ہیں لہذا نذر فی الامکنہ منعقد نہیں ہوگی اور یہ معتبر نہیں ہوگی، (۲) حضرت امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی بویطی کی روایت میں فرماتے ہیں کہ منعقد ہو جائے گی، حنفیہ میں سے امام زفر نے اسی کو اختیار کیا اور قاضی ابو یوسف کی یہی ایک روایت ہے، (۳) ابن منذر فرماتے ہیں کہ صرف مسجد حرمین کی نذر منعقد ہوگی، امام شافعی کتاب الام میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ صرف مسجد حرام کی نذر منعقد ہوگی اور یہی قول شافعیہ کے یہاں منصور و مشہور ہے۔

جو حضرات تینوں مساجد میں نذر منعقد ہونے کے قائل ہیں وہ حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى سے استدلال کرتے ہیں، حضور ﷺ نے ان تینوں مساجد کو ایک خاص مقام عطا فرمایا ہے اور ان کی طرف شد رحال کی اجازت دی ہے، لہذا اگر کوئی آدمی نذر مان لے گا تو وہ شدِ رحال کر کے نذر پوری کرنے کے لئے جائے گا۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ صرف مسجد حرمین کی نذر پوری ہوتی ہے اور باقی کی نہیں ان کی دلیل حضرت جابرؓ کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہوئی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور یہ کہا کہ یارسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہ آپ کے لئے مکہ کو فتح کردیں گے تو میں بیت المقدس میں نماز ادا کروں گا، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا صلِّ ھاھنا یہاں یعنی مسجد حرام میں نماز پڑھ لو، اس نے پھر اپنی بات کا تکرار کیا آپ نے فرمایا صلِّ ھاھنا، جب سہ بارہ اس نے اپنی خواہش ظاہر کی تو فرمایا شأنک إذن تمہارا جو خیال ہے وہ کرلو، بہرحال یہ حدیث پاک اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد حرام کو وہ مقام حاصل ہے جو دوسری مساجد کو حاصل نہیں، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو مسجد حرم کے متعلق ہے لہذا بس اسی کو ایک خاص توقیر حاصل ہے اور کسی اور کو نہیں، یعنی مطلب یہ ہے کہ حضور فتح مکہ کے موقع پر فرماتے ہیں صلِّ ھاھنا معلوم ہوا کہ اور جگہوں کی نذر مسجد حرام ہی میں پوری ہوجائے گی، اور جب اور جگہوں کی نذر مسجد حرام میں پوری ہوسکتی ہے تو مسجد حرام کی نذر تو بدرجۂ اولیٰ منعقد ہوگی۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ نذر کا پورا ہوجانا امر آخر ہے اور انعقادِ نذر امر آخر ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ نذر منعقد ہوتی ہو کہیں اور پوری ہوتی ہو کہیں، اس واسطے کہ جہاں پوری ہورہی ہے وہاں وہ معنی بھی موجود ہے جس کی نذر مانی گئی تھی اور اس سے زائد بھی موجود ہے، مثلاً یہ سمجھو کہ مسجد حرام افضل المساجد ہے پھر دوسرے نمبر پر مسجد نبوی ہے اور تیسرے نمبر پر مسجد بیت المقدس ہے، لہذا اگر کوئی مسجد بیت المقدس کی نذر مانتا ہے اور وہ اس کو مسجد نبوی میں پوری کرلیتا ہے تو پوری ہوجائے گی اس لئے کہ اس میں مزید فضل موجود ہے، اور اگر مسجد نبوی کی نذر مانتا ہے اور وہ اس کو پورا کرلیتا ہے مسجد حرام میں تو نذر پوری ہوجائے گی اس واسطے کہ وہاں مزید فضل موجود ہے، چنانچہ جو حضرات مساجد ثلاثہ کی نذر کے انعقاد کے قائل ہیں وہ اس تفصیل کے بھی قائل ہیں، روایتِ جابرؓ سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ تیری نذر جو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کے لئے کی گئی تھی وہ نذر یہاں پوری ہو جائے گی لہذا اس سے یہ نہیں اخذ کیا جاسکتا ہے کہ صرف مسجد حرام ہی کی نذر منعقد ہوگی۔

مگر ابن منذر وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضور کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا اعتبار ہی نہیں، صلِّ ھاھنا یہیں نماز پڑھ لے اور یہ آپ نے صرف مسجد بیت المقدس کے بارے میں فرمایا معلوم ہوا کہ مسجد حرمین کی یہ نوعیت نہیں ہے، بہرحال یہ مسئلہ مسائل مجتہد فیہا میں سے ہے لکل وجھۃ ھو مولیھا جس مجتہد کو جو بات سمجھ

میں آتی ہے وہ اس کو اختیار کرتا ہے، مجھے تو اس مسئلہ میں امام زفر کا قول ہی اقویٰ وارجح معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حرمین کی مسجدوں کو ایک ترجمہ میں ذکر کرکے ابن منذر کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسجد حرمین کی اگر کوئی نذر مانے تو منعقد ہوگی مسجد بیت المقدس کی نذر منعقد نہیں ہوگی، یہ حضرت شیخ دامت برکاتہم کی دقتِ نظر، نکتہ آفرینی اور دقیقہ رسی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اس غرض میں تھوڑا سا تأمل ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق مسائل نذر سے ہے اور یہاں ابواب تطوع چل رہے ہیں لہٰذا اس کو یہاں کے بجائے کتاب الایمان والنذور میں بیان کرنا چاہئے تھا۔

عبد ضعیف کا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے حرمین کی مسجد کو الگ ترجمہ میں ایک ساتھ جو جوڑا ہے اس کا ایک خاص منشاء ہے اور وہ منشاء یہ ہے کہ مکہ مولدِ نبوی ہے اور مدینہ مدفنِ نبوی ہے، یوں کہہ لو کہ مکہ مسجد اول ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مدینہ آپ کی مسجد ثانی ہے، مسجد حرام آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ خاندانی آپ کی مسجد ہے اور مسجد نبوی آپ کی اپنی مسجد ہے اس لئے ان دونوں مسجدوں کا تو آپ کی ذات گرامی کے ساتھ ایک مخصوص تعلق ہے لہٰذا مصنف نے ان دونوں کو ایک ترجمہ میں ذکر کیا، اور مزید امر یہ ہے کہ یہ زیارت گاہِ مسلمین ہے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور مسجد حرام کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچتا ہے اور مسجد نبوی کی زیارت نصیب ہوتی ہے، غرضکہ جماعۃ المسلمین اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں مسجدوں سے جو تعلق ہے شرعی اور خاندانی حیثیت سے وہ تعلق مسجد اقصیٰ کے ساتھ نہیں ہے اس سے ہمارے کسی نسک کا تعلق نہیں ہے اس لئے مصنف نے غالباً اس کو الگ مستقل ذکر کیا ہے۔

سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ أَرْبَعًا قَالَ سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم: یہاں مصنف نے اختصار کر دیا اور متن حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ پر نقل کیا ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ کا متن باب مسجد بیت المقدس میں مفصل طور پر آرہا ہے اور اس میں وہ مضمون بھی آرہا ہے جو ابوہریرہؓ کی روایت میں وارد ہے، اور چونکہ مصنف کا یہاں پر یہی مقصود تھا اس لئے حدیث کے ابتدائی حصہ کو ذکر کرکے آگے پھر حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث اور اس کا متن ذکر فرمایا ہے۔

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ: رحال رحلۃ کی جمع ہے، شدِ رحال نہیں کیا جائے گا مگر ان تین مساجد کی طرف، شدِ رحال کنایہ ہے سفر سے، مسافر جب سفر شروع کرتا ہے تو پالان کو سواری پر کستا ہے اور پھر سفر شروع کرتا

ہے، یہ صیغہ صورۃً خبر ہے اور معناً انشاء مقصود ہے أی لا تشدوا الرحال تم شدِ رحال نہ کرو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علی حالہا خبر کا صیغہ رہے لفظاً بھی اور معناً بھی، اور مقصود یہ ہے کہ شدِ رحال کرنے میں کوئی خاص فضیلت نہیں سوائے ان تین مساجد کی طرف شدِ رحال کرنے کے۔

إِلَّا إِلَی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ: سوائے تین مساجد کے۔

المسجد الحرام: مسجد حرام مکہ مکرمہ کی مسجد ہے، مسجدِ حرام کے اطلاقات مختلف ہیں، کبھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خاص مسجد شریف مسجد مکہ پر، اور کبھی اس کا اطلاق پورے حرم پر بھی ہوتا ہے، اور بعض اوقات اس کا اطلاق مکہ پر بھی کیا جاتا ہے، علامہ بدرالدین زرکشی نے لکھا ہے کہ کبھی اس کا اطلاق کعبہ پر ہوتا ہے اور اس کا قرینہ یہ پیش کیا ہے کہ نسائی کی روایت میں إلا الکعبۃ کا لفظ وارد ہوا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں فیہ نظر اس لئے کہ نسائی کی روایت میں إلا مسجد الکعبۃ کا لفظ ہے اور اگر لفظِ مسجد نہ بھی ہوتا تو بھی یہی مراد ہوتا، زرکشی نے ایک معنی اور نقل کئے ہیں الکعبۃ والحطیم اور ایک معنی نقل کئے ہیں المسجد وماحولہا، اور ایک معنی نقل کئے ہیں مکۃ وعرفۃ۔

وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ: الرسول میں الف ولام عہد کا ہے اور اس سے رسول عربی نبی اکرم ﷺ مراد ہیں، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ یوں الرسول کہنا بلا اضافت کے مکروہ ہے اس لئے کہ لفظِ رسول لغت میں مستقل قاصد کے معنی میں آتا ہے مگر چونکہ یہاں پر قرینہ ہے اس لئے کوئی کراہت نہ ہونی چاہئے، اور ہو سکتا ہے بلا کسی تعیین کے ہو۔

وَمَسْجِدِ الْأَقْصَی: مسجد اقصیٰ میں اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے، یہ کوفیین کے یہاں جائز ہے لیکن بصریین اس جیسے مواقع میں تاویل کرتے ہیں أی مسجد المکان الأقصی، اور جیسے مسجد الجامع أی مسجد المکان الجامع، مسجد اقصیٰ کو اقصیٰ یا اس لئے کہا جاتا ہے کہ (۱) اس کے بعد اس علاقہ میں کوئی مسجد نہیں ہے، یا (۲) وہ مسجد حرام سے زیادہ دوری پر ہے بہ نسبت مسجد رسول ﷺ کے، یا (۳) اس کا زمانہ وضع مسجد حرام کے بہت بعد ہے، یا (۴) اقصیٰ کے معنی ہیں بعید کے اور چونکہ وہ متباعد عن الاقذار ہے، حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہمیشہ وہاں رہے اور وہ مسجد کی نگرانی کرتے رہے ہیں اسلئے اس کو مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے۔

شدِّ رحال کا مسئلہ: اس حدیث پاک سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ صرف ان مساجد کی طرف شدِ رحال کی اجازت ہے، باقی اور مساجد کی طرف شدِ رحال کی اجازت ہے یا نہیں؟ ایک جماعت نے اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ زیارتِ صالحین اور اسی طرح سے مواضع فاضلہ کے لئے شدِ رحال حرام ہے اسی کو شیخ ابو محمد جوینی، قاضی عیاض اور ابوالوفاء بن عقیل حنبلی نے اختیار کیا ہے، قاضی حسین جو امام ابو محمد بغوی صاحب مصابیح کے استاذ ہیں انہوں نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن امام الحرمین اور علامہ موفق الدین بن قدامہ حنبلی اور ان کے تلمیذ شمس الدین بن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی فرماتے ہیں کہ زیارت صالحین اور مواضع فاضلہ کے لئے شدِ رحال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، امام نووی نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے، مانعین اس روایت کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

لیکن جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ مختلف جواب دیتے ہیں۔

(۱) لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ کا مطلب یہ ہے کہ ان مواضع ثلاثہ کے علاوہ باقی اور مواضع کی طرف شدِ رحال کرنے میں کوئی خاص فضیلت نہیں ہے، علامہ موفق الدین بن قدامہ حنبلی اور ان کے تلمیذ شمس الدین بن ابی عمر المقدسی نے یہی جواب دیا ہے۔

(۲) اس کا تعلق مسئلۂ نذر سے ہے جسکو میں ابھی بیان کر چکا ہوں، امام خطابی، حافظ ابن عبد البر اور ابن بطال کی یہی رائے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان نذر مانتا ہے تو صرف ان تین مساجد کی نذر منعقد ہوگی لہذا وہاں کا شدِ رحال کرنا پڑے گا باقی اور مواضع کی نذر منعقد نہیں ہوگی لہذا وہاں شدِ رحال نہیں کیا جائے گا۔

(۳) اس کا تعلق مسئلۂ اعتکاف سے ہے یعنی اگر کوئی اعتکاف کرنا چاہے تو باقی تمام مساجد اعتکاف کرنے میں برابر ہیں، ہاں ان تین مساجد کو فضیلت حاصل ہے لہذا یہاں اعتکاف کرنے کیلئے شدِ رحال کیا جاسکتا ہے۔

(۴) اصل میں یہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ہے اور یہاں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں لہذا یہ استثناء مفرغ ہے، اب یہاں پر مستثنیٰ منہ مقدر مانا جائے گا، یا تو بالکل عام مانا جائے یا خاص؟ اگر عام مانا جائے تو یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ بن جائے گا لاتشد الرحال إلى مكان إلا إلى ثلاثة مساجد سوائے تین مساجد کے اور کہیں بھی شدِ رحال کی اجازت نہیں، پھر تو طلب علم کیلئے بھی شدِ رحال ممنوع ہونا چاہئے، تجارت وغیرہ کیلئے بھی

شدِ رحال ممنوع ہونا چاہیے، اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملنے کے لئے بھی شدِ رحال ممنوع ہونا چاہیے، کسی کی معاونت کی غرض سے کہیں جانا ممنوع ہونا چاہیے، حالانکہ یہ سب صورتیں بالاجماع جائز ہیں، معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ کلیۃً عام نہیں مانا جائے گا بلکہ یہاں پر خاص مقدر مانا جائے گا۔

اب وہ خاص کیا مقدر مانا جائے؟ جس کو جو سمجھ میں آئے وہ مقدر مان سکتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حدیث پاک سے جو سمجھ میں آئے اسے ماننا چاہیے، چونکہ جانبِ مستثنیٰ میں مسجد کا تذکرہ ہے لہذا جانب مستثنیٰ منہ میں بھی مساجد ہی مقدر ماننا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے کہ تقدیر کلام ہے لاتشدّ الرحال إلی مسجد إلا إلی ثلاثۃ مساجد، تمام مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف شدِ رحال کی گنجائش نہیں ہے صرف تین مساجد کی طرف شدِ رحال کی گنجائش ہے اور وہ تینوں یہ مسجدیں ہیں۔

یہ مطلب نہایت واضح ہے اور اس کی تائید مسند احمد کی ایک روایت سے ہوتی ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا قال رسول اللہ ﷺ لا ینبغی للمصلّی أن یشدّ رحالہ إلی مسجد تبتغی فیہ الصلوۃ غیر مسجد الحرام و المسجد الأقصی و مسجدی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے و الحدیث حسن و إن کان فیہ بعض الضعف، بہر حال یہ حدیث پاک حدیث باب کی مراد کو متعین کرنے کے لئے قرینہ بن جائے گی۔

کلام ابن تیمیہ کا محمل: حضرت علامہ ابن تیمیہ نے اس روایت کی بناء پر شدِ رحال لقبر رسول اللہ ﷺ سے منع کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب صرف شدِ رحال الیٰ ثلاثۃ مساجد کی اجازت ہے تو شدِ رحال الی القبور کی اجازت نہیں ہو سکتی ہے، علامہ ابن تیمیہ نے صرف یہی بات کہی تھی، لیکن بعد میں جب مخالفین آئے تو انہوں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ علامہ زیارت نبویہ سے بھی منع کرتے ہیں یہ نسبت غلط ہے، حافظ ابن عبد الہادی حنبلی نے الصارم المنکی فی الرد علی السبکی میں اس کی بڑی پرزور تردید فرمائی ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام سے جو بات پیش کی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ نے زیارت قبر رسول سے منع نہیں کیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر طریقۂ مسنونہ کے مطابق زیارت کی جائے تو یہ من اعظم القربات ہے، نیز وہ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی شدِ رحال للقبور نہ کرے بلکہ شدِ رحال لمسجد الرسول ﷺ کرے اور جب مدینہ پہنچ جائے تو جو زیارت قبر رسول کا

مسنون طریقہ ہے اس طریقہ پر سید الرسل فخر عالم ﷺ کی قبر اطہر کی بھی زیارت کرے۔

مگر اس چیز میں بہت بنیادی اختلاف یہ ہے کہ آیا شدِ رحال لقبر النبی ﷺ ممنوع ہے یا نہیں؟ ابن تیمیہ نے اس روایت کو اس کے ظاہر پر رکھ کر شدِ رحال للقبور کی ممانعت کا مسئلہ اپنایا ہے اور یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ سوائے مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس کے اور کسی جگہ شدِ رحال کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔

دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مطلب ہے **لاتشد الرحال إلى مسجد إلا إلى ثلاثة مساجد** لہذا جس شدِ رحال سے منع کیا گیا ہے وہ شدِ رحال الی المساجد ہے اور وجہ ممانعت یہ ہے کہ ساری مساجد مسجد ہونے میں برابر ہیں مگر ان تین مساجد کو چونکہ تفوق حاصل ہے لہذا یہاں پر شدِ رحال کی اجازت ہے۔

اور ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کو یہ فضیلت حاصل ہی ہوئی جناب رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے پھر کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے شدِ رحال نہ کیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی یہاں پر کچھ علامہ ابن تیمیہ کے قول کی طرف مائل نظر آتے ہیں، انہوں نے اپنے تراجم میں نقل کیا ہے کہ امام غزالی نے یہاں تقدیر عبارت مانی ہے **لاتشد الرحال إلى مسجد إلا إلى ثلاثة مساجد** تاکہ شدِ رحال لزیارة القبور مسکوت عنہ ہو اور نہی کے تحت داخل نہ ہو، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مگر مجھ کو اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے شدِ رحال سے جو منع کیا ہے اس کا مقصود سدِ ذریعہ ہے تاکہ لوگ جو ہر مسجد اور ہر مکان کو متبرک سمجھتے ہیں اس کو ایسا متبرک نہ بنادیں کہ لوگ اس کی ایسی تعظیم کرنے لگیں جیسے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس کی تعظیم کی جاتی ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کیا کرتے تھے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مستثنیٰ منہ خاص مقدر نہ مانا جائے بلکہ کلام کو علی العموم چھوڑ دیا جائے، اور اگر مقدر ماننا ہی ہے تو تقدیر یوں مانی جائے **لاتشد الرحال إلى مكان من الأمكنة المعظمة بين الناس من المقابر والمساجد إلا إلى هذه الثلاثة المعظمة۔**

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ پھر رسول پاک ﷺ قباء کیوں تشریف لے جایا کرتے تھے؟ آپ سے ہر سبت کو تشریف لے جانا ثابت ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد قباء کی وجہ سے یہ جانا نہیں تھا بلکہ قباء کے جو سکان اور مسلمین تھے اور وہاں جو انصار رہتے تھے چونکہ وہ آپ سے دور رہتے تھے لہذا آنحضور ﷺ ان کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے یہ ہے تو عرس میں جانے اور زیارت قبور کے لئے جانے کا کیا درجہ ہو گا؟ اس کو آدمی خود سمجھ لے، عرس میں جانا جائز نہیں اور بذات خود عرس ناجائز ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے عرس کے حرام ہونے کی تصریح اپنی تفسیر الشہیر بتفسیر المظہری میں کی ہے، اور آج لوگ کہیں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی زیارت کو جاتے ہیں اور کہیں مجدد الف ثانی کی زیارت کو جاتے ہیں، حقیقت یہ ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ مجھے کوئی صریح حدیث اس طرح کی زیارات کے بارے میں معلوم نہیں ہے، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مغلوب الحال ہو جیسے کوئی صاحب سلسلہ شیخ ہو اور اس پر واقعی کوئی باطنی کیفیت ایسی طاری ہو جس کی وجہ سے وہ جاتے ہیں تو ان پر تو کلام نہیں کیا جائے گا لیکن ایسے مشائخ کی تقلید بھی نہیں جائے گی اس لئے کہ آئندہ ایسی چیزیں بہت سے مفاسد کا سبب بن جاتی ہیں اور قبور اور اصحاب قبور کے سلسلہ میں بے جا تعظیم اور حد درجہ غلو کیا جانے لگتا ہے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا: حضور ﷺ نے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کو مسجد حرام کو چھوڑ کر باقی تمام مساجد میں نماز پڑھنے پر ہزار درجہ افضل قرار دیا، یہاں دو بحثیں ہیں اور ویسے حدیث میں تین بحثیں ہیں۔

(۱) مسجد نبوی کی کیا حد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہ حصہ ہے جو عہد نبوت میں مسجد نبوی میں داخل تھا اور اسی میں یہ فضیلت حاصل ہو گی، علامہ تقی الدین سبکی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور علامہ ابن جوزی نے ابو الوفاء بن عقیل حنبلی سے یہی ذکر کیا ہے۔

لیکن علامہ محب الدین طبری، شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ اور اسی طرح ملا علی قاری اور دوسرے حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ فضیلت اس سارے حصہ میں حاصل ہو گی جو مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا ہے اسلئے کہ رسول پاک ﷺ سے ایک اثر منقول ہے **لو مدّ هذا المسجد إلى صنعاء اليمن لكان مسجدی** اور اس طرح کے متعدد آثار منقول ہیں، علامہ ابن تیمیہ اور محب طبری نے اس طرح کے بہت سے آثار پیش کر کے یہ دلیل نکالی ہے کہ **مسجدی** سے صرف وہ حصہ مراد نہیں جو عہد نبوت میں موجود تھا بلکہ وہ ساری جگہ مسجد میں داخل ہو جائے گی جو بعد میں شامل کی گئی ہے، شیخ محدث عبد الحق دہلوی نے یہی قول جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور صاحب در مختار وغیرہ فقہاء احناف نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، علامہ محب طبری نے نقل کیا ہے کہ بعد

میں امام نووی نے اسی قول کی طرف رجوع فرمایا ہے۔

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر آنحضور ﷺ کی مسجد میں وہ ساری جگہ داخل ہے جو بعد میں اس میں شامل کی گئی تو آپ نے مسجدی ھذا میں ھذا کا کس طرف اشارہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لفظِ ھذا سے اشارہ کرکے ان مساجد کو نکالا ہے جو آپ کی طرف منسوب ہوتی تھیں جیسے مسجد قباء وہ بھی آپ کی بنیاد رکھی ہوئی اور تعمیر کی ہوئی تھی اس لئے اس کو نکال دیا کہ یہ فضیلت صرف اس مسجد کے ساتھ خاص ہے جو حضور کی مسجد ہے اور یہ مدینہ والی مسجد ہے۔

(۲) یہ فضیلت صرف فرض نماز کی ہے یا اس میں نوافل بھی داخل ہیں؟　حنفیہ میں سے امام طحاوی اور مالکیہ میں سے ابن ابی زید کی رائے یہ ہے کہ یہ مضاعفت اور فضیلت فریضہ کے ساتھ خاص ہے، مگر امام بخاری کا اس حدیث کو ابواب تطوع میں لانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے نزدیک تطوع کے ساتھ خاص ہے، لیکن روایات کا اطلاق اور عموم اس بات کو چاہتا ہے کہ فرائض و تطوعات سب میں یہ مضاعفت حاصل ہوگی اور جو نماز بھی وہاں ادا کی جائے گی اس میں المضاعفت ثواب ملے گا یہی جمہور علماء کی رائے ہے، امام بخاری کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ مضاعفت کو مخصوص بالنوافل مانتے ہیں۔

(۳) إلا المسجد الحرام کا یہ استثناء کیسا ہے؟　اس میں تین احتمال ہیں، یا اس سے بیانِ افضلیت ہو، یا بیانِ مفضولیت ہو، یا مساوات کا بیان کرنا مقصود ہو۔

اگر اول احتمال ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مسجد حرام کو مسجد نبوی پر فضیلت حاصل ہے، اور اگر دوسرا ہو تو مطلب ہوگا کہ مسجد حرام مسجد نبوی سے مفضول تو ہے لیکن زیادہ نہیں ہزار درجہ نہیں بلکہ تھوڑا سا، اور اگر مساوات کا بیان کرنا مقصود ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا اور جگہوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے سوائے مسجد حرام کے کہ وہاں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے مساوی ہے۔

بہت سے مالکیہ نے تیسرا احتمال اختیار کیا اور بعضوں نے احتمال ثانی کو، لیکن جمہور علماء نے احتمال اول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور دوسری احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا پچاس

ہزار درجہ نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

اسی اختلاف پر ایک اور اختلاف مبنی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ افضل ہے؟

مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ جمہور مکہ کی افضلیت کے قائل ہیں، امام مالک وغیرہ مدینہ کی افضلیت کے قائل ہیں، اس سلسلہ میں فریقین نے مختلف دلائل پیش کئے ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی کا مستقل طور پر اس مسئلہ میں ایک رسالہ بھی ہے، جمہور علماء کی دلیل عبداللہ بن عدی بن حمراءؓ کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ جب ہجرت کرکے مکہ سے نکلے تو مقام حزورہ پر کھڑے ہوکر آپ نے ارشاد فرمایا تھا وَاللهِ إِنَّکِ لَخَیْرُ أَرْضِ اللهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللهِ إِلَيَّ وَاللهِ لَوْ لاَ أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْکِ مَا خَرَجْتُ أو کما قال ﷺ، ابن عبدالبر وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت نص فی المسئلہ ہے، بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا ہے لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ سارا اختلاف اس بقعۂ شریفہ کے غیر میں ہے جہاں حضور اکرم ﷺ آرام فرمارہے ہیں، قاضی عیاض نے بھی اس بقعۂ شریفہ کا استثناء کیا ہے اور یہ اتفاق نقل کیا ہے کہ وہ تمام روئے زمین میں سب سے افضل حصہ ہے، اسی طرح ابن عساکر، قاضی باجی وغیرہ نے بھی یہ قول اختیار کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ کعبہ سے بھی افضل ہے بلکہ ابن عقیل حنبلی تو کہتے ہیں إنها أفضل من العرش۔

(ص ۱۵۹) بَاب مَسْجِدِ قُبَاءٍ

۱۱۹۱۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لاَ يُصَلِّي مِنَ الضُّحَى إِلاَّ فِي يَوْمَيْنِ يَوْمَ يَقْدَمُ بِمَكَّةَ فَإِنَّهُ كَانَ يَقْدَمُهَا ضُحًى فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ وَيَوْمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَأْتِيهِ كُلَّ سَبْتٍ فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَرِهَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهُ حَتَّى يُصَلِّيَ فِيهِ قَالَ: وَكَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَزُورُهُ رَاكِبًا وَمَاشِيًا.

۱۱۹۲۔ قَالَ: وَكَانَ يَقُولُ لَهُ: إِنَّمَا أَصْنَعُ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يَصْنَعُونَ وَلاَ أَمْنَعُ أَحَدًا أَنْ صَلَّى فِي أَيِّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ غَيْرَ أَنْ لاَ يَتَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلاَ غُرُوبَهَا.

ترجمہ: باب، مسجد قباء کا بیان۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا چاشت کی نماز پڑھنے کا معمول صرف دو دن تھا، ایک اس دن جب وہ مکہ آتے تھے وہ مکہ مکرمہ چاشت کے وقت آتے تھے بیت اللہ کا طواف کرتے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھتے، اور دوسرے اس دن جب قباء کی مسجد آتے، قباء ہر سنیچر کو آتے تھے جب مسجد میں داخل ہوتے تو نماز پڑھنے تک نکلنے کو ناپسند کرتے تھے، بیان فرماتے تھے کہ نبی ﷺ اس مسجد میں سوار ہو کر بھی آتے تھے اور پیدل بھی، فرمایا کرتے تھے کہ میں اسی طرح کرتا ہوں جیسے میں نے اپنے حضرات کو کرتے دیکھا، میں کسی کو شب وروز کے کسی وقت میں نماز سے نہیں روکتا، ہاں مگر سورج نکلنے اور ڈوبنے کے وقت کا ارادہ مت کرو۔

تشریح: قباء میں مد اور قصر اور انصراف اور عدم انصراف اور تانیث اور تذکیر سب جائز ہے۔

کوئی کہتا ہے۔

حِرَاءٌ وَقُبَاءٌ ذَکِّرْ وَأَنِّثْهُمَا مَعًا وَمُدَّ أَوِ اقْصِرْ وَاصْرِفَنْ وَامْنَعِ الصَّرْفَا

حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے مسجد قباء کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ فضیلت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ ہر شنبہ کے دن قباء تشریف لایا کرتے تھے۔

اگر کوئی آدمی مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مان لے تو حنفیہ کے یہاں تو امکنہ اور ازمنہ کی تعیین کا اعتبار ہی نہیں ہے لیکن جو حضرات اعتبار کرتے ہیں وہ بھی عام طور سے یہ نذر نہیں مانتے ہیں صرف محمد بن مسلمۃ المالکی کہتے ہیں کہ یہ نذر لازم ہو جائے گی۔

وَكَانَ يَقُولُ إِنَّمَا أَصْنَعُ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي: یعنی حضرت ابن عمرؓ نافع سے یوں فرما رہے تھے کہ میں تو وہی کروں گا جیسا کہ میں نے اپنے اصحاب یعنی رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین ابو بکرؓ و عمرؓ وغیرہ کو کرتے دیکھا ہے کہ رات دن میں کسی وقت کسی کو میں نماز پڑھنے سے منع نہیں کرتا ہوں بس تحری طلوع وغروب نہ کرے باقی اوقات میں نماز پڑھ سکتے ہیں، معلوم ہوا کہ ابن عمرؓ صلوۃ ضحیٰ کے قائل نہیں تھے جیسا کہ ان سے اس کا بدعت ہونا منقول ہے، اور یہ بھی سعید بن منصور نے نقل فرمایا و نعم ما أحدثت اچھی چیز کا ایجاد کیا، بدعت تو مشروع ہو نہیں سکتی اس کے باوجود جب ابن عمرؓ سے یہ نقل کیا گیا و نعم ما أحدثت تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مداومت جو ایجاد کر دی گئی ہے یہ اچھی چیز ہے، لیکن کسی چیز کی مداومت اگر التزام کی شکل اختیار کر لے اور کسی علمی اشکال واختلاف کا خطرہ ہو یا عقیدہ میں فساد کا خطرہ ہو تو ایسے وقت میں ایسے ملتزمات کو چھوڑ دینا

چاہئے، کبھی کبھی اس کے خلاف بھی کر دینا چاہئے۔

غَيْرَ أَنْ لَا تَتَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا: اس سے بھی یہ بات نکلتی ہے کہ ان کے نزدیک صرف انہی دو اوقات میں ممانعت ہے اور باقی تمام اوقات میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(ص ۱۵۹) بَابُ مَنْ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ

۱۱۹۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: باب، ہر ہفتہ مسجد قباء آنے کا بیان۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر سنیچر کو مسجد قباء آتے تھے پیدل یا سوار، عبد اللہ بن عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے محمد بن مسلمۃ المالکی پر رد کرنا چاہتے ہیں، قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ وہ ہر سبت قباء جانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس کی علت یہ بتلاتے تھے کہ کہیں لوگ سنت نہ سمجھ بیٹھیں، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور ﷺ کی حدیث نہیں پہونچی ورنہ آنحضور ﷺ کی اس حدیث کے بعد وہ ہر سبت قباء جانے کو کیسے مکروہ سمجھ سکتے ہیں؟ جب حضور نے التزام فرمایا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں جو التزام نہ کریں اور التزام کرنے کو مکروہ سمجھیں، فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے ویستحب أن یأتی قباء یوم السبت، قاعدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے جو افعال نقل کئے گئے ہیں اگر وہ فرض نہیں یا آپ کی خصوصیت نہیں یا آپ کے امور طبعیہ نہیں ہیں تو ان کا کرنا مندوب و مستحب ہے۔

(ص ۱۵۹) بَابُ إِتْيَانِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا

۱۱۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي قُبَاءَ رَاكِبًا وَمَاشِيًا. زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: باب، مسجد قباء پیدل یا سوار ہو کر آنے کا بیان۔

تشریح: امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلا رہے ہیں کہ مسجد قباء جانے کے لئے کوئی خاص صورت لازم نہیں ہے جیسا موقع ہو آدمی اس کو اختیار کر سکتا ہے، اگر سواری ہو تو سوار ہو کر چلا جائے اور اگر سواری نہ ہو تو پیدل جا سکتا ہے۔

(ص ۱۵۹) بَاب فَضْلِ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ

۱۱۹۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.

۱۱۹۶. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي.

ترجمہ: باب، اس جگہ کی فضیلت کا بیان جو قبر اور منبر کے درمیان ہے۔

عبداللہ بن یزید مازنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جگہ جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ وہ جگہ جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس باب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قبر مکرم اور منبر مبارک کے درمیان جو جگہ ہے وہ بہت خاص فضیلت رکھتی ہے، اصل میں امام بخاری نے اس سے پہلے صلوۃ فی المسجد النبوی کی فضیلت بیان کی تھی تو اب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کو اور مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ فضیلت حاصل ہے لیکن مسجد نبوی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو سارے حصوں پر فضیلت رکھتا ہے اور وہ حصہ منبر شریف اور روضۂ انور کے درمیان واقع ہے، اب اس حصہ پر سفید ستون کھڑے کر دیئے گئے ہیں جتنے

حصوں میں سفید ستون ہیں وہ ریاض الجنہ کی علامت ہے۔

فائدہ: روایت کے الفاظ ہیں مَا بَیْنَ بَیْتِي وَمِنبَرِي رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ مصنف نے ترجمہ میں قبر کا لفظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بیت سے مراد بیتِ عائشہؓ ہے جس میں سرکار دوعالم ﷺ آرام فرمارہے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ یُوسُفَ: اس حدیث پاک میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث معقول المعنیٰ ہے یا غیر معقول المعنیٰ؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ معقول المعنیٰ ہے اور علامہ جمال الدین محمد راسانی الریمی نے اس پر اتفاق بھی نقل کیا ہے کذا نقلہ صاحب وفاء الوفاء لیکن علامہ طیبی نے شرح مشکوۃ میں بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ عقول اس کے معنی کی طرف رسائی نہیں پاتے ہیں یعنی یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ کے کیا معنی ہیں؟

لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث پاک معقول المعنیٰ ہے اس لئے ہم اسی پر بنیاد رکھ کر حدیث کی تفسیر کرتے ہیں، المختصر یہ کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ لفظ حقیقت پر محمول ہے یا مجاز ہے؟

ایک بڑی جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے، پھر اگر یہ حقیقت پر محمول ہے تو اس کے کیا معنی ہے کہ یہ حصہ جنت کا ایک روضہ ہے۔

(۱) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حصہ جنت سے منتقل ہوکر یہاں آیا ہے، یہ مطلب عارف بن ابی جمرہ نے احتمال کے طور پر ذکر کیا ہے، علامہ نور الدین سمہودی فرماتے ہیں وھو من النفاسۃ بمکان لیکن ان دونوں سے بہت پہلے علامہ ابن حزم ظاہری نے کتاب المحلّٰی میں اس مسلک کو ضعیف قرار دیا ہے اس واسطے کہ وہاں انسان کو بھوک اور پیاس لگتی ہے حالانکہ جنت وہ جگہ ہے جہاں نہ کسی کو بھوک لگتی ہے اور نہ پیاس، شیخ ابن حجر مکی نے شرح مناسک نووی میں اس کا جواب دیا ہے کہ جب وہ حصہ دنیا میں منتقل کردیا گیا تو اب اس میں یہاں کے آثار منتقل ہوگئے اور بھوک وپیاس لگنے لگی مگر یہ واقعہ ہے کہ اس جواب پر دل کو تسلی نہیں ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا قول اس کے بالمقابل یہ ہے کہ اس حصہ ہی کو جنت کی طرف منتقل کردیا جائے گا، یہ مسلک ابن نجار نے اختیار کیا اور ابن فرحون نے ابن جوزی سے نقل کیا ہے انہوں نے امام مالک سے نقل کیا ہے، اسی طرح

خطیب بن جملہ نے یہ مسلک دراوردی سے نقل کیا، علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں کہ یہی مسلک صحیح ہے اور صاحب وفاء الوفاء لکھتے ہیں کہ یہی تمام مسالک میں سب سے اقویٰ ہے۔

(۳) جو لوگ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجاز پر محمول ہے ان میں اختلاف ہے کہ اس کے معنی کیا ہے؟ حافظ ابن عبد البر، ابو سلیمان خطابی اور ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ریاض الجنۃ میں عبادت کرنا جنت میں پہنچانے والا ہے اور آدمی کو حوض کوثر سے پانی پینا اس کی برکت سے نصیب ہوگا۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اس میں اسی بقعہ کی کیا تخصیص ہے جہاں پر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریگا تو وہ عبادت اس کو جنت میں پہنچادے گی حالانکہ صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور سے یہ جنت کا ٹکڑا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اور جگہوں کی طاعت بھی اگرچہ جنت تک پہنچانے والی ہے لیکن اس جگہ پر طاعت کرنا اقرب الی الاجابۃ ہے، آدمی اگر وہاں بیٹھ کر طاعت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمادیں گے۔

بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کلام تشبیہی ہے جیسے حلق ذکر کو مجالس جنت کہہ دیا گیا ہے اس واسطے کہ وہاں فرشتے آکر جمع ہوجاتے ہیں، ایسے ہی اس حصہ کو ریاض الجنۃ کہا گیا ہے کہ جیسے جنت میں ہر وقت اللہ کی رحمت برستی ہے اسی طرح یہاں بھی اللہ کی رحمت برستی ہے، یہ مطلب راجح ہے اور اس کے بعد وہ مطلب راجح ہے جو ہم نے خطابی، ابن عبد البر اور ابن حزم سے نقل کیا ہے یعنی أن العبادة فيها تؤدي إلى الجنة۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: یہ حدیث اسی سند و متن کے ساتھ امام بخاری نے ابواب الحج کے اواخر میں ابواب فضائل المدینۃ میں ذکر کی ہے۔

وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي: اس میں یہ اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ آیا یہ حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ پھر اگر حقیقت پر محمول ہے تو اس کے کیا معنی ہیں؟ ایک جماعت نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے، پھر اس کے بعد بعض حضرات یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ بعینہ اسی منبر شریف کو کل قیامت کے دن حوض کوثر پر نصب فرمادیں گے، امام خطابی اور قاضی ابو الولید باجی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن عساکر کہتے ہیں وهو أظهر وعليه أكثر الناس، اور امام ابو القاسم سہیلی فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ جس وقت یہ حدیث بیان کر رہے تھے منبر شریف پر تشریف فرما تھے آپ کو اس وقت حوض کوثر کا ایسا مشاہدہ کرایا گیا گویا کہ وہ آپ کے سامنے موجود ہے اس لئے آپ نے فرمایا وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي میرا منبر میرے حوض پر

ہے گویا میں اس وقت یہاں سے اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں، چنانچہ ایک روایت میں وارد ہے کہ آپ اپنے منبر پر تشریف فرما تھے اور فرمایا إِنِّي أَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي مِنْ مَقَامِي هَذَا میں اپنی اس جگہ ہی سے اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں، اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام مجاز پر محمول ہے اور مقصد یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے پاس عبادت کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے جام نوش کرنے کا سبب اور ذریعہ ثابت ہوگا۔

(ص ۱۵۹) بَاب مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ

۱۱۹۷ . حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ سَمِعْتُ قَزَعَةَ مَوْلَى زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ يُحَدِّثُ بِأَرْبَعٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَعْجَبْنَنِي وَآنَقْنَنِي قَالَ: لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ وَلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاتَيْنِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي.

ترجمہ: باب، بیت المقدس کی مسجد کا بیان۔

تشریح: اس کے متعلق میں بَاب فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ میں کلام کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک امام بخاری نے مسجد بیت المقدس کو مسجد حرمین سے اس لئے الگ بیان کیا ہے کہ مسجد حرمین کا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہے، آپ کے دین کا اس سے تعلق ہے، دونوں جگہ سے خاص تعلق ہے ایک آپ کا مولد اور دوسرا آپ کا مدفن، ایک آپ کی نبوت کی ابتدائی منزل اور دوسری آپ کی انتہائی منزل ہے، ایک جگہ حج ہوتا ہے اور دوسری جگہ آپ آرام فرما رہے ہیں اور آپ کا مہاجر ہے۔

فَأَعْجَبْنَنِي وَآنَقْنَنِي: دونوں ہم معنی ہیں یعنی جو چار کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسعید خدریؓ نے نقل کئے وہ مجھے بڑے اچھے لگے، (۱) عورت دو دن کا بغیر شوہر کے یا بغیر اپنے محرم کے سفر نہ کرے، (۲) اور دو دنوں میں روزہ نہیں عید کے دن اور بقرہ عید کے دن، اللہ میاں بھی بہت اچھے ہیں عید اور بقرہ عید کھانے پینے کا دن خوشی منانے کا دن، حق تعالیٰ نے بڑا اکرم فرمادیا کہ اس دن روزہ ہی نہیں اللہ کے رسول کی زبان سے یہ اعلان

کرادیا وَلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى نہ عید الفطر میں روزہ ہے اور نہ عید الاضحیٰ میں روزہ ہے تاکہ بعض خشک قسم کے زاہد لوگ اس دن روزہ داری میں مشغول نہ ہو جائیں سب عید میں شریک ہوں، لیکن عید کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آدمی بستی سے نکل کر آوارہ گھومنے پھرنے اور ادھر ادھر میلوں میں جانے لگے، (۳) اور دو نمازوں کے بعد کوئی نماز نہیں صبح کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، (۴) اور کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام، مسجد اقصی اور میری مسجد۔

کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ پورا ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(ص ۱۵۹) أَبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

بعض نسخوں میں یہ عنوان ہے أبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ، یہاں سے مصنف نے عمل فی الصلوۃ کے متعلق تراجم منعقد کئے ہیں، احادیث مختلف قسم کی وارد ہوئی ہیں بعض سے بعض اعمال کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے ان کی کراہت معلوم ہوتی ہے، حضرات محدثین کرام ان احادیث پر جیسا اس میں مضمون ہوتا ہے اس کے مناسب ترجمہ منعقد کرتے جاتے ہیں۔

حضرات فقہاء نے اس طرح کی احادیث سامنے رکھ کر ایک ضابطہ مقرر کر دیا اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ عمل کثیر مفسد صلوۃ ہے اور عمل قلیل مفسد صلوۃ نہیں ہے، رہا یہ کہ عمل کثیر کسے کہتے ہیں اس سلسلہ میں حضرات احناف کے پانچ قول ہیں جو ان کی کتب فقہ میں مذکور و مشہور ہیں، (۱) اگر دور سے کوئی شخص دیکھنے والا دیکھے تو اس عمل کرنے والے کو نماز میں نہ سمجھے تو وہ عمل کثیر ہے اور اگر یہ سمجھے کہ نماز پڑھ رہا ہے تو قلیل ہے، (۲) مبتلیٰ بہ کی رائے پر موقوف ہے، علامہ قہستانی کہتے ہیں کہ یہی اقرب الی مذہب ابی حنیفہ ہے، (۳) جس میں دونوں ہاتھ لگ جائیں وہ کثیر ہے یعنی جو کام دو ہاتھ سے کیا جاتا ہے وہ کیا جائے تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے، (۴) جس میں توالی حرکات تین مرتبہ ہو جائے وہ کثیر ہے ورنہ قلیل ہے، (۵) اگر کسی کام کے لئے مستقل مجلس منعقد کرنی ہوتی ہو وہ عمل کثیر ہے ورنہ قلیل ہے، حضرات شافعیہ کے بھی اس میں چار قول ہیں ان میں مشہور قول یہ ہے کہ عرف وعادت پر دارومدار ہے، یہی حنابلہ اور مالکیہ کا مسلک ہے۔

(ص ۱۵۹) بَابُ اسْتِعَانَةِ الْيَدِ فِي الصَّلَاةِ إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ

وقال ابن عباس: يستعين الرجل في صلاته من جسده بما شاء. ووضع أبو إسحاق قلنسوته في

الصلاة ورفعها. ووضع علي رضي الله عنه كفه على رصغه الأيسر إلا أن يحك جلدا أو يصلح ثوبا.

١١٨٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، وَهِيَ خَالَتُهُ، قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ عَلَى عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجَلَسَ فَمَسَحَ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ آيَاتٍ خَوَاتِيمَ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا بِيَدِهِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

ترجمہ: باب، نماز میں ہاتھ سے مدد لینے کا بیان جب کہ وہ عمل نماز سے متعلق ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان نماز میں اپنے جسم کے جس حصے سے چاہے مدد لے سکتا ہے، ابو اسحاق سبیعی نے نماز کے دوران اپنی ٹوپی نیچے رکھی اور اٹھائی، حضرت علیؓ نے اپنی ہتھیلی اپنے بائیں گٹے پر رکھی مگر یہ کہ کھجائے یا کپڑا درست کرے۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر نماز میں کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے جس کا فائدہ نماز کی طرف عائد ہوتا ہو تو ہاتھ کو استعمال کیا جا سکتا ہے، مثلاً آدمی کی ٹوپی گر گئی تو اٹھا کر سر پر رکھ سکتا ہے اس کا فائدہ نماز ہی کی طرف عائد ہوگا کہ نماز میں اطمینان رہے گا، اسی طرح سے اگر آدمی کو کھجلی لگی اور بدن کھجلا لیا تو یہ جائز ہے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ نماز میں سکون واطمینان رہے گا ورنہ اگر نہیں کھجایا تو طبیعت اسی طرف مشغول اور متوجہ ہو جائے گی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی نماز میں جس چیز سے چاہے مدد لے سکتا ہے، یعنی ایسا عمل کر سکتا ہے جس کا نفع نماز کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہو، اثر ابن عباسؓ مطلق ہے اور مصنف کا ترجمہ مقید ہے، إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ کی قید لگی ہوئی ہے لہٰذا بظاہر یہ اثر ترجمہ کے مطابق نہیں لیکن اصل بات

یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے ترجمہ میں یہ قید ذکر کرکے اس بات پر تنبیہ کی کہ ابن عباسؓ کا اثر اگرچہ صورۃً مطلق ہے لیکن حقیقۃً مقید ہے۔

إلَّا أنْ یَحُکَّ جِلْدًا: بعض لوگوں نے جیسے امام اسماعیلی، ابن رُشید اور مغلطای نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ترجمہ کا جزء ہے اور امام بخاری کا کلام ہے، لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے اثر کا ٹکڑا ہے، مسلم بن ابراہیم نے اسی طرح حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کَانَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ إذَا قَامَ إلَی الصَّلَاةِ فَکَبَّرَ ضَرَبَ بِیَدِهِ الْیُمْنَی عَلَی رُسْغِهِ الْأَیْسَرِ فَلَا یَزَالُ کَذٰلِکَ حَتّٰی یَرْکَعَ إلَّا أنْ یَحُکَّ جِلْدًا أوْ یُصْلِحَ ثَوْبَهُ۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوسُفَ: یہ لیلۃ المبیت والی روایت ہے جو ما قبل میں کتاب الوضوء میں گزر چکی۔

أنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَیْمُونَةَ: مسند احمد میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں و أنا یومئذ ابن عشر سنین یعنی جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت میں دس سال کا تھا، یہ واقعہ فتح مکہ کے سال کا ہے اسی سال ابن عباسؓ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ وفات نبویہ کے وقت ان کی عمر کل تیرہ سال کی تھی۔

مصنف نے اپنا ترجمہ وَأخَذَ بِأُذُنِي الْیُمْنَی یَفْتِلُهَا سے ثابت کیا ہے، ابن بطال فرماتے ہیں کہ جب مصلحتِ غیر کی وجہ سے نماز میں عمل جائز ہے تو اپنی مصلحت کی وجہ سے تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

(ص ۱۶۰) بَابُ مَا یُنْهَی عَنْهُ مِنَ الْکَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

۱۱۸۹. حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَیْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِیمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَی النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَیَرُدُّ عَلَیْنَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْنَا، وَقَالَ: إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا.

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ السَّلُولِيُّ حَدَّثَنَا هُرَیْمُ بْنُ سُفْیَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِیمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

۱۱۹۰. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِیمُ بْنُ مُوسَی قَالَ: أَخْبَرَنَا عِیسَی هُوَ ابْنُ یُونُسَ عَنْ إِسْمَاعِیلَ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ شُبَیْلٍ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّیْبَانِيِّ قَالَ: قَالَ لِي زَیْدُ بْنُ أَرْقَمَ: إِنْ کُنَّا لَنَتَکَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ

عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ.

ترجمہ: باب، نماز میں جو کلام ممنوع ہے اس کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم پیغمبر ﷺ کو جبکہ آپ نماز میں ہوتے سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے، جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا مگر آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا اور فرمایا نماز میں ایک خاص مشغولیت ہے۔

ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ زید بن ارقمؓ نے مجھ سے کہا کہ ہم پیغمبر ﷺ کے زمانے میں دوران نماز کلام کرتے تھے ہم میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ والے سے اپنی ضرورت کی بات کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ اس کے بعد ہمیں خاموش رہنے کا حکم ہوگیا۔

تشریح: یہ وہ باب آگیا جس کی طرف میں نے باب تشبیک الأصابع فی المساجد میں اشارہ کیا تھا اور وہاں ذوالیدین کی حدیث گزری ہے، میں ذوالیدین کی حدیث سے کلام فی الصلوۃ کا جو مسئلہ ثابت ہوتا ہے اس پر مفصل کلام کر چکا ہوں اور میں نے یہ کہا تھا کہ جب وہ جگہ آئے گی تو میں وہاں اشارہ کروں گا اس لئے میں اختصاراً مسالک بیان کئے دیتا ہوں۔

امام بخاری کے ترجمہ کا اولاً مطلب سن لو مَا يُنْهَى عَنْهُ مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ مصنف کے ترجمہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بعض انواعِ کلام نماز میں منہی عنہ ہیں بعض نہیں، اب کون سی نوع منہی عنہ ہے اور کون سی نوع منہی عنہ نہیں ہے؟ امام بخاری نے اس سلسلہ میں کوئی صاف بات ارشاد نہیں فرمائی ہے بلکہ اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں، ایک عبد اللہ بن مسعودؓ کی کہ آنحضور ﷺ کو جب انہوں نے سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا اور سلام کے بعد فرمایا إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا، اور دوسری حضرت زید بن ارقمؓ کی فرماتے ہیں إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ۔

ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کلام منہی عنہ سے کلام بغیر ضرورت مراد لیتے ہوں تب تو اس صورت میں امام بخاری امام مالک کے ساتھ ہوں گے کیوں کہ امام مالک کے نزدیک وہ کلام جو ضرورتِ صلوۃ یا اصلاح صلوۃ کی بنیاد

پر ہو وہ جائز ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کلامِ عمد ہو اسلئے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے عمداً کلام کیا تھا اور اس وقت عمداً جواب بھی دیا جایا کرتا تھا، اسی طرح صحابہ عمداً کلام کیا کرتے تھے اور اس سے منع کر دیا گیا تو معلوم ہوا کہ کلام عامد قصداً ممنوع ہے اور اگر بلا قصد کلام ہو جائے تو ممنوع نہیں اور یہ عین مذہبِ امام شافعی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری مطلقاً ہر نوعِ کلام کو منع کرتے ہوں اسلئے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اور زید بن ارقمؓ کی حدیثوں میں کسی نوع کی کوئی تخصیص نہیں ہے دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز میں کوئی کلام نہیں کرنا چاہئے تو اس صورت میں حضرت امام بخاری امام ابو حنیفہ کے ہم خیال ہوں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی اس مسئلہ میں تینوں روایتیں ہیں، ایک روایت امام مالک کے ساتھ ہے، دوسری شافعی کے اور تیسری حضرت امام ابو حنیفہ کے موافق ہے، صاحب حرب کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا وہی مسلک ہے جو امام شافعی کا ہے، لیکن صاحب نیل المارب نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے جو نقل کیا ہے وہ عین امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے، خلّال فرماتے ہیں وعلیٰ هذا استقرت الروايات عن أبی عبد الله یعنی حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ اسی پر ساری کی ساری آکر مستقر اور ثابت ہو جاتی ہیں، صاحب نیل المارب وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور مشہور عند مشائخ الحنابلہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے یہاں کسی نوع کا نماز میں کلام جائز نہیں ہے۔

اور یہ ساری گفتگو اس کلام کے ماسوا میں ہے جو آدمی عمداً، عالماً، بلاضرورت اور لغیر اصلاح الصلوۃ کرتا ہو اس لئے کہ ایسا کلام باتفاق مفسد صلوۃ ہے، جو کچھ اختلاف ہے وہ اس کے غیر میں ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ کلامِ قلیل لاصلاح الصلوۃ مفسد نہیں، اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ کلامِ ساہی مفسد نہیں، شافعیہ اس کو قلیل کے ساتھ مقید کرتے ہیں اور حنفیہ ہر نوع کلام کو مفسد کہتے ہیں اور یہی متاخرین حنابلہ کی رائے ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ امام اگر سہواً کلام کر لے تو وہ مفسد نہیں ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ہر نوع کا کلام مفسد ہے ان کی ایک دلیل یہی عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا وَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا، مسند احمد، مسند حمیدی، ابو داؤد اور نسائی میں بسند صحیح اسی حدیث میں وارد

ہوا ہے إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا شَاءَ وَإِنَّ مِمَّا أَحْدَثَ أَلَّا تَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ۔

دوسری دلیل حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث ہے إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ، رواه البخارى ومسلم وأبوداود والترمذى والنسائى وزاد مسلم وأبوداود ونهينا عن الكلام۔

تیسری دلیل حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ کی روایت ہے جب انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے تشمیت کردی تھی اور سارا قصہ ہو جانے کے بعد نماز کے فراغت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رواه مسلم اور طبرانی میں اسی حدیث میں وارد ہو ہے إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَحِلُّ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ۔

جو لوگ یہ فرماتے ہیں کہ کلام عامد مباح ہے یا کلام ساہی مباح ہے وہ حدیث ذوالیدین سے استدلال کرتے ہیں اسلئے کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ذوالیدین نے کھڑے ہو کر عرض کیا أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے پوچھا أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ، أَكَمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟ تو حاضرین نے جواب دیا صَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ نماز پوری کی اور سجدۂ سہو فرمایا۔

اس حدیث پر مالکیہ یوں کہتے ہیں کہ حضرت ذوالیدینؓ کا یہ کلام عمداً ہوا تھا لیکن چونکہ اس کا تعلق اصلاح صلوٰۃ سے تھا اس لئے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑا، اور شافعیہ یوں کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساہی تھے لہذا آپ نے جو کچھ کلام کیا وہ ساہیاً ہوا اور قلیل تھا اس سے معلوم ہوا کہ کلام ساہی اگر قلیل ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں، حنفیہ اس مقام میں یوں کہتے ہیں کہ حضرت ذوالیدینؓ کی یہ حدیث بہت پہلے کی ہے اور وہ منسوخ ہو چکی ہے اس لئے کہ حضرت ذوالیدینؓ کا لقب ذوالشمالین ہے اور ذوالشمالین باتفاق بدر میں شریک ہو چکے ہیں، اور عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ جو روایات نقل کرتے ہیں ان کا تعلق بعد کا ہے، معاویہ بن حکم سلمیؓ تو بالکل بہت آخری زمانہ میں مسلمان ہوئے ہیں کما قاله الطبرانی وغیرہ۔

لیکن اس دعویٔ نسخ پر یہ اشکال کیا گیا کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین الگ الگ دو آدمی ہیں، ابن شہاب زہری نے ذوالیدین کی جگہ ذوالشمالین کہہ دیا ہے، لیکن محدثین کرام ابن شہاب زہری کے اس قول کو وہم قرار دیتے

ہیں، حضرت امام شافعی اور اسی طرح سے دوسرے حضرات حافظ ابن عبد البر اور ابوالقاسم سہیلی وغیرہ نے اس کے وہم ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

لیکن ابن شہاب زہری تنہا یہ بات کہتے تو ان پر الزامِ وہم ٹھیک بھی تھا مگر ان کے ساتھ عمران بن ابی انس ان کی متابعت کرتے ہیں اور ان کی روایت کی تخریج کی ہے امام ابن ابی شیبہ، نسائی، طحاوی اور ابن حبان وغیرہم نے بسند صحیح، مزید یہ ہے کہ تنہا اسی روایت میں ذوالیدین کی جگہ ذوالشمالین استعمال نہیں ہوا بلکہ ابن عباسؓ کی روایت میں بھی جس کو طبرانی اور بزار نے تخریج فرمایا ہے ذوالیدین کی جگہ ذوالشمالین استعمال ہوا ہے۔

فریق مخالف یہ کہتا ہے کہ ذوالشمالین ذوالیدین ہو ہی نہیں سکتے ہیں اس واسطے کہ ذوالشمالین کا نام عمیر بن عبد عمرو یا عمیر بن عمرو ہے اور وہ قبیلۂ بنو خزاعہ کے ایک فرد ہیں، اور ذوالیدین کا نام خرباق ہے اور وہ قبیلۂ بنو سلیم کے ایک فرد ہیں، مسلم شریف میں رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وارد ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کے نام اور لقب میں اختلاف ہے اس میں کیا اشکال ہے کہ ایک ہی شخص کے مختلف نام ہوں انہی کو عمیر بھی کہا جاتا ہو اور لقباً خزاعی بھی کہا جاتا ہو، نیز ذوالیدین اور ذوالشمالین بھی کہلاتے ہوں، دارمی کی ایک روایت میں ان کا نام عبداللہ بن عبد عمرو وارد ہوا ہے، اور اس اتحاد کی دلیل یہ ہے کہ اس قصہ کو عمران بن حصینؓ اور ابوہریرہؓ دونوں نقل کرتے ہیں، ابوہریرہؓ کی روایت کے آخر میں ہے نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ معلوم ہوا کہ یہ دونوں قصے ایک ہیں، اور ذوالیدین کی جگہ ذوالشمالین متعدد روایتوں میں وارد ہوا ہے كما تقدمت الإشارة إليه اور متعدد روایتوں سے مراد یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے اور ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے اور ابوہریرہؓ کی روایت کے متعدد طرق میں ہے، زہری نقل کرتے ہیں عمران بن ابی انس نقل کرتے ہیں اور بھی بعض دیگر طرق میں وارد ہوا ہے، تو لا محالہ یہ کہنا پڑے گا کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہیں اور حضرت عمرانؓ کی روایت میں ان کا نام خرباق بتلایا گیا ہے تو لا محالہ وہی خرباق بھی ہوں گے اور ذوالشمالین کا نام حضرات تابعین عمیر بتلاتے ہیں تو عمیر بھی وہی ہوں گے۔

لیکن اب اشکال رہ جاتا ہے کہ ذوالشمالین تو خزاعی ہیں اور ذوالیدین سلمی ہیں یہ دونوں جمع نہیں ہوتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں سلیم دو ہیں ایک سلیم بن ملکان ہے اور دوسرے سلیم بن منصور، سلیم بن ملکان تو خزاعہ کا ایک بطن ہے اور سلیم بن منصور ایک دوسرا قبیلہ ہے، یہاں پر روایات میں جو بنی سلیم یا سلمی واقع ہوا

ہے یہ وہی سلیم بن ملکان ہے جو خزاعہ کے تحت ہے اس کا ایک بطن ہے اس کی چھوٹی سی ایک شاخ ہے اس سے نکلا ہوا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔

لیکن اس پر ایک اشکال مزید ہوتا ہے کہ ذوالیدین تو حضور کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے ہیں چنانچہ عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور امام طبرانی نے بطریق معدی بن سلیمان عن شعیب بن مطیر عن ابیہ مطیر ایک روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ مطیر نے یوں فرمایا كَيْفَ كُنْتُ أَخْبَرْتُكَ قَالَ يَا أَبَتَاهُ أَخْبَرَتْنِي أَنَّكَ لَقِيَكَ ذُو الْيَدَيْنِ بِذِي خُشُبٍ فَأَخْبَرَكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى بِهِمْ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سند کے اوپر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ معدی بن سلیمان نہایت ضعیف راوی ہے، امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں واھی الحدیث اور اس کا استاذ شعیب بن مطیر اور اس کا باپ مطیر یہ سب ضعیف رواۃ ہیں، اگر اس جیسی سند سے کوئی حنفی استدلال کرتا تو مخالف چیخ اٹھتے لیکن جب اپنا نمبر آیا تو خاموشی سے چل دیتے ہیں۔

اس کے بعد پھر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ان سب سے قطع نظر پھر بھی ذوالیدین ذوالشمالین نہیں ہوسکتے ہیں اس واسطے کہ ذوالیدین کا قصہ ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں جو شریک صلوۃ ہیں اور ابوہریرہؓ سن ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں چنانچہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، اس کا جواب یہ ہے کہ گو روایت میں صَلَّى بِنَا ہے اور ایک میں صَلَّى لَنَا ہے اور ایک میں صرف إن رسول الله ﷺ صلى ہے، اور صَلَّى بِنَا اور صَلَّى لَنَا جمع کے صیغے ہیں، ہوسکتا ہے کہ مراد صَلَّى بالمؤمنين ہو یا صَلَّى بالمسلمين ہو اور حضرت ابوہریرہؓ نے اگر یہ عام استعمال کر لیا ہو تو کوئی استعجاب نہیں، عرب میں اس طرح کا استعمال ہوتا تھا۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں خطبنا عتبة بن غزوان، حالانکہ جس وقت عتبہ بن غزوان نے خطبہ دیا اس وقت حضرت حسن پیدا بھی ہوئے تھے یا نہیں، طاؤس کہتے ہیں قدم علینا معاذ بن جبل حالانکہ اس وقت طاؤس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، نزال بن سبرہ کہتے ہیں قال لنا رسول الله ﷺ إنا وإياكم كنا ندعى بني عبد مناف حالانکہ نزال نے حضور کو دیکھا بھی نہیں، تو اگر ابوہریرہؓ نے صَلَّى بِنَا کہہ دیا ہو یا صَلَّى لَنَا کہہ دیا ہو اور مراد صَلَّى بالمؤمنين یا صَلَّى بالمسلمين لے لیا ہو تو کیا اشکال پیش آتا ہے، خصوصاً ابوہریرہؓ اس طرح کی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، چنانچہ بخاری کتاب المغازی میں آئے گا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے خیبر فتح کیا

وہاں حافظ ابن حجرؒ نے یہی توجیہ کی ہے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ مسلم کی ایک روایت میں ہے بینما أنا أصلی میں نماز پڑھ رہا تھا، واقعہ یہ ہے کہ اس روایت نے آکر سارے دلائل کا ایک طرف سے خاتمہ کر دیا، علامہ زین بن نجیم مصری صاحبِ بحر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا کوئی شافی جواب نہیں ملا، علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی ہے، البتہ بعض متاخرین احناف نے اس کا ایک جواب دیا ہے اگر وہ چل جائے تو فبہا ورنہ جمہور ہی کی بات اقویٰ معلوم ہوتی ہے، وہ جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں امام مسلم نے یہ روایت پانچ طرح سے نقل کی ہے، دو میں ہے صَلَّى بِنَا اور ایک میں ہے صَلَّى لَنَا اور ایک میں ہے إن رسول اللہ ﷺ صلّی، صرف ایک روایت میں بینما أنا أصلی ہے، اور یہ روایت یحیٰ بن ابی کثیر نقل کرتے ہیں اور ان کے تلامذہ میں ہے اختلاف، شیبان نقل کرتے ہیں بینما أنا أصلی اور ان کے دوسرے تلمیذ یہ لفظ نقل نہیں کرتے اس لئے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ روایت بالمعنی ہے، اگر یہ جواب چل جاتا ہے فبہا وإلا فما مال إلیه الجمهور هو الأقوى۔

اس حدیثِ عبد اللہ بن مسعودؓ سے ہمارے فقہاء نے استدلال کیا ہے، اس پر فریق مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تو مکہ کا واقعہ ہے اور واقدی کے بیان کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ رجب میں ہجرت کر کے حبشہ گئے ہیں، اطلاع پہنچی کہ مشرکین نرم ہوگئے ہیں یہ لوگ حبشہ سے مکہ واپس آگئے لیکن وہاں آکر دیکھا کہ مشرکین کا رویہ اور زیادہ سخت تھا اس لئے رمضان میں ایک بہت بڑی تعداد ہجرت کر کے چلی گئی تھی، یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا ہے، حضرت امام شافعی نے اختلاف مالک والشافعی میں تصریح کی ہے و حدیث ابن مسعود بمكة قبل الهجرة، اس کا جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ صاحب الہجرتین ہیں، ایک کا حال تو معلوم ہو چکا اور دوسرے کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ جب دوبارہ ہجرت کر کے گئے تو پھر حبشہ میں مقیم رہے، حضرت رسول پاک ﷺ کو جب مدینہ ہجرت کی اجازت ملی اور مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو اس واقعہ کی اطلاع حبشہ بھی پہنچی، حبشہ کے مسلمین کو شوق پیدا ہوا کہ اپنے نبی کے مہاجر کی طرف ہجرت کر کے جائیں، چنانچہ عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ صحابہ وہاں سے چل پڑے جناب رسول اکرم ﷺ بدر کی تیاری میں مشغول تھے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ آگئے، لہٰذا ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ مکہ کا نہیں بلکہ مدینہ منورہ کا ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ

بِحَاجَتِهِ حَتّٰى نَزَلَتْ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ اور یہ آیت مدنیۃ النزول ہے اور اسی سے کلام حرام ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو کچھ نقل کررہے ہیں وہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے، نیز معاویہ بن حکم سلمیؓ نقل کرتے ہیں إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اور وہ بالکل آخری زمانہ میں مسلمان ہوئے ہیں تو بہر حال اس کو مکہ پر محمول کرنا بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔

(ص ۱۶۰) بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ التَّسْبِيحِ وَالْحَمْدِ فِي الصَّلَاةِ لِلرِّجَالِ

۱۱۹۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يُصْلِحُ بَيْنَ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، وَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ بِلَالٌ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ: حُبِسَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَؤُمُّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ إِنْ شِئْتُمْ، فَأَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ فَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلّٰى فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ يَشُقُّهَا شَقًّا حَتّٰى قَامَ فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَأَخَذَ النَّاسُ بِالتَّصْفِيحِ، فَقَالَ سَهْلٌ: هَلْ تَدْرُونَ مَا التَّصْفِيحُ هُوَ التَّصْفِيقُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا أَكْثَرُوا الْتَفَتَ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّفِّ فَأَشَارَ إِلَيْهِ مَكَانَكَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى وَرَاءَهُ فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى.

ترجمہ: باب، نماز میں مردوں کے لئے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے کے جواز کا بیان۔

(روایت کا ترجمہ باب من دخل لیؤم الناس الخ میں گزر چکا)۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نماز میں تسبیح اور حمد کی بعض صورتیں جائز ہیں، غالباً حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر بضرورت یا بے اختیار تسبیح وحمد ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً اگر نماز میں کوئی ضرورت پیش آگئی اور اس پر تنبیہ کرنا ہے تو سبحان اللہ سے تنبیہ کی جائے یا اسی طرح کوئی لائق ستائش بات پیش آگئی اور ایک دم زبان سے الحمد للہ نکل گیا تو کوئی حرج نہیں، باقی یہ کہ آدمی خواہ مخواہ بلا ضرورت قرأت پڑھتے پڑھتے سبحان اللہ الحمد للہ سبحان اللہ الحمد للہ کہنے لگے یا

آدمی تشہد پڑھتے ہوئے کہنے لگے یا بے موقع تو امام بخاری اس کی بظاہر گنجائش نہیں دیتے ہیں۔

امام بخاری نے ترجمہ میں للرجال فرمایا ہے، اس سے مصنف نے عورتوں کو نکال دیا کیوں کہ اگر ان کے یہاں کوئی بات پیش آجائے اور عورتیں تنبیہ کرنا چاہیں تو تسبیح سے وہ تنبیہ نہیں کریں گی بلکہ تصفیق سے تنبیہ کریں گی، چنانچہ آگے روایت آرہی ہے عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ، یہی حضرت امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی تسبیح ہی سے تنبیہ کریں گی اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی إنما التصفیق للنساء کا مطلب یہ ہے کہ تالی بجانا تو عورتوں کا کام ہے مردوں کو تالی نہ بجانی چاہئے، یہ تشریع نہیں ہے بلکہ عورتوں کے عمل کی حکایت ہے کہ وہ ایسا کرتی ہیں، جب تعجب خیز بات پیش آجائے تو تالی پیٹتی رہتی ہیں، لیکن یہ مطلب اس لئے بعید ہے کہ ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر نماز میں کوئی بات پیش آجائے فلیسبح الرجال ولتصفق النساء یہ لفظ جلد ثانی میں ان شاء اللہ آئے گا۔

حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں والحمد فی الصلاۃ کو ذکر کیا ہے حالانکہ روایت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، ابن رشید فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے حمد کو قیاساً ثابت کیا ہے اس لئے کہ حمد اور تسبیح دونوں ذکر ہونے میں مساوی ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری یہاں اپنی عادت کے مطابق چلے ہیں کیوں کہ روایت الباب کے بعض طرق میں حمد کا بھی ذکر ہے، لہٰذا مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے یہی روایت جو مصنف نے اس باب میں سہلؓ سے نقل کی ہے ص ۹۴ پر گزر چکی ہے اس میں حمد کا ذکر ہے اور اسی طرح سے عنقریب ص ۱۶۲ پر آرہی ہے اس میں بھی حمد کا ذکر ہے۔

(ص ۱۶۰) بَابُ مَنْ سَمَّى قَوْمًا أَوْ سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِهِ مُوَاجَهَةً وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

۱۱۹۲. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الصَّمَدِ الْعَمِّيُّ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كُنَّا نَقُولُ: التَّحِيَّةُ

فِي الصَّلَاةِ وَنُسَمِّي وَيُسَلِّمُ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: قُولُوا: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ فَقَدْ سَلَّمْتُمْ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو نماز میں کسی قوم کا نام لے یا کسی کی طرف رخ کئے بغیر سلام کرے اس حال میں کہ جس کو سلام کیا گیا ہے اسے خبر نہ ہو (یا سلام کرنے والا مسئلے سے ناواقف ہو)۔

(روایت کا ترجمہ باب التشہد فی الآخرۃ میں گزر چکا)۔

تشریح: اگر کوئی آدمی نماز میں کسی کا نام لے لے یا بلا تخاطب کے کسی کو سلام کر دے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ نماز میں ایسا نہ کرنا چاہئے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا نماز پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں معاملہ مشتبہ ہے اس لئے امام بخاری نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی ہے، علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ کوئی چیز بھی مفسد صلوۃ نہیں اسلئے کہ صحابہ کرام جب التحیات میں بیٹھتے تھے تو بعض بعض پر سلام کیا کرتے تھے السلام علی جبرئیل، السلام علی میکائیل کہتے تھے رسول پاک ﷺ نے ان لوگوں کو اعادہ صلوۃ کا حکم نہیں فرمایا ہاں یہ بتلا دیا کہ آئندہ وہ کیا کریں گے، معلوم ہوا کہ لاعلمی میں اس طرح سے کسی کو سلام کر دیا جائے بلا تخاطب کے یا کسی کا نام لے لیا جائے تو مفسد صلوۃ نہیں، مگر اس استدلال پر علامہ ابن رشید نے اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری کا یہ استدلال ضعیف ہے اس واسطے کہ صحابہ کرام کو یقیناً ان کے جہل کی وجہ سے معذور رکھا گیا تھا، اب جہل کی دو قسمیں ہیں ایک جہل قبل وجود الحکم اور دوسرا جہل بعد ثبوت الحکم، اگر جہل قبل وجود الحکم عذر ہے تو یہ ضروری نہیں کہ جہل بعد ثبوت الحکم بھی عذر ہو، حضرات صحابہ کرام مسئلہ سے ناواقف تھے اب تک اس حکم کا وجود نہیں ہوا تھا اس لئے وہ معذور سمجھے گئے اور اب حکم کا وجود ہو چکا ہے لہذا وجود کے بعد اگر کوئی جاہل ہو تو اس کا یہ جہل عذر بن جائے یہ ضروری نہیں۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ نماز میں کسی معین شخص کے لئے دعاء کرنا مذاہب اربعہ کے فقہاء کے یہاں جائز ہے بشرطیکہ تخاطب نہ ہو، البتہ امام احمد سے ایک روایت میں منقول ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی۔

(ص ١٦٠) بَابُ التَّصْفِيقِ لِلنِّسَاءِ

١١٩٣. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ وَالتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ.

١١٩٤. حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ.

ترجمہ: باب، عورتوں کے لئے تالی بجانے کا بیان۔

تشریح: یعنی اگر کوئی بات تنبیہ کرنے کی پیش آجائے تو عورتیں تالی بجاسکتی ہیں۔

وَالتَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ: تصفیح تالی بجانا، فقہاء نے لکھا ہے کہ عورتیں جب تالی بجائیں گی تو بطنِ کف سے ظہرِ کف پر مارے گی اس سے جو آواز پیدا ہو گی ایسی آواز تصفیق ہے۔

(ص ١٦٠) بَابُ مَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرَى فِي صَلَاتِهِ أَوْ تَقَدَّمَ بِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

رواه سهل بن سعد عن النبي ﷺ.

١١٩٥. حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ الْمُسْلِمِينَ بَيْنَا هُمْ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِهِمْ فَفَجَأَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوفٌ فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ وَظَنَّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُرِيدُ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَهَمَّ الْمُسْلِمُونَ أَنْ يَفْتَتِنُوا فِي صَلَاتِهِمْ فَرَحًا بِالنَّبِيِّ ﷺ حِينَ رَأَوْهُ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ أَتِمُّوا ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ وَأَرْخَى السِّتْرَ وَتُوُفِّيَ ذَلِكَ الْيَوْمَ ﷺ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو اپنی نماز میں الٹے پاؤں لوٹے یا (امر نازل) کسی پیش آنے والی صورت کی وجہ سے آگے بڑھے۔

تشریح: نماز میں کسی ضرورت سے پیچھے ہٹنا یا کسی ضرورت سے آگے بڑھنا جائز ہے، ہمارے فقہاء

فرماتے ہیں کہ اگر توالی حرکات نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، اگر مجبوری کا درجہ آجائے تب تو آگے پیچھے ہونا جائز ہے ہی، باقی اگر عمل کثیر ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر عمل کثیر نہیں ہوا تو نماز صحیح اور باقی رہے گی۔

رَوَاهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ: حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ابھی گزری ہے کہ نبی کریم ﷺ آگے بڑھ گئے اور صدیق اکبرؓ پیچھے ہٹ گئے لہٰذا ترجمہ کے دونوں جزء ثابت ہو گئے، ایک حضور کے فعل سے اور دوسرا حضور اکرم ﷺ کی تقریر سے، اور بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس سے حضرت سہلؓ کی وہ حدیث مراد لی ہو جو کتاب الصلوۃ کے اوائل میں باب الصلوۃ فی المنبر والسطوح میں گزری ہے، اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے منبر پر نماز پڑھنا شروع کی صحابہ نے صف بنا کر اقتداء کی، رکوع بھی وہیں کیا پھر سجدہ کے لئے پیچھے ہٹے نیچے تشریف لائے اور سجدہ کیا اور پھر منبر پر قیام اور رکوع کیا اور دوسرے سجدے کے لئے پھر نیچے اترے۔

(ص ١٦٠) بَابُ إِذَا دَعَتِ الْأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلَاةِ

١١٩٦ . وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: نَادَتِ امْرَأَةٌ ابْنَهَا وَهُوَ فِي صَوْمَعَتِه قَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي؟ فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي؟ قَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي؟ قَالَتِ: اللَّهُمَّ لَا يَمُوتُ جُرَيْجٌ حَتَّى يَنْظُرَ فِي وَجُوهِ الْمَيَامِيسِ، وَكَانَتْ تَأْوِي إِلَى صَوْمَعَتِهِ رَاعِيَةٌ تَرْعَى الْغَنَمَ فَوَلَدَتْ فَقِيلَ لَهَا: مِمَّنْ هَذَا الْوَلَدُ؟ قَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ، نَزَلَ مِنْ صَوْمَعَتِهِ قَالَ جُرَيْجٌ: أَيْنَ هَذِهِ الَّتِي تَزْعُمُ أَنَّ وَلَدَهَا لِي؟ قَالَ: يَا بَابُوسُ مَنْ أَبُوكَ؟ قَالَ: رَاعِي الْغَنَمِ.

ترجمہ: باب، جب ماں اپنے بیٹے کو بلائے دراں حالیکہ وہ نماز میں مشغول ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ اپنی عبادت گاہ میں تھا، ماں نے کہا اے جریج! جریج نے دل میں کہا اے اللہ! ایک جانب میری ماں ہے اور دوسری جانب میری نماز (اب میں کیا کروں ماں کو جواب دوں یا نماز جاری رکھوں) ماں نے پھر کہا اے جریج! جریج نے دل میں کہا اے اللہ! ایک جانب میری ماں ہے اور دوسری جانب میری نماز! ماں نے پھر کہا اے جریج! جریج نے دل میں کہا اے اللہ! ایک جانب میری ماں ہے اور

دوسری جانب میری نماز! ماں نے کہا کہ اے اللہ! جریج کو اس وقت تک موت نہ آئے جب تک وہ بدکار عورتوں کا چہرہ نہ دیکھے، اس کی عبادت گاہ کے پاس ایک بکریوں کو چرانے والی آتی تھی اس نے بچہ جنا اس سے کہا گیا کہ یہ بچہ کہاں سے آیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ جریج سے، وہ اپنی عبادت گاہ سے اترا تھا، جریج نے کہا کہ وہ عورت کہاں ہے جو دعوی کررہی ہے کہ اس کا بچہ میرا ہے؟ پھر جریج نے کہا: اے بابوس! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا کہ بکریوں کا چرواہا۔

تشریح: اگر کوئی عورت نماز پڑھتے اپنے لڑکے کو آواز دے دے تو کیا حکم ہے؟ یعنی لڑکا نماز پڑھ رہا ہو اور عورت آواز دے تو کیا حکم ہے؟ لڑکا جواب دے یا نہ دے یعنی اس پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ دونوں مسئلے اختلافی ہیں، المختصر یہ کہ اگر بلانے والے حضور ﷺ ہیں تب تو باجماع امت آپ کی بات پر لبیک کہنا واجب ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ شافعیہ اور مالکیہ کا راجح مسلک یہ ہے کہ نماز باطل نہیں ہوگی، حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے، حنفیہ کے دو قول ہیں مشہور قول یہ ہے کہ نماز باطل ہوجائے گی اسی کو طحاوی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، بعض احناف یہ فرماتے ہیں کہ نماز باطل نہیں ہوگی۔

اور اگر حضور ﷺ کے علاوہ کوئی شخص نمازی کو آواز دیتا ہے مثلاً والدین آواز دے رہے ہیں تو کیا حکم ہے؟ اگر والدین آواز دیتے ہیں اور آدمی فرض نماز پڑھ رہا ہے تو اتفاق ہے کہ نماز میں جواب نہیں دیا جائے گا، حق اللہ حق الوالدین پر مقدم ہے ہاں البتہ اگر اغاثہ کی شکل پیش آجائے تو پھر نماز توڑ کر جواب دیا جائے گا، حنفیہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اغاثہ والی شکل کا استثناء ذکر کیا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ دیگر مذاہب کے فقہاء بھی اس استثناء کے قائل ہوں گے واللہ اعلم۔

اور اگر نفل نماز پڑھ رہا ہے تو شافعیہ فرماتے ہیں کہ جواب دینا جائز ہے، نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ اس میں انکے یہاں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ باطل ہوجائے گی دوسرا قول یہ ہے کہ باطل نہیں ہوگی، مالکیہ فرماتے ہیں کہ جواب نہ دے الا یہ کہ والدین نابینا یا بہرے ہوں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر والدین کو پتہ ہی نہیں ہے کہ نماز پڑھ رہا ہے تب تو جواب دے دے اور اگر انہیں پتہ ہے کہ نماز پڑھ رہا ہے تو جواب نہ دے۔

صَوْمَعَةٍ: معبدِ راہب کو کہا جاتا ہے۔

يَا جُرَيْجُ: یہ وہی ہے جس کو انگریز جورج (George) کہتے ہیں وہ جورج کہتے ہیں اور عربی والے اس کو جریج کہتے ہیں۔

قَالَ اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي: اس نے کہا اے اللہ میری ماں اور میری نماز، یعنی یہ دو حق جمع ہو گئے ہیں اب میں کیا کروں؟ ان کی شریعت میں کلام کرنا جائز تھا یا کیا صورت حال تھی؟ علامہ ابن بطال کہتے ہیں کہ اصل میں ان کی شریعت میں کلام کرنا ممنوع نہیں تھا چونکہ ماں کو جواب دینا مباح تھا اور انہوں نے مباح کو چھوڑ کر جواب نہیں دیا اس لئے ان کی ماں کی بد دعا ان کے حق میں قبول ہو گئی۔

اب یہ کلام اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي انہوں نے نماز میں کہا ہے، اگر یہ کلام نماز میں ان کے یہاں مباح تھا تو کوئی اشکال نہیں اور اگر مباح نہیں تھا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کلام اپنے دل دل میں کہا تھا چنانچہ بخاری نے کتاب الادب المفرد میں یہی روایت تخریج کی ہے اس میں ہے فقال في نفسه وهو يصلي أمي وصلوتي۔

اللَّهُمَّ لَا يَمُوتُ جُرَيْجٌ حَتَّى يَنْظُرَ فِي وُجُوهِ الْمَيَامِيسِ: میامیس جمع ہے مومسة کی، مومسة کہتے ہیں زانیہ عورت کو جس کا پیشہ یہی ہوتا ہے۔

وَكَانَتْ تَأْوِي إِلَى صَوْمَعَتِهِ رَاعِيَةٌ: اس کے معبد کے پاس ایک چرواہن آکر پناہ لیا کرتی تھی بکری چراتی تھی اس کو ہو گیا بچہ، لوگوں نے پوچھا کہ کس کا ہے؟ کہنے لگی کہ جریج کا، روایات میں یہ تصریح وارد ہے کہ لوگوں نے جریج راہب کی عبادت وزہد کا تذکرہ کیا اور بڑا اس کا چرچا ہوا کہ یہ بڑا منقطع الدنیا ہے تو ایک عورت نے یوں کہا کہ میں اس کو فتنہ میں مبتلا کروں گی اگر تم چاہو، تو لوگوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں، اس نے آکر جریج کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا انہوں نے التفات نہیں کیا تو اس نے ایک چرواہے پر اپنا نفس پیش کر دیا اس سے بچہ پیدا ہو گیا اور جریج کا نام لے لیا، بس کیا تھا لوگ آئے اور جریج کے صومعہ کو گرا ڈالا اور خوب اچھی طرح سے پیٹا، جریج نے وضو کیا اور وضو کرنے کے بعد اس بچہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا یا بابوس اے بچہ! مَنْ أَبُوكَ تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا راعی الغنم، بس کیا تھا لوگ ان کو چومنے چاٹنے لگے اور کہنے لگے نَبْنِي صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ وَنَبْنِي صَوْمَعَتَكَ مِنْ فِضَّةٍ ہم تمہارا صومعہ سونے کا بنادیں چاندی کا بنادیں انہوں نے کہا بس مجھے طین ہی کا بنادو، مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

بَابُوسُ: بعض کہتے ہیں کہ بابوس کہتے ہیں رضیع کو اور بعض کہتے ہیں صغیر کو اور بعض ہندی علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ معرب ہے بابو کا، واللہ تعالیٰ أعلم۔

(ص ۱۶۱) باب مسح الحصا في الصلاة

۱۱۹۷. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَيْقِيبٌ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ: إِنْ كُنْتَ فَاعِلاً فَوَاحِدَةً.

ترجمہ: باب، نماز میں کنکریاں ہٹانا۔

حضرت معیقیبؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے اس شخص سے جو سجدے کی جگہ مٹی ہموار کر رہا تھا یہ فرمایا کہ اگر تم کو کرنا ہی ہے تو بس ایک بار کرو۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ نماز میں اگر کنکریوں کو دور کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو ایک مرتبہ کر سکتے ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ بضرورت ایک مرتبہ کر سکتے ہیں اس سے زیادہ کرنا مکروہ ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ کراہت تنزیہی ہے اور نووی نے کراہت پر اتفاق بھی نقل کیا ہے، مگر اس اتفاق پر یہ اشکال ہے کہ امام خطابی نے امام مالک سے نقل کیا ہے لم یر بہ بأسا و کان یفعلہ، ہو سکتا ہے کہ امام مالک کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو، اور بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ پر زائد کرنا حرام ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے صرف ایک ہی مرتبہ کی اجازت دی ہے اور ایک سے زائد تحت النہی داخل ہے۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں تسویۃ التراب کا ذکر ہے تو پھر مصنف نے اس پر مسح الحصا کا ترجمہ کیسے منعقد فرمایا؟ بعض علماء جیسے علامہ کرمانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری نے ترجمہ یوں ثابت کیا ہے کہ تراب میں عادۃً کنکریاں شامل ہوتی ہیں لہٰذا مٹی کا تسویہ حصا کے تسویہ کو مستلزم ہے، یا یوں کہئے کہ اگر مٹی کے تسویہ کی اجازت ہے تو حصا کے تسویہ کی بدرجۂ اولیٰ اجازت ہوگی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بعض دیگر طرق کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ مسلم شریف میں یہ وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسح حصا کا تذکرہ فرمایا، معلوم ہوا کہ حصا کی تصریح حدیث میں وارد ہے اور امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ اس طرح کی تصریحات جو دوسری حدیثوں میں وارد ہوئی ہوتی ہیں بخاری ان کی طرف اشارہ فرمادیا کرتے ہیں، معیقیبؓ کی روایت مسلم شریف (ص ۲۰۶) میں بھی وارد ہوئی ہے اس کے الفاظ ہیں عَنْ مُعَيْقِيبٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَسْحَ فِي الْمَسْجِدِ يَعْنِي الْحَصَى قَالَ إِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً۔

(ص ۱۶۱) باب بسط الثوب في الصلاة للسجود

۱۱۹۸ . حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: باب، نماز میں سجدہ کرنے کے لئے کپڑا بچھانا۔

(روایت کا ترجمہ باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر میں گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ بضرورت نماز میں سجدہ کے لئے کپڑا بچھالینا اعمال یسیرہ میں داخل ہے اور مباح ہے، باقی یہ مسئلہ کہ آیا کپڑے پر سجدہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں گزر چکا ہے اور میں بیان کر چکا ہوں کہ ثوب منفصل پر سجدہ بالاتفاق جائز ہے اور ثوب متصل پر اگر متحرک بحرکۃ المصلی نہ ہو تو اس پر بھی باتفاق جائز ہے اور اگر متحرک بحرکۃ المصلی ہو تو جمہور کے یہاں جائز اور امام شافعی کے یہاں ناجائز ہے۔

(ص ۱۶۱) باب ما يجوز من العمل في الصلاة

۱۱۹۹ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَمُدُّ رِجْلِي فِي قِبْلَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَرَفَعْتُهَا فَإِذَا قَامَ مَدَدْتُهَا.

۱۲۰۰ . حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةً فَقَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ عَرَضَ لِي فَشَدَّ عَلَيَّ لِيَقْطَعَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ فَأَمْكَنَنِي اللَّهُ مِنْهُ فَذَعَتُّهُ وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُوثِقَهُ إِلَى سَارِيَةٍ حَتَّى تُصْبِحُوا فَتَنْظُرُوا إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ قَوْلَ سُلَيْمَانَ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي، فَرَدَّهُ اللَّهُ خَاسِئًا.

ترجمہ: باب، نماز میں کس طرح کے اعمال جائز ہیں؟

(پہلی روایت کا ترجمہ باب الصلاۃ علی الفراش میں گزر چکا)۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب الأسیر أو الغریم یربط فی المسجد میں گزر چکا)۔

تشریح: یعنی جو اعمال ماقبل میں ذکر کئے جاچکے جن کا کرنا جائز ہے ان کے ماسوا دوسرے بعض اعمال جائزہ کا بیان مقصود ہے، میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ نماز میں عمل کثیر مفسد ہے اور عمل یسیر مفسد نہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عمل کثیر اور عمل قلیل کسے کہتے ہیں؟ حضرات مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ دار و مدار عرف وعادت پر ہے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ رائ مبتلی بہ پر مفوض ہے وہ جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس کو وہ قلیل سمجھے وہ قلیل ہے، اس کے علاوہ ایک قول یہ ہے کہ توالی حرکات ہو جائے، ایک قول یہ ہے کہ جس میں دونوں ہاتھ لگ جائیں، ایک قول یہ ہے کہ ناظر من بعید اس کو مصلی نہ سمجھے، ایک قول یہ ہے کہ جس کے لئے مستقل مجلس منعقد کرنی پڑے۔

فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي: جب حضور ﷺ سجدہ کرتے تو آپ میرے پیروں کو غمز کرتے تھے میں پیر موڑ لیتی تھیں یہ ہے محل ترجمہ کہ نماز میں غمز پایا گیا یعنی نماز میں ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: یہ حدیث ابواب مساجد میں ص ۶۶ پر گزر چکی ہے اور وہاں کلام کیا جا چکا ہے۔

فَأَمْكَنَنِي اللَّهُ مِنْهُ: پھر اللہ نے مجھ کو اس پر قادر کر دیا یعنی یہ قدرت دے دی کہ میں اس کو پکڑ لوں، یا یہ کہ آگے اس قدرت کا بیان آرہا ہے فَذَعَتُّهُ میں نے اس کو دھکا دیا۔

وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُوثِقَهُ: میں نے اس کے باندھنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت سلیمانؑ کی دعا یاد آگئی رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي اس لئے ان کی دعا کا ادب کرنے کی وجہ سے میں نے اس کو چھوڑ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر گرہ لگا دی جائے تو اس کی گنجائش ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک بچہ اور ایک بچی آپس میں جھگڑتے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے آگئے آپ نے نماز میں ان دونوں کو چھڑا دیا لیکن اگر آج کل کوئی اس طرح کی حرکت کر دے تو فتویٰ دے دیں گے کہ نماز فاسد ہو گئی۔

(ص ۱۶۱) بَابُ إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ

وقال قتادة: إن أخذ ثوبه يتبع السارق ويدع الصلاة.

۱۲۰۱. حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَزْرَقُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ: كُنَّا بِالْأَهْوَازِ نُقَاتِلُ

الحرورية فبينا أنا على جرف نهر إذ جاء رجل يصلي فإذا لجام دابته بيده فجعلت الدابة تنازعه وجعل يتبعها - قال شعبة: هو أبو برزة الأسلمي - فجعل رجل من الخوارج يقول: اللهم افعل بهذا الشيخ، فلما انصرف الشيخ قال: إني سمعت قولكم وإني غزوت مع رسول الله ﷺ ست غزوات أو سبع غزوات أو ثماني وشهدت تيسيره وإني أن كنت أن ارجع مع دابتي أحب إلي من أن أدعها ترجع إلى مألفها فيشق علي.

۱۲۰۲. حدثنا محمد بن مقاتل قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا يونس عن الزهري عن عروة قال: قالت عائشة: خسفت الشمس فقام رسول الله ﷺ فقرأ سورة طويلة ثم ركع فأطال ثم رفع رأسه ثم استفتح سورة أخرى ثم ركع حتى قضاها وسجد ثم فعل ذلك في الثانية ثم قال: إنهما آيتان من آيات الله فإذا رأيتم ذلك فصلوا حتى يفرج عنكم لقد رأيت في مقامي هذا كل شيء وعدته حتى لقد رأيته أريد أن آخذ قطفا من الجنة حين رأيتموني جعلت أتقدم ولقد رأيت جهنم يحطم بعضها بعضا حين رأيتموني تأخرت ورأيت فيها عمرو بن لحي وهو الذي سيب السوائب.

ترجمہ: باب، جب نماز میں جانور چھوٹ بھاگے؟

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اگر کپڑا چوری کر لیا جائے تو چور کا پیچھا کرے اور نماز چھوڑ دے۔

ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ہم اہواز میں خارجیوں سے مصروف جنگ تھے میں ایک وقت ایک نہر کے کنارے تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور نماز پڑھنے لگا اور اس کی سواری کی لگام اس کے ہاتھ میں تھی جانور اس کو کھینچنے لگا وہ اس کے پیچھے جانے لگا- شعبہ نے کہا یہ شخص ابوبرزہ اسلمیؓ تھے- یہ دیکھ کر خوارج میں سے ایک شخص یہ کہنے لگا اے اللہ! اس بوڑھے کے ساتھ برا کر، جب بوڑھا نماز سے فارغ ہوا تو اس نے کہا کہ میں نے تمہاری بات سنی، میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھ، سات یا آٹھ غزوات میں شرکت کی ہے اور میں نے آپ ﷺ کا (امت پر) آسانی کرنا دیکھا ہے میں اپنے جانور کے ساتھ لوٹوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ میں اسے اس کی من مانی جگہ جانے دوں اور خود مشقت میں پڑوں۔

(دوسری روایت کا ترجمہ ابواب کسوف میں گزر چکا)۔

تشریح: اگر کسی آدمی کی سواری نماز پڑھتے ہوئے بھاگنے لگے تو کیا کرے؟ امام بخاری نے صرف

شرط ذکر فرمائی اور جواب شرط ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ روایت الباب میں یہ وارد ہے کہ جب ابو برزۃ الاسلمیؓ کی سواری بھاگنے لگی تو انہوں نے خود سواری کو پکڑ لیا، مگر یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے حالات پر دار و مدار ہے اس لئے امام بخاری نے کوئی صاف فیصلہ نہیں کیا، اگر نماز میں سواری کے چلے جانے کا خطرہ ہو تب تو پکڑ لینا چاہئے اور اگر خطرہ نہیں ہے یا چلی گئی ہے لیکن یہ یقین ہے کہ آسانی سے وہ واپس آسکتی ہے تو خواہ مخواہ نماز نہ توڑی جائے، غالباً اسی تفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاری نے ترجمہ میں شرط ذکر کی ہے اور جواب شرط نہیں۔

ویسے اگر کسی آدمی نے اپنی سواری کو پکڑ لیا تو کیا حکم ہے؟ اگر عمل کثیر کا تحقق ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر عمل کثیر کا تحقق نہیں ہوا اور اسی طرح سے باقی شرائطِ نماز مفقود نہیں ہوئیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، مثلاً استدبار قبلہ نہیں پایا گیا۔

ہمارے فقہاء کے اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اگر سواری جانے لگے اور آدمی پکڑے ہوئے اس کے پیچھے چلتا رہے اور روبہ قبلہ چلتا رہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، دوسرا قول یہ ہے کہ شرط یہ ہے کہ توالیِ حرکات نہ ہو تا کہ عمل کثیر نہ پایا جائے اور اختلاف مکان نہ ہو، لیکن پہلا ہی قول امام محمد نے سیر کبیر میں نقل کیا ہے اور دلیل میں یہی روایت پیش فرمائی ہے۔

باقی روایت الباب کے طرق میں اختلاف ہے بعض طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابی نے نماز نہیں توڑی تھی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابی نے نماز توڑ دی تھی۔

وَقَالَ قَتَادَةُ: قتادہ کہتے ہیں کہ اگر کپڑا لے لیا جائے تو چور کا اتباع کرے اور نماز چھوڑ دے، مصنف محقق نے **إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ** کا ترجمہ منعقد کیا اور اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے قتادہ کا قول نقل کر کے مادۃ الجواب پیش کر دیا، یوں فرماتے ہیں کہ چور اگر کسی کا کپڑا اٹھا لے تو نماز چھوڑ دے اور چور کے پیچھے لگ جائے، امام بخاری یہ فرماتے ہیں کہ اگر سواری بھاگتی ہے تو آدمی نماز میں نہ لگ جائے بعد میں پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا نماز توڑ دے اور اپنی سواری پکڑ لے۔

حضرت اقدس سہارنپوری ایک مرتبہ ایک اسٹیشن پر نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک صاحب آگئے اور حضرت کا لوٹا اٹھا کر لے چلے، حضرت نے نماز توڑ کر فرمایا کہ کہاں لے جا رہے ہو لوٹا؟ کہنے لگے کہ واہ صاحب مولانا! آپ نے ایک لوٹے کے لئے نماز ہی توڑ دی تو حضرت نے فرمایا کہ واہ صاحب! اگر آپ اس وقت لوٹا اٹھا لے

جاتے تو معلوم نہیں میری کتنی نمازیں فوت ہو جاتیں، یہ ہے فقیہ، کوئی اور ہوتا تو معلوم نہیں کیا کرتا، یہ شخص فقیہ ہے فقیہ، کئی نمازوں کے بچانے کے لئے اگر ایک نماز توڑ دی گئی تو کیا اشکال ہوا۔

كُنَّا بِالْأَهْوَازِ: أهواز سات بستیاں ہیں جن کے مجموعہ پر اہواز کا اطلاق کیا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نو بستیوں پر اطلاق ہوتا ہے اس کا دوسرا نام خوزستان ہے۔

نُقَاتِلُ الْحَرُورِيَّةَ: ہم حروریہ سے جنگ کر رہے تھے، حروریہ سے مراد خوارج ہیں، ان کو حروریہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حروراء جو ایک قریہ ہے کوفہ کے قریٰ میں سے سب سے پہلے خوارج کا اجتماع اسی بستی میں ہوا تھا، اس لئے خارجی کو حروری کہا جانے لگا، ان کا امیر نافع بن ازرق تھا اور اہل سنت کی طرف سے مہلب بن ابی صفرہ امیر لشکر تھے، یہ واقعہ سن ۶۵ھ میں پیش آیا ہے۔

فَبَيْنَا أَنَا عَلَى جُرُفِ نَهَرٍ: میں ایک نہر کے کنارے پر تھا، یہ نہر دُجیل ہے۔

إِذَا رَجُلٌ يُصَلِّي: ایک آدمی آکر نماز پڑھنے لگا، یہ رجل حضرت ابو برزہؓ ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے اور یہ نماز نمازِ عصر تھی جیسا کہ محمد بن قدامہ جوہری کی کتاب میں واقع ہوا ہے۔

وَإِذَا لِجَامُ دَابَّتِهِ بِيَدِهِ، إلخ: انہوں نے ہاتھ ہی میں لگام پکڑ رکھی تھی، سواری ان سے منازعت کرنے لگی اور وہ اس کے پیچھے چلنے لگے، اسماعیلی کی روایت میں واقع ہوا ہے فمضت الدابة في قبلته فانطلق فأخذها ثم رجع القهقرى، سواری قبلہ کی جانب چلی وہ گئے اور اس کو پکڑ کر الٹے قدم واپس آگئے، اس سے معلوم ہوا کہ سواری اگر جانب قبلہ چلی جائے تو اس کے پیچھے جاسکتا ہے اور پکڑ کر اس کو الٹے قدم آسکتا ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، یہی امام محمد نے سیر کبیر میں نقل کیا ہے، لیکن یہی روایت بخاری شریف میں کتاب الادب میں آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی نماز چھوڑ دی تھی۔

فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَ الْخَوَارِجِ يَقُولُ: ایک خارجی بددعا کرنے لگا کہ نماز کی پرواہ نہیں سواری کی فکر میں لگ گئے، جب بڑے میاں سلام پھیر کر فارغ ہوئے کہنے لگے کہ میں تمہاری بات سن رہا تھا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ سات غزوات میں شرکت کی یا آٹھ میں بہر حال آپ کی نرمی کا مشاہدہ کیا، میں اپنی سواری کے ساتھ لوٹوں یہ بہتر تھا مجھے کہ میں اسے چھوڑ دوں اور وہ اپنے مألف (چراگاہ، قیامگاہ) پر پہنچ جائے اور پھر مجھے وہاں تک پہنچنا دشوار ہو جائے، بخاری شریف کتاب الادب میں آرہا ہے إِنَّ مَنْزِلِي مُتَرَاخٍ فَلَوْ صَلَّيْتُ

وَتَرَكْتُ لَمْ آتِ أَهْلِي إِلَى اللَّيْلِ میرا گھر دور ہے اگر میں اسے چھوڑ دیتا تورات تک بھی اپنے گھر نہ پہنچ پاتا۔

یہ سواریاں بالآخر اپنے مالف کی طرف لوٹ جاتی ہیں، یہ سواری کی عادت ہے کہ جب مالک کو نہیں پاتی ہے جاتی ہے تو بس سیدھے سرپٹ اپنے گھر پہنچ جاتی ہے۔

حَتّٰى لَقَدْ رَأَيْتُهُ: اسی طرح سے مستملی اور حموی کے نسخہ میں واقع ہوا ہے، مسلم شریف میں ہے رَأَيْتُنِی، بعض حضرات فرماتے ہیں وھو أوجه، اور بعضوں نے کہا ہے وھو الصواب، اور اگر رَأَيْتُهُ ہے تو یہ 'ہ' ضمیر شان ہے جس کا آگے بیان آرہا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہائے سکتہ ہو۔

جَعَلْتُ أَتَقَدَّمُ: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے کیوں کہ یہ روایت دلیل ہے اس بات کی کہ نماز میں تقدم و تاخر سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے وھو الذی مشی علیه أکثر الشراح کالحافظ والعینی والقسطلانی وغیرھم، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اپنا ترجمہ وَهُوَ الَّذِي سَيَّبَ السَّوَائِبَ سے ثابت کیا ہے اسلئے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تسییب سوائب مذموم ہے مطلقًا چاہے نماز میں ہو چاہے نماز سے باہر ہو، حافظ ابن حجر کو علامہ کرمانی کی یہ توجیہ سمجھ میں نہیں آئی تو فرمانے لگے أغرب الکرمانی کرمانی نے ایک عجیب وغریب بات کہہ دی۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ کرمانی نے بہت لطیف اور باریک بات کہی ہے ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث پاک میں تسییبِ سوائب سانڈ چھوڑنے کی مذمت وارد ہوئی ہے، سوائب جمع ہے سائبہ کی اور سائبہ کہتے ہیں سانڈ کو اور تسییب کہتے ہیں سانڈ چھوڑنا، اب سانڈ چھوڑنا مذموم ٹھہرا تو ہر حال میں مذموم ہو گا چاہے نماز میں ہو چاہے نماز سے باہر ہو لہٰذا اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اس کی سواری اس کے ہاتھ میں ہو یعنی اس کی رسی اس کے ہاتھ میں ہو تو اس کو چھوڑنا نہ چاہئے اس لئے کہ چھوڑ دینا سائبہ بنانے کے مشابہ ہے اور سائبہ بنانا مذموم لہٰذا یہ عمل مذموم نہ کرنا چاہئے بلکہ سواری کو پکڑ لینا چاہئے، یہ ہے اس کا مطلب مگر حضرت حافظ صاحب اس کو سمجھے نہیں، اور ہو سکتا ہے کہ میں ہی نہیں سمجھا ہوں کہ کرمانی کیا کہہ رہے ہیں۔

عَمْرَو بْنَ لُحَيٍّ: یہ ایک مشرک شخص تھا عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کی منحوس رسم اسی نے ایجاد کی تھی، اسی طرح بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑنے کی منحوس رسم اسی نے ایجاد کی تھی اور یہی ایسا بدبخت تھا جو حُجاج کے کپڑے چراتا تھا، اپنے پاس ایک مِحجن رکھتا تھا جس کا اوپر والا حصہ ٹیڑھا ہوتا تھا، جب کوئی حاجی

گزرتا تو اس کا کپڑا اس میں لپیٹ لیتا پھنسا دیتا اگر اسے پتہ نہ چلے تو لیکر چل دیتا اور اگر پتہ چل جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میرا قصور نہیں ہے اس محجن کا قصور ہے۔

(ص ۱۶۲) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْبُصَاقِ وَالنَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ

ويذكر عن عبد الله بن عمرو نفخ النبي ﷺ في سجوده في كسوف.

۱۲۰۳. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَتَغَيَّظَ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ قِبَلَ أَحَدِكُمْ فَإِذَا كَانَ فِي صَلَاتِهِ فَلَا يَبْزُقَنَّ - أَوْ قَالَ لَا يَتَنَخَّمَنَّ -، ثُمَّ نَزَلَ فَحَتَّهَا بِيَدِهِ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِذَا بَزَقَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْزُقْ عَلَى يَسَارِهِ.

۱۲۰۴. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلَكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى.

ترجمہ: باب، نماز میں تھوکنا اور پھونک مارنا جائز ہے؟

عبد اللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ پیغمبر ﷺ نے سورج گرہن کی نماز میں اپنے سجدہ میں پھونک ماری۔

(روایات کا ترجمہ باب حک البزاق بالید من المسجد میں گزر چکا)۔

تشریح: اس ترجمہ میں نفخ فی الصلوۃ کا مسئلہ بیان کیا ہے، پہلے مسئلہ سنو پھر حضرت امام بخاری کی غرض کی طرف متوجہ ہوں گے، اگر کوئی آدمی نماز میں نفخ کرتا ہے پھونک مارتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نماز اس کی باقی رہے گی یا باطل ہو جائے گی؟

(۱) امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر دو حرف پیدا ہو جائے تو باطل ہو جائے گی ورنہ باطل نہیں ہوگی، (۲) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے نماز باطل نہیں ہوگی، (۳) امام مالک اور امام احمد بن حنبل سے دو دو روایتیں ہیں، ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ نفخ فی الصلوۃ مکروہ ہے قاطع صلوۃ نہیں، اور مدونہ کی روایت یہ

ہے کہ نفخ بمنزلہ کلام کے ہے اور قاطع صلوۃ ہے، (۴) امام احمد بن حنبل سے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ قاطع صلوۃ نہیں ہے لیکن امام احمد بن حنبل سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ قاطع صلوۃ ہے، قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ امام احمد کی ان دونوں روایتوں کا محمل الگ الگ ہے، اگر دو حرف ظاہر نہ ہوں تب تو یہ عدم قطع کی روایت پر محمول ہے اور اگر دو حرف پیدا ہو جائیں تو یہ قطع والی روایت پر محمول ہے، غالبًا اسی لئے علامہ موفق حنبلی نے مغنی میں لکھا ہے إن انتظم حرفین أفسد صلوته اگر دو حرف پیدا ہو جائیں نفخ میں تو نماز کے لئے مفسد ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر نفخ مسموع اور مُہجی ہو (حرف ظاہر ہوں) تو مفسد ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ نفخ مفسد نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ نفخ میں آواز ہوتی ہے اُف کی اور بصاق میں آواز ہوتی تُف کی اور بصاق بنص الحدیث مفسد نہیں تو نفخ بھی مفسد نہیں ہوگا، لیکن جو حضرات إن انتظم حرفين أو لا کی تفصیل پیش کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم جس صورت کو مفسد کہتے ہیں وہ صورت کلام میں داخل ہے، اور کلام چند صورتوں کے علاوہ جن کو بعض ائمہ نے مباح کہا ہے مفسد ہے اور یہ اسی میں داخل ہے لہذا یہ بھی مفسد ہے، اور اگر دو حرف پیدا نہیں ہوتے تو کلام نہیں لہذا مفسد نہیں، اور حدیث پاک سے بصاق کا ثبوت ضرور ہوتا ہے لیکن یہ لازم نہیں کہ وہاں تُف کی آواز بھی پیدا ہو۔

امام بخاری کیا کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں مَا يَجُوزُ مِنَ الْبُصَاقِ وَالنَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام کچھ تفصیل کرتے ہیں بعض انواعِ نفخ وبصاق ان کے نزدیک مباح ہیں اور بعض انواع مباح نہیں، غالبًا اگر بضرورت نفخ ہوتا ہو تب تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر بے ضرورت ہو تو مباح نہیں، یا یوں کہئے کہ بخاری اسی تفصیل کے قائل ہیں جس کے جمہور قائل ہیں، یعنی اگر آواز اور دو حروف نہ پیدا ہوتے ہوں تب تو مباح اور جائز ہے اور اگر دو حروف پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ مباح اور جائز نہیں ہیں۔

حضرت امام بخاری نے بصاق اور نفخ دونوں کو روایتوں سے ثابت کیا، نفخ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیثِ معلق سے اور بصاق کو ابن عمرؓ اور حضرت انسؓ کی روایات موصولہ سے ثابت فرمایا ہے۔

(ص ١٦٢) بَاب مَنْ صَفَّقَ جَاهِلًا مِنَ الرِّجَالِ فِي صَلَاتِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ

فيه سهل بن سعد عن النبي ﷺ.

ترجمہ: باب، اگر کوئی مرد مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نماز میں تالی بجائے تو اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی، اس باب میں حضرت سہل بن سعدؓ نے پیغمبر ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

تشریح: اگر جہالت کی وجہ سے کوئی آدمی نماز میں تالی بجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، وجہ یہ ہے کہ یہ عمل یسیر ہے، حضور ﷺ نے صحابہ کو تالی بجاتے دیکھا لیکن آپ نے ان کو اعادۂ صلوۃ کا امر نہیں فرمایا، مگر امام بخاری نے جاهلًا کی قید لگائی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عمداً تالی بجائے گا تو امام بخاری کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔

فِيهِ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں بنو عمرو بن عوف میں حضور ﷺ کے صلح کرانے کا تذکرہ ہے۔

(ص ١٦٢) بَاب إِذَا قِيلَ لِلْمُصَلِّي تَقَدَّمْ أَوِ انْتَظِرْ فَانْتَظَرَ فَلَا بَأْسَ

١٢٠٥. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمْ عَاقِدُو أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ: لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا.

ترجمہ: باب، جب نمازی سے کہا جائے کہ آگے بڑھو یا انتظار کرو اور وہ انتظار کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔
(روایت کا ترجمہ باب إذا کان الثوب ضیقًا میں گزر چکا)۔

تشریح: اگر نمازی سے یہ عرض کیا جائے کہ آگے بڑھ جاؤ یا انتظار کر لو یا تھوڑا توقف کر لو اور اس نے انتظار کر لیا یا آگے بڑھ گیا تو امام بخاری فرماتے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں، اگر نماز شروع کرنے سے پہلے کہا گیا اور مصلی نے اس کے مطابق نماز میں عمل کر لیا تب تو باتفاق اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور نماز صحیح ہو جائے گی،

لیکن اگر مصلی نماز پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھتے پڑھتے اس کو کسی نے کہہ دیا کہ آگے بڑھ جاؤ یا پیچھے ہٹ جاؤ یا تھوڑا انتظار کرلو اور اس نے اس کہنے والے کے قول پر عمل کرلیا تو اس صورت میں حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر فوری عمل کرلیا تو غیر نمازی سے تلقی کرنے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگئی، اور اگر فوری عمل نہیں کیا توقف کرکے اپنی رائے کے مطابق اگرچہ وہ رائے خارج کے فعل کی طرف مستند ہو عمل کیا ہے تو صحیح ہو جائے گی۔

غالباً امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کرکے حنفیہ پر رد کیا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ازاروں کے چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ گردنوں پر باندھ لیتے فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا، عورتوں سے کہا گیا کہ تم اپنے سر مت اٹھانا حتی کہ مرد پوری طرح بیٹھ نہ جائیں۔

امام اسماعیلی نے حضرت امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بخاری نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کلام لَا تَرْفَعْنَ رُءُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا عورتوں سے نماز پڑھتے ہوئے کہا گیا حالانکہ ان سے یہ بات نماز شروع ہونے سے پہلے کہی گئی تھی جیسا کہ اس روایت کے دیگر طرق سے معلوم ہوتا ہے، لہذا مطلب یہ نکلا کہ امام بخاری کو یہاں وہم ہو گیا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث کے اطلاق سے استدلال فرمایا ہے اور اس عموم میں یہ ملحوظ نہیں رکھا کہ نماز میں کہا گیا یا نماز سے پہلے کہا گیا، اگر نماز سے پہلے ہی کہا گیا ہے اور مصلی نے اس امر سابق کے مطابق عمل کیا تو بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس انتظار شرعی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی عادت استدلال بکل المحتمل کی ہے اور فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ میں دونوں احتمال ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ کلام نماز میں کہا گیا ہو یا نماز شروع کرنے سے پہلے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بظاہر فقیل کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ہی کہا گیا تھا اور اسی پر بخاری نے بنیاد رکھی ہے، لیکن اس روایت کے بعض دوسرے طرق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز شروع ہونے سے پہلے بات کہی گئی، بہر حال میں یہ بتلا چکا ہوں کہ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ بعض اوقات وہ اسی لفظ پر مسئلہ کی بنیاد رکھ دیتے ہیں جو سامنے موجود ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: یہ حدیث اسی سند و متن کے ساتھ ص ۱۱۳ پر گزر چکی ہے۔

(ص ۱۶۲) بَاب لَا يَرُدُّ السَّلَامَ فِي الصَّلَاةِ

١٢٠٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنْتُ أُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيَّ فَلَمَّا رَجَعْنَا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَقَالَ: إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلاً.

١٢٠٧. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ شِنْظِيرٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَانْطَلَقْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ وَقَدْ قَضَيْتُهَا فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مَا اللهُ أَعْلَمُ بِهِ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: لَعَلَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَجَدَ عَلَيَّ أَنِّي أَبْطَأْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَوَقَعَ فِي قَلْبِي أَشَدُّ مِنَ الْمَرَّةِ الْأُولَى ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ وَقَالَ: إِنَّمَا مَنَعَنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي وَكَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ مُتَوَجِّهًا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ.

ترجمہ: باب، نماز میں سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب ماینھی من الکلام فی الصلاۃ میں گزر چکا)۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے کسی کام سے بھیجا تھا، میں گیا اور اس کام کو کر کے لوٹا اب میں پیغمبر ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے مجھے جواب نہ دیا اس پر میرے دل پر جو گزری اللہ ہی جانتا ہے میں نے اپنے جی میں کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے مجھ پر ناراض ہو گئے کہ میں نے آپ کے پاس آنے میں تاخیر کی، میں نے پھر سلام کیا آپ نے پھر کوئی جواب نہ دیا، اب کی بار میرے دل پر پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ گرانی ہوئی میں نے پھر آپ کو سلام کیا اب آپ نے جواب دیا اور فرمایا مجھے جواب دینے سے اس کے سوا کوئی چیز نے نہیں روکا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ اپنی سواری پر تھے آپ کا رخ قبلے کی بجائے کسی اور طرف تھا۔

تشریح: اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا شخص آکر اس کو سلام کرے تو مصلی سلام کا جواب نہ دے، حضرات ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے کہ لفظ کی شکل میں سلام کا جواب نہیں دے گا اور اگر لفظی جواب دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، ابن بطال نے اس پر اجماع تک نقل کیا ہے لیکن دوسرے حضرات نے سعید بن مسیب، قتادہ اور حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ لفظاً جواب دے، غالباً انہوں نے یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ سلام اور جوابِ

سلام دونوں از قبیل دعاء ہیں اور دعاء من باب الاذکار ہے لہٰذا اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

جمہور علماء کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ جب وہ حبشہ سے آئے تو رسول پاک ﷺ کو نماز میں پڑھتے ہوئے سلام کیا آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا فراغت کے بعد فرمایا إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا، اور سنن وغیرہ کی روایات میں وارد ہوا ہے إِنَّ اللهَ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا يَشَاءُ وَإِنَّ مِمَّا أَحْدَثَ أَنْ لَا تَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ، اور بعض الفاظ میں ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ کی زیادتی بھی وارد ہوئی ہے، بہر حال حضور پاک ﷺ نے نماز میں جواب نہیں دیا بلکہ فراغت کے بعد جواب دیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اشارہ سے جواب دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اشارہ سے جواب دینا چاہئے، امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اشارہ سے جواب نہ دیا جائے، جواب دینا بالاشارہ ممنوع ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ائمۂ ثلاثہ کی دلیل حضرت صہیبؓ وابن عمرؓ کی حدیثیں ہیں جو امام ابوداؤد اور ابن حبان نے نقل کی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب قباء تشریف لے گئے تو صحابہ آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے اور آپ اشارہ سے جواب دیتے تھے، امام ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کی تصحیح فرمائی ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے یہ اشارہ منع من السلام کے لئے ہو لیکن امام طحاوی کا یہ احتمال غیر مسموع ہے، صحابہ کے فہم پر تردید کے کوئی معنی نہیں، اس طرح سے تو صحابۂ کرام کی بہت سی حدیثوں کو چھوڑ دینا پڑے گا اس لئے کہ انہوں نے اپنے فہم کو استعمال کرکے حضور کے فعل کی مراد کی تعیین کی کیوں کہ وہ مراد نبوی اور آپ کے فعل کے مقصد کو زیادہ جاننے والے ہیں، اور اگر سرکار دوعالم ﷺ کا مقصود انکار ہی تھا تو حضور ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد سلام کرنے پر نکیر کیوں نہیں فرمادی کہ نماز پڑھتے ہوئے سلام نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یہ جواب کے لئے اشارہ تھا نہ کہ ان کے سلام پر انکار تھا، اگر کلام سے سلام کا جواب نہیں دیا جاسکتا ہے تو اشارہ سے جواب نہ دینے کے کوئی معنی نہیں معلوم ہوتے ہیں۔

اور شمس الائمہ حلوائی اور صاحب محیط نے لکھا ہے لا بأس أن يتكلم مع المصلي ويجيب برأسه مصلی کے ساتھ کلام کیا جاسکتا ہے اور اپنے سر سے اشارۃً جواب دے سکتا ہے، اگر یہ صورت مباح ہے تو جوابِ سلام کیوں نہیں مباح ہوگا، اسی لئے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ سلام کا جواب اشارہ سے دینا مکروہ نہیں ہے

فلیکن هو المعوّل علیه۔

ایک اور مسئلہ سنئے، وہ یہ ہے کہ آیا مصلی کو سلام کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ کا قول واحد یہ ہے کہ مصلی کو سلام کرنا مکروہ ہے، امام ابوداؤد نے امام احمد سے بھی اسی طرح منع نقل کیا ہے اور یہی ابن وہب نے امام مالک سے نقل کیا ہے، علامہ نووی نے شرح مسلم میں اسی طرح نقل کیا ہے، لیکن شرح مہذب میں اس کے خلاف نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے کلام کا مقتضی یہ ہے کہ سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یہی حضرت امام احمد سے ابن قدامہ نے نقل کیا ہے اور امام مالک سے مدونہ میں نقل کیا گیا ہے۔

فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مَا اللهُ أَعْلَمُ بِهِ: یعنی ایسا رنج و غم طاری ہوا کہ اللہ ہی اس کو زیادہ جانتے ہیں۔

(ص ۱۶۲) بَاب رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الصَّلَاةِ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

۱۲۰۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: بَلَغَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِقُبَاءٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ فَخَرَجَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَحُبِسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ بِلَالٌ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ حُبِسَ وَقَدْ حَانَتِ الصَّلَاةُ فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ إِنْ شِئْتُمْ، فَأَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ وَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَكَبَّرَ لِلنَّاسِ، وَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ يَشُقُّهَا شَقًّا حَتَّى قَامَ من الصَّفِّ فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيحِ - قَالَ سَهْلٌ: التَّصْفِيحُ هُوَ التَّصْفِيقُ - قَالَ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَشَارَ إِلَيْهِ يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ فَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ اللهِ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ حِينَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، نماز میں کسی معاملے کے پیش آنے کی وجہ سے ہاتھوں کو اٹھانا۔

(روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: اگر مصلی کو نماز میں کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس کی وجہ سے ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔

(ص ۱۶۳) بَابُ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ

۱۲۰۹. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: نُهِيَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ. وَقَالَ هِشَامٌ وَأَبُو هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

۱۲۱۰. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: نُهِيَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا.

ترجمہ: باب، نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

ہشام اور ابو ہلال نے بواسطہ ابن سیرین حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس سے منع کیا گیا ہے کہ انسان کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے۔

تشریح: خصر کہتے ہیں کوکھ کو اور یہاں مراد خصر کا حکم بتانا ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ خصر کہتے ہیں وضع الید علی الخاصرۃ کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے کوکھ پر ہاتھ رکھنے کا مسئلہ بیان کیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ باتفاق ائمہ اربعہ مکروہ ہے۔

آپ نے اس سے کیوں منع فرمایا اور علت کراہت کیا ہے؟ اس میں علماء کے چھ سات اقوال ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ سے امام بخاری نے ص ۴۹۱ پر نقل کیا ہے کہ یہ فعل یہود ہے چونکہ اس میں ان کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے اس لئے آپ نے اس سے منع کر دیا، (۲) بعض کہتے ہیں کہ یہ شیطان کا فعل ہے، ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ ابلیس جب جنت سے اتارا گیا تھا تو اسی طرح سے اتارا گیا تھا، (۳) بعض کہتے ہیں کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے، (۴) ابن خزیمہ اور ابن حبان کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ یہ اہل نار کی استراحت ہے، (۵) بعضوں نے کہا ہے کہ یہ اہل رجز کی صفت ہے، (۶) بعض کہتے ہیں کہ یہ اہل مصائب کی

صفت ہے، (۷) بعض کہتے ہیں کہ یہ مصلوب کی شکل ہے جس کو سولی دی جاتی ہے اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے ہاتھ بندھ جاتے ہیں۔

مُختَصِرًا: یہاں پر دو نسخے ہیں، ایک مُختَصِرًا اور دوسرا مخصرًا، مخصرًا کے معنی تو وہی ہے جو خصر کے بیان کئے گئے یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا، مگر مُختَصِرًا کے معنی میں اختلاف ہے، کئی اقوال ہیں۔

(۱) مشہور قول یہی ہے کہ اس کے معنی بھی وضع الید علی الخاصرۃ کے ہیں، (۲) اختصار کے معنی یہ ہے کہ آدمی ہاتھ میں مخصرہ پکڑے، ابو عبید ہروی نے یہ معنی بیان کئے ہیں، (۳) اختصار کے معنی یہ ہیں کہ آدمی جس سورۃ کو بھی نماز میں پڑھے اس کی ابتداء سے ایک دو آیات پڑھ لے، اگر یہ مقصود ہے تو علتِ کراہت یہ ہے کہ اس میں آدمی کے طرز سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ گویا وہ قرآن پاک کے یاد کرنے سے کسل کر رہا ہے یا یہ کہ بقیہ سے اعراض کر رہا ہے یا یہ کہ بعض اوقات ایک دو آیات پر اکتفاء کرنے سے پورا مطلب مفہوم نہیں ہوتا ہے، (۴) اختصار کے معنی یہ ہے کہ آدمی نماز میں طمانینت نہ کرے اسکے قیام، رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہ کرے، (۵) آدمی آیات سجدہ کا اختصار کر دے چھوڑ دے تاکہ نماز میں سجدہ نہ کرے، (۶) صرف آیات سجدہ پڑھتا ہوا چلا جائے، بہر حال ان مطالب میں سے سب سے زیادہ مشہور مطلب پہلا ہی ہے اور امام بخاری کی یہی رائے ہے، اسی لئے مصنف نے اس کو خصر فی الصلوۃ کے ترجمہ کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔

(ص ۱۶۳) بَاب يُفكِرُ الرَّجلُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ

وقال عمر: إني لأجهز جيشي وأنا في الصلاة.

۱۲۱۱. حَدَّثَنَا إِسحَاقُ بنُ مَنصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا رَوحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ - هُوَ ابنُ سَعِيدٍ - قَالَ: أَخبَرَنِي ابنُ أَبِي مُلَيكَةَ عَن عُقبَةَ بنِ الحَارِثِ قَالَ: صَلَّيتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ العَصرَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ سَرِيعًا دَخَلَ عَلَى بَعضِ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ وَرَأَى مَا فِي وُجُوهِ القَومِ مِن تَعَجُّبِهِم لِسُرعَتِهِ فَقَالَ: ذَكَرتُ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ تِبرًا عِندَنَا فَكَرِهتُ أَن يُمسِيَ أَو يَبِيتَ عِندَنَا فَأَمَرتُ بِقِسمَتِهِ.

۱۲۱۲. حَدَّثَنَا يَحيَى بنُ بُكَيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيثُ عَن جَعفَرٍ عَنِ الأَعرَجِ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيرَةَ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أُذِّنَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ أَقْبَلَ فَإِذَا ثُوِّبَ أَدْبَرَ فَإِذَا سَكَتَ أَقْبَلَ فَلَا يَزَالُ بِالْمَرْءِ يَقُولُ لَهُ: اذْكُرْ مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى.

قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِذَا فَعَلَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَسَمِعَهُ أَبُو سَلَمَةَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

۱۲۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: يَقُولُ النَّاسُ: أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ، فَلَقِيتُ رَجُلًا فَقُلْتُ: بِمَ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْبَارِحَةَ فِي الْعَتَمَةِ؟ فَقَالَ: لَا أَدْرِي، فَقُلْتُ: أَلَمْ تَشْهَدْهَا؟ قَالَ: بَلَى، قُلْتُ: لٰكِنْ أَنَا أَدْرِي قَرَأَ سُورَةَ كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ: باب، آدمی کا نماز میں کوئی بات سوچنا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نماز میں اپنے لشکر کی تیاری پر غور کرتا ہوں۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب من صلّی بالناس فذکر حاجۃ میں گزر چکا)۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب فضل التأذین میں گزر چکا)۔

ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ حدیثیں بہت بیان کرتا ہے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں نے ایک شخص سے ملاقات پر یہ دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کل رات نماز میں کیا پڑھا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں، میں نے کہا کہ کیا تم نماز میں نہ تھے؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں! میں نے بتایا کہ میں البتہ جانتا ہوں، آپ نے فلاں فلاں سورۃ پڑھی۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نماز میں اگر کوئی خیال آجائے تو اس خیال سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے نماز صحیح ہو جاتی ہے، حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے نماز ہی میں آپ کو یہ یاد آگیا کہ میں نے سونا رکھا ہوا ہے تو سلام پھیرتے ہی فوراً اندر تشریف لے گئے تاکہ وہ گھر میں رہنے نہ پاوے تقسیم ہو جاوے۔

اگر آدمی کو نماز میں ادھر ادھر کے خیالات آئیں اور فوراً دفع کر دے تب تو نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اگر فوراً دفع نہیں کر سکا حتی کہ کافی دیر تک خیالات و وساوس میں لگا رہا تو پھر اس صورت میں اگر حضوری کی کیفیت خیالات و وساوس سے زائد ہے تب تو یہ نماز باتفاق صحیح ہے البتہ جتنے وساوس آئے ہیں اس لحاظ سے ثواب

میں کمی ہو جائے گی، اور ابوداؤد شریف کی روایت میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کیلئے اس کا عشر لکھا جاتا ہے اس کا نصف لکھا جاتا ہے اس کا ثمن لکھا جاتا ہے ھکذا اس کا یہی مطلب ہے۔

اور اگر وساوس وخطرات کا غلبہ ہو اکثر نماز میں وساوس رہتے ہوں اکثر حصہ وساوس کا ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے، شیخ ابوعبداللہ بن حامد حنابلہ میں سے اور امام ابوحامد امام غزالی شافعیہ میں سے فرماتے ہیں کہ نماز ظاہراً تو صحیح ہے مگر باطناً صحیح نہیں، اور امام احمد وغیرہ جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز بہر حال صحیح ہوگئی البتہ ثواب نہیں ملے گا بس جتنا حضور ہوگا اتنا ثواب مل جائے گا۔

وَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لَأُجَهِّزُ جَيْشِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے لشکر کی تجہیز وترتیب دیتا ہوں اس حال میں کہ میں نماز میں ہوتا ہوں، یہ اثر ابن ابی شیبہ نے موصولاً روایت کیا ہے، ویسے یہ مضمون صالح بن احمد نے کتاب المسائل میں اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اور امام بیہقی نے سنن میں بھی روایت کیا ہے، اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تو ایسی نماز کی ترغیب دی ہے جس میں آدمی کو خطرات ووساوس نہ آئیں اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی اچھی طرح سے وضو کرے اور پھر اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے **لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ فِيهِمَا بِشَيْءٍ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ** تو حضرت عمرؓ اتنے بڑے آدمی ہو کر نماز میں لشکر کی تجہیز وترتیب کیوں کیا کرتے تھے؟ علماء نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) حضرت شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ حنبلی الحرانی فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عمرؓ امیر المؤمنین تھے ان کے ذمہ ہجوم کار ہوتا تھا دنیا بھر کے مطالبات تھے اسلئے ہو سکتا ہے کہ ترتیب جیش کے سلسلہ میں غور وفکر کا موقع نہ ملتا رہا ہو لہذا جب وہ نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوتے ہوں تو قرأت اور تسبیحات کے ساتھ ساتھ وہ لشکر کی ترتیب کے متعلق بھی غور وفکر کرتے رہے ہوں، لہذا ان کی یہ نماز اس نماز جیسی ہوگی جیسے کوئی آدمی خوف کی حالت میں پڑھ رہا ہو کہ نماز بھی پڑھتا ہے اور دشمن کا بھی خیال لگا ہوتا ہے حفاظت کا بھی خیال آتا رہتا ہے، علامہ فرماتے ہیں کہ بہر حال اس نماز کا درجہ اس نماز سے گھٹا ہوا ہے جس میں کوئی خیال نہ آئے۔

(۲) ان ہی کے تلمیذ راشد علامہ ابن قیم نے الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی میں ایک عجیب وغریب بات لکھی وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ دو عبادتوں کو بیک وقت جمع کرتے تھے، ایک نماز اور دوسری جہاد، اور یہ من باب تداخل العبادات ہے اور اس پر اسی شخص کو قدرت ہو سکتی ہے جو حاذق

القلب ہو بڑا ماہر انسان ہو جس کا قلب اس قدر طاقتور ہو کہ وہ بیک وقت دو طرف توجہ کر لیتا ہو۔

(۳) ہمارے حضرت اقدس مرزا مظہر جان جاناں اور اسی طرح سے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے ایک اور جواب دیا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اصل میں سیدنا عمر بن خطابؓ جب نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو ان کو حضوری کی حالت حاصل ہوتی تھی اور وہ بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہوتے تھے اس وقت ان کو علم حصولی حاصل ہوتا تھا، یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے جیوش کی ترتیب کے سلسلہ میں علوم کا القاء ہوتا تھا، یہ القائی علوم ہوتے تھے اس میں حضرت عمرؓ کے کسب کو کوئی دخل نہیں تھا اور یہ مضر نہیں اور نماز میں خلل پیدا کرنے والے نہیں ہیں اور نہ یہ حدیثِ نفس کے باب میں داخل ہیں جس میں انسان کے نفس کو دخل ہوتا ہے۔

مگر اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ اسی قصہ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کو سہو ہو گیا تھا قرأت چھوٹ گئی تھی، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت کھڑے ہوئے ہوں حضوری کی کیفیت اتنی غالب آئی ہو کہ اُدھر سے علم حصولی شروع ہو گیا اور اسی میں ایک دم اشتغال ہو گیا حتی کہ قرأت کے ترک کی طرف دھیان نہیں گیا اور نسیان ہو گیا۔

يَقُولُ النَّاسُ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ روایات بہت کثرت سے نقل کرتا ہے اور کثرتِ روایات کا مجھ پر الزام دیتے ہیں، سنو! میری کثرتِ روایات کا سبب کیا ہے؟ **فَلَقِيتُ رَجُلًا** کہتے ہیں کہ میں ایک آدمی سے ملا میں نے پوچھا کہ کل رات حضور ﷺ نے عشاء کی نماز میں کیا قرأت فرمائی تھی؟ کہنے لگا کہ مجھے یاد نہیں، میں نے کہا کہ تو موجود نہیں تھا؟ کہنے لگا کہ ہاں تھا، میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ فلاں فلاں سورۃ پڑھی تھی، مطلب یہ ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ہر قول و عمل کا اہتمام کرتا تھا اسلئے اگر روایات مجھے زیادہ یاد ہیں تو مجھ پر کیا الزام ہے؟

امام بخاری نے اس باب میں جو تینوں روایتیں ذکر کی ہیں پہلی دونوں روایتوں سے تو ترجمہ بالکل صاف طور سے ثابت ہو جاتا ہے باقی اس تیسری روایت سے امام بخاری نے کیسے ترجمہ ثابت کیا ہے؟ علامہ کرمانی نے دو احتمال ذکر کئے ہیں، ایک تو یہ کہ ان صحابی سے حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا تھا کہ حضور نے کیا پڑھا؟ انہوں نے کہا **لَا أَدْرِي**، معلوم ہوا کہ وہ ادھر ادھر کے خیالات میں مستغرق تھے لیکن صحابی نے اپنی نماز کو واجب الاعادہ نہیں

سمجھا اور نہ ابوہریرہؓ نے اس پر کچھ نکیر فرمائی، معلوم ہوا کہ خیالات ووساوس سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے جو یہ فرمایا أَنَا أَدْرِي اس سے ترجمہ ثابت فرمایا ہے اسلئے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ سوچا کہ حضور ﷺ فلاں سورۃ پڑھ رہے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وبالأول جزم غیرہ یعنی احتمال اول ہی کو کرمانی کے علاوہ دوسرے حضرات نے بیان کیا ہے۔

ابواب العمل فی الصلاۃ پورے ہوئے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

کتاب السهو

(ص ۱۶۳) بَاب مَا جَاءَ فِي السَّهْوِ إِذَا قَامَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَرِيضَةِ

١٢٢٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ مِنْ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَنَظَرْنَا تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ ثُمَّ سَلَّمَ.

١٢٢٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ مِنِ اثْنَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَلَمْ يَجْلِسْ بَيْنَهُمَا فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: باب، جب فرض نماز کی دو رکعت پر بیٹھے بغیر کھڑا ہو جائے تو اس سہو کی بابت کیا حکم وارد ہوا ہے؟

(روایت کا ترجمہ باب من لم یر التشہد الأول واجبا میں گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے تفکر کے بعد سہو کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں سہو واقع ہونے کا سبب ہی تفکر ہے، لہذا جب مصنف نے بتلا دیا کہ عمل قلیل یعنی تفکر اگر نماز میں ہو جائے تو یہ مفسد صلوۃ نہیں تو اب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر اس عمل کا یہ اثر مرتب ہو کہ نماز میں سہو ہو جائے تو کیا کیا جائے گا؟ مصنف نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدۂ سہو واجب ہو گا۔

سجدۂ سہو کا حکم کیا ہے؟ (۱) حنفیہ کہتے ہیں کہ واجب ہے، (۲) شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت ہے،

(۳) مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر نقصان ہو اور اس کی وجہ سے سجدۂ سہو ہو تو واجب ہے اور اگر زیادتی کی وجہ سے سجدۂ سہو ہو تو واجب نہیں ہے، (۴) حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے واجبات کو ترک کیا ہے جو ارکان نہیں ہیں یا نماز میں سہواً ایسے فعل کا اضافہ کر دیا کہ اگر عمداً کر دیا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے ان دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے، اور اگر سنن قولیہ چھوٹ جائیں تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا مسنون ہے۔

سجدۂ سہو کی مشروعیت کی حکمت کیا ہے؟ سجدۂ سہو کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ نماز میں جو نقصان ہو گیا ہے سجدۂ سہو سے اس کی تکمیل کی گئی ہے، یعنی نماز میں جو کوتاہی ہو گئی ہے اس کوتاہی کا تدارک سجدۂ سہو کی مشروعیت کا مقصود ہے۔

خطیب بغدادی نے ابو بکر محمد بن حسن مقری النقاش سے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین ایک مرتبہ معروف کرخی کے پاس حدیث کا ایک جزء سننے کے لئے لے کر گئے، تو یحیٰ بن معین نے فرمایا کہ میں ان سے ایک مسئلہ پوچھوں گا، امام احمد نے فرمایا کہ رہنے دو، کیا ضرورت ہے پوچھنے کی؟ مگر یحیٰ بن معین نے ان سے پوچھا کہ نماز میں سجدۂ سہو کیوں ہوتا ہے؟ معروف کرخی نے فرمایا **عقوبة للقلب لِمَ اشتغل وغفل عن الصلوة**؟ دل کو سزا دی جارہی ہے کیوں نماز میں دوسری طرف توجہ کی اور غفلت کی؟ حضرت امام احمد نے یحیٰ سے فرمایا **ھذا فی کیسک**؟ یہ ہے تمہاری تھیلی میں؟ یعنی ایسی حکمت کی باتیں تمہارے پاس کہاں؟

سجدۂ سہو کے بارے میں دو طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں، بعض میں سجود قبل السلام کا ذکر ہے اور بعض میں سجود بعد السلام کا ذکر ہے، حافظ ابن عبد البر اور صاحب الہدایہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں بلکہ قاضی عیاض وغیرہ نے اس پر اجماع واتفاق نقل کیا ہے، اسی طرح سے قاضی ماوردی نے بھی اجماع نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ فقہاءِ مذاہب اربعہ نے بعض صورتوں میں اختلاف کیا ہے چنانچہ شافعیہ میں سے امام الحرمین اور حنفیہ میں سے امام قدوری اور مالکیہ میں سے امام قرطبی اور حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے بعض صورتوں میں اختلاف نقل کیا ہے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ اختلاف حادث ہو اور جس وقت اجماع نقل کیا گیا ہے اس وقت اختلاف نہ رہا ہو، بہر حال اس میں تو اتفاق ہے کہ چاہے سجدہ قبل السلام ہو یا بعد السلام ہو دونوں صورتیں جائز ہیں، صرف اس میں اختلاف ہے کہ اولیٰ وافضل کیا ہے؟

(۱) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ سلام کے بعد، (۲) امام شافعی فرماتے ہیں سلام سے پہلے، (۳) امام مالک فرماتے ہیں کہ زیادتی میں بعد السلام اور نقصان میں قبل السلام الدال بالدال و القاف بالقاف، (۴) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ احادیث میں جو صورتیں مذکور ہیں اگر وہ صورتیں پیش آئیں تو احادیث کا اتباع کیا جائے گا۔

لہٰذا ۱ اگر کوئی آدمی دو رکعت پر کھڑا ہو جائے اور تشہد نہ پڑھے تو سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرے گا جیسا کہ عبداللہ ابن بحینہؓ کی روایت میں وارد ہے، اور ۲ اگر کسی آدمی کو نماز میں شک ہو گیا کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار تو بناء علی الاقل کرے اور وہ سجود قبل السلام کرے گا جیسا کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں مسلم میں وارد ہوا ہے، اور ۳ اگر کسی آدمی نے چار کے بجائے پانچ پڑھ لی اس صورت میں سلام کے بعد سجدہ کرے گا، اور ۴ اگر کسی آدمی نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور اس کے بعد باقی نماز پوری کی تو سلام کے بعد سجدہ کرے گا جیسا کہ پہلی صورت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں وارد ہے اور دوسری صورت ذوالیدینؓ کی حدیث میں وارد ہے، جہاں جو صورتیں وارد ہوئی ہیں حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ وہاں ان صورتوں کی تابعداری کی جائے گی، اور اس کے علاوہ اگر کوئی اور نئی صورت رونما ہو جائے تو امام احمد فرماتے ہیں کہ وہاں قبل السلام سجدہ کیا جائے گا اس لئے کہ یہ تو تدارکِ نقصانِ صلوۃ ہے لہٰذا نماز میں ہونا چاہئے سلام سے پہلے پہلے۔

(۵) اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جو صورتیں وارد ہیں وہاں تو انہی کی تابعداری کی جائے گی اور اس کے علاوہ کوئی نئی صورت پیش آئے تو امام مالک کے ساتھ ہیں۔

(۶) ابو حاتم بن حبان البستی فرماتے ہیں کہ حدیثوں میں جو شکلیں وارد ہیں اگر وہ پیش آئیں تو حدیثوں کے ظاہر کا اتباع کیا جائے گا اور اگر کوئی نئی صورت پیش آئے تو أشبه بما ورد في الأحاديث پر عمل کیا جائے گا یعنی جو صورت بھی جس صورت کے اقرب ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

(۷) علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ سجودِ سہو سارا کا سارا سلام کے بعد ہے، صرف دو شکلوں میں سلام سے پہلے ہو گا ایک تو بناء علی الاقل کر رہا ہو اور دوسرے جب دو رکعت پر بغیر تشہد کے کھڑا ہو گیا ہو۔

(۸) داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ احادیث نبویہ میں جو شکلیں وارد ہوئی ہیں بس وہ شکلیں اگر پیش آئیں تو سجدۂ سہو کیا جائے گا اس کے علاوہ اگر کوئی نئی صورت رونما ہوتی ہے تو وہاں سجدۂ سہو نہیں ہے، اسلئے کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کا اگر مقصود ہر جگہ سجدۂ سہو ہوتا تو آپ اسکے لئے کوئی قانون بیان کر دیتے، لیکن دوسرے

حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ نے قانون بیان کیا ہے چنانچہ ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے فَإِذَا لَمْ يَدْرِ أَحَدُكُمْ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ معلوم ہوا کہ بہر حال سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

اب اس کے بعد گفتگو صرف اس میں ہے کہ سجود قبل السلام ہے یا بعد السلام؟ روایتیں دونوں طرح کی وارد ہوئی ہیں، قبل السلام والی روایات کو قبل السلام کے قائلین نے بنیاد بنایا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ تدارکِ مافات ہے اور تکمیل ہے نماز کی لہذا نماز ختم ہونے سے پہلے ہونا چاہئے، اور جن لوگوں نے بعد السلام کو ترجیح دی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ بعد السلام اور قبل السلام دونوں کی روایتیں ہیں لیکن بعد السلام کی روایتیں بہت زیادہ ہیں، چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں جو باب إذا صلّى خمسًا میں آرہی ہے وارد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھ لیں فراغت کے بعد جب آپ سے کہا گیا تو آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کئے، اسی طرح ذوالیدینؓ کی روایت میں بالاتفاق سجود بعد السلام کا ذکر ہے، عمران بن حصینؓ کی روایت میں جو مسلم شریف میں وارد ہوئی ہے سجود بعد السلام کا ذکر ہے، اور بھی اس طرح کی متعدد روایات ہیں، اور عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت ابواب مساجد میں گزر چکی ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ، اور حضرت ثوبانؓ سے ایک روایت میں وارد ہوا ہے لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ، رواہ أبو داود، بعض احناف کہتے ہیں کہ روایات فعلیہ میں تعارض ہے اور یہ قولی روایت ہے لہذا یہ راجح ہوگی، لیکن اس کی سند ضعیف ہے اسلئے مجھ کو یہ تقریر سمجھ میں نہیں آئی، بہر حال ہر ایک کے سامنے کوئی نہ کوئی وجہ ترجیح ضرور موجود ہے۔

بعض احناف فرماتے ہیں کہ جن روایتوں میں سجود بعد السلام کا ذکر ہے اس سے مراد سجودِ سہو کا سلام ہے اور جن میں سجود قبل السلام کا ذکر ہے اس سے سلامِ تحلل مراد ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ توجیہ ہر جگہ چلنے والی نہیں ہے۔

امام بخاری کی رائے کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کے متعلق کوئی بات نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ احقر کی سمجھ میں جو آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا ظاہر اس مسئلہ میں اسی طرز کا قائل ہے جو طرز ہم نے امام احمد واسحاق وغیرہ سے نقل کیا ہے یعنی احادیث میں جو شکلیں وارد ہوئی ہیں ان کی پابندی کی جائے گی

اگر وہ شکلیں رونما ہو جائیں تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، رہا یہ کہ اس کے ماسوا کوئی نئی صورت رونما ہو تو کیا کیا جائے؟ امام بخاری نے اس سلسلہ میں کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی ہے البتہ ایک باب منعقد کیا ہے بَاب إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، ہو سکتا ہے یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے اس باب سے ایک قاعدۂ کلیہ بتادیا کہ اگر آدمی کو نماز میں کوئی سہو پیش آجائے تو وہ سجدۂ سہو کر لے، رہا یہ کہ سجود قبل السلام ہو گا یا بعد السلام، تو چونکہ روایت میں کوئی تصریح نہیں اسلئے امام بخاری نے بھی سکوت فرمالیا۔

یہ جو ہم نے مذاہب نقل کئے ہیں امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ سب سے اقویٰ مسلک امام مالک کا ہے پھر امام شافعی کا ہے، حافظ نے فتح الباری میں نووی سے نقل کیا ہے کہ سب سے اقویٰ مسلک مالک کا ہے پھر احمد کا ہے، اور پھر حافظ ابن حجر نے اس پر تعقب کیا ہے کہ دوسرے حضرات امام احمد بن حنبل کے مسلک کو اقوی قرار دیتے ہیں۔

قَامَ مِنْ اثْنَتَيْنِ: اگر کوئی آدمی تشہد چھوڑ کر مکمل کھڑا ہو جائے تو کیا کرے گا؟ بعض تابعین حسن بصری وغیرہ سے منقول ہے یرجع لوٹ جائے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سیدھے کھڑے ہونے کے بعد پھر نہیں لوٹے گا، البتہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اگر اقرب الی القعود ہو تو بیٹھ جائے اور اقرب الی القیام ہو تو کھڑا ہو جائے۔

(ص ۱۶۳) بَاب إِذَا صَلَّى خَمْسًا

۱۲۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ لَهُ: أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ.

ترجمہ: باب، جب کوئی پانچ رکعت پڑھ لے۔

(روایت کا ترجمہ باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان میں گزر چکا)۔

تشریح: اگر کسی آدمی نے پانچ رکعت پڑھ لیں تو کیا کرے؟ روایت الباب نے بتلادیا کہ دو سجدے

سلام کے بعد کرلے گا، حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی وغیرہ شراح بخاری فرماتے ہیں کہ بعض حضرات یوں فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے سجود بالنقصان اور سجود بالزیادۃ میں فرق کیا ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ اگر نقصان کی صورت پیش آجائے تب تو سجدہ قبل السلام ہوگا جیسا کہ ترجمۂ ماضیہ کے ذیل میں جو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اس میں وارد ہے، اور اگر نماز میں زیادتی پیش آئے تو سجود بعد السلام ہوگا جیسا کہ روایت الباب میں وارد ہے، مگر بس یہ قِیلَ ہی کا درجہ ہے، بظاہر کسی مالکی عالم کا قول ہے، ہم کو تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام بخاری تمام احادیث کی پابندی کررہے ہیں۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ بظاہر امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک اور اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے پانچ رکعت نماز پڑھ لی تو اس کے فریضہ کا کیا ہوگا؟

جمہور کہتے ہیں کہ بس سجدۂ سہو کرلے کافی ہے نماز کا فریضہ ہوگیا، حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر قعدۂ اخیرہ بقدر التشہد پایا گیا تب تو فریضہ ادا ہوا اور آدمی کو یہ چاہئے کہ ایک اور رکعت ملالے تاکہ چار فریضہ اور دو نافلہ بن جائیں، لیکن اگر کسی آدمی نے تشہد ثانی ادا ہی نہیں کیا اور چوتھی رکعت کے بعد جلوس ثانی بقدر التشہد پایا ہی نہیں گیا تو اس کا فریضہ باطل ہوگیا اور اگر اب ایک رکعت ملالے گا تو چھ رکعت نفل بن جائیں گی۔

حضرت امام بخاری نے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرکے حنفیہ پر رد کیا ہے اسلئے کہ روایت الباب میں کہیں بھی یہ تصریح نہیں کہ حضور ﷺ نے جب ظہر میں پانچ رکعت پڑھی تو رابعہ پر آپ بیٹھے تھے، بعض احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ رابعہ کا قعدہ تو فرض ہے بھلا آپ نے فرض کیسے ترک کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قعدہ یقیناً فرض ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ اگر نسیان ہوگیا ہو تو اس کا محل بھی فرض ہو لہٰذا وہ قعدہ خامسہ کے بعد ادا ہوگیا، بہر حال یہ تقریر سمجھ میں نہیں آئی اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے معجم طبرانی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ رابعہ پر نہیں بیٹھے تھے، اس صورت میں احناف کی توجیہ نہیں چلتی، حضرت شاہ صاحب کا رجحان بھی کچھ اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہوجائے گی اور ہو بھی جانا چاہئے۔

(ص ۱۶۳) بَاب إِذَا سَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ أَوْ فِي ثَلَاثٍ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ مِثْلَ سُجُودِ الصَّلَاةِ أَوْ أَطْوَلَ

۱۲۲۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ أَوِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَقَصَتْ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: أَحَقٌّ مَا يَقُولُ؟ قَالُوا: نَعَمْ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أُخْرَاوَيْنِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

قَالَ سَعْدٌ: وَرَأَيْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ صَلَّى مِنَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فَسَلَّمَ وَتَكَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى مَا بَقِيَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَقَالَ: هَكَذَا فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ.

ترجمہ: باب، جب کوئی دو یا تین رکعت پر سلام پھیر دے تو نماز کے سجدوں کے برابر یا اس سے زیادہ طویل دو سجدے کرے۔ (روایت کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: اگر دو رکعت پر سلام پھیر دے یا تین رکعت پر سلام پھیر دے تو دو سجدہ کرلے۔

حضرت امام نے بالکل حدیث پاک کی تابعداری کی ہے لیکن جو روایت مصنف نے ذکر کی ہے اس میں سلام علی ثنتین ہی کا ذکر ہے سلام علی الثلاث کا کوئی ذکر نہیں تو پھر مصنف نے أو فی الثلاث کیوں ذکر فرمایا ہے؟

جو حضرات امام بخاری کو قیاس کا قائل مانتے ہیں ان کے مسلک پر توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام بخاری نے یہ مسئلہ قیاساً ثابت فرمایا ہے، اور جو حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاری قیاس کے قائل نہیں ہیں ان کی رائے پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری نے دوسری روایات کی طرف اشارہ کیا ہوگا، چنانچہ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں مسلم شریف میں تین پر سلام پھیرنے کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اب ممکن ہے کہ امام بخاری کی رائے یہ ہو کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ذوالیدین کے قصہ میں اور حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث جو مسلم میں وارد ہوئی ہے وہ ایک ہی قصہ سے متعلق ہے، چنانچہ بعض علماء حافظ ابن حجر وغیرہ کی یہی رائے ہے، **اگرچہ عام حضرات ابن خزیمہ**، ابن حبان، صلاح الدین علائی اور علامہ شوکانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ قصہ اور ہے اور یہ قصہ اور ہے ومال شیخنا إلى التعدد وأنا لا أميل إليه، میرا خیال یہ ہے کہ

دونوں واقعے ایک ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ذوالیدینؓ کی مفصل حدیث امام بخاری نے ابواب مساجد میں ذکر کی ہے اور وہاں پر حدیث نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ عبارت نقل کی ہے فرُبَمَا سَألُوہُ ثُمَّ سَلَّمَ فَیَقُوْلُ نُبِّئْتُ أنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ، یعنی ابن سیرین سے لوگوں نے یہ پوچھا کہ سجدۂ سہو کے بعد آپ نے سلام پھیرا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ عمران بن حصینؓ فرماتے تھے ثُمَّ سَلَّمَ، معلوم ہوا کہ ابن سیرین کے نزدیک جو حدیثِ ذوالیدینؓ ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں وہ قصہ اور عمرانؓ والا قصہ ایک ہی ہے۔

(ص ۱۶۳) بَاب مَنْ لَمْ يَتَشَهَّدْ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

وسلّم أنس والحسن ولم يتشهدا، وقال قتادة: لا يتشهد.

١٢٢٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنِ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ.

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَلْقَمَةَ قَالَ: قُلْتُ لِمُحَمَّدٍ: فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ تَشَهُّدٌ؟ فَقَالَ: لَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہ پڑھے۔

انس بن مالکؓ اور حسن بصری نے سلام پھیرا اور تشہد نہیں پڑھا، قتادہ کہتے ہیں کہ تشہد نہ پڑھے۔

(روایت کا ترجمہ باب تشبیک الأصابع فی المسجد وغیرہ میں گزر چکا)۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں ایک مسئلۂ اختلافیہ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے سجدۂ سہو کر لیا تو اس کے بعد تشہد پڑھے گا یا نہیں؟ آیا سجدۂ سہو سے تشہد ختم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اختلافیہ ہے،

(۱) امام شافعی کی ایک روایت یہ ہے کہ سجدۂ سہو سے تشہد ختم نہیں ہوتا ہے لہذا بعد میں تشہد نہیں پڑھے گا، (۲) امام ابو حنیفہ کے یہاں مطلقاً تشہد ختم ہو جاتا ہے لہذا ان کے یہاں تشہد پڑھے گا، (۳) امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر سجود بعد السلام ہو تب تو تشہد پڑھے گا اور اگر سجود قبل السلام ہو تو اس صورت میں تشہد نہیں پڑھے گا، (۴) امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر سجود بعد السلام ہو تب تو تشہد پڑھے گا اور اگر قبل السلام ہو تو اس صورت میں امام مالک کے اقوال مختلف ہیں۔

امام بخاری اس مسئلہ میں قول اول کی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں اور اس کو حضرت انسؓ اور حسن بصری کے اثر سے بھی مؤید کیا ہے کہ انہوں نے سلام پھیر کر تشہد بعد میں نہیں پڑھا، حنفیہ کی دلیل حضرت عمران بن حصینؓ کی وہ حدیث ہے جو امام ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے نقل فرمائی ہے أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ۔

وَقَالَ قَتَادَةُ لَا يَتَشَهَّدُ: اس پر اشکال یہ ہے کہ عبد الرزاق نے قتادہ سے نقل کیا ہے يَتَشَهَّدُ، بہت ممکن ہے کہ یہ 'لا' کاتب کی غلطی ہو اور زائد ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ قتادہ سے دو روایتیں منقول ہوں مگر یہ امکان بعید ہے۔

ثُمَّ رَفَعَ: پھر حضور ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے یعنی اپنا سر اٹھا دیا، اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تشہد نہیں پڑھا تھا۔

لَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ: یعنی ابو ہریرہؓ کی حدیث میں تشہد کا کوئی ذکر نہیں، مگر یہ بیان کر چکا ہوں کہ عمران بن حصینؓ کی روایت میں ثُمَّ سَلَّمَ وارد ہوا ہے بلکہ تشہد کا تذکرہ بھی حضرت عمرانؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے۔

(ص ۱۶۴) بَابُ مَنْ يُكَبِّرُ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

۱۲۲۹. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَكْثَرُ ظَنِّي أنها العصر - رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ قَامَ

إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا وَفِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَقَالُوا: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ؟ وَرَجُلٌ يَدْعُوهُ النَّبِيُّ ﷺ ذا الْيَدَيْنِ فَقَالَ: أَنَسِيتَ أَمْ قَصُرَتْ؟ فَقَالَ: لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ، قَالَ: بَلَى قَدْ نَسِيتَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ.

۱۲۳۰. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْأَسَدِيِّ حَلِيفِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ وَسَجَدَهُمَا النَّاسُ مَعَهُ مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ. تَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ فِي التَّكْبِيرِ.

ترجمہ: باب، سجدۂ سہو میں تکبیر کہے۔

(پہلی روایت کا ترجمہ باب تشبیک الأصابع فی المسجد میں گزر چکا)۔

(دوسری روایت کا ترجمہ باب من لم یر التشهد الأول واجبا میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جب آدمی سجدۂ سہو کرے تو تکبیر کہتا ہوا سجدۂ سہو کرے۔ حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے ہوئے بھی تکبیر کہی جائے اور اٹھتے ہوئے بھی، لیکن اس کیلئے تکبیر تحریمہ نہیں ہے یہ امام ابو حنیفہ، شافعی اور احمد کا مسلک ہے، امام مالک سے منقول ہے کہ تکبیر تحریمہ بھی کہی جائے اسلئے کہ ابوداؤد شریف میں تکبیر تحریمہ کا تذکرہ وارد ہوا ہے، لیکن امام ابوداؤد نے اس کے شذوذ کی طرف اشارہ کیا ہے حماد بن زید تکبیر تحریمہ نقل کرنے میں منفرد ہیں، عام طور سے رواۃ اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور کے مسلک کی تائید فرمائی ہے۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: یہ حدیثِ ذوالیدین ہے ابوہریرہؓ اس کے ناقل ہیں ابواب مساجد میں باب تشبیک الأصابع میں گزر چکی ہے اور وہاں پر بقدر کفایت بضرورت کلام کیا جا چکا ہے۔

سَرَعَانُ: سَرَعان بفتح الراء سریع کی جمع ہے، وقیل سَرْعان بسکون الراء وقیل سُرْعان بضم

السین وسکون الراء۔

فَقَالُوا أَقَصُرَتْ الصَّلَاةُ: کلام فی الصلوۃ کے باب میں کئی روایتیں منقول ہیں، ایک ابوہریرہؓ کی، دوسری عمرانؓ کی، تیسری معاویہ بن خدیجؓ کی، ابوہریرہؓ کی روایت تو متفق علیہ ہے، عمرانؓ کی روایت مسلم میں ہے، اور معاویہ بن خدیجؓ کی روایت ابوداؤد شریف میں ہے، معاویہؓ کی روایت میں جو قصہ مذکور ہے وہ تو مغرب کی نماز کا قصہ ہے اور اس میں خبر دینے والے طلحہ بن عبید اللہؓ ہیں۔

لیکن ابوہریرہؓ اور عمرانؓ کی روایت میں جو قصہ مذکور ہے آیا وہ ایک ہی ہے اور مخبر کون ہیں یا دو الگ الگ واقعات ہیں اس میں اختلاف ہے، ابن خزیمہ، ابن حبان، صلاح الدین علائی اور امام نووی وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعات الگ الگ ہیں، علامہ زرقانی مالکی اور علامہ شوکانی مالکی نے بھی یہی اختیار کیا ہے، اور ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کا رجحان بھی اسی بات کی طرف ہے، اس کے بعد پھر علامہ ابن حبان نے ایک قدم آگے بڑھایا وہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی دو واقعے ہیں ایک کا تعلق صلوۃ ظہر سے ہے اور ایک کا تعلق صلوۃ عصر سے ہے، امام نووی نے کتاب الخلاصہ میں یہ قول محققین کی طرف منسوب کیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ابن حبان کا یہ طرز ضعفاءِ ظاہریہ کا مسلک ہے جہاں کہیں روایات میں اختلاف نظر آیا فوراً اس کو تعدد پر محمول کر لیا، اور ابوہریرہؓ اور عمرانؓ کے قصہ کو بھی دو شمار کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، ابھی جو ہم نے بابِ تشبیک والی روایت ذکر کی اور جس کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران بن حصینؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتیں ایک ہی قصہ سے متعلق ہیں، حافظ ابن حجر کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے بلکہ وہ اسی طرف مائل ہیں۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ ایک واقعہ ہے ذوالیدین کا اور دوسرا واقعہ ہے ذوشمالین کا، آیا یہ دو واقعے ہیں یا ایک ہی واقعہ ہے؟ یہ ایک مستقل بات ہے، قاضی عیاض وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات الگ الگ ہیں، حنفیہ کی رائے ہے کہ ذوالیدین اور ذوشمالین ایک ہی ہیں لہٰذا واقعہ ایک ہی ہے، جو حضرات تعدد کے قائل ہیں وہ مختلف وجوہ سے استدلال کرتے ہیں جس کی طرف اشارہ باب التشبیک میں بھی ہو چکا ہے اور کلام فی الصلوۃ کے مسئلہ میں بھی قریباً گزر چکا ہے، اور جو حضرات وحدت کے قائل ہیں وہ بھی متعدد وجوہ سے استدلال کرتے ہیں، ان میں بڑی دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ امام ابن شہاب زہری ذوالشمالین کی جگہ ذوالیدین ذکر کرتے ہیں اور حافظ

ابن عبد البر اور ابو القاسم سہیلی وغیرہ کا اس کو وہم قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے، اسلئے کہ ابن شہاب اس کے نقل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ ان کی متابعت کی ہے عمران بن ابی انس نے، اسی طرح سے ابن عباسؓ کی روایت میں بھی وارد ہوا ہے کہ حضور سے بات کرنے والے ذوالشمالین ہیں، ایک اور قرینہ یہ ہے کہ ابو محمد خزاعی سے عدنی نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے ذو الیدین أحد أجدادنا وھو ذو الشمالین، اور مبرد نے الکامل میں ادواء کے بیان میں ذوالیدین اور ذوشمالین کو ایک شمار کیا ہے، امام ابو القاسم سہیلی کا الروض الانف میں اس پر نکیر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

(ص ۱۶۴) بَاب إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ

۱۲۳۱. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ الْأَذَانَ فَإِذَا قُضِيَ الْأَذَانُ أَقْبَلَ فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا وَكَذَا، مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِي كَمْ صَلَّى، فَإِذَا لَمْ يَدْرِ أَحَدُكُمْ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ: باب، جب یہ یاد نہ رہے کہ کتنی رکعت پڑھیں؟ تین یا چار؟ تو بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لے۔

(روایت کا ترجمہ باب فضل التأذین میں گزر چکا)۔

تشریح: اگر آدمی کو نماز میں شک پیش آجائے اور یہ پتہ نہ چلے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو کیا کرے؟ سلف کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صرف دو سجدے کر لے کافی ہے، حسن بصری، شعبی وغیرہ سے یہی منقول ہے، اگر بار بار یہ صورت پیش آئے تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک بار سجدہ کر لینا کافی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ تین مرتبہ سجدہ کر لے اور اس کے بعد شک ہو تو سجدہ نہ کرے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر یہ صورت پیش آئے تو بناء علی الاقل کرے گا الا یہ کہ آدمی مستنکح ہو، مستنکح وہ

شخص کہلاتا ہے جس پر شک غالب ہو گیا ہو گویا کہ شک وشبہ نے اس سے نکاح کر لیا ہے ایسا شخص بناء علی الظن الغالب کرے گا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ بناء علی الاقل کرے گا۔

امام احمد بن حنبل کی اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ بناء علی الاقل کرے، دوسری روایت یہ ہے کہ تحری علی الظن الغالب کرے، تیسری روایت یہ ہے کہ امام تحری کرے گا اور منفرد بناء علی الاقل کرے گا یہی روایت علامہ موفق الدین بن قدامہ صاحبِ مغنی نے اختیار فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ یہی امام احمد کی سب سے زیادہ مشہور روایت ہے کذا ذکرہ شیخ الإسلام أحمد بن تیمیة الحنبلی۔

حضرات حنفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شک وشبہ آنے کی تین شکلیں ہیں، پہلی شکل یہ ہے کہ آدمی کو پہلی مرتبہ شک پیش آیا ہو ایسا شخص استیناف کرے گا، دوسری شکل یہ ہے کہ شک پیش آیا لیکن کوئی جانب راجح نہ ہو تو یہ شخص بناء علی الاقل کرے گا، تیسری شکل یہ ہے کہ کوئی ایک جانب راجح ہو تو یہ شخص بناء علی الظن الغالب کرے گا۔

جو حضرات بناء علی الاقل کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں وارد ہے إِذَا شَکَّ أَحَدُکُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ یَدْرِ کَمْ صَلّٰی ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْیَطْرَحِ الشَّکَّ وَلْیَبْنِ عَلٰی مَا اسْتَیْقَنَ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ أَنْ یُسَلِّمَ، رواہ مسلم، اسی مضمون کی روایت عبد الرحمن بن عوفؓ سے ترمذی ونسائی میں وارد ہوئی جس میں بناء علی الظن الغالب کا ذکر ہے جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے إِذَا شَکَّ أَحَدُکُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْیَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْیُتِمَّ عَلَیْهِ ثُمَّ لِیُسَلِّمْ ثُمَّ لِیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ، اس کے متعلق یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہاں پر تحری سے مراد بناء علی الاقل ہے اور مالکیہ اس کو مستنکح پر محمول فرماتے ہیں۔

اور ابو ہریرۃؓ کی جو روایت اس باب میں وارد ہوئی ہے اس میں مطلقًا یہ وارد ہوا ہے فَإِذَا لَمْ یَدْرِ أَحَدُکُمْ کَمْ صَلّٰی ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ اس کا کیا محمل ہوگا؟ اسلئے کہ اس روایت میں تو صرف سجود سہو کا ذکر ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بناء علی الاقل والی روایتیں اس پر ترجیح پائیں گی اسلئے کہ وہ دو روایتیں ہیں اور یہ ایک روایت ہے، لیکن بعضوں نے اس کا عکس کر دیا وہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرۃؓ کی روایت متفق علیہ ہے لہٰذا وہ ترجیح پائے گی، اور ابو سعید خدریؓ کی روایت میں وصلًا وارسالًا اختلاف ہے، اسی طرح سے عبد الرحمن بن عوفؓ کی روایت میں وصلًا وارسالًا اختلاف ہے کذا ذکرہ الدار قطنی فی العلل۔

اور بعض حضرات نے جمع کیا، چنانچہ مالکیہ فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کی روایت مستنکح پر محمول ہے جس پر ظن غالب ہو گیا وہ بس دو سجدے کریگا کافی ہے، اور ابوسعید خدریؓ کی روایت ایک عام قانون ہے غیر مستنکح کے بارے میں، مستنکح شخص ابوہریرہؓ کی روایت پر اور غیر مستنکح شخص ابوسعید خدریؓ کی روایت پر عمل کرے گا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس کا ایک قانون بتلایا پہلے تو ابوہریرہؓ کی روایت میں آپ نے یہ قانون بتلایا کہ اگر شک پیش آئے تو وہ سجدہ کرے گا، باقی یہ وہ کیسے کرے گا ابوسعید خدریؓ کی روایت میں اس کی شکل بتلادی کہ بناء علی الاقل کرے گا تو بناء علی الاقل کرے گا الگ اور بعد میں دو سجدے کرے گا الگ، تو یہ دو چیزیں ہیں لہٰذا دونوں میں تعارض نہیں ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ روایات تین طرح کی ہیں، ایک وہ روایات ہیں جس میں استیناف کا ذکر وارد ہوا ہے جیسے عبادہ بن صامتؓ کی اور حضرت میمونہ بنت سعدؓ کی روایت ہے دونوں طبرانی کی روایتیں ہیں اگرچہ ان کی اسانید میں کلام ہے لیکن بہر حال تعدد کی وجہ سے وہ قابل اعتماد ہو سکتی ہیں، اور دوسری روایات بناء علی الاقل کی ہیں اور تیسری روایات تحری کی ہیں، بناء علی الاقل والی روایات میں شک کی تصریح ہے لہٰذا اس کو تو شک پر محمول کیا جائے جس کے دونوں طرف برابر ہوں، اور تحری والی روایات میں چونکہ تحری اور اقرب الی الصواب تلاش کرنے کا ذکر ہے لہٰذا جہاں محمل یہ ہو کہ ایک جانب راجح ہو اور دوسرا مرجوح تو راجح پر عمل کیا جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ابن مسعودؓ کی روایت کو بناء علی الاقل پر محمول کرنے پر اشکال فرمایا ہے، اول تو یہ کہ ابن مسعودؓ اس کے راوی ہیں اور وہ تحری کے قائل ہیں، دوسرے یہ کہ روایت میں ہے فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ اگر بناء علی الاقل ہی مراد ہے تو فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ تیسری وجہ یہ ہے کہ علماء کوفہ نے ان سے یہ مسلک لیا ہے یعنی ابن مسعودؓ سے اور ان کا مسلک بھی بناء علی الاقل کا نہیں بلکہ تحری کا ہے۔

بخاری کی کیا رائے ہے؟ حضرت امام بخاری کے طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو یہ سہو ہو جائے کہ تین رکعات پڑھی یا چار رکعات تو اس کو دو سجدے کافی ہیں جیسا کہ حسن بصری وغیرہ فرماتے ہیں، لیکن امام بخاری نے تاریخ کبیر میں بناء علی الاقل کا قول اختیار کیا ہے اسی لئے میں کبھی کبھی کہتا ہوں کہ تنہا بخاری شریف کو سامنے رکھ کر امام بخاری کا رجحان متعین نہیں کیا جاسکتا ہے اگر ان کی دوسری تالیفات سامنے ہوں تب ان کا رجحان معلوم کیا جاسکتا ہے۔

(ص ۱٦۴) بَاب السَّهْوِ فِي الْفَرْضِ وَالتَّطَوُّعِ

وسجد ابن عباس سجدتين بعد وتره.

۱۲۳۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.

ترجمہ: باب، سجدۂ سہو فرض اور نفل نماز دونوں میں ہے، ابن عباسؓ نے اپنے وتر کے بعد دو سجدے کئے۔

(روایت کا ترجمہ باب فضل التأذین میں گزر چکا)۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلۂ اختلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا سجود سہو فریضہ کے ساتھ خاص ہے یا فریضہ اور تطوع دونوں میں کیا جائے گا؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کوئی تفریق نہیں ہے، جیسے سجدۂ سہو فرض میں کیا جاتا ہے ایسے ہی تطوعات میں بھی کیا جائے گا، لیکن محمد بن سیرین اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فرض کے ساتھ خاص ہے یہی عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا گیا ہے اور یہی امام شافعی کا ایک قول ضعیف ہے۔

حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور علماء کے ساتھ ہیں اور اسی لئے ابن عباسؓ کا عمل نقل کیا ہے کہ انہوں نے وتر کے بعد سجدۂ سہو فرمایا ہے اور روایت الباب سے مصنف نے اپنا ترجمہ لفظ کے اطلاق سے اخذ فرمایا ہے اس کے الفاظ ہیں إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي یہ اپنے عموم کی وجہ سے ہر نماز کو شامل ہے۔

(ص ۱٦۴) بَاب إِذَا كُلِّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَاسْتَمَعَ

۱۲۳۳. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَزْهَرَ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَالُوا: اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيعًا وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَقُلْ لَهَا: إِنَّا أُخْبِرْنَا أَنَّكِ تُصَلِّيهِمَا وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْهُمَا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَكُنْتُ أَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ

بْنِ الْخَطَّابِ عنها، فَقَالَ كُرَيْبٌ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُونِي فَقَالَتْ: سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ، فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ بِقَوْلِهَا فَرَدُّونِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِمِثْلِ مَا أَرْسَلُونِي بِهِ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهَى عَنْهَا ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيهِمَا حِينَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ وَعِنْدِي نِسْوَةٌ مِنْ بَنِي حَرَامٍ مِنَ الأَنْصَارِ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ: قُومِي بِجَنْبِهِ قُولِي لَهُ: تَقُولُ لَكَ أُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُولَ اللهِ سَمِعْتُكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيهِمَا، فَإِنْ أَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخِرِي عَنْهُ، فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخَرَتْ عَنْهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: يَا ابْنَتَ أَبِي أُمَيَّةَ سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ.

ترجمہ: باب، جب کوئی نمازی سے بات کرے اور وہ سن کر ہاتھ سے اشارہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

حضرت کریب کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ، مسور بن مخرمہ اور عبد الرحمن بن ازہر نے ان کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کو ہم سب کی طرف سے سلام کہو اور ان سے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں معلوم کرو اور کہو کہ ہمیں خبر ہوئی ہے کہ آپ یہ دو رکعت پڑھتی ہیں حالانکہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مل کر لوگوں کو اس سے روکتا تھا، کریب نے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور ان لوگوں کا پیغام پہنچایا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ام سلمہؓ سے معلوم کرو، میں وہاں سے نکلا اور ان کو حضرت عائشہؓ کی بات سنائی، اب انہوں نے مجھے ام سلمہؓ کے پاس وہی بات لیکر بھیجا جو بات لیکر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تھا، ام سلمہؓ نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو اس نماز سے منع کرتے ہوئے سنا، پھر میں نے ایک مرتبہ آپ کو عصر کے بعد ان رکعتوں کو پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کے بعد حضور ﷺ میرے یہاں آئے، میرے پاس انصار میں سے بنو حرام کی کچھ خواتین تھیں، میں نے آپ کے پاس ایک بچی کو بھیجا اور اس سے کہا کہ آپ کے پاس جاکر کھڑی ہو جا اور یوں کہہ کہ ام سلمہؓ یہ کہتی ہے کہ اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو دو رکعتوں سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے اور اب میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ ان کو پڑھ رہے ہیں؟ تو اگر یہ سن کر آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمادیں تو پیچھے ہٹ جانا، اس بچی نے ایسا ہی کیا، آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور یہ پیچھے ہٹ گئی، جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا اے ابو امیہ کی بیٹی! تو نے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں معلوم کیا؟ بات یہ ہے کہ عبد القیس کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے ان کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ گئی تھیں وہ یہ ہیں۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک اور مسئلہ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا شخص اس سے بات چیت کرنے لگے اور وہ کسی بات کو سن کر ہاتھ سے اشارہ کردے تو ایسا کرنا جائز ہے، تمام مذاہب کے فقہاء کے نزدیک یہ صورت حال جائز ہے، شمس الائمہ حلوائی اور صاحب بحر المحیط نے اس کے جواز کی تصریح فرمائی ہے اور دلیل ان کی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک باندی کو بھیجا تھا کہ جاؤ! صلوۃ بعد العصر کے متعلق پوچھ کے آؤ وہ گئی حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے بات کی آپ نے دست مبارک سے اشارہ کر دیا پھر جب سلام پھیرا تو اس کے بعد مسئلہ معلوم کیا گیا۔

(ص ١٦٥) بَابُ الْإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ

قاله كريب عن أم سلمة عن النبي ﷺ.

١٢٣٤. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَلَغَهُ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي أُنَاسٍ مَعَهُ فَحُبِسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ بِلَالٌ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ حُبِسَ وَقَدْ حَانَتِ الصَّلَاةُ فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ إِنْ شِئْتَ، فَأَقَامَ بِلَالٌ وَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَكَبَّرَ لِلنَّاسِ وَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيقِ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللهَ وَرَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ فَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ أَخَذْتُمْ فِي التَّصْفِيقِ إِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ اللهِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ حِينَ يَقُولُ سُبْحَانَ اللهِ إِلَّا الْتَفَتَ، يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ لِلنَّاسِ حِينَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

١٢٣٥. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي قَائِمَةً وَالنَّاسُ قِيَامٌ فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ.

١٢٣٦. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ جَالِسًا وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا.

ترجمہ: باب، نماز میں اشارہ کرنے کا بیان، یہ کریب نے ام سلمہؓ کے واسطے سے پیغمبر ﷺ سے بیان کی ہے۔

(تمام روایات کا ترجمہ گزر چکا)۔

تشریح: حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ نماز میں اشارہ کرنا جائز ہے، سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ ما قبل کے باب سے معلوم ہو چکا پھر حضرت امام بخاری نے اس کو مکرر کیوں ذکر فرمایا؟

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ ترجمۂ گزشتہ سے امام بخاری کا اصل مقصود یہ بتلانا ہے کہ اگر مصلی سے کلام کیا جائے اور وہ کلام سن لے تو کوئی حرج نہیں، اور یہاں امام بخاری کا اصل مقصود اشارہ کا جواز بیان کرنا ہے۔

علامہ ابن رشید فرماتے ہیں کہ اشارہ دو قسم پر ہوتا ہے، کبھی اشارہ کسی چیز پر مبنی ہوا کرتا ہے اور کبھی اشارہ از خود کیا جاتا ہے، امام بخاری نے باب گزشتہ سے یہ بتلایا ہے کہ اگر مصلی سے کلام کیا جائے اور مصلی اشارہ کردے تو جائز ہے، اور یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر اپنے طور پر مصلی کسی کی طرف اشارہ کرے تو یہ جائز ہے، گویا یہ ترجمہ عام ہے اور اس میں اشارہ عام ہے اور ترجمۂ گزشتہ میں جو اشارہ ذکر کیا گیا ہے وہ اخص ہے، ترجمۂ گزشتہ کا اشارہ تو مبنی ہے کلام پر اور اس ترجمہ کا اشارہ مطلق ہے۔

مسئلہ سنئے! نماز میں اشارہ وسماع بعض ظاہریہ کے نزدیک مفسد ہے، امام طحاوی نے بھی بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے، ان حضرات کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے اور جمہور ان مذکورہ روایات کی بناء پر فرماتے ہیں کہ نماز میں اشارہ وسماع مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: امام بخاری نے اپنا ترجمہ فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيقِ سے اخذ کیا ہے اس لئے کہ تالی بجاتے وقت ہاتھ کا جو اشارہ ہوتا ہے یہ اور اس میں جو حرکت ہوتی ہے وہ اشارہ کے وقت کی حرکت کے مشابہ ہے، اور آگے حدیث میں جو وارد ہوا ہے فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ اس سے حافظ فرماتے ہیں کہ مصنف نے اپنا ترجمہ اخذ نہیں کیا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے پہلے یہ اشارہ کیا تھا، اور ممکن ہے فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ يَدَيْهِ سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہو اسلئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہاتھ یوں اٹھایا تو اس سے ہاتھ میں حرکت ہوئی اور یہ حرکت مشابہ ہے اس حرکت کے جو اشارہ کے وقت ہوتی ہے اور اس پر حضور ﷺ نے تقریر فرمائی لہذا یہ حضور ہی سے ثابت ہوا۔

فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے۔

فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ اجْلِسُوا: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے۔

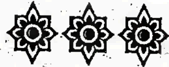
براعت اختتام: حافظ فرماتے ہیں کہ مصنف نے براعت اختتام کی طرف اسی لفظ سے اشارہ کیا ہے، اور ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ وَهُوَ شَاكٍ سے اشارہ فرمایا ہے اسلئے کہ مرض مذکرِ موت ہے موت کو یاد دلاتا ہے، اور حضرت فرماتے ہیں کہ ممکن ہے فِي بَيْتِهِ سے اشارہ کیا ہو اس واسطے کہ قبر پر بھی بیت کا اطلاق ہوتا ہے ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کیف بک إذا کان البیت بالوصیف تیرا کیا حال ہوگا جب قبر ایک غلام کے بدلے میں فروخت کی جائے گی۔

کتاب السھو پورا ہوا

الحمد للہ الفیض الجاری کی جلد پنجم پوری ہوئی،

اور جلد ششم کتاب الجنائز سے شروع ہوگی ان شاء اللہ تعالی

والحمد للہ أوّلًا وآخرًا





عوامل النحو
مع ترکیب اردو
علم النحو
آسان اصول فقہ
آسان اصول فقہ
الطریقۃ العصریۃ
فی
تعلیم اللغۃ العربیۃ
شرح مائۃ عامل